داستانِ راعیاں
برّصغیر کی قوموں کی ثقافت و معاشرت کا تاریخی جائزہ
محمّد شریف صوبیدار میجر (ریٹائرڈ) تمغۂ خدمت

داستانِ راعیاں

راعیوں کی کہانی
دستاویزات کی زبانی

مصنف:
محمد شریف
صوبیدار میجر ریٹائرڈ
تمغۂ خدمتِ پاکستان

COPY RIGHT

If you are unable to obtain this **Historic Book** from your local area or city, you may be ordered directly from the publisher.

T. J. Noorani
166, Lancelot Rd,
Middlesex, HAO 2BD, London,
U.K.

All cheques should be made payable to **T. J. NOORANI**

"DESTINY OF THE TRIBE RAEEN"

The destiny of the RAEEN is to wait and watch for the crisis for Islam and the beloved homeland that may never come and if at all it comes it is his duty and his function to solve it by dialogue or by sword or by both and if both fail, by life.

یورپی ایڈیشن

نام کتاب : ——— داستانِ راعیاں

طباعت : ——— بار دوئم ۱۹۹۹ء

طابع وناشر ——— طاہر جمیل نورانی

مطبع : ——— طیب اقبال پرنٹرز لاہور

قیمت : ——— 6 پونڈ (پونڈ) برطانیہ
12 ڈالر (ڈالر) امریکہ
36 درہم (عرب امارات)

فہرست

صفحہ نمبر	موضوعات	نمبر شمار
126	باب پنجم۔ خاندان سامہ کی شاخ "ب" "شیخ سامہ"	39
127	تفصیلات	40
131	روہیل کھنڈ کا قدیم نام کٹہراہ ہے	41
133	کٹہراہ میں روہیلوں کی آمد	42
136	روہیل کھنڈ سے شیخوں کی اندرون ہند نقل مکانی	43
138	خواب حقیقت میں بدل گئے	44
140	صلہ خدمت	45
141	شیخ قدوات الدین کی وفات اور خاندان قدوائی کی ابتدا	46
141	نیا دور	47
142	مغلیہ دور میں سامہ شیخوں کا کردار اور عروج	48
144	بیرام خاں اور بادشاہ میں ناچاقی اور شیخوں کی مصالحتی کوششیں	49
147	بیرام خاں کے بعد	50
155	شہنشاہ اورنگ زیب	51
157	فہرست منصبداراں خاندان سامہ۔ عہد عالمگیری میں	52
158	اورنگ زیب کا انتقال اور حصول اقتدار کے لئے خانہ جنگی	53
159	جنگ آزادی کے بعد لودھ میں تقسیم ہند تک سامہ شیخوں کے حالات	54
161	اودھ میں سامہ شیخ بیسویں صدی عیسوی میں	55
164	انجمن راعیان ہند کا قیام	56
171	باب ششم۔ سامہ شیخ قدوات الدین قاضی کی اندرون ہند منتقلی بعد روہیل کھنڈ میں بچے ہوئے ساماؤں کے حالات	57
175	باب ہفتم۔ خاندان سامہ کی شاخ "ج" رائیں	58

نمبر شمار	موضوعات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	موضوعات	صفحہ نمبر
	تیسری کوشش اور کامیابی	374
119	پنجاب نئے دور میں	376
120	عمر نے وفا نہ کی	377
121	سکھ درندوں نے اس محب وطن اور فخر پنجاب کی کوئی نشانی باقی نہ چھوڑی	378
122	نواب آدینہ بیگ راعین کے مختصر حالات زندگی	379
123	پنجاب میں راعین عملداریاں	381
124	میاں عاشق محمد اور مہر شادی کی عملداریاں	389
125	مہاراجہ رنجیت سنگھ فیملی پر راعین برادری کے احسانات	392
126	ہمارے تاریخ نویس حضرات غلط فہمی کا شکار ہیں	407
127	مزید وضاحت	408
128	ایک محقق اور اینتھروپالوجسٹ کا تحقیقاتی نوٹ	409
129	لفظ "راعین" کی تشریح اور صحیح تلفظ	412
130	باب نہم۔ خاندان کلہوڑہ اور اس کا ساماؤں سے اتفاقیہ ملاپ	413
131	روایات و مفروضات اور خاندان کلہوڑہ کی ابتدا	413
132	ارغونوں کے بعد وادی سندھ پر ایک اجمالی نگاہ	414
133	خاندان کلہوڑہ کا جنم اور ساماؤں کا اہم کردار	416
134	باب دہم۔ فلسفہ نقل مکانی اور برصغیر ہندوپاک میں اس کی کرشمہ سازیاں	427
135	قدیم ملک سندھ	429
136	سندھ میں اسلام کی آمد اور نقل مکانیوں کے تہذیب و تمدن پر اثرات	431

پیش لفظ

اس کتاب کے لکھنے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ برصغیر میں عربی قبیلہ بنو سلمہ کی پھیلی ہوئی تینوں شاخوں ابراہیم سلمہ - شیخ سلمہ اور رائیں سلمہ کی نشاندہی کر کے نئی نسل کو اس قبیلہ کے صحیح حسب نسب - درخشندہ ماضی - دینی اور دنیاوی خدمات سے متعارف کرایا جائے تاکہ وہ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے باوقار زندگی گزارنے کے لئے اس میں دیئے گئے حقائق کی روشنی میں آئندہ کے لئے لائحہ عمل تیار کرے۔

اس میں شک نہیں کہ اس موضوع پر اس سے پیشتر کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور شاید مزید لکھی جائیں لیکن ہر لکھنے والے کا اپنا ایک اسلوب ہوتا ہے۔ ماضی میں ہمارے مصنفین و مؤلفین نے اوپر دیئے گئے مقصد کی تکمیل میں اگرچہ خاصی محنت کی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ برصغیر میں اصلی مواد کی عدم دستیابی کی وجہ سے مجبوراً مفروضات کا سہارا لیتے ہوئے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی گئی جس سے مزید الجھنیں پیدا ہوئیں اور عوام تذبذب کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ اس خطرناک صورت حال سے نمٹنے کے لئے بندہ نے لندن کی مشہور عالم لائبریریوں میں لگاتار پانچ سال تحقیق و

تجسس کے بعد اس نسخہ کو ترتیب دیا ہے۔ میری یہ محنت کہاں تک کامیابی سے ہمکنار ہو گی اس کا فیصلہ اہل علم اور تاریخ سے شغف رکھنے والے معززین ہی کر سکتے ہیں۔

زیر نظر کتاب "داستان راعیاں" میں دیئے گئے جملہ واقعات قدیم مستند تاریخی ریکارڈ سے اخذ کئے گئے ہیں اور اس کے ثبوت میں ہر تصنیف و تالیف بمعہ نام مصنف و مؤلف اور صفحہ نمبر واضح طور پر درج کئے گئے ہیں تاکہ کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

اس میں بے ساختہ عنوانات کے تحت دیئے گئے مضامین معلومات عامہ میں اضافہ کے ساتھ ساتھ قدرتی انداز میں سوچ کے نئے پہلو سامنے لاتے ہیں کتاب آسان اور عام فہم قومی زبان میں لکھی گئی ہے اور قارئین کی سہولت کے لئے اصطلاحات اردو زبان کے ساتھ ساتھ حسب ضرورت انگریزی میں بھی تحریر کی گئی ہیں۔ برادری راعیان کی تاریخ میں میرے خیال کے مطابق یہ تصنیف حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے تاہم اس میں اگر کوئی خامی، سقم یا مفروضہ نظر آئے تو براہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان کوتاہیوں کا ازالہ کیا جا سکے اور اگر اسے اطمینان بخش سمجھا جائے تو اس کی مناسب تشہیر کر کے حوصلہ افزائی فرمائی جائے جس سے مجھے اندازہ ہو سکے کہ میری پانچ سالہ کاوش رائیگاں نہیں گئی۔

مصنف

لندن 20 مارچ 1986ء

باب اول

تمہید

برصغیر پاک و ہند میں کثیر التعداد راعیں برادری کا مستقل مزاج ۔ متوازن طبیعت ۔ مثبت سوچ اور اللہ کے دین سے والہانہ عشق کے جلی نمونے ہمسایہ قبائل اور برادریوں کے تہذیبی اور معاشرتی تمدن اور رسم و رواج سے بنیادی طور پر مختلف ہونے کے باعث اس برادری کو قدرتی طور پر اپنی تاریخ سے گہری دلچسپی ہے۔ یہ اپنے حسب نسب کی نشاندہی کے لئے ہر دم بے قرار اور کوشاں رہی ہے اور نوبت اب یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ پڑھی لکھی نئی پود میں یہ کوشش تو ایک خبط و جنون کی سی شکل اختیار کر چکی ہے حالانکہ موجودہ مہذب اور روشن خیال مشینی دور نے انسانی طرز زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ زمنی فاصلے سکڑتے جا رہے ہیں اور انساب کے جھنجھٹوں میں پڑنے کی بجائے اب جغرافیائی حدود کے تحت قومی شناخت کرائی جا رہی ہے اور عام طور پر حسب نسب کا کھوج لگانے کی کوشش و جستجو کو عبث اور وقت کا ضیاع محض سمجھا جانے لگا ہے مگر اس برصغیر میں صدیوں سے رائج ذات پات کے گورکھ دھندے کو کیا کیجئے گا جس نے یہاں بسنے والے ہر فرد کے ذہن میں احساس برتری اور کمتری کا بیج بو رکھا ہے اور وہ شعوری یا لاشعوری طور پر ایک مسلسل ذہنی الجھن سے

دوچار ہے۔

ذات پات کے بندھن میں جکڑی ہوئی انسانیت کے اندر خانوادوں' رشتہ داریوں بھاری منقولہ اور غیر منقولہ املاک و جائیداو اور حیوانی طاقت کے مرکب سے ایک ایسے جاہل طبقہ نے جنم لیا جو جھوٹے غرور اور بغض و حسد کا شکار ہو کر اپنے سے دوسروں کو حقیر اور کمتر سمجھنے لگا چنانچہ ایسے ہی گھٹیا سوچ کے جاہلی ماحول سے عربی النسل راعین برادری کو بھی واسطہ پڑا لہٰذا اپنے عالی نسب کی تحقیق و تلاش اسی زہریلے ماحول کے اثرات کو زائل کرنے اور جاہلانہ رویہ کا رد عمل ہے۔ مگر یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اس تجسس سے راعین برادری اور اس کے آبائی قدیمی طبقوں کی بنیادی حیثیت کو بے جا طور پر بڑھا چڑھا یا توڑ مروڑ کر پیش کر کے ماحول کو مرعوب کرنا ہرگز مقصود نہیں۔

ابھی تک اس بارے میں متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور کئی نظریات سامنے آئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ تشنگی ہنوز باقی ہے اور یہ اہم مسئلہ ابھی تک پوشیدہ اور ژولیدہ اپنی جگہ پر قائم ہے۔ ہر فاضل تاریخ نویس راعیوں کے جد امجد کو ہجوں اور تلفظ کے اشتراک مماثلت اور مشابہت سے گھڑے ہوئے ناموں اریحہ سے اریحائی' قلعہ رعیان سے راعیان آراکھ سے آرائیں۔ ایران سے ایرانی اور الراعی سے الراعین وغیرہ کی مناسبت سے براہ راست تاریخ اسلام کے اوراق میں ڈھونڈتا ہے۔ یہی کج روی اور غلط فہمی راعین برادری کی تاریخ لکھنے اور اس کے حسب نسب کا کھوج لگانے میں رکاوٹ کا باعث بنی ہوئی ہے مصنفین نے صحیح اور قابل قبول تاریخی مواد نہ پا کر مجبوراً" بغیر مزید تحقیق و تجسس کئے مفروضات کا سہارا لے کر اس اہم مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے جس سے حقیقت کے متلاشی تاریخ بین اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے برادری کے لاکھوں افراد مطمئن نہ ہو سکے اور وہ اب تک ایک خلش سی محسوس کر رہے ہیں راعیوں کا عربی النسل ہونا کسی گہری تحقیق کا محتاج نہیں تاریخ شاہد ہے کہ برصغیر میں یہ برادری اجنبی ہے مسئلہ تو یہ ہے کہ اگر واقعی یہ قبیلہ اجنبی ہے تو

اس کا جدامجد یا مورث اعلیٰ کون تھا اس کا کیا نام تھا۔ کہاں سے آیا۔ کیسے آیا اور آنے کے بعد اس کا کیا کردار رہا۔ کیا وہ محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ میں وارد ہوا یا اس سے قبل یا بعد میں اور اگر وہ کوئی تھا تو اہل اسلام کے کون سے عربی گروہ میں نظروں سے اوجھل کسی کونے میں دبک کر بیٹھا رہا اور پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ یہ قبیلہ سوائے سندھ اور پنجاب کے برصغیر کے کسی دوسرے علاقہ میں بنیادی طور پر کثیر تعداد میں نہیں پایا جاتا چنانچہ میری تحقیق و جستجو اس عقدہ کو حل کرنے کے سلسلہ میں ہے اور جب تک برادری کو اصل مواد مہیا کر کے اس کی تشفی نہیں کر دی جاتی یہ کوشش جاری رہے گی میرے خیال میں میری یہ جستجو جہاد کا درجہ رکھتی ہے جس کا فیصلہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد قارئین کے ہاتھ میں ہو گا۔

کچھ کتاب کے متعلق

یہ ہیں وہ مختلف سوالات جو راعین برادری کے اذہان میں عرصہ سے گردش کر رہے ہیں چنانچہ انہیں سوالات کو تاریخ کی روشنی میں دستاویزات کی بنا پر "داستان راعیاں" میں حل کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ داستان راعیاں کی تخلیق کا ابتدائی تخیل دراصل ایک تنقیدی مضمون سے زیادہ نہ تھا اور یہی سوچا تھا کہ صرف اجمالی طور پر ان خامیوں اور سقموں کی نشاندہی کی جائے جو ہمارے فاضل مصنفین کو تاریخ لکھتے وقت مفروضات کا سہارا لینے پر مجبور کرتے رہے ہیں جس سے یہ برادری الجھنوں کا شکار ہوتی گئی۔ میری خواہش یہ بھی تھی کہ تاریخ نویس حضرات کے لئے اس اجنبی قبیلہ کی نقشہ زیست پر جگہ اور اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی دیگر برادریوں کی صف میں اس کے صحیح مقام کا تعین کرنے میں سہولتیں مہیا کی جائیں مگر بغور جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آئی کہ چونکہ برصغیر اور خاص کر پاکستان کی نوزائیدہ مملکت خداداد میں قدیمی ریکارڈ کا اول تو ملنا ہی محال ہے اور اگر ملتا بھی ہے تو ضرورت سے بہت کم اور وہ بھی لنگڑا لولا۔ لہٰذا محض ایک تنقیدی مضمون قلمبند کر کے بندہ ناچیز اپنے فاضل مصنفین کی کوئی مفید

اور قابل قدر خدمت اس وقت تک سرانجام نہیں دے سکتا جب تک اس تنقیدی نکات کی تردید و تصدیق میں مستند حوالہ جات اپنے اصلی رنگ و روپ میں پیش نہ کئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ پاکستان میں اس نوعیت کے مواد کی دستیابی اور پھر اس کو یک وقت اکٹھا کر کے قارئین کے لئے پیش کرنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ میں اسی ادھیڑ بن میں مصروف تھا کہ اتفاق سے مجھے لندن جانے اور وہاں مستقل طور پر رہائش رکھنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ لندن میں میرے قیام اور بے شمار لائبریریوں میں پرانے ریکارڈز کی ورق گردانی اور چھان پھٹک سے اچھا خاصا مطلوبہ مواد میرے ہاتھ لگ گیا جس نے میری ہمت بندھائی۔ بدیں وجہ میں نے محض ایک مختصر سے تنقیدی مضمون کے ابتدائی تخیل کو ایک مکمل اور جامع مرقع تیار کرنے کے مصمم ارادہ میں بدل دیا "داستان راعیان" کو دنیا کے قدیم ترین اور معتبر نسخوں میں سے جا بجا بکھرے ہوئے متعلقہ مواد کو یک جا کر کے تشکیل دی جا رہی ہے تاکہ چودہ سو سالہ پرانے قبیلہ کی پوری زندگی کھل کر سامنے آ جائے اور کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ ہر نقطہ کی وضاحت مستند حوالہ جات سے کی گئی ہے اور قارئین و مصنفین کی تشفی کے لئے ہر نسخے کا پورا نام بمعہ مصنف اور صفحہ نمبر بطور تصدیق صاف طور پر ظاہر کئے گئے ہیں تاکہ بعد تکمیل کتاب مجھے بھی میرے فاضل مصنفین کی تقلید میں یہ نہ لکھنا پڑے کہ "میری پانچ سالہ تحقیق حرف آخر نہیں ہے"۔

تاریخ اسلام اور تاریخ ہند و سندھ کے بغور مطالعہ سے یہ بات واضح طور پر سامنے آئی ہے کہ گو کفرستان سندھ میں اسلام کا باقاعدہ ورود 91ھ بمطابق 711ء میں عمد الدین محمد بن قاسم بن عقیل ثقفی کی آمد کے ساتھ ہوا مگر اس مہم سے پیشتر 22ھ تا 46ھ کے درمیانی عرصہ میں عراق عجم کی اسلامی فتوحات کے بعد ہندوستان کے جنوبی ساحل مالابار اور عراق عجم کے علاقہ خراسان - کرمان - مکران اور سندھ کے زیریں علاقہ سواندھی میں عربی لوگ بڑی تعداد میں آباد ہو چکے تھے اور ان کی تبلیغی کوششوں سے

مقامی لوگ ذمی (Zimmis) خاصی تعداد میں مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے اور عربوں سے رشتے ناطے استوار کر کے حضرت عمرؓ کی نیچر لائزیشن سکیم (of Non Arabs Naturalisation) کے تحت عربی قومیت اپنا چکے تھے۔ (یاد رہے اس پالیسی پر آخری عباسی خلیفہ متوکل اللہ کی وفات تک باقاعدہ عمل درآمد ہوتا رہا) چنانچہ سندھ میں اسلام کی ابتداء اور ہر دلعزیزی سے عیار برہمن کو اپنا بقا کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ اس نے برھنیت کی سلامتی اور بالا دستی کے لئے اور اسلام کو برصغیر بدر کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا اور مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے اور جب اس طرح بھی اسے کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو پھر یہ بھیڑیا بھگتی تحریک کا لبادہ اوڑھ کر میدان میں کود پڑا اور آج تک فرزندان توحید کے درپے آزار ہے۔ اس نے جنوبی ہند میں اسلام قبول کرنے والوں سے سماجی بائیکاٹ کیا اور سندھ کے زیریں علاقہ سواندھی میں آباد عربی قبیلہ بنو سامہ کو بدھی تحریک کے بعد برھنیت کے لئے سب سے بڑا خطرہ قرار دیا۔

راعیں برادری اسی قبیلہ بنو سامہ کی تین شاخوں میں سے ایک شاخ ہے جن کی تفصیلات اگلے اوراق میں واضح طور پر سامنے آئیں گی۔ اہل اسلام میں یہ واحد برادری ہے جو تقسیم ہند تک برہمن اور اس کی تخلیق کردہ بھگتی تحریک جو آخر کار سکھی پنتھ کے روپ میں ظاہر ہوئی' کے مظالم و بربریت کا سب سے زیادہ نشانہ مشق بنی رہی اور اسے نفسیاتی' معاشرتی اور سیاسی طور پر مفلوج اور شل کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔

زیر قلم "داستان راعیاں" اسی طویل جنگ اور راعیوں کے علاوہ بنو سامہ کی دوسری دو شاخوں ابراہہ' سامہ اور شیخ سامہ کی دینی اور معاشرتی خدمات اور بے شمار قربانیوں کی درخشندہ مثالوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے معزز قارئین کو دعوت فکر و عمل دیتی ہے۔

باب دوئم

آغازِ داستان

بعثتِ محمدیؐ سے پہلے کا سندھ و ہند

چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی بلا اختلاف تاریخ انسانی کا ایک تاریک ترین اور پست ترین دور تھا۔ صدیوں سے انسانیت جس پستی اور نشیب کی طرف جا رہی تھی اس دور میں وہ اس کے آخری نقطہ تک پہنچ چکی تھی۔ انسان خدا فراموش ہو کر مکمل طور پر خود فراموش ہو چکا تھا۔ ہادی برحق خاتم النبیینؐ سے پہلے آنے والے پیغمبروں کی دعوت حق کی آواز عرصہ سے دب چکی تھی۔ رومی اور ایرانی اس وقت مغرب و مشرق کی قیادت کے اجارہ دار بنے ہوئے تھے۔ غرضیکہ اس گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ تھامنے اور اسے سہارا دینے کے لئے کسی درد مند دل کی اشد ضرورت تھی۔ چنانچہ رحمت باری تعالیٰ جوش میں آئی اس نے انسانیت پر نزع کا سا عالم طاری ہوتے دیکھ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی و رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ اس جاں بلب انسانیت کو نئی زندگی بخش کر لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لایا جائے۔

وسط ایشیا کی قومیں (مغل - ترک اور چینی) بگڑے ہوئے بدھ مت اور جاہلانہ

بت پرستی کے درمیان تھیں۔ سندھ اور ہند میں مذہبی۔ اجتماعی اور اخلاقی اقدر معبودوں کی حد سے بڑھی ہوئی تعداد۔ جنسی خواہشات کی بحرانی کیفیت۔ طبقاتی تقسیم اور معاشی امتیازات کے ڈھیروں تلے دبی ہوئی تھیں۔ کوئی شولنگ کا پرستار تھا تو کوئی بدھ مت کا پیرو۔ بعض لوگ سورج کی پوجا کرتے تھے اور بعض وشنو کی۔ ہر شخص آزاد تھا جس دیوی دیوتا کو چاہے اپنی پرستش کے لئے مخصوص کرے اور چاہے تو سب کی پوجا کرے ایرانی تہذیب بدھ مت اور برہمنیت میں مکمل مل چکی تھی۔ جہاں برہمنیت نے بدھ کو اوتار بنا دیا وہاں بدھ مت نے بھی یہی کیا۔ عبادت کے طریقوں میں سحرو اوہام داخل ہو گئے اور ہند و سندھ میں ایک ہزار سال تک باقاعدہ رائج رہنے کے بعد بدھ مت دم توڑ چکا تھا۔ ایرانی تہذیب نے بیٹیوں اور ہمشیرگان سے ازدواجی تعلقات قائم کرنے کو عبادت اور کار ثواب کا درجہ دے رکھا تھا۔ غرضیکہ دیوی' دیوتاؤں کی بھرمار اور مورت پرستی کا دور دورہ تھا اور برہمن اپنی کامیابی پر نازاں تھا۔

ظہور اسلام سے قبل زمانہ قدیم سے ملک عرب اور برصغیر ہند کے مابین تجارتی تعلقات رہے ہیں۔

ظہور اسلام کے بعد عراق عجم' ہند اور سندھ اور عرب ممالک کے مابین تجارتی تعلقات میں اضافہ کے ساتھ ساتھ تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ یہ تبلیغی سلسلہ جنوبی ہند کے ساحل مالا بار کے علاوہ مالدیپ اور لکادیپ کے دور دراز جزائر تک پھیل گیا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ غنی خلیفہ سوم کی شہادت تک عربوں کی خاصی تعداد ساحل مالا بار پر آباد ہو چکی تھی۔ چنانچہ ابتداء میں انہیں مسلمانوں کی کوششوں سے اس علاقہ میں اشاعت اسلام کے لئے راہ ہموار ہو چکی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے ایک ہندو راجہ سرامن پیرومل مشرف بہ اسلام ہوا اور اس کی تقلید میں اس کی رعایا کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت علیؓ خلیفہ چہارم کے زمانہ خلافت تک تبلیغی جماعتیں اور مہمات کسی نہ کسی صورت میں عراق عجم میں داخل ہوتی رہیں مگر نامساعد حالات کی بنا

پر خراسان اور کرمان سے آگے بطرف مکران اور سندھ ان کی پیش قدمی رک گئی۔
حضرت عمرؓ کے زمانہ میں سندھ کے بدھی راجاؤں کی حکومت کرمان کی سرحدوں تک پھیلی ہوئی تھی اور بدیں وجہ سندھیوں کی عراق یا عجم اور بعد ازاں عراق عرب میں آمدورفت شروع ہو چکی تھی چنانچہ عراق عجم کے شاہ یزدگرد نے اپنی فوج میں سندھی جاٹوں کی بھاری تعداد بھرتی کر رکھی تھی اور انہیں جاٹوں میں سے ایک خاص تعداد سس (Sus) کی جنگ کے بعد مسلمان ہو کر حضرت عمرؓ کی جاری کردہ نیچرلائزیشن سکیم کے تحت عربی قومیت اختیار کر کے بصرہ کے گرد و نواح میں سکونت پذیر ہو چکی تھی۔ تجارتی قافلوں اور تبلیغی جماعتوں کی آمدورفت کا سلسلہ کافی عرصہ تک چلتا رہا۔ مکران اور اس سے ملحقہ سندھ کے زیریں علاقہ میں خال خال عربی لوگ اور ان کی ہمراہی میں آنے والے افریقی آباد ہونا شروع ہو گئے۔ مقامی لوگوں اور ان میں سے نو مسلم باشندوں سے عربوں کے مراسم بڑھتے گئے جن سے بلوچستان اور سندھ کے اندرونی حالات جاننے میں خاصی مدد ملی۔ چنانچہ انہیں معلومات کی بنا پر آخر کار مکران اور سندھ میں باقاعدہ اور منظم طور پر جنگی مہمات کا دور شروع ہوا۔ تفصیل جن کی یہ ہے۔

1- حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مغیرہ کی زیر کمان ایک مختصر سی مہم روانہ کی گئی مگر مشن ناکام رہا اور یہ ٹیم واپس لوٹنے کی بجائے مکران میں ہی اقامت پذیر ہو گئی۔

2- حضرت عثمانؓ کے عہد میں زیر کمان عبداللہ بن عامر عابدی اور حاکم بن ہیت ایک مہم براستہ مکران بطرف ملک سندھ روانہ کی گئی مگر ناکام واپس لوٹی۔ حضرت عثمانؓ کو رپورٹ ملی کہ سندھ کے لوگ دغاباز اور وحشی ہیں لہٰذا مہمات کا سلسلہ بند کر دینے میں ہی مصلحت ہے کیونکہ ان لوگوں سے تعاون کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔ نقصان زیادہ اور کامیابی کی امید کم ہے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اپنی زندگی میں اس طرف دوبارہ مہمات روانہ کرنے سے

اجتناب کیا۔

3- حضرت علیؓ خلیفہ چہارم کے زمانہ میں حارث بن مروان کی زیر کمان 40ھ میں ایک مہم روانہ کی گئی مگر یہ بھی ککستان اور کرمان سے آگے نہ بڑھ سکی۔

حضرت علیؓ کے بعد جب خلافت خاندان امیہ کے ہاتھوں میں چلی گئی تو امیر معاویہ (بطون حرب) نے سندھ کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر دی چنانچہ اس نے سب سے پہلے 42ھ میں مہلب بن صفرہ ایزدی کو مکران اور سندھ کی فتح پر مامور کیا۔ اس بہادر جرنیل نے اپنے محدود وسائل اور مٹھی بھر فوج سے کرمان کی سرحد پار کر کے آن واحد میں مکران پر قبضہ کر لیا اور موقعہ پاتے ہی سندھ کے جنوب مغربی زیریں علاقہ آرمل (دوسرا نام آرمان بیلا) اور سواندھی اور کچھ کے درمیانی علاقہ (موجودہ ملیر' لانڈھی' جھیم پیر اور جنگ شاہی) کے علاوہ امرکوٹ اور برہمن کی سرحدوں تک اپنا تسلط جمالیا مگر ناموافق آب و ہوا۔ سامان حرب و ضرب اور افرادی قوت کی بتدریج کمی کے باعث وہ سواندھی سے آگے اندرون سندھ پیش قدمی نہ کر سکا۔ امیر معاویہؓ نے اس مجاہد کی کامرانیوں اور ملی خدمات کے اعتراف میں اسے مفتوحہ علاقوں کا گورنر مقرر کر دیا۔ اس مجاہد نے اپنے پانچ سالہ دور عملداری میں اپنے فرائض منصبی نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے اور مفتوحہ علاقوں کے زمینداران سے باقاعدہ خراج و لگان کی وصولی کر کے خلیفہ کو ہر سال ارسال کرنے کے ساتھ ساتھ اسے سندھ کے اندرونی حالات سے بھی باخبر رکھتا رہا۔ آخر 45ھ میں اس نے سندھ پر چڑھائی کے لئے امیر معاویہؓ کو ایک ٹاسک فورس روانہ کرنے کی تجویز پیش کی جس سے اصولی طور پر اتفاق کرتے ہوئے امیر معاویہؓ نے پہلے اثنا میں عمر بن عبداللہ اور سلیمان حر کی زیر کمان یکے بعد دیگرے دو مہمات روانہ کیں مگر نتیجہ خلاف توقع صفر رہا اور دوبارہ کاروائی کسی دوسری فرصت پر ڈال دی گئی آخر کار امیر معاویہؓ نے ملک شام کے اندرونی حالات سے نمٹنے کے بعد سندھ پر چڑھائی کے امکانات کا دوبارہ جائزہ لیا اور حسب تجویز مہلب عامل

مکران ایک خود کفیل اور آزاد ٹاسک فورس بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اب کے اس نے ایک خاص سکیم کے تحت اپنے پسندیدہ قبائل بنو حرث، بنو عامر، بنو سعد، بنو کلاب اور بنو عبدالدار کی مختلف بطون سے چیدہ چیدہ اور کہنہ مشق چار ہزار مجاہدین کا اپنی زیر نگرانی چناؤ کر کے ایک لشکر تیار کیا اور عبداللہ بن سعد کی زیر کمان بجانب ملک سندھ روانہ کر دیا گیا۔ ان قبائل کی مختلف شاخوں کا اس کتاب میں تفصیلی ذکر کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے لہٰذا اصل مضمون کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہاں صرف راہیں سامہ قبیلہ کے آباؤ اجداد کا کھوج لگانے کے لئے صرف . متعلقہ بطون سے ہی رجوع کیا جائے گا۔

بنو سامہ کی سندھ میں آمد

ان چار ہزار جانبازوں کے لشکر میں بنو عامر کی مشہور بطون بنو سامہ کے لوگوں اور خاص طور پر اس کی علافی شاخ کے خانوادوں کی معقول تعداد شامل تھی۔ یہ لشکر ملک شام کے صدر مقام دمشق سے براستہ کوفہ، مدائن منڈی قدیم پایہ تخت عراق عجم پہنچا جہاں سے حبشی نژاد افریقیوں کی خاصی تعداد کو ہمراہ لے کر عام کرمان ہوا۔ کرمان سے چند علمائے دین اور مبلغین کو ساتھ لیا اور تین دن کی مسافت طے کر کے مکران کے صوبائی ہیڈ کوارٹر کیچ میں پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے۔ چند یوم ستانے اور کیل کانٹا درست کرنے کے بعد یہ لشکر آرمال (Armal) موجودہ لس بیلا کے لئے روانہ ہوا۔ آرمال پہنچنے پر کمانڈر عبداللہ نے وہاں کے باجگزار رانا سے ملاقات کر کے سندھ کے نزدیک ترین مقامات اور ان کو جانے والے مختلف راستوں کی تفصیلات معلوم کیں۔ رانا نے تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ علاقہ سواندھی سے آگے اندرون سندھ برہم آباد (اب چراغ بجھ چکا ہے) نیرون کوٹ (موجودہ حیدر آباد) اور سیوستان تک کا تمام علاقہ لق و دق صحرا اور خشک برساتی ندی نالوں سے اٹا پڑا ہے اور خوراک اور خاص کر گھوڑوں کے لئے چارہ اور پینے کے پانی کی سخت قلت ہے اور وہاں کے لوگ وحشی اور ناقابل اعتماد ہیں جن سے تعاون یا وفاداری کی کوئی امید

رکھی نہیں جا سکتی لہٰذا اندرون سندھ پیش قدمی سے پیشتر ان تمام پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے مناسب بندوبست کرنے کی ضرورت ہو گی۔ کمانڈر عبداللہ نے وہاں سے چند گائیڈز اپنے ہمراہ لئے اور علاقہ سواندھی اور موجودہ ضلع امرکوٹ کی جنوب مغربی سرحد ملحقہ ریاست کچھ پر پہنچ کر حالات کا جب جائزہ لیا تو راناکی بتائی ہوئی تمام باتیں درست ثابت ہوئیں۔ چنانچہ اس نے آرمل واپس پہنچ کر سرداران جیوش کو اکٹھا کیا اور صورت حال بیان کرتے ہوئے ان سے آئندہ اقدامات کے لئے رائے طلب کی۔ کافی غور خوض کے بعد سب نے رائے دی کہ جب تک مزید سامان حرب' مناسب کمک اور خاص کر گھوڑوں کے لئے چارے اور پانی کا مناسب انتظام نہ ہو جائے آگے بڑھنا ہرگز سود مند نہ ہو گا چنانچہ کمانڈر عبداللہ نے لشکر کو مکران واپسی کا حکم دیا اور پیش قدمی کے پروگرام کو حالات سازگار ہونے تک معرض التوا میں ڈال دیا۔ کیچ پہنچ کر کمانڈر عبداللہ بن سعد نے امیر معاویہؓ کو اصل صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے مزید کمک کے لئے درخواست کی۔ امیر معاویہؓ نے حالات و واقعات کی مزید چھان بین کے لئے مہلب بن سفرہ ایزدی عامل مکران کو تحقیقات کے بعد مفصل رپورٹ ارسال کرنے کا حکم دیا۔ مہلب بن سفرہ ایزدی نے تحقیقات مکمل کرنے کے بعد رپورٹ میں ٹاسک فورس کمانڈر عبداللہ بن سعد قبائل کی نسلی عصبیت کشمکش حصول امتیاز اور ہراول دستوں میں شمولیت کے تناسب پر لشکریوں میں اختلاف رائے جیسے امور کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے انہیں پیش قدمی کی راہ میں رکاوٹ کا اصل سبب قرار دے دیا۔ امیر معاویہؓ نے مہلب بن سفرہ ایزدی کی تحقیقاتی رپورٹ سے اتفاق کرتے ہوئے کمانڈر عبداللہ کو سخت الفاظ میں کہلا بھیجا کہ گھوڑوں کی بجائے صحرا میں جنگی کاروائیوں کے لئے اونٹ استعمال کئے جائیں اور موجودہ نفری پر اکتفا کرتے ہوئے پروگرام کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ کیونکہ صحرا میں بھاری فوج بذات خود ایک مصیبت بن جائے گی اور ساتھ ہی خبردار کیا کہ جب تک حسب پروگرام وہ باقی ماندہ سندھ کو عراق عجم میں شامل نہیں کر پاتا اسے وطن

واپس لوٹنے کا خیال ترک کر دینا چاہیے۔

امیر معاویہؓ کا عامل مکران کی رپورٹ پر مبنی یہ سخت حکم عبداللہ بن سعد اور اس کے لشکریوں کے لئے تلخیاں پیدا کر کے ایک فتنہ اور بغاوت کی صورت اختیار کر گیا۔ حکومت امیہ سے وفاداریاں روبہ انحطاط ہونے لگیں۔ چنانچہ ٹاسک فورس کی تمام بچی کھچی نفری بد دل ہو کر اپنی بقا اور سلامتی کی سوچنے لگی۔ سامہ قبیلہ کے مجاہدین آرمال اور سواندھی کے علاقوں میں اور دیگر قبائل کے لوگوں کی اکثریت خراسان، کرمان اور مکران کے علاقوں میں مقیم ہو گئے۔ گنتی کے صرف چند مجاہدین ہی وطن واپس لوٹنے پر آمادہ ہوئے۔ ٹاسک فورس کمانڈر عبداللہ بن سعد کیچ مکران میں ہی ٹھہر گیا جہاں وہ متواتر دو سال تک پریشانیوں کا شکار ہو کر اس دار فانی سے کوچ کر گیا اور اس طرح اس ٹاسک فورس کا وجود ختم ہو گیا۔

پیشتر اس کے کہ بنو سامہ کی ملک سندھ میں داخلہ کے بعد ان کی سرگرمیوں کا تفصیلی جائزہ لیا جائے یہ ضروری ہے کہ اس وقت کے سندھ کی طبعی اور سماجی پوزیشن پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے۔

ٹاسک فورس کی آمد سے پیشتر کا ملک سندھ

اسلام کے ابتدائی دور یعنی آج سے تیرہ سو سال پہلے والا سندھ موجودہ صوبہ سندھ سے کہیں مختلف تھا۔ اس وقت موجودہ ریاست بہاولپور پنجاب اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کے علاقے ملک سندھ کا حصہ تھے اور پنجاب اور شمال مغربی سرحدی صوبوں کی نہ تو کوئی انفرادی حیثیت تھی اور نہ ہی ان کا موجودہ صورت میں کوئی وجود تھا۔ کشمیر جیسلمیر، چتوڑ، قنوج، اودھے پور، گجرات کاٹھیا وار، کزکستان یعنی موجودہ قلات کا علاقہ، مکران، بحیرہ عرب، خلیج کچھ اور ریاست کچھ اس کی سرحدیں بناتے تھے۔ لاہور اور سیالکوٹ کے علاقے ہند اور سندھ سے الگ تھلگ آزاد یونٹیں تھیں۔ سندھ میں

سرائیکی زبان کے علاوہ مندرجہ ذیل پراکرت زبانیں بولی جاتی تھیں۔
1- وکولی 2- تھاریلی 3- لاسی 4- لاری 5- کچھی (یہ مقامی زبانیں فارسی اور سرائیکی کا مرکب ہیں)
مندرجہ ذیل بدھ مذہب کے پیروکار راہی (Rahi) یکے بعد دیگرے ملک کے حکمران رہے ہیں۔
1- رائے دیواجی 2- رائے سراسی 3- رائے سہاسی 4- رائے سراسی دوئم اور 5- رائے سہاسی دوئم
بنو سامہ کی آمد سے قبل اس وسیع اور لق و دق صحرا میں مندرجہ ذیل بدھی قبائل بکھرے پڑے تھے جن کا پیشہ زیادہ تر کھیتی باڑی' بھیڑ بکری اور اونٹ پالنا اور گاہے گاہے چوری ڈاکے کے علاوہ ساحلی علاقوں میں ماہی گیری تھا۔
لوہانوں' گریجہ' سانتھ' جندڑ' کھوکھر' کھوسو' چٹھہ' سیال' کھرل' گلیانہ' بھٹی' جاٹ' ماچھی' مومیا اور ناک۔
موخر الذکر دونوں قبیلے شودر جاتی میں شمار ہوتے تھے اور انھیں کی نسل سے سندھی قبیلہ مہانوں معرض وجود میں آیا۔
مندرجہ ذیل مشہور مقامات اور منڈیاں تھیں۔
دیبل' سیوستان' بھکر' نیروں کوٹ' برہمن آباد' اروڑ' سکھر' لاڑکانہ' اوچ' شکارپور' ملتان' دیپالپور' جھنگ' منگیانہ' مائیر' سا گلہ (سام گلہ) قلعہ باہو اور شکل بار۔

یہ تھی ملک سندھ کی صورت حال جس وقت بنو سامہ کے مجاہدین نے آرمال اور سواندھی کے علاقوں میں اپنی املاک اور زمینداریاں قائم کر کے اسے اپنے قبائلی نام پر سواندھی سامہ (Swandhi Sama) اور خوشحالی زندگی بسر کرنے لگے حتیٰ کہ 92ھ (712ء) میں جنرل قاسم نے ساماؤں کے آخری سربراہ محمد امیر علافی سامہ کو معزول کر کے اس کی جگہ حازم بن عمر کو سواندھی سامہ کا عامل مقرر کر کے اپنا اقتدار قائم کر لیا۔

امداد الدین محمد قاسم بن عقیل ثقفی چونکہ راجہ داہر اور محمد حارث حلافی سامہ کے خلاف تادیبی کاروائی کے لئے سندھ میں وارد ہوا تھا لہٰذا اس نے بنو سامہ کے بچے کھچے لوگوں کو تو عام معافی دے دی مگر محمد حارث علافی سامہ جو قاسم کے حملے سے پہلے ہی سواندھی سامہ کا علاقہ چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر چکا تھا اسے کوئی رعایت دینے پر رضامند نہ ہوا لہٰذا اس نے اندرون سندھ راجہ داہر کے ساتھ نمٹنے کے علاوہ اس باغی سامہ سردار کا تعاقب بھی جاری رکھا۔

ٹاسک فورس کی بغاوت اور اس کے خاتمہ کی اندوہناک خبر سنتے ہی امیر معاویہؓ کو اپنی فوج کے ایک اہم عضو کی محرومی سے سخت صدمہ پہنچا چنانچہ انہوں نے چھیالیس ہجری 46ھ میں مہلب بن صفیرہ ایزدی عامل مکران کو واپس بلا لیا اور اس کی جگہ ایک سخت مزاج شخص عبداللہ بن سوار عیدی کو ضروری ہدایات دے کر بطور عامل مکران بھیجا۔ اس نے ٹاسک فورس کے کمانڈر عبداللہ اور دوسرے قبائلی سرداروں سے الگ الگ ملاقاتیں کیں اور انہیں خلیفہ کی ہدایات کے مطابق اپنے مشن کی تکمیل کے لئے سختی سے کہا اور انکار یا تساہل کی صورت میں سخت تادیبی کاروائی کرنے کی دھمکی بھی دی۔ عبداللہ نے اپنی مجبوریوں سے اسے آگاہ کیا اور غداری کے الزام کو سراسر زیادتی اور غیر منصفانہ فعل قرار دیا تاہم موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اس نے عامل سے کہا کہ حسب الحکم خلیفہ اسے گھوڑوں کی بجائے اگر اونٹ مہیا کر دیئے جائیں اور راشن پانی اور ادویات کا دوران یلغار و پیش قدمی تسلی بخش انتظام ہو جائے تو ہو منتشر ٹاسک فورس کو پھر سے ترتیب دے کر اپنے مشن کو بخوشی سرانجام دینے کو تیار ہے۔ ظاہر ہے کہ مکران جیسے بنجر اور غیر آباد علاقہ سے ان ضروریات کا اتنے وسیع پیمانے پر بندوبست کرنا اس نووارد عامل کے لئے سخت محال تھا چنانچہ یہ معاملہ دوبارہ سرد خانے کی نذر ہو گیا اور دونوں پارٹیاں غلط فہمیوں کا شکار ہو کر ایک دوسرے سے بدظن رہنے لگیں۔ عبداللہ بن سوار عیدی نے فورس کے مجاہدین کو اپنے سے دور دور رکھنے کی

پالیسی اختیار کر لی اور ساتھ ہی یہ تاثر بھی دینا شروع کر دیا کہ وہ خلیفہ کا منظور نظر ہے اور اگر لشکریوں میں سے کوئی فرد یا قبیلہ وطن واپس جانے کی خواہش کا اظہار کرے تو وہ اسے مناسب سہولتیں مہیا کرے گا اور خلیفہ اس کی سفارش پر ان لوگوں کی خطا سے درگزر کر کے انہیں وطن واپسی کی بھی اجازت دے دے گا۔ مجاہدین اس حکمت عملی سے تذبذب میں پڑ کر اپنے اپنے مفاد کی سوچنے لگے اور ٹولیوں میں بٹنا شروع ہو گئے مگر مجموعی طور پر ان کی اکثریت واپس وطن جانے پر رضامند نہ تھی کیونکہ ایک طرف تو انہیں خلیفہ کا خوف کھائے جا رہا تھا اور دوسری طرف وہ اب کافی حد تک عراق عجم میں اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ عامل مکران نے پارٹی بازی کی فضا پیدا کر کے خواہ مخواہ اپنے سر بلا لے لی جس کا اسے خمیازہ بھگتنا پڑا۔ چنانچہ 49ھ کے اوائل میں اسے قتل کر دیا گیا۔

امیر معاویہؓ لشکریوں کی دن بدن بڑھتی ہوئی شرارتوں سے بڑے کبیدہ خاطر رہنے لگے چنانچہ انہوں نے ان لوگوں کو قرار واقعی سزا دینے اور سندھ پر دوبارہ چڑھائی کے لئے از سر نو ایک جامع منصوبہ بنایا مگر اسے عملی جامہ پہنانے سے پیشتر ہی وہ 60ھ میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں مہلب بن صفرہ ایزدی کے علاوہ مکران میں مندرجہ ذیل عاملان یکے بعد دیگرے بھیجے گئے مگر لشکریوں کی سازش کا شکار ہو کر ان کی اکثریت قتل ہوئی۔

1- مہلب بن صفرہ ایزدی از 42ھ تا 60ھ - تبادلہ ہوا۔

2- عبداللہ بن سوار عبدی از 46ھ تا 49ھ- قتل ہوا۔

3- سنان بن سلمہ ہذلی از 49ھ تا 51ھ- معزول ہوا۔

4- راشد بن عمر جدیدی از 51ھ تا 53ھ- قتل ہوا۔

5- سنان بن سلمہ ہذلی از 53ھ تا 56ھ- دوبارہ آیا اور قتل ہوا۔

6- ابوالاشعث بن المنذر عبدی از 56ھ تا 62ھ۔ قتل ہوا۔

چنانچہ خاندان امیہ کی حرب شاخ کے خاتمہ اقتدار اور حاکمی شاخ کے برسراقتدار آنے تک یہ منصوبہ معرض التوا میں پڑا رہا حتیٰ کہ حجاج بن یوسف گورنر عراق عرب و عجم نے حسب الحکم خلیفہ عبدالمالک حری بن حری باہلی کو 62ھ میں مکران کا عامل مقرر کر دیا۔

امیہ خاندان کی شاخ حرب کا زوال اس کی حاکمی شاخ کا عروج اور ساماؤں پر وبال

مگر وہ اس عہدہ جلیلہ پر نااہل ثابت ہوا چنانچہ اسے واپس بلا لیا گیا اور اس کی جگہ سعید بن اسلم کلابی کو عامل بنا کر بھیجا گیا اور یوں اس عامل کے زمانہ سے مکران اور سندھ کی سیاست ایک نئے دور میں داخل ہو گئی جس کی تفصیلات اگلے اوراق میں آئیں گی۔

امیر معاویہؓ کی وفات تک سلطنت اسلامیہ میں حیرت انگیز حد تک اضافہ ہو چکا تھا اور اس وسیع و عریض مملکت خداداد کو انتظامی لحاظ سے مندرجہ ذیل بڑے اور چھوٹے صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ہر بڑے صوبے کا منتظم اعلیٰ وائسرائے ہوتا تھا جو اپنے زیر انتظام چھوٹے صوبوں میں ڈپٹی گورنر مقرر کرنے کا مجاز ہوتا تھا۔

بڑے صوبے زیر انتظام وائسرائے

صوبہ نمبر1: حجاز، یمن اور وسطی عرب کا علاقہ

صوبہ نمبر2: عراق عرب یعنی قدیم بابل کا علاقہ اور عراق عجم یعنی موجودہ اومان، بحرین کرمان، سیستان، خراشان، مکران اور اس کے ساتھ ملحقہ جنوبی سندھ کا علاقہ صدر مقام کوفہ۔

صوبہ نمبر3: آرمینیا، جزائر العرب، آذربائیجان اور ایشیائے کوچک کے علاقے۔

صوبہ نمبر 4 : شمالی افریقہ، مغربی مصر، اندلس، جزیرہ سسلی، سارڈینہ، جزائر بالریک اور جنوبی فرانس کا علاقہ

صوبہ نمبر 5 : نائیجیریا اور بحیرہ روم کے جزائر پر مشتمل علاقے۔

چھوٹے صوبے زیر انتظام ڈپٹی گورنرز

نمبر 1 : خراسان، سیستان اور کرمان پر مشتمل علاقے، صدر مقام مرو (Merve)

نمبر 2 : بحرینا ور اومان کے علاقے، صدر مقام بصرہ۔

نمبر 3 : اندلس، صدر مقام کارڈواہ (Cordova)

نمبر 4 : مکران کا علاقہ، صدر مقام موجودہ تربت اور پنجگور کے درمیان "کیچ" نام کا ایک مقام جسے کبرا بیلا بھی کہا جاتا ہے۔

امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد ان کا بیٹا یزید ان کا جانشین مقرر ہوا مگر یہ شخص اتنا کامیاب خلیفہ ثابت نہ ہوا۔ اس کی نااہلی اور اس کے باپ امیر معاویہؓ کی عہد شکنی کے وجہ سے حصول اقتدار کے لئے خانہ جنگی ایک خطرناک صورت اختیار کر گئی۔ چنانچہ سندھ کے معاملات سے خلافت کو ایک بار پھر توجہ ہٹائی پڑ گئی اس خانہ جنگی سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید خاندان امیہ کا چراغ گل ہونے کو تھا۔

حاکمی شاخ کا عروج

لیکن یکایک حالات نے پلٹا کھایا اور خاندان امیہ کی حاکمی شاخ کے سربراہ مروان بن حاکم کی کوششوں سے بنو امیہ کا خاندان اپنے پاؤں پر دوبار کھڑا ہونے کے قابل ہو گیا۔ اس نے اپنے خاندان کی سربلندی اور سلطنت میں امن و امان کی فضا قائم رکھنے کے لئے مکر و فریب اور تلوار سے خوب کام لیا گو وہ اپنا خاندانی وقار قائم و دائم رکھنے میں تو بخوبی کامیاب رہا مگر اس کی ساکھ مکمل طور پر بحال نہ ہو سکی اور نہ ہی سیاسی کشمکش اور قبائل عصبیت کا پوری طرح خاتمہ کیا جا سکا۔

مروان کے مرنے کے بعد اس کے بڑے بیٹے عبدالمالک نے عنان خلافت سنبھالی اس نے اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر اپنے خاندان کے مخالفین عبداللہؓ بن زبیرؓ حکران حجاز' میسوپوٹامیہ اور عراق' امر بن سعد دعویدار خلافت' حضرت امام حسینؓ کے قاتلوں سے بدلہ لینے والا مختار (Mukhtar) جس نے خارجیوں کا صفایا کر کے بظاہر دلجمعی اور دبدبہ سے ایک لمبا عرصہ تک حکومت کی مگر پھر بھی روایتی قبائلی عصبیت کی آگ کسی نہ کسی صورت میں برابر سلگتی رہی اور خانہ جنگی کا لاوہ اندر ہی اندر پکتا رہا۔

عبدالمالک گو ایک لائق اور جرات مند جرنیل' انصاف پسند حکمران اور منجھا ہوا سیاستدان تھا مگر جہاں تک اس کے خاندانی مفاد و وقار کا تعلق تھا وہ ان تمام اوصاف کو بالائے طاق رکھتے ہوئے نہایت بے رحمی اور سفاکی سے کام لیتا تھا اور بڑے سے بڑا ظلم کرنے میں بھی کوئی باک محسوس نہ کرتا تھا۔ حکومت بنو امیہ کا وہ پہلا حکمران ہوا ہے جس کے دربار میں کسی شخص کو اس کے سامنے زبان کھولنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ "اللہ کے قہرو غضب اور مساوات اور جائز و ناجائز حقوق کی باتیں کر کے مجھے مرعوب کرنے والا میرے وفاداروں اور بہی خواہوں میں سے نہیں ہو سکتا لہٰذا اس سے جلد از جلد گلوخلاصی کرانا میرا فرض ہے"۔ وہ سخت مزاج اور ضدی تھا اور اسی قماش کے لوگوں کو اس نے بڑے بڑے عہدے دے کر اپنے گرد جمع کر رکھا تھا۔ انہی عہدیداروں میں حجاج بن یوسف وائسرائے عراق عرب و عجم بھی تھا جس نے اپنی گورنری کے زمانہ میں مکہ اور مدینہ کے لوگوں پر بے پناہ ظلم ڈھائے۔ رسول خدا کے وقت کے زندہ بزرگوں کی کھلے عام بے حرمتی کرنے میں بھی کوئی شرم محسوس نہ کرتا اور ان سے گلو خلاصی کرانے کے لئے مدینہ کو پیوند خاک کرنے کی تدبیری سوچا کرتا تھا۔

عبدالمالک اور اس کے حکمران ٹولہ کی سخت گیر اور ظالمانہ پالیسی سے دل برداشتہ

ہو کر اس کے کئی بہادر اور وفادار جرنیل ان لوگوں سے سخت متنفر ہو گئے اور امت محمدیہ کے وسیع تر مفاد کی خاطر بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ انہیں باغیوں میں سے ایک جرنیل عبدالرحمٰن بن اشاث بھی تھا جس کو شام اور عرب کے کئی جنگجو اور شریف النفس قبائل کی خفیہ حمایت حاصل تھی چنانچہ اس نے اسلامی دنیا کو عبدالمالک جیسے خود غرض اور سفاک مطلق العنان حکمران سے نجات دلانے کے لئے علم بلند کر دیا اور اس کے خفیہ حمایتی اس کی مدد کے لئے کھل کر میدان میں آ گئے۔ اور جنگ شروع ہو گئی۔ گھمسان کا رن پڑا۔ عبدالمالک کی فوج کے پاؤں اکھڑ چکے تھے اور عبدالرحمٰن کا پلہ بھاری نظر آنے لگا اور عین ممکن تھا کہ عبدالمالک کو اپنی جان بچانے کے لئے میدان سے بھاگنا پڑتا کہ اس نے نہایت عیاری سے کام لیتے ہوئے عبدالرحمٰن کی شرائط پر لڑائی بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کو سنتے ہی دستور کے مطابق عبدالرحمٰن نے بھی اپنی فوج کو لڑائی بند کرنے کا حکم دے دیا اور اس طرح مروان جیسے چالاک اور مکار باپ کے بیٹے عبدالمالک کی چال کارگر ہو گئی۔ اس نے عبدالرحمٰن کو آپس میں مسلمانوں کا ناحق کشت و خون بند کرنے کی التجا کی اور اپنی سخت گیر پالیسی پر نظر ثانی کا وعدہ کرتے ہوئے بہلا پھسلا کر اسے لڑائی بند کرنے پر رضامند کر لیا اور دوبار اسے اپنے وفاداروں میں شامل کر کے مراعات سے نوازا۔

اس بغاوت کے فرو ہونے کے بعد عبدالمالک نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے عراق عجم اور خصوصاً سندھ کے معاملات کی طرف توجہ مرکوز کر دی اور امیر معاویہ کے تیار کردہ منصوبہ پر عمل درآمد کرنے کے لئے حجاج بن یوسف کو مناسب حکم جاری کیا۔ حجاج نے ایک شخص (جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے) حری بن حری باہلی کو 62ھ میں مکران کا عامل مقرر کیا مگر اسے جلد ہی کوتاہ بین اور نااہل ثابت ہونے کی بنا پر واپس بلا لیا گیا اور اس کی جگہ سعید بن اسلم کلابی کو عامل بنا کر بھیجا گیا۔ سعید بن اسلم کلابی نے اپنے فرائض سنبھالتے ہی یہ اندازہ لگا لیا کہ لشکریوں کے تعاون کے بغیر علاقہ میں امن و

امان قائم رکھنا محال ہے۔ چنانچہ اس نے ان سے مراسم بڑھانے شروع کر دیئے اور اس کی ابتداء اس نے خاندان سامہ کی علافی فیملی سے کی جو اس وقت تک خراسان' کرمان' سیستان' مکران اور آرمال اور سواندھی کے مقامی باشندوں سے میل جول پیدا کر کے مضبوط پوزیشن کے مالک بن چکے تھے چنانچہ ایک دن سعید کلابی نے علافیوں کے سربراہ صفاوی (Safawi) بن لام سامہ سے علاقائی صورت حال پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے کہ آپ لوگ یہاں عرصہ سے مقیم ہیں اور مقامی لوگوں کے مزاج کو مجھ سے بہتر طور پر جانتے ہیں لہٰذا امن و امان کی صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے مجھے آپ لوگوں کی مدد اور تعاون کی ہر دم ضرورت پڑے گی مجھے امید ہے کہ آپ لوگ اس بارے میں مجھ سے پورا پورا اتفاق کریں گے۔ صفاوی بن لام سامہ سعید کلابی کو یہ کہتے ہوئے کہ "تو ساماؤں سے کمتر درجہ رکھتا ہے اور علافیوں کی امتیازی پوزیشن اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے سے گھٹیا خاندان سے تعلق رکھنے والے شخص سے ان پر حکم چلانے کے لئے اس سے معاونت کریں" اس کی مجلس سے اٹھنے والا ہی تھا کہ سعید کلابی اس گستاخانہ جواب کو سنتے ہی اک دم طیش میں آگیا اور اس نے آگے بڑھ کر صفاوی سامہ کے پیٹ میں خنجر گھونپ دیا جس سے وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

محمد علاقی بن حارث سامہ زمیندار سواندھی سامہ کو جب اس اندوہناک المیہ کی اطلاع ملی تو وہ غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا۔ چنانچہ اس نے سعید کلابی سے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ اس نے فوری طور پر کیچ کا رخ کیا اور قبلائیت بن حلف علاقی سامہ۔ عبداللہ بن عبدالرحیم علاقی سامہ۔ محمد بن معاویہ علاقی سامہ اور جیہم بن علاقی سامہ ساتھی کو اکٹھا کیا اور سعید کو ٹھکانے لگانے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ ایک دن جب سعید کلابی اپنی جائے رہائش سے مراہ بخراج (Marrah Bokhraj) کی طرف جا رہا تھا کہ یہ پارٹی راستہ میں گھات لگا کر بیٹھ گئی۔ جب سعید ان کے نزدیک پہنچا تو انہوں نے اچانک اسے دبوچ کر قتل کر دیا اور کیچ پر قبضہ کر کے مکران کے مالک بن بیٹھے جہاں انہوں نے 75ھ تا 80ھ

اپنا تسلط جمائے رکھا۔

حجاج بن یوسف کو جب اپنے ڈپٹی گورنر کے قتل کی اطلاع موصول ہوئی تو اس نے قبیلہ کلاب کے ایک شخص کو علافیوں سے بدلہ لینے پر مامور کیا۔ اس نے موقعہ پاکر علافی قبیلے کے اس وقت کے سربراہ سلیمان علافی کو قتل کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر سعید بن اسلم کلابی کے لواحقین کی تسکین کے لئے ان کے پاس بھیج دیا۔ حجاج بن یوسف نے علافیوں کی بڑھتی ہوئی زیادتیوں کی مفصل اطلاع خلیفہ کو پہنچا دی جس نے اسے ہدایت کی کہ وہ عراق عجم کو علافیوں کے چنگل سے آزاد کرانے کے لئے مناسب اور موثر کاروائی کرے۔ چنانچہ حجاج نے ایک منجھے ہوئے کمانڈر مجاعہ (Mujjahma) بن سائر (Sair) کو 80ھ میں معہ عبدالرحمٰن بن اشاث کے ایک لشکر دے کر روانہ کیا۔ مجاعہ نے خراسان میں امن بحال کر کے جلد ہی کنڈیل (Kandail) پر قبضہ کرلیا اور عبدالرحمٰن بن اشاث سیکنڈ ان کمانڈ کو بھاگتے ہوئے علافیوں کے تعاقب میں بجانب سواندھی سامہ روانہ کیا۔ علاقہ سواندھی سامہ میں ساماؤں کے سربراہ محمد علافی حارث سامہ نے اپنے ہیڈکوارٹر تھری (Thurrie) سے باہر میدان میں نکل کے عبدالرحمٰن کا راستہ روکا اور موقعہ پاکر تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اپنے سردار کو قتل ہوتے دیکھ کر عبدالرحمٰن کا فوجی دستہ سر پر پاؤں رکھ کر واپس مکران بھاگا۔ کئی جوان راستہ میں مارے گئے اور جو بچ گئے انہوں نے مجاعہ کو پوری تفصیل سے آگاہ کیا چنانہ مجاعہ نے جو اس وقت کرمان اور مکران کی سرحد پر مقیم تھا بطرف سواندھی سامہ روانہ ہوا مگر اس کے سواندھی سامہ پہنچنے سے پہلے ہی محمد علافی بمعہ جیسم سامہ شامی اور پانچ سو جانبازوں کے سواندھی سامہ کی سرحد پار کر کے اندرون سندھ راجہ داہر والئے سندھ کے پاس پناہ گزین ہو گیا۔ راجہ نے اسے اپنا فوجی مشیر مقرر کر کے بھاری جاگیر سے نوازا۔

- ابتداء میں حکومت امیہ اور اس کے جرنیل عبداللہ بن سعد کے مابین غلط

فہمیوں کی بنا پر جو غیر ضروری خوں ریزی اور ہنگامے ہوتے رہے وہ دراصل فوجی نظم و نسق کے قوانہ اور حکومت وقت کے بعض ناقابل عمل احکامات کی تعمیل سے انحراف کا نتیجہ تھے مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا حالات میں تبدیلی رونما ہوتی گئی اور آخر یہ واقعات بڑھتے بڑھتے عربوں کی نسلی کدورت اور روایتی عصبیت کے سبب حصول امتیاز کے لئے ایک قسم کی خانہ جنگی کی صورت اختیار کر گئے اور یہی خانہ جنگی بالاخر سندھ میں خلافت امیہ کے زوال اور خاتمہ (کسی حد تک) کا باعث بنی۔ تاہم یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ محمد علافی حارث سامہ کا باغیانہ فعل اور اس کا کافر کی پناہ میں جانا حکومت امیہ کے لئے ایک سانحہ عظیم سے کم نہ تھا۔ س سے خلافت کے وقار اور شہرت کو سخت دھچکا لگا مگر قدرت کا کرشمہ ملاحظہ ہو کہ دوسری طرف اسی واقعہ نے کفرستان برصغیر میں اشاعت اسلام کے لئے دروازے کھول دیئے اور سندھ کی تاریخ و تمدن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بدل کر رکھ دیا۔ چنانچہ تاریخ سندھ کا یہی وہ باب ہے جہاں سے "داستان راعیاں" کا آغاز ہوتا ہے۔

مجاعہ کی یلغار سے بچنے کے لئے علافی زیر زمین چلے گئے اور ان میں سے کوئی قابل ذکر فرد اس کے ہاتھ نہ لگ سکا چنانچہ وہ دل کی دل ہی میں لئے بے نیل و مرام مکران واپس لوٹ گیا جہاں وہ 86ھ تک بطور ڈپٹی گورنر مقیم رہا اور وہیں وفات پائی۔ مجاعہ کی وفات کے بعد حجاج نے محمد ہارون نمیری کو 86ھ کے آخر میں ولید بن عبدالمالک کے عہد میں عامل مکران مقرر کیا۔

محمد حارث علافی سامہ کی اندرون سندھ فراری کے بعد مکران اور آرمال (ارمان بیلا) کے علاقوں میں بچے کھچے ساماؤں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ مجاعہ کی وفات کے بعد 86ھ میں محمد ہارون جب عامل مکران بن کر آیا تو س نے آتے ہی مکران اور آرمال میں آباد ساماؤں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالا اور وہ لوگ جو حلف وفاداری اٹھانے اور خراج دینے سے انکاری ہوئے۔ انہیں بے دریغ قتل کر دیا گیا۔

حسب ہدایت حجاج بن یوسف سماؤں کا پیچھا کرتے ہوئے علاقہ سوانڈھی سامہ تک پہنچ گیا مگر اس کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں مقیم سامہ لوگ بھیس بدل کر روپوش ہو چکے تھے اور اس کے ہاتھ نہ آئے چنانچہ وہ ناکام واپس کیچ (مکران) پہنچا اور حجاج کو تمام صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے اس نے اندرون سندھ مزید کارروائی کرنا بند کر دی۔ محمد ہارون نمیری کے مکران واپس جانے کے بعد جب حالات معمول پر آ گئے تو زیر زمین سماؤں نے پھر سے اپنی زمینداریاں سنبھال لیں اور 87ھ تا 92 کے درمیانی عرصہ میں مقامی قبائل ساہتہ۔ لوہانوں اور جنڈڑ کے تعاون سے علاقہ کی معیشت کو قدرے پھر سے بحال کر دیا۔

محمد حارث علافی سامہ کے بعد سماؤں نے قبائلیات بن حلف مغنی کو اپنا سربراہ منتخب کر لیا جس نے اپنی ذمہ داری کو بطریق احسن نبھاتے ہوئے سماؤں میں خود اعتمادی بحال کرنے میں انتھک محنت کی جس سے یہ یہ لوگ اسی خطہ سرزمین کو اپنا وطن تصور کرنے لگے۔ قبلائیلت کی وفات کے بعد سماؤں نے محمد امیر نامی سامہ کو اپنا سربراہ چن لیا جو اپنی انتظامی قابلیت اور حسن سلوک سے جلد ہی علاقہ کا ایک بااثر زمیندار شمار ہونے لگا۔ چنانچہ اس کی کوشش سے ساہتہ اور لوہانوں قبائل کے وہ لوگ جو سماؤں کے مزارے تھے کی خاصی تعداد مشرف بہ اسلام ہو گئی مزید میل جول بڑھانے کے لئے وہ سندھ کے قدیم رواج کے مطابق لوہانوں قبیلہ میں سے لوگ گیت اور لوگ ناچ کے ماہر فنکاروں کو اپنے دیوان خانے میں وقتاً" فوقتاً" خصوصی تقریبات میں مدعو کیا کرتا جس سے سندھی سوسائٹی میں اس کی مقبولیت اور ہردلعزیزی میں دن بدن اضافہ ہونے لگا۔

محمد ہارون نمیری 92ھ کے اوائل میں فوت ہو گیا جس کے بعد حجاج بن یوسف نے خلیفہ کی اجازت سے اپنے اٹھارہ سالہ داماد اور بھتیجے عماد الدین محمد بن قاسم بن عقیل ثقفی کو ایک لشکر جرار دے کر راجہ داہر اور محمد حارث علافی کی سرکوبی اور

گرفتاری کے لئے روانہ کیا۔ محمد بن قاسم نے 92ھ کے اختتام پر جب سواندھی سامہ پر قبضہ کر کے محمد امیر کو منصب زمینداری سے معزول کر کے حازم بن عمرو کو اس کی جگہ گورنر مقرر کیا تو لوہانوں ڈانسنگ پارٹی نے محمد بن قاسم کا استقبال کرتے ہوئے اپنے فن کا مظاہرہ کیا جس سے گو وہ لطف اندوز ہوا مگر اس نے حازم کو تاکید کی کہ وہ اس رسم کو مسلمانوں میں مقبول نہ ہونے دے کیونکہ اسلام مسلمانوں کی مجالس و تقریبات میں عورت مرد کو برہنہ یا نیم برہنہ حالت میں ناچ گانے کی اجازت نہیں دیتا۔

محمد حارث علافی سامہ کے فرار اور اس کے اندرون سندھ داخلے سے حکومت بنو امیہ کا دیرینہ وفادار دوست قبیلہ بنو سامہ خاندان امیہ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔ راعیوں کی اپنے وطن عزیز ملک شام سے یہ مستقل نقل مکانی تھی جس کے بعد ان کے اجداد سلاؤں کو وطن واپس جانا نصیب نہ ہوا۔

حارث سامہ اپنی قابلیت کے بل بوتے پر تھوڑے ہی عرصہ میں راجہ داہر کے خاص مشاہیر کی صف میں شامل ہو گیا اور حکومتی کاروبار چلانے کے لئے راجہ داہر کا ہاتھ بٹانے لگا۔ اسی دوران آرمل (آرمان بیلا) کا باجگزار رانا جو رائے ساہیرہ کے ایجنٹوں کی نسل سے تھا عامل مکران محمد ہارون نمیری کی کمزوری اور راجہ داہر سے رابطہ کٹ جانے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دونوں کی بالادستی سے چھٹکارا پانے کے لئے سب سے پہلے اس نے راجہ داہر کو مقررہ خراج کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ رانا کے امویوں سے میل جول کی وجہ سے راجہ داہر پہلے ہی اس سے جلا بھنا بیٹھا تھا۔ اب جبکہ اس نے خراج کی ادائیگی بھی بند کر دی تو اس نے اس کے خلاف تادیبی کاروائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ راجہ داہر کے وزیر باتدبیر بدھیمان نے اسے مشورہ دیا کہ بجائے اس کے کہ وہ کسی سندھی کو اس کام پر مامور کرے بہتر ہو گا کہ حارث سامہ سے اس بارے میں مشورہ کیا جائے کیونکہ وہ ایک تجربہ کار سپاہی ہونے کے علاوہ اس علاقہ سے بھی خاصی

واقفیت رکھتا ہے چنانچہ حارث سامہ نے راجہ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اس مہم کی کمان اپنے ہاتھ میں لینے کی سکیم کو منظور کر لیا۔ اس نے اپنے جانبازوں میں سے موزوں ترین قسم کے معاونین کا انتخاب کیا اور دس ہزار سندھی فوجیوں کو موزوں دستوں میں بانٹ کر ان پر اپنے معاونین کو بطور جونیئر کمانڈر مقرر کیا اور راتوں رات مارچ کرتے ہوئے آرمان بیلا پر شبخون مارا۔ رانا کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ رانا کے محافظ سپاہیوں اور پچاس ہاتھیوں کو قیدی بنا لیا گیا اور بھاری مال غنیمت اکٹھا کر کے وہ سندھ واپس لوٹ آیا۔ رانا مشکل سے جان بچا کر بطرف مکران بھاگنے میں کامیاب ہو گیا مگر شومئی قسمت کہ راستہ ہی میں وہ ہارون نمیری کے آدمیوں کے ہتھے چڑھ گیا جنہوں نے لوٹ کر اسے ٹھکانے لگا دیا۔

محمد حارث علافی سامہ نے جب اپنے مشن کی کامیابی کی اطلاع راجہ داہر کو دی تو اس نے حارث کو مبارکباد دیتے ہوئے مال غنیمت اور قیدیوں کو اپنی حسب منشا تقسیم کرنے کو کہا حارث نے ہاتھیوں کو راجہ کی فوج کے لئے چھوڑتے ہوئے بقایا مال غنیمت کی مناسب تقسیم کی اور قیدیوں کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا جن کی بھاری تعداد مشرف بہ اسلام ہو کر حارث سامہ کی جماعت میں شامل ہو گئی۔

حجاج بن یوسف کو مکران اور سندھ جیسے غیر آباد اور مضر صحت خطہ کو فتح کر کے مملکت اسلامیہ میں شامل کرنے کی اتنی فکر نہ تھی جتنا کہ اس کو حکومت امیہ کی خارجہ پالیسی کی پے در پے ناکامیوں اور اس کے تحت مقرر کردہ علافان کی بے بسی اور قبیلہ بنو سامہ کے فرار سے امویوں کی ساکھ اکھڑنے کا غم تھا۔ وہ اکثر دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ار ان کمزوریوں کو دور کرنے اور ساماؤں سے انتقام لینے کے لئے کسی موزوں طریقہ کار اور موقعہ کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگا۔ آخر اسے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقعہ ہاتھ آ ہی گیا۔

خلیفہ عبدالمالک کی وفات کے بعد 92ھ میں اس کا بیٹا ولید خلافت کی گدی پر

بیٹھا۔ اس نے باپ کی وصیت کے مطابق عراق عجم سے متعلقہ پالیسی پر نظر ثانی کرنے کے لئے حجاج سے مشورہ طلب کیا۔ حجاج نے جواباً" خلیفہ کو لکھا کہ عراق عجم کی سرحدوں کی حفاظت کے پیش نظر ہمیں سندھ پر کڑی نظر رکھنے اور وہاں اپنا سیاسی دباؤ قائم کرنے کی سخت ضرورت ہے اور یہ اہم کام اولین توجہ کا محتاج ہے۔

قاسم کی سندھ پر چڑھائی اور سلماؤں پر بعد وقفہ پھر وبال

ابھی یہ خط و کتابت چل ہی رہی تھی کہ حجاج کو اچانک سندھ پر چڑھائی کرنے کا موقع ہاتھ آگیا۔

جیسا کہ اس کتاب کے شروع میں ذکر آ چکا ہے کہ زمانہ قدیم سے ملک عرب اور بحر ہند میں واقع دور دراز جزائر اور جنوبی ہند کے ساحل مالابار کے مابین تجارتی سلسلہ قائم تھا اور تجارتی جہاز بحر ہند اور بحیرہ عرب سے گزرتے ہوئے ملک عرب کو جایا کرتے تھے چنانچہ 92ھ کے اوائل میں راجہ سراندیپ نے آٹھ جہازوں پر مشتمل ایک بحری بیڑہ جس میں حکومت امیہ کے لئے قیمتی تحائف کے علاوہ مسلم سوداگران کی بیوگان' یتیم بچے اور حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے والے افراد کی کثیر تعداد سوار تھی' روانہ کیا یہ بیڑہ جب بحیرہ عرب میں داخل ہوا تو اس وقت وہاں سخت طوفان آیا ہوا تھا۔ چنانچہ طوفان کے تند و تیز تھپیڑوں سے یہ بیڑا تتر بتر ہو کر اپنے مخصوص راستہ سے بھٹک گیا جس پر سندھی بحریہ نے حملہ کر کے سامان لوٹ لیا۔ جہازوں پر قبضہ کر لیا اور مسافروں کو سندھ کی جنوب مغربی سرحد پر واقع گیریژن ٹاؤن دیبل (Mighty Monster) کے قلعہ میں محبوس کر دیا۔ دیبل کا شہر ان دنوں راجہ داہر کی مملکت کے جنوب مغربی سرحدی کونے پر آخری بڑی چھاؤنی اور بحیرہ عرب کے نزدیک دریائے سندھ کے کنارے پر واقع ہونے کی وجہ سے اس کی جغرافیائی پوزیشن کی اہمیت کے پیش نظر راجہ داہر نے اپنے بیٹے جیسیہ (Jaisiah) کو وہاں کا گورنر اور گیریژن

کمانڈر مقرر کر رکھا تھا (اس قدیم بستی کا باوجود کھدائی کے ابھی تک کوئی نشان نہیں مل سکا)۔

یہ تھا وہ جواز جس پر حجاج کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقعہ مل گیا۔ چنانچہ اسے جب اس سانحہ کا علم ہوا تو اس نے خلیفہ ولید کو تمام صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے راجہ داہر کو قیدیوں کی رہائی اور تمام لوٹے ہوئے سامان بمعہ جہازوں کی واگزاری اور علافی سامہ کی واپسی کے لئے ایک طویل اور مدلل خط لکھا۔ راجہ داہر نے اس خطہ کی اہمیت کو نظر انداز کرتے ہوئے جواباً" لکھا کہ "بحری قزاقوں پر اس کا کوئی زور نہیں اور علافی سامہ چونکہ اس کی پناہ میں آ چکا ہے لہٰذا اس کے ساتھ عہد شکنی کا ارتکاب کرنے کے لئے وہ تیار نہیں۔

حجاج کو جب یہ روکھا پھیکا سا جواب موصول ہوا تو اس نے راجہ داہر کو اس کے مظالم کی سزا دینے کیلئے سندھ پر باقاعدہ اور بھرپور چڑھائی کیلئے خلیفہ سے اجازت چاہی اور ساتھ ہی ملک شام سے کہنہ مشق گھوڑ سوار دستوں کے لئے درخواست کی۔ خلیفہ نے اس کی درخواست منظور کرتے ہوئے چھ ہزار شاہی گھوڑ سواروں پر مشتمل ایک جیش (ج کل کی آرمی کے ایک برگیڈ کی نفری) بغداد روانہ کر دیا اور ساتھ ہی حجاج کو ہدایت کی کہ حسب ضرورت بقایا نفری کا بندوبست عراق عرب و عجم سے کیا جائے اور تبلیغی کاموں کے لئے ایک معقول تعداد علمائے دین کی ہمراہ لشکر کے ہونی چاہئے۔ چنانچہ حجاج نے اپنے اٹھارہ سالہ بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم بن عقیل ثقفی جو اس وقت گورنر عراق عجم تھا کو جلد از جلد مطلوبہ نفری کا بندوبست کر کے لشکر تیار کرنے کا حکم جاری کیا۔ عماد الدین محمد بن قاسم بن عقیل ثقفی نے اپنے اندازہ اور طریقہ کے مطابق گیارہ ہزار اونٹ سوار اور پیدل فوج (انفنٹری) کی ملی جلی یعنی کل سترہ ہزر جانبازوں پر مشتمل (ماڈرن آدمی کی ایک ڈویژن کی نفری کے برابر) لشکر جرار تیار کیا اور قصبہ گیلان بخارا۔ شیراز۔ ہمدان۔ اصفہان اور کرمان سے ایک معقول تعداد علمائے دین اور مبلغین

کی ہمراہ لے کر عازم مکران ہو مکران کے صدر مقام کیچ پہنچ کر اس نے دو صد افریقی اور مقامی تو مسلم رضاکار جو سندھ کو جانے والے مختلف راستوں سے بخوبی واقف تھا کو شامل لشکر کیا اور آرمان بیلا کے علاقہ سے جانوروں کے لئے چارہ اکٹھا کرتے ہوئے سندھ کی جنوب مغربی سرحد پر واقع آخری چھاؤنی دیبل (Mighty Monster) کے نزدیک پہنچ کر ایک محفوظ مقام پر ڈیرے ڈال دیئے۔ تین دن ارد گرد کے علاقہ اور شہر دیبل اور قلعہ کی مضبوط اور دیو قامت دیواروں کا جائزہ لینے میں گزارے اور چوتھے روز وہاں کے گیریزن کمانڈر کو مسلمان قیدیوں کی رہائی اور لوٹے ہوئے سامان کی واپسی کے مطالبے کے ساتھ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے کا پیغام بھجوایا۔ دیبل کے فوج کمانڈر اور گورنر جیسیہ (Jaisiah) پسر راجہ داہر لشکر اسلام کی اچانک آمد اور دھمکی آمیز پیغام سے قطعاً" مرعوب نہ ہوا بلکہ الٹا اپنے دیوتاؤں کی آشیرباد اور فوجی طاقت کے زعم میں قلعہ کی دیواروں پر سے تیروں اور آتشی گولوں کی بوچھاڑ شروع کر دی کمانڈر محمد بن قاسم نے اسلامی لشکر کی پوزیشن تبدیل کرتے ہوئے ہراول دستہ سے چھاپہ ماروں کی ایک ٹیم تشکیل دی اور اسے قلعہ پر شب خون مارنے کا حکم دیا۔ تین دن تک ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود وہ ٹیم قلعہ کی دیواروں تک پہنچنے میں ناکام رہی۔ آخر تین دن تک تگ و دو کے بعد قاسم نے ٹیم کو واپس بلا کر اس طریقہ کار کو ملتوی کر دیا۔ اور مکرانی گائیڈز کو مقامی لوگو سے ملاپ کر کے دیبل کے پراسرار قلعہ اور شہر کی دفاعی پوزیشن کا اندازہ لگانے اور ضروری معلومات حاصل کرنے پر مامور کیا۔ انہوں نے قلعہ کے متعلق ایک عجیب راز کا پتہ چلایا۔ وہ راز یہ تھا کہ شہر کے مرکز میں واقعہ ایک بہت بڑے مندر کی گنبد پر دیوتاؤں کا پھریرا جب تک لہراتا رہے گا تب تک سرزمین سندھ کی حفاظت کے ذمہ دار دیوتا ہوں گے اور سندھیوں کے اعتقاد اور ان کے پروہتوں کی پیش گوئیوں کے مطابق جھنڈے کی پامالی صرف اہل اسلام کے ہاتھوں عمل میں آئے گی اور جب یہ کام ہو جائے گا تو دیوتے بے بس ہو کر سندھ کو مسلمانوں

کے حوالے کر کے غائب ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسی صورت میں سندھیوں کو مسلمانوں
کے حوالے کر کے غائب ہو جائیں گے چنانچہ ایسی صورت میں سندھیوں پر یہ لازم ہو
گا کہ وہ غیر مشروط طور پر بلا مقابلہ اہل اسلام کی اطاعت قبول کر لیں۔

مکرانی گائیڈز یہ معلومات حاصل کر کے واپس لوٹے اور سندھیوں کے اعتقاد کی
مفصل کہانی محمد بن قاسم کے گوش گزار کر دی۔ محمد بن قاسم نے اس خبر سے فوری طور
پر اندازہ لگا لیا کہ سندھیوں کا مذہب اور ان کے پروہتوں کی پیشین گوئیاں سندھ میں
اسلام کی کامیابی کی گواہی دیتی ہیں۔ لہٰذا فوجی کاروائی سے پیشتر سندھیوں کو نفسیاتی
اورذہنی طور پر شکست دینی چاہیے۔ چنانچہ اس نے مندر کی بربادی اور جھنڈے کو
سرنگوں کرنے کے لئے لشکر سے والنٹیرز طلب کئے۔ کئی توپچی سامنے نکل آئے۔ اس
نے ان میں سے چند جانبازوں کا انتخاب کر کے اس ٹاسک پر مامور کرنے کے بعد
ضروری ہدایات دیں۔ پھر ان جانبازوں نے آناً" فاناً" توپوں کے پتھریلے گولوں کی لگاتار
بوچھاڑ سے پرچم دیوتان اور کلس مندر کو پیوند خاک کر دیا۔ شہر کے باشندوں نے جب
اپنے بتکدے اور دیوتاؤں کے جھنڈے کی یہ درگت بنتے دیکھی تو وہ خوف زدہ ہو کر شہر
سے باہر نکل آئے اور قاسم سے امان طلب کی۔ قاسم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا
کہ قلعہ کی فتح اور قیدیوں کی رہائی کا کام ابھی باقی ہے اور جب تک یہ بخیروعافیت پایہ
تکمیل تک نہ پہنچ جائے تب تک تم لوگ ہماری قید میں رہو گے اور قلعہ کی فتح کے
لئے کاروائی کے دوران لشکر اسلام سے پورا پورا تعاون کرو گے۔ انکار یا تساہل کی
صورت میں سخت کاروائی کی جائے گی۔ فتح کے بعد تمہارے برتاؤ اور خدمت کو ملحوظ
خاطر رکھتے ہوئے انفرادی طور پر معاملات کی چھانبین کے بعد مناسب فیصلہ کیا جائے گا۔

دیبل کی فتح

اسکاروائی کے بعد قاسم نے مقامی جاسوسوں کی مدد سے قلعہ پر چاروں طرف

سے حملہ کر دیا قلعہ قلعہ گیر سپاہ اپنے وسائل کے مطابق بڑی بے جگری سے لڑی مگر کچھ ہی دیر بعد مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور قلعہ کے دروازے کھول کر امان کے طلبگار ہوئے جیسیہ (Jaisiah) فرار ہو جانے میں کامیاب ہو گیا اور نیرون کوٹ (موجودہ حیدر آباد) پر قاسم کی متوقع حملہ کی روک تھام کے لئے تیاری کرنے لگا۔ قلعہ میں موجودہ مسلمانوں کو قید سے رہائی نصیب ہوئی۔ علافی سامہ محمد حارث کی تلاش کی گئی مگر وہ ہاتھ نہ لگ سکا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ راجہ داہر کے پایہ تخت الور (Alore) میں مقیم ہے۔

قاسم کا علاقہ سوآندھی سامہ میں داخلہ اور محمد امیر علافی سامہ کی زمینداری سے معزولی

فتح دیبل کے بعد کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر قاسم سب سے پہلے علاقہ سواندھی سامہ کی طرف متوجہ ہوا۔ ساماؤں کے مرکزی مقام تھری (Thurrie) پہنچ کر ان کے سربراہ محمد امیر سامہ سے حلف وفاداری لیا اور محمد حارث علافی سامہ کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے۔ خود کو قاسم کے رحم و کرم پر چھوڑتے ہوئے اسے اپنا مکمل تعاون پیش کیا۔

قاسم نے حلف وفاداری لے کر وہاں مقیم تمام ساماؤں کی (حسب ہدایت حجاج بن یوسف) جان بخشی کرتے ہوئے حاذم بن عمرو کو اس علاقہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ چنانچہ اس موقعہ پر اظہار مسرت کے طور پر لوہانوں قبیلہ کے لوگوں کی ڈانسنگ پارٹی نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ قاسم نے اس موقعہ پر محمد امیر سامہ سے دریافت کیا کہ کیا اسلامی رو سے مسلمانوں کی مجلس میں ایسی رسم زیب دیتی ہے جس پر محمد امیر نے بتایا کہ زمانہ قدیم سے یہ رواج چلا آ رہا ہے کہ سندھی قبائل کسی فاتح کی آمد پر یا مذہبی تہواروں کے موقع پر خوشی منانے کے لئے یہ رسم ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ پہلے پہل ہماری آمد پر

لوہانوں قبیلہ کے لوگوں نے ہمارا استقبال بھی اسی رسم کی ادائیگی سے کیا تھا۔ گو قاسم اس ناچ گانے سے لطف اندوز ہوا مگر اس نے اپنے مقرر کردہ نئے گورنر حازم بن عمرو کو خبردار کیا کہ آئندہ مسلمانوں کی مجلس یا کسی تقریب میں برہنہ یا نیم برہنہ حالت میں عورتوں اور مردوں کا اکٹھے ہو کر ناچنے اور گانے کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی۔

قاسم کی سندھی قبائل کے خلاف تادیبی کاروائی اور علاقائی والنٹیئر کور کی اقامت اور اشاعت دین

چند یوم قیام کے بعد قاسم نے محمد امیر سامہ کے مہیا کردہ ایک تجربہ کار مخبر اور گائیڈ علی محمد سامہ کی ہمراہی میں سواندھی سامہ سے ملحقہ علاقہ میں آباد قبائل ساہتہ۔ جندوڑ۔ لوہانوں۔ ماچھی۔ گوریجہ۔ برہمن۔ جاٹ۔ بانیہ۔ مومیہ ۔ ناک اور چمار لوگوں کو مطیع کرنے اور ان سے حلف وفاداری لینے کیلئے تھری سے روانہ ہوا۔ ان غیر مہذب اور نیم وحشی قبائل نے قاسم کے لشکر کی مزاحمت کرتے ہوئے اپنی فصلوں کو خود ہی برباد کرنا شروع کر دیا اور پینے کے پانی میں زہر ملا کر عملی طور پر اپنے عدم تعاون کا اظہار کیا۔ آخر جنرل قاسم سختی کرتے ہوئے ان لوگوں کو کسی حد تک راہ راست پر لانے میں کامیاب ہو گیا اور کئی لوگ مشرف بہ اسلام بھی ہوئے جو لوگ اسلام قبول نہ کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی جزیہ کی ادائیگی پر تیار ہوئے وہ چھپ چھپا کر بالائی سندھ کی طرف نقل مکانی کر گئے اور آخر کار اسلامی لشکر کی پیش قدمی پر وہ لوگ بالائی سندھ کے علاقہ سے سیالکوٹ اور لاہور کی آزاد ریاستوں میں منتقل ہو گئے۔ جنرل قاسم نے پانچ سو جانبازوں پر مشتمل ایک دستہ اندرونی نظام کے لئے خادم کے پاس چھوڑا اور علی محمد سامہ کی مدد سے ایک علاقائی والنٹیرز کور قائم کی جسے سپلائی لائن کی بحالی ۔ جاسوسی اور سکاؤٹس کے فرائض کی بجاآوری کے لئے موزوں مقامات پر متعین کر دیا گیا اس کام سے فراغت پانے کے بعد جنرل قاسم نے سندھی زمینداروں سے خراج لگان کی شرح مقرر کی اور نیرون کوٹ کی طرف کوچ کر گئے۔ نیرون کوٹ کے قلعہ میں راجہ داہر کے لڑکے جیسیہ

اور اس کے نائب سانی نے قاسم کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری تیار کر رکھی تھی۔ چنانچہ اسلامی لشکر کی آمد پر بیسہ اور سانی جان کی بازی لگا کر میدان میں نکل آئے اور چار دن تک خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر لشکر اسلام کے سامنے وہ زیادہ دنوں تک نہ ٹھہر سکے اور آخر کار میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ قاسم نے قلعہ نیرون کوٹ پر قبضہ کر لیا۔ ضروری انتظام کرنے کے بعد وہ الور (Alore) کی طرف بڑھا۔ راستے میں سیوستان۔ برہمن آباد اور دیگر چھوٹے موٹے قلعے فتح کرتے ہوئے وہ دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر پہنچ گیا اور علاقہ سے شناسائی کے لئے والنٹیرز کور کے ایک دستہ کو گشت پر روانہ کیا۔

راجہ داہر نے جب دیکھا کہ لشکر اسلام بغیر کسی خاص رکاوٹ اور دشواری کے آگے ہی آگے بڑھ رہا ہے اور مقامی باجگزار رانے اور زمیندران قبول اسلام کے بعد لشکر اسلام سے بھرپور تعاون کر رہے ہیں تو وہ بہت گھبرایا۔ چنانچہ اس نے عربی لشکر سے نمٹنے کے لئے اپنے مشیر باغی سردار محمد حارث علافی سامہ سے مشورا چاہا۔ حارث نے اسے بتایا کہ حالات سخت ناسازگار ہیں۔ ایک طرف تو والنٹیرز کور اور مقامی باشندوں کا لشکر اسلام سے تعاون اور دوسرے لشکر اسلام کے بڑھتے ہوئے حوصلے اور جوش جہاد کے پیش نظر میرا مشورہ یہ ہے کہ اپنی فوج کو مقابلہ کے لئے دریا کے اس پار نہ بھیجیں بلکہ عربوں کو دریا پار کرنے کی ترغیب دی جائے تاکہ ان کی پشت پر دریا ہونے سے پسپائی کی صورت میں وہ بچ کر نہ نکلنے پائیں۔

جنرل قاسم اور راجہ داہر کا مقابلہ اور حارث سامہ کا اندرون سندھ فرار

حارث سامہ کے مشورہ سے راجہ داہر بظاہر مطمئن نظر آتا تھا مگر لشکر اسلام کی پے درپے فتوحات اور اندرون سندھ تیزی سے پیش قدمی سے وہ اس قدر خوفزدہ ہو

چکا تھا کہ اس نے بوکھلاہٹ میں آ کر اپنی پوزیشن کا لحاظ کئے بغیر پناہ گزین حارث سامہ سے بڑی انکساری کی حالت میں عملی تعاون کی درخواست کی۔ حارث سامہ نے قدرے توقف کے بعد راجہ کو واشگاف الفاظ میں بتا دیا کہ اموی خلافت کا باغی اور بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے وہ اس پیرانہ سالی میں اپنے محدود وسائل سے اس کی کوئی مدد کرنے سے قاصر ہے اور مزید برآں اسے معلوم ہے کہ جنرل قاسم اس کی گرفتاری کے لئے پیچھا کر رہا ہے لہٰذا مصلحت اسی میں ہے کہ اسے یہاں سے خاموشی سے چھپ چھپا کر نکل جانا چاہئے۔ راجہ داہر یہ عذر سن کر ایک دم طیش میں آ گیا اور اسی وقت حارث سامہ کو اپنے دربار سے نکال دیا۔

سردار حارث سامہ چھپتے چھپاتے اپنے مجاہدین کو لے کر اندرون سندھ سفیان بن تبیار حر کے پاس پناہ گزین ہو گیا اور راجہ داہر کی شکست اور اس کے قتل کی خبر سننے تک اپنے اسی دیرینہ دوست اور محسن کے ہاں مقیم رہا۔ راجہ داہر نے حارث سامہ کے انکار پر اپنے بیٹے جیسیہ کو ایک بار پھر لشکر اسلام سے مقابلہ کا حکم دیا۔ راجکمار جیسیہ اس سے قبل لشکر اسلام کی ایک جھلک معرکہ دیبل میں دیکھ چکا تھا جس کی دہشت ابھی تک اس کے ذہن پر قائم تھی۔ تاہم باپ کے حکم کی تعمیل میں وہ میدان میں نکل آیا مگر کچھ ہی دیر بعد وہ حواس باختہ ہو کر واپس بھاگنے لگا۔ راجہ داہر نے اس کی جگہ اپنے کئی نامی گرامی اور چیدہ چیدہ جنگجو با جگدار ٹھاکروں کے یکے بعد دیگرے میدان جنگ میں بھیجا مگر ان میں سے اکثر یا تو قتل ہوئے یا میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ راجہ داہر نے اس خطرناک صورت حال کو بھانپتے ہوئے فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی بڑی بے جگری سے لڑا اور بہادری کے جوہر دکھائے مگر اس کی تمام جنگی تدبیریں اور دیوتاؤں کی آشیرباد سب رائیگاں گئیں تین دن کی لگاتار گھمسان کی جنگ کے بعد وہ آخر کار 10 رمضان 93ھ کو مارا گیا۔ میدان لشکر اسلام کے ہاتھ رہا۔ راجہ کا کٹا ہوا سر بمعہ مال غنیمت علی سارم ہمدانی حانل بن سلیم، علوان بجری قیس بن سعد اور بنی تمیم

کے چند مجاہدین کی حفاظت میں بغداد روانہ کر دیا گیا۔

بغداد پہنچنے پر ان مجاہدین کو جنرل قاسم کی سفارش پر ان کی دیبل، نیرون کوٹ، سیوستان اور آڑڈر میں شاندار مجاہدانہ خدمات اور بے مثل بہادری کے اعتراف میں بھاری انعامات اور ترقیوں سے نوازا گیا چند یوم قیام کے بعد یہ مجاہدین بغداد سے واپس سندھ میں اپنی ڈیوٹی پر لوٹ آئے۔ چند ماہ فوجی ڈیوٹی دینے کے بعد ان مجاہدین نے فوج سے سبکدوشی اور سندھ میں مستقل رہائش کے لئے درخواست دے دی حجاج بن یوسف وائسرائے عراق عجم کی پر زور سفارش پر خلیفہ نے ان مجاہدی کی درخواست منظور کرتے ہوئے انہیں ملک سندھ میں مستقل طور پر بسنے کی اجازت دے دی اور انہیں زمینیں دے کر برہمن آباد میں آباد کر دیا گیا ان کے ساتھ ہی مالک نامی ایک حبشی سردار کو بمعہ اپنے تین صد ہمراہیوں کے بھی برہمن آباد میں آباد ہونے کی اجازت مل گئی۔ قاسم نے اروڑ میں اپنے خاندان میں سے محمد اسماعیل نامی بن موسیٰ کو شہر کا قاضی مقرر کر دیا۔

برہمن آباد اور اروڑ میں آباد جاٹ۔ ساہتہ۔ لوہانوں۔ ماچھی اور جنڈر قبائل کے لوگ جو آئے دن علاقہ کا امن و امان درہم کرتے رہتے تھے عربوں کی تبلیغی کوششوں سے ان کی بھاری اکثریت مشرف بہ اسلام ہو گئی جن سے مجاہدین نے رشتے ناطے جوڑ لئے۔ کچھ لوگ جو مسلمان تو نہ ہوئے مگر انہوں نے حلف وفاداری اٹھا کر لگان اور جزیہ کی ادائیگی کی شرائط مان لیں۔ انہیں بدستور اپنی اپنی زمینوں پر رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ انہیں لوگوں کی دیکھا دیکھی عربی لوگ بھی کھیتی باڑی کے کام میں خاصے ماہر ہو گئے۔ باقی ماندہ سرکش اور شرارتی لوگ بالائی سندھ کی طرف بھاگ گئے جہاں سے آخر وہ سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کے خوف سے سندھ سے نقل مکانی کر کے لاہور اور سیالکوٹ کی ریاستوں میں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔

راجہ داہر کے قتل اور اروڑ کی فتح کے بعد قاسم نے ملتان، قنوج اور دریائے جہلم کے

قریب "مائر" نامی مقام پر بھی قبضہ کر لیا۔

لشکر اسلام 96 ھ میں اودھے پور میواڑ کی حد تک پہنچ گیا اس دوران رانا تمار ولد پاجار۔ قنوج کا راجہ سرہند۔ رانا موکا آف بیٹ اور اس کا بھائی کباز مسلمان ہو چکے تھے۔ انہیں ان کی جاگیروں پر رہنے دیا گیا اور لگان اور خراج کی رقم کا تعین کر کے باقاعدہ وصولی کرنا شروع کر دی۔

اودھے پور ہی وہ مقام ہے جہاں سے امیر امدادالدین محمد قاسم بن عقیل ثقفی کو گرفتار کر کے بغداد لے جایا گیا اور بغیر کسی ضابطہ کے اس نوجوان مجاہد اسلام کو طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں اور آخر کار وہ قبائلی عصبیت کی بھینٹ چڑھ گیا۔

محمد حارث علافی سامہ کی وفات اور اس کا نتیجہ

سردار محمد حارث علافی سامہ کو جب راجہ داہر ولد راجہ چچ ولد رائے سہلاج ولد بساس کی شکست فاش اور قتل کی اطلاع ملی تو اس نے اندازہ لگا لیا کہ راجہ داہر کے بعد اب سندھ میں اسلامی لشکر کو روکنے کے لئے کوئی طاقت باقی نہیں رہ گئی اور یہ کہ اس کی گرفتاری کے امکانات قوی اور یقینی ہیں۔ چنانچہ وہ فوراً معہ اپنے ہمرائیوں کے سفیان بن حر کی پناہ سے نکل کر ملتان کی طرف کوچ کر گیا۔ جوں جوں جنرل قاسم کا لشکر اندرون سندھ بڑھتا گیا علافی سامہ گرفتاری سے بچنے کے لئے آگے آگے بھاگتا رہا۔ حتیٰ کہ توکیہ (Tokia) کے مقام سے ہوتا ہوا کشمیر کی سرحد کے پاس شگل بار کے مقام پر مسافری کی حالت میں وفات پائی۔ (شگل بار موجودہ راولپنڈی کے قرب و جوار میں کہیں واقعہ تھا)

سردار حارث سامہ کی وفات کے بعد اس کا دست راست اور سیکنڈ ان کمانڈ جیہم سامہ شاہی اپنے بچے کھچے ساتھیوں کو لے کر اور بھیس بدل کر سندھ کی اتھاہ وادیوں میں گم ہو گیا اور اس طرح بنو میہ کے چالیس سالہ دور اقتدار میں یہ اجنبی اور

بے یارومددگار قبیلہ خلافت امیہ کے عاملان اور مقامی با جگرار جاگیرداران اور زمینداران کی دست برد سے بچتا بچاتا جگہ جگہ سر چھپاتا رہا۔ آخر حالات اور تاریخ نے پلٹا کھایا۔ خلیفہ مروان کی وفات کے بعد خلافت امیہ کا چراغ گل ہو گیا اور بنو عباس عرصہ دراز کی جدوجہد کے بعد خلافت پر قابض ہو گئے۔

سلماؤں کا عباسی گروپ میں ادغام

سردار محمد حارث علافی سامہ گو حکومت امیہ کا باغی تھا اور 45ھ سے وہ جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہا تھا اور اس کی وفاداریاں اور تعلقات حکومت اموی اور خاندان امیہ سے منقطع ہو چکے تھے تاہم یہ خدشہ اپنی جگہ پر قائم تا کہ مبادا قدیم قبائلی عصبیت پھر سے عود کر آئے اور کسی غلط فہمی کی بنا پر قبیلہ سامہ کے مہاجرین کو بنو عباس کہیں اپنا دشمن سمجھتے ہوئے ان کا کام تمام ہی نہ کر دیں انہوں نے خلافت عباسیہ کے عاملان سندھ کو اپنی وفاداریوں اور غیر مشروط اطاعت کا یقین دلاتے ہوئے ان کی قربت و فرماں برداریوں میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

تاریخ اسلام جہاں اہل اسلام کی تبلیغی خدمات۔ انتظامی قابلیت اور بہادری کا کھلے دل سے اعتراف کرتی ہے وہاں عربی قبائل کی نسلی کدورت و عصبیت مسلسل خانہ جنگی اور نزاع خلافت پر کشت و خون جیسے واقعات کو بھی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے منظر عام پر لانے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔ لہٰذا یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل موضوع سے قدرے ہٹ کر تاریخ کی اس بے باکانہ لب کشائی کو پرکھ کر یہ معلوم کیا جائے کہ قبیلہ سامہ کا محسوس کردہ یہ خطرہ کہاں تک صداقت پر مبنی تھا اور اس کے پیش نظر عباسیوں کی طرف جھکاؤ میں وہ کہاں تک حق بجانب تھا اور اسے کیوں ضروری سمجھا گیا۔

باب سوئم

از ۱۶۳ھ تا ۲۴۰ھ

خلفائے راشدین میں سے صرف خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ واحد خلیفہ ہیں جن کا عمر طبعی کو پہنچ کر انتقال ہوا۔ باقی تینوں خلفائے کرام نزاع خلافت۔ باہمی رقابت اور قبائلی عصبیت کا شکار ہو کر شہید ہوئے بنو عباس اور بنو امیہ کی باہمی چپقلش رسول اکرمؐ کے وصال کے فوراً بعد سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ رسول اکرمؐ کے چچا کی اولاد ہونے کی وجہ سے بنو عباس فخرو اعزا میں دوسروں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو ممتاز اور خلافت کا حقیقی وارث سمجھتے تھے مگر انتظامی قابلیت۔ سیاسی سوجھ بوجھ اور عربی قبائل سے میل جول اور ہردلعزیزی کا جہاں تک تعلق تھا بنو امیہ کا پلہ بھاری تھا۔ جس کی وجہ سے عباسی ابتدا میں حصول اقتدار میں ناکام رہے اور بنو امیہ خلافت پر قابض ہو گئے عباسیوں نے اسے اپنی شکست خیال کرتے ہوئے دل میں یہ بات بٹھا رکھی تھی کہ ان کے ساتھ بے انصافی ہوئی ہے اور ان کے جائز حقوق غصب ہوئے ہیں۔ چنانچہ امویوں کو اپنا حریف سمجھتے ہوئے وہ ہمیشہ ان سے برسرپیکار رہے اور خلافت کو اپنے بطون میں لانے کی لئے سرتوڑ کوششیں کرتے رہے۔ اسی کشمکش حصول اقتدار میں ایک تیسری طاقت حضرت بی بی فاطمہ بنت رسول اکرمؐ اور حضرت علیؓ کی اولاد کی بھی تھی

اور وہ اپنے آپ کو فاطمی کہتے تھے۔ چنانچہ یہ طبقہ بھی اپنے آپ کو خلافت کا حقیقی دعویدار سمجھتے ہوئے جدوجہد میں مصروف تھا۔ ان تینوں طاقتوں کا آئے دن آپس میں سرپھٹول ہوتا رہتا تھا۔ کئی نامور خاندان اس خانہ جنگی کی نذر ہو کر صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ ملت اسلامیہ کی اجتماعی قوت اور وقار کو سخت دھچکا لگا تھا ہر فریق نے طاقت کے بل بوتے پر اپنے اپنے مرکز قائم کر کے مملکت اسلامیہ کے حصے بخرے کر رکھے تھے۔ دمشق امویوں کی ہیڈ کوارٹر اور بغداد عباسیوں کا پایہ تخت اور فاطمی طبقہ مصر اور شمالی افریقہ کے علاقوں میں پھیلا ہوا تھا۔ امویوں نے ابتداء میں حضرت امام حسینؓ کو شہید کر کے فاطمیوں کی طاقت توڑ دی اور اس کے بعد عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور نے ابوالعباس سفاح کی وفات پر خلافت سنبھالتے ہی فاطمیوں کے تمام دعویدار خلافت کو ٹھکانے لگا کر دنیائے اسلام کا خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ تاہم مصر اور شمالی افریقہ میں اپنے آپ کو حضرت بی بی فاطمہؓ کی اولاد میں سے گردانتے ہوئے اور خلافت کے واحد اور اصل حقدار کی حیثیت سے 330ھ سے 591ھ تک اس طبقہ نے خوب دبدبے کے ساتھ حکومت کی ان خلفاء میں سے سب سے پہلے خلیفہ عبداللہ (Ȧbd Allah) نے اپنی خلافت کا دعویٰ کرتے ہوئے سنی مسلمانوں سے جبراً خلافت کو تسلیم کروایا اور اپنے آپ کو "محافظ دین" کا لقب دے کر 24 کے سال تک بڑے کروفر سے حکومت کی۔

بنو عباس کی زیر سرپرستی سنی مسلمان حلقوں نے اس تحریک کی سخت مخالفت کی۔ حسد اور رقابت کی آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ اپنی برتری اور رسول اکرمؐ کے چچا کی اولاد ہونے کی حیثیت سے خلافت کے اولین اور اصل حقدار ہونے کے دعویٰ کو دنیائے اسلام سے تسلیم کروانے کے لئے عباسیوں نے تحریک چلائی کہ عبداللہ اور وہ ہر گز حضرت بی بی فاطمہؓ کی اولاد میں سے نہیں ہیں اور وہ جھوٹ موٹ کے فاطمی بنے ہوئے ہیں۔ اس فتنہ سے دنیائے اسلام کی سلامتی اور یک جہتی کو سخت خطرہ ہے لہٰذا اس کا قلع قمع ضروری ہے۔ خلافت کے اصل حقدار بنو عباس ہی ہیں اور ان کی

حمایت اور اطاعت ہر مسلمان پر لازم ہے۔ یہ تحریک قادر بن بلا کے عہد میں (جب مصر میں فاطمی خلیفہ حاکم بن امر حکمران تھا) بہت زور پکڑ گئی۔ چنانچہ بغداد میں 1011ھ میں ایک عہدنامہ پر سنی مسلمانوں اور متعدد شیعہ اکابرین کے دستخط ہوئے جس کی رو سے اعلان کیا گیا کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو فاطمی ظاہر کر کے خلافت پر قبضہ جمائے ہوئے ہیں حضرت بی بی فاطمہ کی اولاد میں سے نہیں ہیں اور وہ جھوٹ موٹ کے فاطمی بن کر مسلمانوں کو دھوکا دے رہے ہیں۔ یہ عہدامہ حفظ ماتقدم کے طور پر بدیں وجہ ضبط تحریر میں لایا گیا کہ مبادا مسلمان کسی وقت حضرت بی بی فاطمہؓ کی "اولاد" کے مقابلہ میں بنو عباس کو کمتر گردانتے ہوئے انہیں (بنو عباس) خلافت کے حق سے محروم کر کے کہیں تاریخ کا رخ ان کے خلاف ہی نہ موڑ دیں اس حکمت عملی کے تحت بنو عباس اپنے برتری اور طاقت و اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے برابر کوششیں کرتے رہے۔ آخر ملک شام کے اموی بھی اپنی تمام تر ہمدردیاں اور وفاداریاں عباسیوں کے سپرد کر کے ان کے گروپ میں شامل ہو گئے جس سے امن و امان قائم کرنے اور فاطمی تحریک کو دبانے میں خاصی مدد ملی اور عباسیوں کا پلہ بھاری نظر آنے لگا۔

چنانچہ سندھ میں عاملان خلافت عباسیہ نے بھی اسی حکمت عملی کے تحت خاندان عباسیہ کی برتری اور دعویٰ حق خلافت کو تسلیم کروانے کیلئے زیادہ سے زیادہ حمایت حاصل کرنے کے لئے سندھ میں موجود مسلمانوں کی اکثریت کو اپنے گروپ میں شامل کرنے کے لئے نرمی اور سختی دونوں سے خوب کام لیا۔

چالیس سال سے جلاوطنی اور چھپ چھپا کر زندگ بسر کرنے والے باغی قبیلہ سامہ کے بچے کھچے ڈانواں ڈول پھرنے والے افراد سے حوادث زمانہ نے سوائے نام شرافت اور محنت کے باقی سب کچھ چھین لیا۔ سندھی نژاد اقوام میں غلط ملط ہو کر مجاہدانہ طور و اطوار قصہ پارینہ بن کر رہ گئے۔ آواز میں پہلی سی گرج نہ رہی۔ زبان کا صحرائی اکھڑپن جاتا رہا اور اس کی جگہ انکساری نے لے لی۔ تلوار پر زنگ کی تہہ جم

گئی۔ سنگدل تاریخ نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ اس کسمپرسی کی حالت میں اس منتشر گروہ کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ حکمران طبقہ کی تائید و حمایت میں اپنے قول و فعل سے اپنی وفاداری اور اطاعت کا یقین دلا کر اس کی قربت حاصل کریں۔ اپنا خاندانی تشخص برقرار رکھنے اور باوقار زندگی بسر کرنے کا یہی طریقہ موزوں سمجھا گیا چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد وہ عباسی گروپ کا ایک جزولاینفک بن گئے ادارہ خلافت سے مسلمانوں کی وفادای ایک مذہبی فریضہ کی حیثیت رکھتی تھی اور اسی بنا پر سوائے شمالی افریقہ جہاں فاطمیوں کا زور تھا باقی تمام عالم اسلام میں خلافت عباسیہ کے نام کا خطبہ جمعہ کو مساجد میں پڑھا جاتا تھا اور ہر مسلمان حکمران اپنے رائج کردہ سکہ کے ایک پر خلیفہ وقت کا نام کندہ کرواتا تھا اور دربار خلافت سے فرمان جاری ہونے کے بعد ہی تخت نشینی کی سرکاری تقریبات منعقد ہوا کرتی تھیں۔ گو وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ فریضہ ایک رسم محض بن کر رہ گئی تاہم ہندوستان میں یہ سلسلہ کسی نہ کسی صورت میں ابراہیم لودھی کے عہد حکومت تک برابر جاری رہا۔

خلافت عباسیہ کے عہد میں بغداد اور سمارا سے عربی خاندان سندھ میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے لئے جوق در جوق آنا شروع ہو گئے۔ عباسیوں کی نفری میں دن بدن اضافہ ہونے لگا حتیٰ کہ ان کی سندھ میں حکومت کے خاتمہ تک عربی باقیات میں عباسی گروپ سب سے بڑا ہونے کے علاوہ افضل اور باثر تسلیم کیا جانے لگا۔ اموی دور میں بنوسامہ کی سندھ میں آمد کے بعد محمد بن قاسم ثقفی کے لشکر میں سے مجاہدین کی خاصی تعداد وقتاً" فوقتاً" مستقل سکونت اختیار کرتی رہی اور اسی گروپ میں شامل مختلف عربی خاندان اپنی شرافت' پرہیزگاری' دینی علوم میں مہارت' تبلیغی سرگرمیوں' عقل و ذہانت' انتظامی قابلیت' محنت اور بہادری کے لحاظ سے تاریخ سندھ یعنی "چچ نامہ" میں "ملاں" اور "بزرگ" کے معزز القاب سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

خاندان سامہ عربی باقیات میں سے عباسی گروپ کا سب سے بڑا اور واحد خاندان

ہے جس نے سندھ کو اپنا وطن جانتے ہوئے اس کی تعمیر و ترقی میں گہری دلچسپی لی اور بھرپور محنت کی۔ گمنامی کی حالت میں مقامی لوگوں سے سیکھا ہوا فن زراعت کام میں لاتے ہوئے بھکر، سکھر، میرپور میتلو، سواندھی سامہ اور موجودہ ریاست بہاولپور کے علاقہ جات معہ ریاست ملتان کے اندر نہروں کا جال بچھا کر پیداوار میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔

عراق عرب کی طرز پر انہوں نے نیلے رنگ کا دھاری دار تہبند اور کالی پگڑی کا استعمال شروع کر دیا جو اس قبیلہ کی تمام شاخوں میں آج تک چلا آ رہا ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے امیرامداد الدین محمد بن قاسم بن عقیل ثقفی کی زیر قیادت لشکر اسلام مشتمل بہ چھ ہزار شامی، گیارہ ہزار عراقی و عجمی بمعہ چند علمائے دین اور دو سو کے قریب مکرانی والنٹیرز 92ھ میں سندھ میں داخل ہوا۔ اس وقت سے لے کر سندھ میں اموی دور میں امویوں نے بحیثیت فاتح اور حکمران گروپ کے سندھ کی تعمیر و ترقی میں عملی طور پر کوئی خاص حصہ نہ لیا۔ لشکر اسلام کا حملہ دراصل راجہ داہر کے خلاف ایک تادیبی کاروائی اور حارث سامہ کی گرفتاری کے لئے کیا گیا تھا۔ اسلامی دستور کے مطابق لشکر اسلام کو سوائے فوجی خدمات کے مفتوحہ علاقہ کے اندرونی معاملات یا مروجہ مقامی سول قوانین اور رسم و رواج میں مداخلت یا رد و بدل کرنے یا کوئی جائیداد غیر منقولہ پیدا کر کے کھیتی باڑی کا کام یا دوسرے پیشہ اختیار کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ مفتوحہ علاقوں کے راجوں، رانوں یا سرداروں سے حلف وفاداری لے کر انہیں باجگذار بنا کر حسب معمول اپنی سابقہ پوزیشنوں پر رہنے کی اجازت دے دی جاتی تھی مسلمان عاملات کے ذمہ صرف مندرجہ ذیل فرائض ہی ہوتے تھے۔

1- فوج اور جانوروں کے راشن پانی کی سپلائی کے انتظام کے لئے مقامی حکمرانوں کی خدمات حاصل کرنا۔

2- پیش قدمی کے وقت حسب ضرورت مقامی لوگوں کو لشکر اسلام کی معاونت و امداد کے

لئے وقتاً" فوقتاً" بھرتی کرنا۔

3- لگان' مالیہ' خراج' جذیہ یا دوسرے رائج الوقت ٹیکسوں کی وصولی کا انتظام اور ان کی حسب قائدہ تقسیم اور بیت المال کا حصہ بھجوانے کا معقول اور باقاعدہ انتظام۔

کوئی فوجی اگر شادی کا خواہاں ہوتا یا وہ مفتوحہ علاقہ میں مستقل سکونت اختیار کرنے کا متمنی ہوتا تو اس کی باقاعدہ اجازت خلیفہ وقت سے حاصل کرنی لازمی تھی۔ بدلتے ہوئے حالات کے تحت لشکر اسلام کی اندرون سندھ پیشقدمی سے فوجی ذمہ داریوں میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا۔ چنانچہ ایسی صورت میں امویوں کو سندھ کی تعمیرو ترقی میں عملی طور پر حصہ لینے کا کوئی موقعہ اور مہلت ہی نہ مل سکی۔

عباسی دور کے طویل عرصہ میں اندرون سندھ پیش قدمی اور مزید فتوحات کا سلسلہ بند ہو جانے کی وجہ سے سندھ خوشحال ہو گیا اور امن و امان کی صورت حال مجموعی طور پر تسلی بخش رہی یہ دور دراصل سندھ کی تعمیرو ترقی کا دور سمجھا جاتا ہے۔

حکومت امیہ کے چالیس سالہ دور میں عاملان سندھ باقاعدہ طورپر غیر مسلم اور مسلم جاگیرداران اور زمینداران سے لگان۔ خراج اور جزیہ وصولی کرتے رہے اور اسی دستور کے تحت حکومت امیہ کے خاتمہ کے بعد 132ھ تا 240ھ حکومت عباسیہ کے عاملان بھی ان سے باقاعدہ طور پر لگان اور خراج وغیرہ وصول کرتے رہے۔ عباسی گروپ کے افراد اپنے 108ھ سالہ دور اقتدار میں سندھی نو مسلم گھرانوں میں رشتے ناطے کر کے خاصی حد تک مخلوط النسل ہو گئے۔ اسی دور میں ملتان میں آباد ساماؤں کی کوششوں سے کئی جاٹ (ملی) خاندان مسلمان ہو کر خاندان سامہ میں خلط ملط ہو کر عباسی گروپ کا حصہ بن چکے تھے۔

مشہور مورخ مسعودی جب 302ھ میں کھمبائت اور ملتان آیا تو اس وقت ریاست ملتان پر ابوالعباب منب بن اسد القریش سامہ کی حکومت تھی اور ساماؤں کی

بھاری اکثریت ان علاقوں میں آباد تھی اور ان ہی کی اولاد اج تک "ملاں" کے لقب سے پکاری جاتی ہے۔ انہیں سلماؤں میں سے ان کی بطون "رائیں" ملتان میں ملتانی " رائیں" کہلاتی ہے جس کا مفصل حال آئندہ اوراق میں آئے گا۔

سمرا اور بنو سامہ میں عصبیت اور اس کے اثرات

خاندان سمرا عراق عرب سے خلافت عباسیہ کے زمانہ میں نقل مکانی کر کے سندھ میں آباد ہوا تھا لہٰذا وہ اپنے آپ کو عباسی گروپ کا بنیادی اور مقتدر رکن سمجھتے ہوئے اس گروپ میں بعد میں شامل ہونے والے اموی گروپ کے سابقہ رکن بنو سامہ کو اپنے سے کمتر اور گھٹیا درجہ کا خیال کرتا تھا۔ اسی بنا پر شروع سے ہی ان دونوں قبیلوں کی آپس میں نہ بن آئی اور ہر وقت ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور گزند پہنچانے کی تاک میں لگے رہتے تھے۔ چنانچہ ایسی کھینچا تانا ور باہمی چپقلش کے دوران سمراؤں کو سلماؤں کے خلاف ایک نئی چال سوجھی۔ انہوں نے بنو سامہ کو رسوا کرنے کے لئے سواندھی سامہ کے نواح میں غیر مسلم ریاست امرکوٹ کے راجہ بنگاہ رائے سے سازباز کر کے اس سے ایک سامہ سردار جھانگراں کی جاگیر پر حملہ کروا دیا۔ اس ظالم نے سلماؤں کے کئی گاؤں تباہ کر دیئے اور املاک لوٹنے کے علاوہ ان کی بنیادی گوت چاچڑ (چاچڑ سواندھی سامہ میں واقعہ ایک اہم قصبہ تا جہاں شروع میں سلماؤں نے قیام کیا تھا) کے متعدد زمینداران کو مہ تین نو مسلم جاٹ خاندان سوسار، سبھاگو اور سیرا جو چاچڑوں کی زمینوں پر کاشت کرتے تھے قیدی بنا کر امرکوٹلے گیا جہاں ان سے غلاموں کا سا کام لینے لگا۔ سردار جھانگراں کو جب اس المیہ کی اطلاع ملی تو اس نے موقع پاتے ہی نہایت چابکدستی سے امرکوٹ کے قلعہ پر شبخون مارا اور قلعہ گیر محافظوں کو تہ تیغ کر کے تمام قیدیوں کو بمعہ مال مویشی اور بھاری مال غنیمت کے چھڑا کر لے آیا اور راجہ بنگاہ رائے کو اس کاروائی کی کانوں کان خبر تک نہ ہونے دی۔ چنانچہ سندھی لوک قصے کہانیوں میں جہاں سمراؤں اور سلماؤں حکمرانوں کے عشق و محبت اور بہادری کے

کارناموں کے تذکرے ملتے ہیں وہاں یہ کہاوت بھی آج تک محفوظ چلی آ رہی ہے جسے سندھی مراثی اور لنگے ساماؤں کی خوشی منانے کی تقریبات میں سنا کر انعام اور داد حاصل کرتے ہیں۔

سوسار - سھاگو - سرا اور چوتھا چاچڑیہ

آندہ جام جھاکڑے رہا بندھن بنگاہ را

(نوٹ جھاکڑے جھانگراں سے بگڑا ہوا نام ہے)

چنانچہ ساماؤں کو جب یہ علم ہوا کہ بنگاہ رائے کا حملہ دراصل سمراؤں کی بزدلانہ اور ذلیل سازش کا نتیجہ تھا تو وہ پہلے سے زیادہ چوکنے ہو گئے اور حفظ ماتقدم کے طور پر مقامی ساہتہ اور جنڈر قبائل سے مل کر سمراؤں سے کئی فتنہ انگیز اور وحشی خصلت گھرانوں کو سو آندھی سامہ سے باہر بالائی سندھ کے علاقوں میں دھکیل دیا جس سے سر پھٹوں اور قتل و غارت کی واردات میں گو خاصی کمی واقع ہو گئی مگر پھر بھی یہ بیماری جڑ سے نہ گئی اور گاہے بگاہے آپس میں جھڑپوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ چنانچہ اس کشمکش اور دھینگا مشتی میں ڈیڑھ سو سال کا عرصہ بیت گیا۔ غیر مسلم، نومسلم اور عربی نژاد زمینداران اپنے اپنے علاقوں کے مطلق العنان حاکم بن بیٹھے۔ مرکزی سطح پر کوئی مضبوط حکومت قائم نہ ہو سکی۔ ہر کسی کو کھلی چھٹی تھی۔ چاروں طرف شور شرابہ، بدامنی، قتل و غارت، چھینا جھپٹی اور ابتری کا سماں تھا۔

ریاست ملتان پر منبہ بن اسد سامہ کا قبضہ

خلافت عباسیہ کے آخری دور میں بشر بن داؤد عامل سندھ حکومت بغداد کا باغی ہو کر سندھ کا مالک بن بیٹھا مگر خلیفہ مامون الرشید کی بیدار مغزی اور بروقت کاروائی سے جلد ہی اس بغاوت پر قابو پا لیا گیا تاہم بشر بن داؤد نے اپنے سے بعد میں آنے والی عباسی عاملان سندھ حاجب بن صالح، غسان بن عباد اور موسیٰ بن یحییٰ کو پھر بھی چین

سے نہ بیٹھنے دیا اور معزول ہونے کے باوجود 221ھ تک برابر خرمستیاں کرتا رہا اور آخر کار اپنے انجام کو پہنچا۔ قادر بن بلا کے عہد میں ہلاکو خان تاتاری نے جب بغداد کو تاخت و تاراج کیا تو سندھ پر عباسی خلافت کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی جس سے اس خطہ سرزمین میں ایک بار پھر سیاسی صورت حال کا توازن بگڑ گیا اور ملک مندرجہ ذیل تین بڑی خودمختار ریاستوں میں بٹ گیا۔

1- ریاست منصورہ

موجودہ حیدر آباد (قدیم نام نیروں کوٹ) سے ساحل سمندر تک کا علاقہ۔ یہ مقام حیدر آباد سے 40 میل دور بجانب شمال مشرق واقعہ تھا اور اس پر حاکم عبدالعزیز ہباری نے تسلط جما لیا اس قدیم بستی کی کھدائی کا کام اب ہو رہا ہے۔

2- ریاست مکران

موجودہ بلوچستان' آرمان بیلا اور کرمان کا کچھ حصہ اور سواندھی سامہ کا جنوبی۔ ساحلی علاقہ۔ صدر معام کیچ مکران عیسیٰ بن سعدان اس کا حکمران بن بیٹھا۔

3- ریاست ملتان

موجودہ روہڑی سے بجانب شمال مشرق بشمول ریاست بہاولپور جس کا بیکانیر' موجودہ انبالہ ڈویژن کا پہاڑی علاقہ کانگڑہ' منڈری' سکیت' چنبہ' جموں' ریاسی اور کشمیر کی موجودہ سرحد نے گھیر رکھا تھا اس ریاست میں موجودہ جھنگ' فیصل آبد' شور کوٹ' مظفر گڑھ' میانوالی' سرگودھا اور ڈیرہ غازی خان کے علاقے بھی شامل تھے۔ یہ سب سے بڑی ریاست تھی اور اس پر منبہ بن اسد سامہ نے قبضہ جما لیا۔

خلافت عباسیہ کے مقرر کردہ عاملان سندھ کا تذکرہ بہت طویل ہے اور اور تاریخ اسلام اور تاریخ سندھ میں بکھرا پڑا ہے جس جو یکجا کرنا آسان کام نہیں اور ویسے بھی اس کا اصل مضمون سے کوئی خاص واسطہ نہیں لہٰذا اسے نظر انداز کرتے ہوئے سیاست کے اتار چڑھاؤ اور الٹ پھیر کو سمجھنے کے لئے ضمنی طور پر اوپر اختصاراً" ذکر کر دیا ہے تاکہ سماؤں کی سیاسی سرگرمیاں نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائیں۔ گو 235ھ سے سندھ کے حصے بخرے ہو چکے تھے تاہم پھر بھی خلافت عباسیہ کا پرچم تمام ملک سندھ پر لہرا رہا تھا اور جمعہ کے روز مساجد میں خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا مگر یہ سب کچھ برائے نام ہوتا تھا۔ ان تینوں ریاستوں کے خود مختار حکمران گو اپنی اپنی جگہ اب آزاد تھے مگر دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے مقامی جاگیرداران اور زمینداران پر ان کا کنٹرول نہ ہو سکا جس کی وجہ سے آئے دن یہ لوگ کوئی نہ کوئی مصیبت کھڑی کرتے رہتے تھے چنانچہ ریاست ملتان میں سب سے پہلے مندرجہ ذیل پانچ غیر مسلم بدھی رانوں نے خراج و لگان کی ادائیگی بند کر دی اور اپنی جاگیروں میں خود مختاری کے لئے پر تولنے لگے۔

1- رانا جسٹر 2- رانا جسودھن آگرہ 3- رانا ساہنار ساہتھ 4- رانا سانیار 5- رانا واکھیہ

حاکم ملتان منبہ سامہ کو جب ان سازشوں کا علم ہوا تو اس نے فوری طور پر تادیبی کاروائی کر کے ان رانوں کی جاگیریں ضبط کر لیں اور ان میں سے زیادہ سرکش رانا واکھیہ اور جسودھن آگرہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بقایا تین رانے سندھ کی سرحد پار کر کے سیالکوٹ اور لاہور کے علاقوں میں پناہ لینے میں کامیاب ہو گئے (یاد رہے کہ ان ایام میں سندھ اور ہند سے الگ لاہور اور سیالکوٹ خود مختار اور آزاد ریاستیں تھیں جو دونوں ممالک سے بھاگنے والوں کے لئے پناہ گاہوں کا کام دیتی تھیں)

بت شکن کی آمد اور سندھ سے عربوں کا انخلا

410ھ میں حالات نے یکایک پلٹا کھایا۔ اس سال ماہ رمضان کے وسط میں سلطان محمود آف غزنی بت پرستی کی لعنت کو ختم کرنے کفرستان ہند کے قدیم ترین اور سب سے بڑے بتکدہ سومناتھ کی لعنت کو ختم کرنے کے لئے غزنی سے براستہ سی (Sibee) جب ملتان پہنچا تو اس نے کچھ عرصہ یہاں پڑاؤ کیا۔ اپنے اس مختصر سے قیام کے دوران اس نے سندھ کی سیاسی صورت حال اور عربوں کی روزمرہ کی زندگی کا بغور جائزہ لیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ عربوں میں تن آسانی اور نااتفاقی گھر کر چکی ہے اور وہ مخلوط النسل ہو کر مجاہدانہ اور تبلیغی ذمہ داریوں کو بحیثیت نمائندہ خلافت اسلامیہ پورا کرنے کی صلاحیت سے یکسر محروم ہو چکے ہیں۔ لہٰذا انہیں اقتدار سے علیحدہ کر دینے میں ہی اس خطہ سرزمین کی بہتری ہے چنانچہ ہندوستان روانہ ہونے سے پہلے وہ اپنے وزیر باتدبیر عبدالرزاق کو پیچھے چھوڑ کر یہ حکم دے گیا کہ وہ عربی حکام اور عہدیدران سے انتظام اپنے ہاتھ میں لے کر سندھ کی عملداری کو بہتر پر استوار کرے اور ملک بھر میں ادھر ادھر بکھری ہوئی عرب آبادی کا کھوج لگا کر اس سے حلف وفاداری لیا جائے اور کلیدی آسامیوں پر کام کرنے والوں کے علاوہ وہ لوگ جو کسی نہ کسی صورت میں دینی خدمات پر مامور ہیں اور وہ بااعتبار وفادار ثابت ہوں انہیں بطور غزنوی رعایا سندھ میں ہی قیام کرنے ــــ ہی کی اجازت دے دی جائے اور جو لوگ حلف وفاداری سے انکاری ہوں یا جن کی وفاداریاں مشکوک ہوں انہیں سندھ بدر کر دیا جائے اور جو شرانگیز اور باغیانہ ذہنیت کے لوگ اس پروگرام میں روڑے اٹکانے کی کوشش کریں انہیں عبرتناک سزائیں دی جائیں۔

بت شکن کے جانے کے بعد عبدالرزاق نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میں سندھ میں ایک طوفان برپا کر دیا۔ ملک گیر سطح پر تلاشیاں لے کر مشکوک اور ناپسندیدہ افراد کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق حضرت عمرؓ خلیفہ دوئم کے عہد خلافت سے لے کر خلافت عباسیہ کے زوال اور سندھ میں اس کے خاتمہ تک چالیس ہزار کے قریب عربی نفوس اپنے مخصوص قبائلی اسما و القاب سے انفرادی یا اجتماعی طور پر وقتاً" فوقتاً" سندھ میں وارد ہوئے جن میں بقول مسٹر ای۔ ایچ ا ئکنز (مشہور انگریز مورخ) ان کی اکثریت مقامی باشندوں سے ازدواجی تعلقات قائم کر کے کافی حد تک مخلوط النسل ہو کر اپنا عربی تشخص مجروح کر چکی تھی۔ کم نفری والے خاندان یا کنبے تو کلی طور پر سندھیوں میں مدغم ہو کر اپنے حسب نسب کو بھلا بیٹھے تھے اور کئی سندھی گھرانے عرب نیچرلائزیشن سکیم سے ناجائز فائدہ اٹھا کر عربی نام اور القاب اپنا کر ایک دو پشت کے بعد اپنے آپ کو عربوں کی نسل سے ظاہر کر کے عربی النسل بن چکے تھے اور اس کے علاوہ وہ علمائے دین اور مبلغین جو عراق عجم یعنی بخارا۔ شیراز۔ ہمدان۔ اصفہان کرمان اور عراق عرب یعنی کوفہ۔ بغداد اور گیلان وغیرہ اسلامی مراکز سے اسلامی مہمات کے ہمراہ وقتاً" فوقتاً" سندھ میں داخل ہوتے رہے تھے۔ انہوں نے تبلیغ دین اور اسلامی علوم و حکمت کی اشاعت جیسے بنیادی اور اہم فرائض پر پوری توجہ دینے کی بجائے سندھ بت پرستانہ ذہنیت کو عین راس آنے والا پیری مریدی کا دھندہ اختیار کر لیا ہوا تھا جس سے وہ وسیع اراضیات اور جائیدادوں کے مالک بن کر اپنے آپ کو حضرت بی بی فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی اولاد میں سے ظاہر کر کے شیوخ کی بجائے "سید" کہلوانے لگ گئے جس کے نتیجہ میں "سیدوں" کی ایک الگ برادری معرض وجود میں آچکی تھی۔ جو قومیت کے لحاظ سے تو اپنے آپ کو عربوں سے ملاتے تھے مگر در اصل تھے عجمی اور بدیں وجہ اپنا تشخص الگ رکھتے ہوئے انہوں نے خود ہی سرکاری دستاویزات میں اپنے ناموں کے آگے بخاری۔ شیرازی۔ اصفہانی۔ ہمدانی۔ کرمانی ور گیلانی وغیرہ جیسے اندراجات کروا رکھے تھے۔

یہ تھی وہ پر پیچ اور گنجلدار صورت حال جس سے عبدالرزاق کو نپٹنا پڑا اور

اصلی اور نقلی عرب کی پہچان ایک دقیق مسئلہ بن گیا۔ پھر اس گتھی کو سلجھانے کا ایک آسان طریقہ اس کے ہاتھ آ گیا۔ اس نے مقامی باشندوں میں سے چیدہ چیدہ تجربہ کار اور چالاک افرد کو بطور مخبر اور جاسوس بھرتی کر کے تمام ملک میں پھیلا دیا۔ یہ راشی لوگ جس کو چاہتے عربی ظاہر کر کے اسے پھنسا دیتے اور جسے چاہا اسے سندھیوں میں شمار کر کے اسے آزاد کروا دیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ صاحب حیثیت اور وسیع جائدادوں کے مالک فکریہ طور پر اپنے آپ کو عربی النسل کہنے والے لوگ اپنی جائیدادوں کے تحفظ کی خاطر عبدالرزاق کی کڑی شرائط پر بلاچون و چراں غزنوی رعایا بننے پر رضامند ہو گئے۔

عربوں کی پوری آبادی میں سے صرف خاندان سمرا اور بنو سامہ ہی دو بڑے قبیلے سالم طور پر کسی نہ کسی حد تک اپنے قبائلی ناموں کے ساتھ اپنا تشخص برقرار رکھے ہوئے تھے اور وہ اس وقت تک نسلی کدورت اور قبائلی ناموں کے ساتھ اپنا تشخص برقرار رکھے ہوئے تھے اور وہ اس وقت تک نسلی کدورت او ر قبائلی عصبیت کے چنگل سے پوری طرح آزاد نہ ہو پائے تھے اور آئے دن گتھم گتھا ہوتے رہتے تھے چنانچہ ان کی شناخت میں عبدالرزاق کو اتنی مشکل کا سامنہ نہ کرنا پڑا اور بدیں وجہ غزنوی عتاب کا سب سے پہلا نشانہ منبہ بن اسد سامہ سابق حاکم ملتان کے جانشینوں کو بننا پڑا۔ اور وہ ملتان کی عملداری سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ خاندان سمرا اور بنو سامہ کے لوگوں کی اکثریت ملتان سیوستان بھکر۔ سکھر۔ ٹھٹ۔ نیرون وکٹ اور سواندھی سامہ کے دیہات میں اپنی زمینوں پر کام کرتی تھی اور کچھ لوگ شہروں میں رہائش پذیر تھے۔ سمراؤں اور سماؤں کے وہ جاگیرداران اور زمینداران جو حلف وفاداری دے کر خراج اور لگان دینا مان گئے۔ ان کی جاں بخشی کرتے ہوئے عبدالرزاق نے انہیں ان کی زمینوں پر رہنے کی اجازت دے دی۔ ان کے علاوہ مساجد اور دینی درسگاہوں کے منتظمین اور سول محکموں میں کلیدی آسامیوں پر کام کا تجربہ رکھنے والے اور مالدار طبقہ "سید" کی بھاری اکثریت

کو حلف وفاداری لینے کے بعد اپنے اپنے کاموں پر بدستور رہنے دیا گیا۔ ان لوگوں کے علاوہ باقی تمام اصلی اور نقلی عربوں کو سندھ خالی کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ خاندان سمرا کے پاس جیسا کہ ابتدائی اوراق میں ذکر آ چکا ہے سماؤں کے مقابلہ میں اراضیات اور دیگر غیر منقولہ جائیدادیں کہیں زیادہ تھیں اور وہ تعداد میں بھی سماؤں سے کئی گنا زیادہ تھے۔ انہوں نے عبدالرزاق کی غیر مشروط اطاعت قبول کرتے ہوئے اس کا قرب حاصل کر لیا اور وہ مجموعی طور پر سندھ میں ہی مستقل طور پر مقیم رہے اور اس طرح انہیں سماؤں کو خوار تنگ کرنے کا ایک آسان اور محفوظ طریقہ ہاتھ آ گیا۔ وہ موقعہ محل دیکھتے ہوئے عبدالرزاق کے سماؤں کے خلاف کان بھرتے رہتے۔ چنانچہ اس نے سمراؤں کے اشاروں پر چلتے ہوئے کئی سامہ گھرانوں کی دوبارہ سکریننگ (Screening) کروانی شروع کر دی اور جہاں ذرا سا شک گزار اس نے کڑی شرائط عائد کر کے ان کی نقل و حرکت پر پابندی لگا دی اور بیگاریں لینی شروع کر دیں۔ غرضیکہ سمراؤں کے ایما پر عبدالرزاق نے معمولی معمولی واقعات کو بہانہ بنا کر سماؤں کو اذیتیں پہنچانے اور تنگ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

آخر کار اس کے بڑھتے ہوئے مظالم سے تنگ آ کر شہروں کے قرب و جوار میں بسنے والے سماؤں کے کئی گھرانے جو نہ تو وسیع جائیدادوں اور اراضیات کے مالک تھے اور نہ ہی انہیں اس پر آشوب طوفانی دور میں کامیاب اور باعزت مستقبل کی کوئی امید نظر آتی تھی بحالت مجبوری ایک بڑے قافلہ کی صورت میں گلوں میں قرآن لٹکائے شیخ سالار ساہو کی زیر قیادت 423ھ میں وطن عزیز کو الوداع کہتے ہوئے موجودہ علاقہ رد ھیل کھنڈ کی طرف نقل مکانی کر گئے۔

نیا گھر اور مصائب و آرام

رد ھیل کھنڈا ان دنوں بانسوں کے جنگلات سے ڈھکا ہوا علاقہ کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا شیخوں کے لئے یہ بڑی کڑی آزمائش کا وقت تھا۔ شہری زندگی سے مانوس سفر

کی صعوبتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ان میں سے کئی تو راستہ میں ہی دم توڑ گئے۔ آخر کسی نہ کسی طرح پڑاوء بہ پڑاوء یہ قافلہ موجودہ بریلی کے نزدیک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔اس غیر آباد علاقہ میں ان ایام مین جھنگڑ۔ کرمی۔ بہار۔ موراوء۔ مالی۔ برہمن اور آرکھ نامی ہندی قبیلوں کے کسان کہیں کہیں جنگلوں کو صاف کر کے وہاں اپنے گزارے کے لیے کھیتی باڑی کرتے تھے شیخوں کے ہاں پہنچنے پر یہ لوگ جل بھن گئے جھنگڑ لوگ جو اپنے آپ کو قدیم ہندون کے کشتری قبیلہ کی اولاد بتاتے تھے انہوں نے دوسرے تمام کسانوں کو اکٹھا کر کے شیخوں کے خلاف محاذ قائم کر لیا ساماؤں نے موقعہ محل دیکھتے ہوئے انہیں وقتی طور پر ان کے حال پر چھوڑتے ہوئے کچھ فاصلہ پر پیلے رنگ کے بانسوں سے ڈھکے ہوتے علاقہ کو صاف کر کے دل مان (DILMAN) نام کا ایک گاوں آباد کیا۔ یہی گاوں آگے چل کر تاریخ میں پیلی بھیت کے نام سے مشہور ہوا جو آج کل ہندوستان کے چند خوشحال اضلاع میں سے ایک خوشحال ترین ضلع شمار ہوتا ہے۔ دلمان میں انہوں نے ڈیرے ڈالنے کے بعد اپنے قافلہ میں سے ملک عبداللہ نامی ایک شخص کو اپنا سربراہ چن کر مقامی کسانوں کو رفتہ رفتہ ان کی زمینوں سے بے دخل کر کے موجودہ بریلی اور پیلی بھیت کے تمام علاقہ پر اپنا قبضہ جمالیا۔ ان ہندی کسانوں میں سے کئی لوگوں نے پٹہ پر ساماون کی تیار شدہ زمینیں حاصل کر کے اپنی کھیتی باڑیکو بڑھالیا اور کئی گھرانے بطور مزارع کام کرنے لگے اور اس طرح ان کسانوں کازور ٹوٹ گیا اور سامہ شیخ تمام علاقہ کے بلا شرکت غیرے مالک بن گئے

سامہ شیخوں کو آئندہ در پیش مشکلات اور اس علاقہ سے اندرون ہند نقل مکانی بطرف یو پی اور سی پی کی تفصیلات نقل مکانیوں کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔ فی الحال اس قافلہ کو یہاں چھوڑتے ہوئے سندھ واپس چلتے ہیں تاکہ وہاں کی صورت حال کا جائزہ لے کر کے اصل موضوع کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور دیکھا جائے کہ اس نقل مکانی کے بعد شیخ سامہ کن مشکلات سے دوچار ہو کر مختلف ادوار میں متعدبار سندھ

چھوڑنے پر مجبور ہوتے رہے

سندھ کا غزنی سے الحاق

عبدالرزاق نے طوفانی دورہ کر کے تمام سندھ سے عربوں کی بالادستی اور سیاسی اثرورسوخ کا خاتمہ کر دیا اور سلطان محمود غزنوی کی ہند سے واپسی پر اس خطہ سرزمین کو سلطنت غزنی کا باجگزار صوبہ قرار دے دیا گیا اور مقررہ شرح پر نقدی اور اجناس کی صورت میں ہر سال باقاعدہ خراج وصول کیا جانے لگا۔ سلطان کی وفات کے بعد اس کے بیٹے سلطان مسعود غزنوی کے عہد میں بھی یہی صورت حال برقرار رہی۔ 95 ھ میں مشرقی افغانستان میں ایک نئے خاندان غوری نے جنم لیا جس کے سربراہ علاو الدین حسین غوری نے میں سلطان مسعود غزنوی کی حکومت کا تختہ الٹ کر غزنی پر قبضہ کر لیا اور اس کے ساتھ ہی سندھ بھی غزنوی پنجہ اقتدار سے نکل کر غوریوں کے زیر اقتدار چلا گیا چنانچہ وہ لوگ بھی سندھ کو اپنی ملکیت سمجھتے ہوئے حسب دستور سابق خراج وصول کرنے لگے۔ علاوہ الدین غوری کے جانشین غیاث الدین غوری کی وفات کے بعد اس کے بھائی شہاب الدین غوری جرنیل دراصل ہندوستان کر فتح کرنے کی غرض سے غزنی سے چلا تھا مگر ہندوستان کو جانے والی شاہراہ پر اہم اور مرکزی مقام ہونے کی وجہ سے وہ ملتان کے قدیم شہر کو پڑاؤ کے طور پر استعمال کرنے لے لیے اس پر اپنی گرفت رکھنی ضروری سمجھتا تھا۔ اور اس مقصد کے لیے وہ یہاں پنا ایک گھڑسوار بریگیڈ تعینات کرنا چاہتا تھا ورنہ سندھ اور ملتان سے اس کو کوئی خاص دلچسپی نہ تھی چنانچہ ضروری بندوبست کرنے کے بعد شہاب الدین غوری ہندوستان کی طرف کوچ کر گیا۔ راستہ مین دریائے سرسوتی کے کنارے واقعہ شہر نارن کے مقام پر ہندوں راجوں کی مشترکہ فوج کو ذلت آمیز شکست دے کر دہلی پر قابض ہو گیا اور چند ماہ وہاں قیام کرنے کے معتمد خاص قطب الدین ایبک کو وائسرائے مقرر کر کے براستہ ملتان غزنی واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد قطب الدین نے سندھ کے نظم و نسق کی ذمہ

داری بھی سنبھال لی مگر عملی طور پر اس نے اندرونی معاملات میں کوئی خاص مداخلت نہ کی۔ البتہ خراج کی ادائیگی مین تساہل برتنے یا لیت دلعل کرنے والے باغیانہ ذہنیت کے زمینداروں سے نمٹنے کے لیے گاہے بگاہے وہ ملکی معاملات مین مداخلت کرتے ہوئے سختی ضرور کرتا تھا چنانچہ جب تک ہندوستان پر اس کی گرفت مضبوط نہ ہوئی وہ اس پالیسی پر گامزن رہا۔ آخر ہندوستان میں قدم جمانے کے بعد اسکے جانشینوں نے سندھ پر سے آہستہ آہستہ اپنی توجہ ہٹالی ۔کچھ عرصہ بعد جب غزنی اور قندھار کی طرف سے حملوں کی طرف سے حملوں اور آئے دن کی یلغاروں کا طوفان ذرا تھما تو سندھ کے جاگیرداروں اور زمیندروں نے اپنے پر پرزے نکالنے شروع کئے ۔اس وقت وسیع اراضیات اور خاص اثرورسوخ کے مالک سمراوں کی اکثریت ٹھٹھہ اور نیرون کوٹ کے اضلاع میں پھیلی ہوئی تھی ۔لہٰذا انہوں نے صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سب سے پہلے دہلی کو خراج دینا بند کیا اور اس کے بعد اپنی خود مختاری کا اعلان کرتے ہوئے سندھ کے بلا شرک غیرے حکمران بن گئے ۔

تاریخ اسلام میں یہ بات روز روشن کیطرح عیاں ہے کہ سمرا قبیلہ دراصل بنیادی طور پر سندھی جاٹ نسل سے تھا اور یہی وجہ تھی کہ عباسیون کے عہد مین جب یہ لوگ عراق عرب سے سندھ آنا شروع ہوئے تو وہ سندھی جاٹوں س ازدواجی تعلقات استوار کر کے بہت جلد ان مین گھل مل گئے اور عربی النسل قبائل کے مقابلہ میں انہیں وہاں آباد ہونے مین کوئی خاص مشکل پیش نہ آئی اور وہ آبائی سندھی سوسائٹی کا اثر قبول کرتے ہوئے بربریت اور جاہلیت کا مظاہرہ کرنے لگے اور احساس برتری کا شکار ہو کر تند مزاج بن گئے ۔چناچہ عنان حکومت سنبھالتے ہی نشہ اقتدار سے سرشار سب سے پہلے انہوں نے اپنے وقت کے حسین ترین اور سندھ کے قدیم ترین گنجان آباد شہر ٹھٹھہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اسے پیوندزمین کر کے اس کے بالمقابل دریائے سندھ کے دوسرے کنارے پر "محمد طور نام" کا ایک شہر تعمیر کرایا جسے ٹھٹھہ کی بجائے

اپناپاء تخت بنایا -فوج کی نفری بڑھائی گی -محکم مل میں خود سر اور سخت گیر اہلکاروں کا تقرر کر کے بڑھتے ہوئے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے خراج -لگان اور دیگر محصولات میں بے تحاشااضافہ کر کے غریب رعایا کو بے شمار مصائب اور مالی مشکلات میں مبتلا کر دیا۔

اس خاندان مین مندرجہ ذیل چودہ حکمرا نہوئے ہین جنہوں نے آئے دین کے فسادات اور بغاوتوں کی بھر مار کے باوجود کم و بیش ڈھائی سو سال تک بغیر کسی شاہی لقب یا خطاب کے اپنے زور بازو سے سندھ پر تسلط جمائے رکھا

1-حمیر 2- بھنگر 3-پنوں 4-سانگھڑ 5-طائی 6-ڈوڈا 7-عمر 8-خفیف 9-کھامرہ 10-خفیف دوئم 11-کھامرہ دوئم 12-ڈوڈا دوئم 13- چنیسر

ان بے تاج فرماں رواں کے عہد میں سوائے سمراوں کے اور کسی شخص کو قیمتی یا صاف ستھرا لباس پہننے اور سر پر پگڑی باندھ کر گھوڑے کی سواری کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ عوام کو تنگ کر کے بغیر معاوضہ کے بیگاریں لینے کا عام رواج تھا انکار کی صورت میں سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ زمینداروں اور کسانوں سے بغیر شرح مقرر کئے منہ مانگا لگان بصورت جنس یا نقدی موقعہ پر وصول کر لیا جاتا تھا۔ بہو بیٹیوں کی عزت محفوظ نہ تھی۔ فرماں زوا عمر سمرا نے تو ظلم کی انتہا کر دی۔ اسکی ساری زندگی تعیش مین گزری اور سوائے لذت کام و دہن اور خواہشات نفسانی کی تسکین کے اس کا اور کوئی مشغلہ ہی نہ تھا وہ اپنے محافظوں کے ساتھ تیز رفتار اونٹ پر سوار اپنی قلمرو میں گشت کرتا رہتا اور جہاں کہیں کوئی خوبصورت عورت یا قیمتی چیز دیکھتا اس پر قبضہ جما لیتا۔ اس کی پست اخلاقی کمینہ پن - ناجائز خواہشات۔ سامہ دشمنی اور ناقص نظام حکومت کے قصے سندھی تاریخ و ادب میں جا بجا بکھرے پڑے ہیں جن میں سے طوالت کے خوف سے صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ جو اس کی ذلیل فطرت کو

آشکارا کرنے کے لیا کافی ہوں گی

مثال نمبر1

علاقہ سواندھی سامہ میں واقعہ ملیر نامی نظامت کے ایک سامہ جاگیردار پھول لا لاکھا ولد سائر سامہ کی اہلیہ مہراوا (سامٹوں کی ساتگی گوت میں سے ایک خاتون) کے بطن سے ایک خوبصورت لڑکی مہ روہی (چاند سے مکھڑے والی) پیدا ہوئی وہ جب سن بلوغت کو پہنچی تو تمام علاقہ میں اس کے حسن کی دھوم مچ گئی اور ادھر ادھر سے رشتے آنے شروع ہوگئے مگر جاگیردار کو کوئی رشتہ پسند نہ آتا چونکہ وہ اپنی بیٹی کا رشتہ نہ توغیرخاندان میں اور نہ ہی اپنے سے کمتردرجہ کے کسی گھرانے میں کرنا گوارا کرسکتا تھا۔ بدیں وجہ اس کی بیٹی کی شادی کا مسئلہ معرض التوا میں پڑگیا ایک دن مہ روہی جب اپنی سہیلیوں کے ساتھ باغات میں سیر کے لیے جارہی تھی تو راستہ میں اسکے چچا سردار پالی کے شتربان پھوگا کی اس پر اچانک نظر پڑ گئی اور وہ اس وقت اس پر فریفتہ ہوگیا مگر جاگیردار کی بیٹی کے قریب جا کر اس سے ہمکلام ہونے کی اس میں جرات نہ ہوئی چنانچہ ہر دل پھینک عاشق دل کی دل میں لئے اونٹوں کو بغیر چرائے الٹے پاؤں واپس لے آیا اور مغموم شکل بنا کر چارپائی پر دراز ہو گیا مالک نے اسکی یہ حالت دیکھ کر وجہ دریافت کی تو شتربان نے جواب دیا کہ وہ اس کی بھتیجی مہ روہی سے شادی کا خواہاں ہے اور جب تک اسکی یہ خواہش پوری نہیں ہوتی وہ اونٹوں کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔ سردار پالی نے مصلحتاً اسے تشفی دیتے ہوئے کہا کہ وہ فکرمند نہ ہو اس کی شادی مہ روہی کے ساتھ ہی کر دی جائے گی۔ چنانچہ پھوگا نے اس امید پر اونٹوں کی دیکھ بھال کا کام پھر سے شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ انتظار کرنے کے بعد اس نے اپنے مالک کو اس کا وعدہ یاد دلایا اور ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی کہ اگر اس نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو وہ بادشاہ عمر سمرا کے پاس اس کی شکایت کرے گا چنانچہ پالی سامہ نے اس ایک بار پھر تسلی دیتے ہوئے کہا کہ عمر سمرا یہاں سے بہت دور رہتا ہے اور اسے بیاہ شادیوں یا عوام کے

دیگر نجی کاموں مین مداخلت کرنے کا کوئی اختیا نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس معاملہ میں مداخلت کرنا پسند کرے گا اور تمہیں اس شکایت کرنے سے فائدہ کی بجائے الٹا نقصان ہو گا۔پھوگا شتربان اپنے مالک کی بات پر کوئی دھیان دیئے بغیر شکایت لے کر سیدھا عمر سمرا کے دربار مین پنہچا اور پورا قصہ بیان کرتے ہوئے کہنے لگا کہ اے بہادر ڈوڈو کے بہادر بیٹے! میں انصاف کی خاطر فریاد لے کر تیرے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔ میری داد رسی فرمائی جائے۔ سماوں نے مجھے اپنی خوبصورت بیٹی کا رشتہ دینے کا وعدہ پورا نہیں کیا لہذامیں اس عہد شکنی کا بدلہ لینے کے لئے سماوں کی لڑکی مہہ روہی آپ کو بطور تحفہ پیش کرتا ہوں۔ بس میری یہی خواہش اور فریاد ہے عمر سمرا نے اس سے دریافت کیا کہ کیا واقعی وہ لڑکی اس قدر حسین ہے جو میرے جیسے خوبصورت اور بہادر حکمران کے حرم کی زینت بننے کے لائق ہے پھوگانے جوابدیا اے میرے مالک وہ لڑکی حسن میں یکتا اور لاجواب ہے آپ کی ملکہ اور ہمشیرہ تو اس کے پاسنگ بھی نہیں۔ عمراسمرا اسی وقت پھوگا شتربان کے ساتھ ملیر کیطرف چل دیا۔وہاں پہنچنے پر اس نے شہر سے باہر قیام کیا اور بھیس بدل کر پھولہ لاکھا سامہ کے محل کی طرف روانہ ہوا۔نزدیک پہنچنے پر پائیں باغ میں کنویں کے کنارے جب مہہ روہی کو اپنی والدہ مہرادا کے ساتھ دیکھا تو دم بخودرہ گیا ۔چنانچہ وہ پیاس کا بہانہ کر کے ماں بیٹی کے قریب جا کر پانی کے لیے درخواست کرتا ہے۔
خدا جھوٹ نہ بلوائے یہ تو ایسا معلوم ہوتاہے کہ شاید عمرسمرا ادھر آ نکلا ہے ۔جب عمرسمرا اور قریب آیا تو مہرادا کہتی ہے کہ سچ بتاتو کون ہے ۔کیا تو عمرسمرا یا کوئی اور رسورما ۔عمرسمرا نے جواب دیا وہ دونوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے ۔وہ تو ایک پیا سا مسافر ہے ۔مہرادا نے اسے کہاکہ اگر ایسا ہے تو تجھے یہاں آنے کی جرات کیسے ہوئی ۔مہہ روہی نے اپنی ماں کے اشارہ کرنے پر کنویں سے پانی کھینچا اور بھراہواڈول لے کر جونہی اس مکار پیاسے کے کیا قریب آئی اس نے اچک کر اسے دلوچ لیا اور اونٹ پر بٹھا کر چشم زدن میں غائب ہو گیا ۔ ماں نے جب چیختی چلاتی بیٹی کا یہ حشر دیکھا تو وہ غم سے بے

ہوش ہوگئی اور چیخ مار کر زمین پر اوندھے منہ گر پڑی۔ اس کی چیخ سن کر محل کی ایک ملازمہ باہر آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ مہ روہی غائب ہے اور اس کی ماں زمین پر بے ہوش پڑی ہے۔ چنانچہ وہ اپنی مالکن کو اٹھا کر آہستہ آہستہ محل کے اندر لے آتی ہے اور جاگیردار کو دیوان خانہ میں اس اندوہناک واقعہ کی اطلاع دیتی ہے۔ شتر سواروں اور گھوڑ سواروں کے مسلح دستے مہ روہی کی تلاش میں چاروں طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ مہ روہی کے اغوا کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ کئی دن کی بے سود تلاش سے پتہ چلا کہ عمر سمرا نے لڑکی کو امرکوٹ کے قلعہ میں قید کر کے اس پر سخت پہرہ لگا رکھا ہے اور وہ سے اپنی محبت کا واسطہ دے کر مختلف حیلے بہانوں سے داخل حرم کرنے کی کوشش کر رہا ہے مگر ہنوز اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ سامہ سردار کی غیرت مند بیٹی اس کے جھانسہ میں نہ آئی اور برابر انکار کرتی رہی۔ کمینہ عمر سمرا اسے مار ڈالنے کی دھمکیوں سے مرعوب کر کے اپنی مطلب براری کی برابر کوشش کرتا رہا۔ آخر ایک دن تنگ آ کر ماہ روہی اس درندہ صفت انسان کو مخاطب کرتے ہوئے کہتی ہے "او سمراہ تو مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے مگر پایہ زنجیر رکھ کر یہ تو بتا کہ معشوق کو پابند سلاسل کر کے محبت جتانے میں کہاں کی جوانمردی اور شرافت ہے۔ خدا کے قہر سے ڈر۔ اس کی لاٹھی بے آواز ہے۔ میں اپنے ماں باپ اور پیارے وطن ملیر کی ایک جھلک دیکھنے کو ترس رہی ہوں۔ مجھے آزاد کر دے میں ہرگز تمہاری نہیں بن سکتی۔ اور ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ سجدہ بارگاہ الٰہی میں گر کر دعا گو ہوتی ہے۔ دعا منظور ہوتی ہے اور اسی لمحہ انسانی شکل میں ایک فرشتہ قلعہ میں داخل ہوتا ہے عمر سمرا کا سنہری دستہ والا خنجر چھین کر اسی بے بس کر دیتا ہے بزدل سمرا گھبراہٹ میں کر جان کی امان مانگتے ہوئے ماہ روہی کو فوراً آزاد کر دیتا ہے اور نوجوان سے التجا کرتا ہے کہ وہ یہ بھیگی رات قلعہ کے باہر خانقاہ میں بسر لے کر جہاں صبح ہوتے ہی وہ اپنی خوبصورت ہمشیرہ کو بمعہ باندیوں کے خانقاہ پر سلام کے بہانے بھیجے گا جو آپ دونوں کو باعزت طور پر آپ کے وطن بھیجنے کا

انتظام کرے گی۔ مزید برآں میری آپ سے مودوبانہ گزارش ہے کہ اس واقعہ کو صیغہ راز میں رکھا جائے چنانچہ نوجوان نے عمرا سمرا کی جان بخشی کرتے ہوئے ماہ روہی کو اپنے ساتھ لیا اور رات کے اندھیرے میں خانقاہ میں منتقل ہو گیا۔ جہاں صبح منہ اندھیرے عمر سمرا کی ہمشیرہ بمعہ خادماؤں کے خانقاہ پر حاضر ہو گئی۔ اور بعد ازاں ضروری انتظامات کر کے ان کو ملیر روانہ کر دیا۔ ماہ روہی کا نجاب دہندہ بنو سامہ کی بنیادی گوت سانگی کا ایک فرد تھا اور رشتہ میں ماہ روہی کا ماموں زاد بھائی لگتا تھا۔ یہ ہے عمر سمرا کی خباثت اور کمینہ پن کی ایک جھلک اور سماؤں سے خاندان سمرا کے ناروا سلوک کی ایک مثال۔

مثل نمبر2

بھارتی ریاست جیسلمر کی طرف سے آنے والے دریائے کاک کے مشرقی کنارے پر ایک پری چہرہ "مومل" نامی راٹھورنی جادوگرنی بمعہ اپنی تین خوبصورت ہمشیرگان "سومل" "سیمان" اور "مرادی" کے اپنے خوشنام اور بلند و بالا حویلی میں رہا کرتی تھی۔ اس کے حسن کی دھوم سارے علاقے میں مچی ہوئی تھی اور ہر کہتر و مہتر اسے دیکھنے کا متمنی تھا۔ قلوپطرہ ثانی مومل راٹھورنی اپنے چاہنے والوں کا بڑا سخت امتحان لیتی جو اس کے معیار پر پورا نہ اترتا اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑتے۔ کئی مہم جو۔ طالع آزما اور سرپھرے عاشق اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ قسمت آزمائی کے لئے گھر سے نکلتے مگر واپس نہ آتے اور نہ ہی ان کا کوئی نشان ملتا۔ اس کے حسن کے جدو کی داستانیں جیسلمر کی سرحدیں پار کر کے سواندھی سامہ میں واقعہ سماؤں کی جاگیردار "لودھراں" کے سامہ جاگیردار میر مندرہ کو بے چین کر دیتی ہیں وہ اس جادو گرنی کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب ہو تا ہے۔ چنانچہ اپنے اہل و عیال اور دوست احباب کے منع کرنے کے باوجود مومل راٹھونی سے ملاقات کے لئے گھر سے نکل کھڑا ہو تا ہے (نوٹ) دریائے کاک خشک ہو کر عرصہ دراز سے موجودہ مارکوٹ اور موضع چھوہر کے درمیانی

علاقہ میں اپنی دریائی حیثیت سے محروم ایک چھوٹے سے برساتی نالہ کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ جاگیرلودھراں اور دیت کی بقا اور خوش حالی اسی دریا کی مرہون منت تھی مگر جب یہ بے آب ہو گیا تو ساماؤں کے کئی خانوادے نقل مکانی کر کے ریاست ملتان میں دریائے ستلج کے کنارے پر لودھراں کے نام پر نئی بستی آباد کر کے وہاں رہائش پذیر ہو گئے۔ یہی بستی بعد میں رائیوں کا گڑھ بن گئی اور اسی طرح "دیت" سے متعدد گھرانے اٹھ کر لاہور اور سیالکوٹ کی آزاد یونٹوں میں اس نام کی نئی بستیاں قائم کر کے وہاں آباد ہو گئے۔

دیت۔ لودھراں سے کچھ ہی دور جانے پر میر مندرہ کی عمر سمرا سے اچانک ملاقات ہو جاتی ہے جو اپنے دو دوستوں دیوان بھوٹانی اور سنہار راجانی کی معیت میں قریبی جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔ اس کے استفسار پر میر مندرہ نے عمر سمرا کو بتایا کہ وہ راٹھورنی جادوگرنی کا چیلنج منظور کرتے ہوئے اس کی ملاقات کے لئے دریائے کاک کے پار جا رہا ہے۔ عمر سمرا نے وضاحت چاہی۔ میر مندرہ نے اسے تفصیلات سے آگاہ کیا جس پر عمر سمرا اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتا ہے۔ چنانچہ پوری شکار پارٹی میر مندرہ کے ساتھ جانے کو تیار ہو جاتی ہے۔ آدھا دن کے مسافت طے کرنے کے بعد انہیں راستہ میں ایک جگہ ایک جھونپڑی نظر آئی۔ قریب پہنچ کر وہ گھوڑوں سے اتر کر جھونپڑی کے اندر داخل ہوتے ہیں اور کیا دیکھتے ہیں کہ ایک باریش بزرگ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس چٹائی پر بیٹھا اونگ رہا ہے۔ پارٹی نے ملنگ کو سلام کیا۔ بابا نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے قدرے توقف کے بعد دریافت کیا کہ وہ لوگ کدھر جا رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ دریائے کاک کی ملکہ پری چہرہ محمل راٹھورنی جادوگری کے پاس جا رہے ہیں۔ بابا نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا کہ میں لودھراں جاگیر کے ایک کھاتے پیتے گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ میں بھی اسی پری چہرہ جادوگرنی کی ملاقات کو نکلا تھا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ لوگ وہاں نہ جائیں۔ دریائے کاک کے کنارے پر بسنے

والی حسینہ تمہارے گھوڑوں کی گردنوں میں پھولوں کے ہار ڈالے گی اور اپنے باغ سے انہیں سرسبز گھاس کھلائے گی۔ ابلے ہوئے نمکین چنے چاندی کی طشتریوں میں لگا کر تمہیں پیش کرے گی اور چمن میں اونچے اونچے پیپل کے درختوں پر ڈالے ہوئے جھولوں پر تمہیں جھولے جھلائے گی۔ چند دن کی مہمان نوازی کے بعد میرے جیسا حال کر کے تمہیں دریا برد کر دے گی۔ کیا آپ لوگ تیرنا جانتے ہیں؟۔ بابا ملنگ کے مشورہ کو مذاق میں ٹالتے ہوئے کوئی جواب دیئے بغیر یہ پارٹی جھونپڑی سے باہر نکل آئی اور سوئے منزل چل پڑی۔ دریائے کاک کے کنارے پہنچنے پر "مُمل" کی خادمائیں مہمانوں کا استقبال کرتی ہیں اور کشتیوں میں بٹھا کر دریا پار انہیں مہمان خانہ میں لے آتی ہیں اور مُمل کو ان کی آمد کی اطلاع دیتی ہیں۔ مُمل سیمیں طشتریوں میں حلوہ، کھجوریں اور ابلے ہوئے نمکین چنے سجا کر رنگا رنگ ریشمی رومالوں سے ڈھانپ کر مہمان خانے میں بھجواتی ہے۔ سوائے میر مندرہ سامہ کے باقی سب لوگوں نے وہ چیزیں کھائیں۔ میر مندرہ نے ابلے ہوئے چنے اپنے گھوڑے کو کھلائے اور ریشمی رومال اس کی گردن کے گرد باندھ دیا۔ کھجوریں خود کھائیں اور حلوہ واپس کرتے ہوئے خادمہ کو کہنے لگا کہ وہ اپنی مالکہ کو بتا دے کہ سامہ سردار مندرہ عورتوں والا کھانا نہیں کھایا کرتا۔

کھانا سے فراغت کے تھوڑی دیر بعد مُمل جادوگرنی اپنے جادو کی جوت جگانے مہمانوں کو باری باری اندر اپنے پاس بلاتی ہے۔ سب سے پہلے عمر سمرا اندر گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی سب سے پہلے زہریلے سانپوں نے اس پر حملہ کیا وہ گھبرا کر باہر کی طرف نکل بھاگنے لگا اور کوئی بات کئے بغیر اپنی پارٹی کو پیچھے چھوڑ دریا پار کر کے سیدھا امر کوٹ پہنچ کر ہی اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے بعد دوسرے لوگ باری باری اندر گئے مگر ان میں سے کوئی واپس نہ لوٹا۔ آخر میں میر مندرہ سامہ کی باری آتی ہے۔ اس نے عمر سمرا کے بھاگنے کے فوراً بعد مُمل راٹھورنی کی ایک خادمہ نیار کو تحفہ میں ایک طلائی ہار دے کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا چنانچہ نیار اسے سانپوں اور

دوسرے خطرناک جانوروں سے بچاتی ہوئے سیدھی محمل کے دربار ہال کے سامنے چھوڑ کر خود واپس آتی ہے۔ میر مندرہ سامہ اندر داخل ہوتا ہے تو اسے چار خوبصورت عورتیں ایک ہی قسم کے زرق برق لباس میں ایک ہی قطار میں کھڑی دکھائی دیتی ہیں۔ میر مندرہ کو محمل کی پہچان میں بڑی دشواری پیش آتی ہے اور قریب تھا کہ وہ عورتیں غائب ہو جاتیں کہ ایک بھنورا کہیں سے نمودار ہوتا ہے او وہ محمل کے سر پر منڈلانے لگتا ہے۔ میر مندرہ نے پھرتی سے اس عورت کو اپنی مضبوط گرفت میں لیتے ہوئے گلے سے لگا لیا۔ وہ محمل تھی۔ محمل میر مندرہ سامہ کی عقل و ذہانت اور جرات زندانہ پر عش عش کر اٹھتی ہے اور اسے پنے کمرہ خاص میں لے جاتی ہے۔ کئی دن مہمان رکھنے کے بعد دوبارہ ملنے کا وعدہ لیتے ہوئے اسے بصد احترام رخصت کرتی ہے۔

میر مندرہ کی گھر سے اتنے دنوں تک غیر حاضری نے اہل خانہ کا برا حال کر رکھا تھا۔ وہ جب اچانک گھر پہنچتا ہے تو اس کے گھر والوں کی جان میں جان آتی ہے۔ اس کی خیر و عافیت دریافت کرنے بستی کے لوگوں کے تانتا بندھ جاتا ہے شکست خوردہ عمر سرا کو میر مندورہ کی واپسی کی اطلاع جب ملتی ہے تو وہ اسے اپنے امرکوٹ والے پرائیویٹ محل میں مدعو کرتا ہے اور اس کی کامیابی پر بظاہر مبارک باد دیتے ہوئے کل روئیداد بیان کرنے کے لئے کہتا ہے۔ میر مندرہ نے جب اسے سارا قصہ سنایا تو وہ اندر ہی اندر جل بھن گیا۔ چنانچہ یہ عاشق نامراد اپنی خجالت مٹانے کے لئے کہتا ہے "او ساماؤں کے سردار تمہارے جیسے ذہین اور بہادر جوانمرد دوست پر مجھے فخر ہے۔ کیا تو کسی نہ کسی طرح محمل سے میری ملاقات کا بندوبست کر سکتا ہے۔ میر نے کہا ہاں۔ مگر بادشاہ سلامت ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ بطور میرے غلام کے جائیں گے اور محمل کو آپ کی کسی حرکت سے آپ کی اصلی پوزیشن کا علم نہ ہونے پائے۔ بادشاہ عمر سرا بلا تامل یہ شرط منظور کر لیتا ہے اور حفاظتی دستہ کی معیت میں دونوں روانہ ہو جاتے ہیں۔ محمل کے ہاں پہنچتے ہی عمر سرا کا تعارف کراتے ہوئے ممیرا اسے اپنا

غلام ظاہر کرتا ہے۔ محمل عمر سمرا کی شکل دیکھتے ہی اندازہ لگالیتی ہے کہ وہ میر مندرہ سامہ کا غلام نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آزمائش کے طور پر وہ سمرا کو ایک تنگ منہ والا برتن دیتی ہے اور اسے گائے کا دودھ دوہنے کے لئے کہتی ہے۔ عمر سمرا کے لئے یہ ایک انوکھا اور مشکل کام تھا۔ گائے اسے اجنبی سمجھتے ہوئے نزدیک نہیں آنے دیتی تھی۔ آخر کچھ دیر بعد گائے کا جوش جب ذرا ٹھنڈا پڑتا ہے تو سمرا دودھ نکالنے بیٹھتا ہے مگر تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے اس سے دودھ نہیں دوہا جاتا اور تھنوں کے دبانے سے اگر کوئی ایک آدھ دھار نکلتی بھی ہے تو وہ برتن میں گرنے کی بجائے فرش پر گرتی ہے۔ محمل جھنجلا کر اس سے برتن لے لیتی ہے اور میر مندرہ سے مخاطب ہوتی ہے اے میرے محبوب تو نے اس نوجوان کو اپنے ہمراہ لا کر سخت غلطی کی ہے ہو سکتا ہے وہ تیرا رقیب ہی نکلے۔ اتنی بات کرنے کے بعد محمل اس "غلام" کو محل سے باہر ٹھہرنے کا حکم دیتی ہے۔ عمر سمرا خجالت محسوس کرتے ہوئے محل سے باہر چلا جاتا ہے تھوڑی دیر انتظار کے بعد عمر سمرا نے اندر کہلا بھیجا کہ میر مندرہ کو باہر بھیجا۔ تاکہ اگر وہ وطن واپس نہ جانا چاہے تو اپنے اہل و عیال اور کارندوں کے لئے کوئی پیغام دے کر رخصت کرے۔ میر مندرہ نے کہلوا بھیجا کہ میرے اہل خانہ اور دیگر افراد کو میری طرف سے ہزاروں سلام بولیں۔ میں اپنی پیاری محمل کو اکیلے چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ سمرا نے دوبارہ کہلا بھیجا کہ اخلاق کا تقاضا ہے کہ اپنے ہمرائیوں کو الوداع کہنے تھوڑی دیر کے لئے باہر آئیں۔ چنانچہ محمل کے اشارہ پر وہ محل سے باہر آتا ہے۔ جونہی وہ سمرا کے نزدیک پہنچتا ہے اس کے باڈی گارڈ دستہ نے جھٹ میر مندرہ کو دبوچ کر اس کی مشکیں کس لیں اور تیز رفتار اونٹ پر اسے باندھ کر امر کوٹ لے جایا گیا جہاں اسے کال کوٹھری میں بند کر دیا گیا آخر دوبار محمل کے پاس نہ جانے کا عہد باندھنے پر کئی ہفتوں کے بعد میر مندرہ کو رہائی نصیب ہوئی۔

محمل اپنے محبوب کے فراق میں مغموم رہنے لگی اور جدائی کے ان ایام میں

تسکین روح کے لئے اپنی چھوٹی ہمشیرہ "مرادی" کو میر مندرہ کے پرانے کپڑے پہنا کر اپنے ساتھ سلاتی رہی۔

رہائی کے بعد میر مندرہ اپنی محبوبہ سے ملاقات کے لئے بھیگی رات کو دریائے کاک کو عبور کر کے محل میں اس کی خواب گاہ میں پہنچتا ہے۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ محمل کے پلنگ پر اس کے ساتھ کوئی دوسرا فرد محو خواب ہے۔ چنانچہ غیظ میں آکر وہ نیام سے تلوار نکالتا ہے اور قریب تھا کہ ایک بھرپور وار سے وہ ان دونوں کو ختم کر دیتا کہ ایک غیبی ہاتھ اسے روک دیتا ہے تلوار نیام میں چلی جاتی ہے اور میر مندرہ پلنگ کے پائینتی کے ساتھ چاندی کی ایک چھڑی گاڑ کر محل سے بھر نکل آتا ہے۔ صبح جب محمل پیدا ہوئی تو پائینتی کے ساتھ گڑی ہوئی چھڑی دیکھ کر اسے اپنے دلبر کی آمد کا گمان ہوتا ہے محبوب کی آمد اور ______ بغیر ملاقات واپسی سے پیدا شدہ مختلف خیالات نے اسے سخت پریشان کر دیا محمل اپنے محبوب کو نہ پا کر اسی وقت مردانہ کپڑا پہن سوداگر کے بھیس میں لودھراں جاگیر کی طرف روانہ ہو جاتی ہے۔ وہاں پہنچ کر وہ شہر کے باہر ایک سرائے میں قیام کرتی ہے دوسرے روز مال دکھانے کے بہانے سے وہ میر مندرہ کے محل میں داخل ہونے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ میر دیکھتے ہی اسے پہچان لیتا ہے اور ایک دم طیش میں آکر اسے محل سے باہر نکل جانے کو کہتا ہے۔ محمل میر مندرہ کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے اپنی صفائی پیش کرتی ہے اور اپنی پاکدامنی میں کئی ثبوت سامنے لاتی ہے مگر میر اس کی کسی بات پر یقین نہیں کرتا۔ وہ اسے طعنہ دیتا ہے کہ وہ ایک بیسوا ہے جو اپنے حسن کا جال پھیلا کر محبت کے پجاریوں کو تباہ و برباد کرتی ہے۔ یہ طعنہ سن کر محمل اس کے پاؤں پڑتی ہوئی کہتی ہے "اے میرے محبوب میں تیری محبت کی بھیک مانگنے آئی ہوں۔ مجھے اپنی آغوش میں لے لے" مندرہ سامنہ اس کی کوئی بات سننے کو تیر نہیں ہوتا اور اسے دھکے دے کر محل سے باہر نکال دیتا ہے۔ محمل آخری بات اپنے محبوب کو ایک نظر دیکھتی ہے اور کہتی ہے۔ "میرا محبوب مجھ

سے ناراض ہو گیا ہے اور میں اس کی غلط فہمی دور کرنے میں ناکام رہی ہوں۔ میں اب اس زمین کی پیٹھ پر ایک بوجھ بن چکی ہوں اور میرا محبوب مجھے چھوڑ چکا ہے لہٰذا میں اس دنیا میں جا رہی ہوں جہاں ہماری روحوں کا ابدی ملاپ ہو گا"۔ یہ کہتے ہوئے وہ اپنی قیام گاہ پر لوٹ آتی ہے ایک چتا تیار کرتی ہے جس میں کود کو وہ اگلی دنیا میں پہنچ جاتی ہے۔

غصہ ٹھنڈا ہونے اور قدرے سکون کے بعد میر مندرہ باہر نکلتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ سرائے کی کچی عمارت سے دھوئیں کے بادل اٹھ رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ دو دن سے مقیم یہاں کسی سوداگر نے نامعلوم وجوہات کی بنا پر آگ میں کود کو خود کشی کر لی ہے۔

میر مندرہ کے لئے دنیا اندھیر ہو جاتی ہے وہ محل میں واپس آتا ہے اور ملازمان کو چندن کی سوکھی لکڑیوں کا ایک الاؤ تیار کرنے کا حکم دیتا ہے الاؤ تیار ہونے پر ملازمان کو اہل خانہ اور دیگر لواحقین کے لئے پیغام دیتے ہوئے کہ وہ اپنی روٹھی ہوئی محبوبہ کو منانے اگلی دنیا میں جا رہا ہے لہٰذا اس کا انتظار نہ کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی وہ الاؤ میں کود پڑتا ہے جہاں چندن کی مست خوشبوؤں سے مخمور شعلوں نے اسے بحفاظت تمام مومل کی آغوش میں ڈال دیا۔

اقتباسات بالا سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ درندہ صفت سمراؤں نے کس طرح دو صدیوں تک متواتر پورے سندھ میں اودھم مچائے رکھا اور ہر کہتر و مہتر کا جینا دوبھر کر دیا۔ سب سے بڑے اور اہم شریف النفس قبیلہ سامہ سے انہوں نے ناروا اور گھٹیا سلوک کرنے سے بھی گریز نہ کیا ان ظالم حکمرانوں کی رنگ نظری اور عصبیت نے ملک میں خانہ جنگی اور قتل و غارت گری کا سا سماں پیدا کئے رکھا۔ کوئی پرسان حال نہ تھا۔ آئے دن آپس میں سر پھٹول ہوتے رہتے۔ آخر کار ان ظالموں کی چیرہ دستیوں

اور خرمستیوں سے تنگ آ کر ٹھٹھہ اور نیرون کوٹ کے گرد و نواح میں آباد غیر محفوظ سماؤں کی خاصی تعداد اپنے سربراہ شیخ قدلوت الدین قاضی کی زیر قیادت 604ھ میں چھپ چھپا کر ایک قافلہ کی صورت میں وطن چھوڑ کر پہلے سے گئے ہوئے اپنے بھائی بندوں کے پاس بریلی اور پیلی بھیت کے علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے شہری آبادی سے دور دیہاتوں میں۔ خاص کر علاقہ سوانڈھی سامہ سے سامہ زمیندار موقع محل دیکھ کر مقامی غیر مسلم زمینداروں کے تعاون سے حکومت سمرا سے ٹکر لیتے رہتے مگر پھر بھی دوغلی نسل کے ان حکمرانوں کی فوج سے نبرد آزما ہونا ان کے بس کی بات نہ تھی معمولی سے شکایت یا شک پڑنے پر سمرا فوج سماؤں کے دیہات پر چھاپے مارتی اور آناً فاناً پوری آبادی کو تہس نہس کر دیتی غرضیکہ سمرا راج پنجاب میں سترہویں صدی عیسوی میں سکھا شاہی سے کسی طرح کم نہ تھا۔ پورا ملک خوف و ہراس کی گرفت میں تھا اور عوام لگاتار مظالم اور بے انصافیوں سے تنگ آ کر اللہ سے اپنی نجات کے لئے گڑگڑا کر دعائیں مانگتے رہتے۔ سامہ لوگ سمرا حکومت کا تختہ الٹنے کی تدبیریں کرتے رہتے مگر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی۔ آخر کار بڑے غور و خوض کے بعد سماؤں نے خفیہ طور پر ریاست کچھ کے بدھی راجہ سے رابطہ قائم کیا اور اس سے سمراؤں کے خلاف فوجی امداد کے لئے درخواست کی۔ مگر راجہ سمراؤں کے خلاف فوجی امداد دینے سے تو انکار کر گیا۔ البتہ سماؤں کی دلجوئی کے لئے انہیں اپنی ریاست میں آباد ہونے کی پیش کش کی جو سماؤں نے قبول کر لی۔ چنانچہ ان کی بھاری اکثریت ریاست کچھ میں منتقل ہو گئی۔ راجہ ان لوگوں سے بڑی شفقت اور مہربانی سے پیش آیا اور باعزت طور پر گزر اوقات اور اپنے مفاد کی خاطر انہیں وسیع اور قابل کاشت اراضیات سالانہ ٹھیکہ پر دے دیں۔ ٹھیکہ کی شرائط کے مطابق اسامہ لوگ راجہ کو فصل پکنے پر ہر سال پانچ سو چھکڑے غلہ اور جانوروں کے لئے چارہ اور گھاس اس کے قلعہ کے اندر پہنچانے کے پابند تھے۔ یہ لوگ راجہ کو کئی برس تک اسی طریقہ سے اجناس سپلائی کرتے رہے اور

ساتھ کے ساتھ خفیہ طور پر اس کی حکومت کی خامیوں، فوجی قوت، جنگی مہارت اور صلاحیت کا جائزہ بھی لیتے رہے۔ رفتہ رفتہ جب وہ تمام رازوں سے آگاہ ہو گئے تو انہوں نے ریاست پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ ایک دن موقعہ پا کر انہوں نے چارہ اور گھاس سے لدے ہوئے چھکڑوں میں مسلح آدمی چھپا کر قلعہ کے اندر داخل کر دیئے جہاں انہوں نے کمال ہوشیاری اور خاموشی سے قلعہ اور محل میں موجود تمام افراد بمعہ محافظان قلعہ کو تہ تیغ کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔
اس اعلان کے ساتھ ہی فوری طور پر حفظ ماتقدم کے طور پر جیسلمیر کے ملحقہ علاقہ کو بھی ہتھیا لیا۔

خود اعتمادی لوٹ آئی

خود اعتمادی لوٹ آئی۔ آزمائش کی کٹھن گھڑیاں بیت گئیں۔ ہر مشکل نظر آنے لگی۔ منجمد خون میں پھر سے حرارت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ ریاست میں قدم جمانے کے ساتھ ہی انہوں نے سندھ میں مقیم اپنے بھائیوں کی امداد اور سمراؤں سے بدلہ لینے کا منصوبہ تیار کیا۔ خلجیوں سے رابطہ قائم کر کے ان کا تعاون حاصل کیا۔ انار ولد بابینہ سامہ، ابراہہ سامہ، اودھار سامہ، طیار سامہ، ناہیت سامہ اور ذوہیب دار سامہ خاندانوں کی سرکردگی میں سمراؤں کی سرکوبی کے لئے ریاست کچھ سے براستہ سواندھی سامہ (جہاں سے سامہ والنٹیرز کو ہمراہ لیا) بطرف پایہ تخت سندھ "محمد طور" شہر سے باہر میدان میں نکل آئے۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ سمرا فوج بڑی بے جگری سے لڑی مگر سامہ اور خلجی گھڑ سواروں کے آگے وہ زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکی۔ ذلت آمیز شکست کھانے کے بعد میدان چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ سماؤں نے بھاگتی ہوئی فوج کا دور تک تعاقب کیا اور ہزاروں کو تہ تیغ کیا۔ سمرا سورماؤں کی بھاری تعداد قیدی بنا لی گئی۔ ان کے حکمران چنیسر (Chanesar) کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا اور خاندان سمرا کے 260 سالہ دور حکومت کا چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا چنانچہ خاندان سامہ سندھ کا

مالک بن گیا۔ چنیسر کے قتل کے بعد سماؤں نے فوری طور پر سمراؤں کے پایہ تخت "محمد طور" کو پیوند خاک کیا اور اپنے خاندان کے نام پر ٹھٹھہ کے نزدیک ایک نیا شہر "ساموئی" (Samoi) دوسرا نام "سمان" (Samman) آباد کیا اور اسے اپنا پایہ تخت منتخب کیا انار سامہ ولد بابنیہ سامہ "جام کے لقب سے خاندان سامہ کا پہلا حکمران منتخب ہو کر تخت سندھ پر بیٹھا۔ سندھ میں پہلے سے موجود سمراؤں کے ستائے ہوئے سماؤں کو اب بدلہ لینے کا موقعہ ملا۔ چنانچہ انہوں نے سندھی مظلوم عوام کو ساتھ ملایا اور شکست خوردہ سفاک اور ظالم سمراؤں سے اپنے اوپر کئے گئے بے پناہ مظالم کا بدلہ چکانے کے لئے حکومت سے امداد کی اپیل کی۔

سمراؤں کا عبرتناک انجام

سمراؤں نے اپنے دور اقتدار میں سندھ کے عوام اور خاص طور پر سماؤں پر بے پناہ مظالم توڑے چنانچہ سماؤں نے آتش انتقال کو ٹھنڈا کرنے کے لئے مقامی لوگوں کی مدد سے سمراؤں کو ڈھونڈ ڈھونڈھ کے نکلا اور بے دریغ قتل کیا۔ صرف وہی لوگ زندہ بچ سکے جو اپنے آپ کو سمرا کہلوانے کی بجائے اہل حرفہ یعنی لوہار، ترکھان، ٹھٹھیار، سنار، حجام، دھوبی، مچھیرے اور ملاح وغیرہ ظاہر کر کے ادھر ادھر روپوش ہو گئے۔ ان میں سے کچھ لوگ بھیس بدل کر ملتان اور بہاولپور کے مضافات میں کسمپرسی اور گمنامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے چنانچہ ان علاقوں میں اہل حرفہ زیادہ تر اسی شکست خوردہ خاندان کی نسل سے ہیں اور احساس کمتری میں مبتلا دبی زبان میں اپنے آپ کو سمرا کہتے ہیں۔ ان لوگوں کی اور وسیع اراضیات بمعہ دیگر غیر منقولہ املاک کے ضبط کر لی گئیں اور انہیں بے دخل کر کے سندھ چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ غرضیکہ ڈھائی صدیوں سے زائد عرصہ تک ملک سندھ پر بزور بازو تسلط جمائے رکھنے والے اس جابر اور خونخوار قبیل کا غرور خاک میں مل گیا بچے کچھے چند کنبے چھپتے چھپاتے لاہور اور سیالکوٹ کی طرف منتقل ہو گئے اور کئی گھرانے چور دروزے سے سماؤں میں گھس

آئے۔ اسی ذلت آمیز شکست کے دن سے اس قبیلہ کی مستورات نے اپنے سورماؤں کے قتل کا سوگ مناتے ہوئے ناک میں نتھنی کا استعمال ترک کر رکھا ہے۔

خاندان سمرا کی اصل و نسل

یہ امر مسلمہ ہے اور تاریخی مطالعہ سے شغف رکھنے والے حضرات بھی اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ ظہور اسلام سے قبل ازمنہ قدیم سے عراق عجم (قدیم فارس اور موجودہ روسی ترکستان' افغانستان اور ایران) اور برصغیر سندھ و ہند کے ایک ہی منطقہ میں واقعہ ہونے کی وجہ سے ان کا آپس میں گہرا میل ملاپ رہا ہے جس سے دونوں ملکوں کی تہذیبیں بھی متاثر ہوتی رہی ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے تعلقات میں برابر اضافہ ہوتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ راجہ چچ ولد سیلج ولد بساس والئے سندھ جس کی قلمرو کی سرحدیں شمال میں کشمیر اور جنوب مغرب میں کرمان تک پھیلی ہوئی تھیں کے زمانہ میں دونوں ہمسایہ ممالک کے درمیان یہ تعلقات اور بھی مضبوط ہو گئے۔ چنانچہ انہیں تعلقات کی بناء پر فارس کے لا مذہب بادشاہ یزدگرد نے خیر سگالی اور بھائی چارہ کو مزید فروغ دینے کے لئے اپنی فوج میں سندھی جاٹوں کی بھاری تعداد بھرتی کر رکھی تھی اس کے علاوہ متعدد جاٹ کنبوں کو فارسی دہقانوں کے ساتھ کھیتی باڑی کے کام کو ترقی دینے کے لئے ٹھیکے پر زمینیں دے رکھی تھیں۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد 13ھ میں حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ دوئم نے خلافت اسلامیہ کی باگ ڈور سنبھالتے ہی خلیفہ اول کی وصیت کو عملی جامہ پہناتے ہوئے عراق سے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے اور 15ھ میں اسلام عراق عرب کی سرحدیں پار کر کے مدائن اور جالولہ کی فتحیاب جنگوں کے بعد عراق عجم میں داخل ہو گیا اور شاہ یزدگرد کو بھاگ کر کوہ البرز کے عقب میں واقعہ حلوان کے مقام پر پناہ لینا پڑی۔ فارسیوں کا اتنی

سرعت سے قبول سلام اور مدائن جیسر راجدھانی کے ساتھ دو بڑے صوبوں کے چھن جانے سے یزدگرد جذبہ انتقام سے مغلوب ہو کر ان کی دلآزاری اور مسلمانوں کو سبق سکھانے کے لئے مناسب موقعہ کی تلاش میں رہنے لگا۔ چنانچہ اس نے 20ھ میں معاہدہ شکنی کرتے ہوئے کوہ البرز کو پار کر کے قلعہ نہاوند جہاں اس کا خزانہ دفن تھا پر اچانک چھاپہ مار کر وہاں پر متعین قلعہ گیردستہ کو قتل کر کے دوبارہ قبضہ کر لیا۔ لشکر اسلام کے کمانڈر انچیف جناب سعدؓ بن وقاص (آپ خاتم النبینؐ کے حقیقی ماموں تھے) مقیم مدائن کو جب اس اندوہناک واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے فوری طور پر سردار نعمان ولد مکران کو بیس ہزار گھوڑ سوار فوج کا کمانڈر بنا کر یزدگرد کا گھمنڈ توڑنے اور معاہدہ شکنی کی قرار واقعی سزا دینے کے لئے قلعہ نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ راستہ میں سس (Sus) کے مقام پر لشکر اسلام کا یزدگرد کی ہاتھیوں' اونٹوں پر سوار اور پیدل دستوں پر مشتمل ڈیڑھ لاکھ کے قریب بھاری بھرکم فوج سے ٹکراؤ ہوا۔ تین دن کی گھمسان کی جنگ کے بعد شاہ یزدگرد کی فوج کو شکست فاش ہوئی۔ شاہ یزدگرد ترکستان کی طرف بھاگتے ہوئے راستہ میں اپنے کسی دیرینہ دشمن کا ہاتھوں مارا گیا۔ میدان جنگ میں ہزاروں کافر واصل جہنم ہوئے۔ جو زندہ بچے وہ سب کے سب قیدی بنا لئے گئے۔ ان قیدیوں میں تین ہزار سے زائد سندھی جاٹوں کی نفری تھی۔ قلعہ نہاوند پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔ اسلامی فوجوں نے بغیر کسی مزاحمت کے کوہ البرز کو پار کر کے تمام علاقہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اب پورے ملک فارس پر پرچم اسلام لہرانے لگا۔ وہ فارسی دہقان اور جاٹ جو نہ تو مسلمان ہوئے اور نہ ہی جزیہ دینا مان کر مسلمانوں کے زیر تحفظ بطور ذمی (Zimmis) عراق عجم میں رہنے پر رضامند ہوئے وہ سب کے سب نقل مکانی کر کے کلسہ (Cilicia) کی سرحدوں پر آباد ہو گئے جہاں کچھ ہی عرصہ بعد وہ یونانیوں کے ہتھے چڑھ گئے جو انہیں غلام بنا کر اپنے ملک میں لے گئے۔ جنگی قیدیوں کو مدائن لے جایا گیا جہاں وہ سب کے سب مشرف بہ اسلام ہوئے۔

انہیں ایام میں دریائے فرات کے کنارے کوفہ اور شط العرب کے کنارے بصرہ کی بستیاں آباد ہو رہی تھیں چنانچہ فارسی دھقانوں اور جاٹوں کو ان کے پیشہ ورانہ تجربہ اور مہارت کے پیش نظر وہاں عربوں کی راضیات اور باغات پر کاشتکاری کے کام تفویض کر دیئے گئے۔ کچھ مدت گزرنے کے بعد ان کو حضرت عمرؓ کی رائج کردہ عرب نیچرالائزیشن سکیم کے تحت عرب شہریت اور قومیت حاصل ہو گئی اور وہ عربوں سے رشتے ناطے جوڑ کر مستقل طور پر آباد ہو گئے جہاں وہ اموی دور اقتدار کے خاتمہ تک بدستور مقیم رہے۔

132ھ میں خداند بنو بعاس (آنحضرت کے چچا حضرت عباسؓ کا خاندان) نے فاطمیوں کی مدد و تعاون سے امویوں کے مطلق العنان دور اقتدار کا خاتمہ کر کے خلافت پر قبضہ کر لیا اور فاطمیون کے نمائندہ ابو سلمہ نے ابو عباس سفاح ولد محمد ولد علی ولد عبداللہ ولد حضرت عباسؓ کے خلیفہ منتخب ہونے کا اعلان کر دیا۔ خلافت عباسیہ کا بانی خلیفہ پانچ سال تک فرائض خلافت سرانجام دینے کے بعد 136ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے محمد کی بجائے حسب وصیت اس کے بھائی ابو جعفر المعروف بہ عبداللہ المنصور کو خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔ اس نے خلیفہ بنتے ہی امویوں کے دارالخلافہ دمشق کی بجائے کوفہ کو خلافت عباسیہ کا صدر مقام منتخب کیا مگر ناموافق آب و ہوا اور مقامی باشندوں کے غیر مہذب اور نامعقول طرز عمل کو ناپسند کرتے ہوئے اس نے جلد ہی اس جگہ کو مستقل طور پر مرکز خلافت بنانے کا خیال ترک کر دیا اور اس کی بجائے شاہ فارس خسرو نوشیرواں عادل کی پسندیدہ گرمائی قیام گاہ بغداد (of Justice Garden) کے نواحی علاقہ میں دریائے دجلہ کے دلفریب اور خوش منظر مغربی کنارے پر اپنے نام پر ایک نئے شہر المنصورہ کی طرح ڈالی ور یہی شہر بعد میں بغداد الجدید کہلانے لگا چنانچہ جونہی اس بستی میں شاہی محلات، مرکزی دفتر اور سرکاری رہائش گاہوں کی عمارات مکمل ہوئیں وہ کوفہ سے یہاں منتقل ہو گیا۔ اس نے تمام سول محکمے تو یہاں

رکھے مگر فوجی محکمہ کے لئے بغداد کی سول آبادی سے دور فاصلہ پر واقعہ سمارا (Sammara) کی قدیم بستی کو منتخب کیا اور چھاؤنی میں تبدیل کر کے فوجی ہیڈ کوارٹرز ور ٹرینگ سنٹرز وغیرہ وہاں پر قائم کر دیئے گئے۔ ان دونوں اہم مقامات کو جاذب نظر اور خوبصورت بنانے کے لئے اس نے باغات اور پھل دار درخت لگوانے کے لئے کوفہ اور بصرہ میں مقیم فارسی نو مسلم دہقانوں اور سندھی جاٹوں کو پر کشش شرائط و مراعات پر یہاں منتقل ہونے کی ترغیب دی چنانچہ خلیفہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں کی اکثریت کشاں کشاں ان جدید اور صحت افزاء مقامات پر منتقل ہو گئی جہاں انہوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں حسب خواہش خلیفہ اپنی پیشہ ورانہ مہارت اور تجربہ کو کام میں لاتے ہوئے اس تمام علاقہ کو قابل رشک بنا دیا۔ یہ خلیفہ 22 سال تک حکومت کرنے کے بعد 158ھ میں فوت ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا محمد المعروف بہ مہدی بن منصور مسند خلافت پر بیٹھا اس کے عہد میں 161 میں ایک سندھی راجکمار چھوٹا امرانی (Chota Imrani) اپنے بھائی دلورائے یا بگڑار رجاہ برہمن آباد کے مظالم اور ناروا سلوک سے تنگ آکر سندھ سے نقل مکانی کر کے بغداد میں آباد ہو گیا تھا جہاں اس نے اسلام قبول کر کے ایک عرب سردار کی بیٹی سے شادی کر لی۔ انھیں ایام میں جب سندھ میں بدامنی زیادہ زور پکڑ گئی اور وہاں پر مقیم محدود عباسی سپاہ کے لئے بگڑتی ہوئی صورت حال پر قابو پانہ مشکل ہونے لگا تو خلیفہ مہدی نے ایک عربی سردار علی مساوی کی زیر کمان ایک آزمودہ کار گھڑ سوار جیش روانہ کرنے کے احکامات جاری کئے چنانچہ جب یہ جیش چھاؤنی سمارا میں بعد ضروری ٹرینگ کے سندھ روانگی کی تیاری کرنے لگا تو مقامی نو مسلم جاٹوں کے کئی گھرانوں نے مجاہدین کے ساتھ سندھ جانے کی درخواست کی۔ خلیفہ نے کافی غور و خوض کے بعد دوربینی سے کام لیتے ہوئے عراق میں مقیم تمام نو مسلم سندھی جاٹوں کی نسل سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو رضاکارانہ طور پر سندھ میں آباد ہونے کی دعوت عام دی۔ چنانچہ اس دعوت پر عراق کے طول و عرض میں آباد

ان لوگوں کے کئی گھرانے سندھ جانے پر آمادہ ہو گئے جنھیں سارا چھاؤنی میں اکٹھا کیا گیا جہاں سے یہ لوگ ایک بڑے قافلے کی صورت میں گھڑسوار جیش کی ہمراہی میں سندھ روانہ ہو گئے۔ اس قافلہ کو روانہ ہوتے دیکھ کر راجکمار چھوٹا امرائی کے دل میں بھی وطن کی یاد چٹکیاں لینے لگی۔ چنانچہ وہ بھی اسی قافلہ کی ہمراہی میں بمعہ اپنی دلہن کے سندھ واپس چلا آیا۔ چھاؤنی سارا سے آنے والی یہی مخلوط جمعیت سندھ میں سارا کے نام پر سمرا کہلائی چنانچہ تاریخ اسلام میں یہ واحد اسلامی گروپ ہے جو ملک عرب سے نکاس کے باوجود غیر عربی النسل ہونے کی بنا پر کسی مخصوص قبائلی نام کی بجائے سکونتی نام سے پکارا اور جانا پہچانا جاتا ہے اور بدیں وجہ یہ لوگ بغیر کسی اعزازی لقب کے سندھ پر عرصہ دراز تک حکومت کرتے رہے۔

تازہ دم کمک کے اس مخلوط ڈرافٹ کی آمد سے بحالی امن میں بڑی مدد ملی اور بگڑے ہوئے حالات جلد ہی معمول پر آ گئے۔ خلیفہ مہدی نے ان لوگوں کی آباد کاری کے لئے عامل سندھ عبدالمالک بن شہاب سلمی کو خاص ہدایات جاری کیں جس نے انہیں حتی المقدور ترقی یافتہ ذرائع آمدورفت والے علاقوں میں زرخیز اور وسیع اراضیات الاٹ کیں اور حسب قابلیت و موزونیت ان میں سے کئی افراد کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔

حکومت وقت کے اس قدر فیاضانہ اور ترجیحی سلوک سے ان نوواردوں میں ایک قسم کا جھوٹا غرور پیدا ہو گیا اور وہ اپنے آپ کو اموی دور سے سندھ میں آباد عربوں سے اعلیٰ وارفع سمجھتے ہوئے من مانیاں کرنے لگے اور بسا اوقات لگان اور دیگر رائج الوقت ٹیکسوں کی ادائیگی سے پہلو تہی کرنے سے بھی گریز نہ کرتے خلافت عباسیہ کے آخری دور میں یہ گروپ طاقت پکڑ گیا اور سندھ پر حکمرانی کے خواب دیکھنے لگا۔

انگریز مورخ مسٹر الفنسٹن کا کہنا ہے کہ "خاندان سمرا راجپوتوں کی ایک شاخ تھی

جو مجموعی طور پر بیک وقت مسلمان ہو گئی"۔ اس کے برعکس دوسرے انگریز مورخ مسٹر پوسٹنز (Postons) کا موقف ہے کہ یہ خاندان عربی النسل ہے اور دوسرے کئی عرب کنبوں کی طرح یہ لوگ بھی سندھی جاٹوں میں مدغم ہو کر عربی تشخص سے محروم ہو گئے۔ مسٹر الفنسٹن اپنے دعویٰ کی تصدیق میں یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ چونکہ خاندان سمرا کے اکثر ابتدائی حکمرانوں کے نام ہندوآنہ ہیں لہٰذا وہ راجپوت ہی ہو سکتے ہیں۔ اس کے خیال کے مطابق برصغیر میں راجپوتوں کے سوا اور کوئی قوم حکمرانی کی اہل ہی نہیں ہو سکتی۔ مگر وہ یہ ثابت کرنے میں ناکام رہا ہے کہ آیا ان ایام میں سندھ میں "راجپوت" نام کا کوئی قبیلہ' برادری یا قوم آباد تھی یا باہر سے اس نام کا کوئی قبیلہ یا خاندان کبھی سندھ پر حملہ آور ہوا تھا یا نقل مکانی کر کے یہاں آباد ہوا ہو۔

"راجپوت" قوم کے تاریخی اور تحقیقی تجزیہ پر قلم فرسائی کرتے ہوئے ڈاکٹر پی این چوپرہ مدیر گزیٹرز آف انڈیا' ڈاکٹر جی ایس گورے مصنف کاسٹ اینڈ ریس ان انڈیا اور مس کیتھرائن میو آف امریکہ مصنفہ مدر انڈیا کا اس نقطہ پر اتفاق ہے کہ یہ قوم خالص ہندی ہے اور اس کا آبائی وطن ہندوستان کی ریاست گرجارہ (موجودہ راجپوتانہ / راجستھان) ہے اور وہ خوش فہمی کا شکار ہو کر اپنے آپ کو قدیم ارین کشتریوں کی اولاد گردانتے ہوئے براہ راست سورج بنسی' چندر بنسی اور گنی کنڈ شاخوں سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ لوگ دراصل گرجارہ' رگھو بنسی' مینا' میو' کول' گونڈ اور بھیل جیسی قدیم بھارتی شیڈول قومو کے راجوں' جاگیرداروں اور زمینداروں کی دوسری شودر اقوام میں سے متعدد بیویوں' داشتاؤں' دیوداسیوں اور بیسواؤں کے بطن سے تھے اور اپنے اپنے منفرد القاب سے چھتیس (36) بڑے اور ایک صد پانچ (105) چھوٹے کنبوں میں بٹے ہوئے تھے اور خانگی تقسیم جائیداد غیر منقولہ کے رواجی قانون وراثت کے تحت چھوٹی چھوٹی عملداریوں کے مالک بن گئے اور ایک دوسرے پر برتری جتانے کیلئے ہمیشہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ آپس میں پھوٹ اور شدید احساس کمتری میں مبتلا جذباتی

قسم کے یہ لوگ اجتماعی طور پر بحیثیت قبیلہ یا خاندان کے نہ تو کبھی ہندوستان کے حکمران رہے اور نہ ہی کبھی ملک سے باہر گئے کیونکہ ان کے دقیانوسی عقیدہ کے مطابق وطن چھوڑنا بدبختی کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ یہ قبیلہ خلجی دور میں معرض وجود میں آیا اور مغلیہ دور میں اس کے افراد انفرادی طور پر منظر عام پر آئے۔ جلال الدین اکبر اور جہانگیر نے ان کی عملداریاں چھین لیں اور انھیں جاگیریں اور عہدے دے کر ان کی بیٹیوں اور ہمشیرگان کو داخل حرم کر لیا اور اس طرح ان کی نسل خاصی حد تک غلط ملط ہو گئی جس سے ان کی رہی سہی ساکھ اور تفخر و تکبر خاک میں مل گیا۔

آریہ فلاسفر منوں کے ذات پات کے قانون کے تحت انسانی تقسیم سے جو کشتری طبقہ معرض وجود میں آیا برہمنیت کے بگاڑ اور بتدریجی زوال اور بدھ مت کے ہزار سالہ دور میں جنگی صلاحیتوں سے تقریباً محروم ہو کر مفلوج ہو چکا تھا اور بدیں وجہ ہندومذہب اور تہذیب و تمدن کا محافظ یہ طبقہ سومنات، دوارکا، ناسک، اجودھیہ، بنارس، قنوج، میرٹھ اور دہلی جیسے اہم مراکز میں بت کدوں کی حفاظت میں بری طرح ناکام رہا اور سلطان محمود غزنوی، سلطان شہاب الدین غوری اور سلطان قطب الدین ایبک کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو کر ہزاروں کی تعداد میں کیفر کردار کو پہنچے اور جو کسی نہ کسی طرح زندہ بچ نکلے وہ بھیس بدل کر اور اپنی جان کی سلامتی کی خاطر اپنے آپ کو "جاٹ" ظاہر کر کے پنجاب کی طرف بھاگتے رہے جہاں وہ سندھی جاٹوں میں غلط ملط ہو کر اپنا کشتری تشخص کھو بیٹھے لہٰذا سمراؤں کو کشتریوں اور راجپوتوں سے منسوب کرنا تاریخ کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔

باب چہارم

خاندانِ سامہ نئے ماحول میں

جوں جوں تاریخ کی گہرائیوں میں اتریں توں توں ایسا لگتا ہے کہ یہ قبیلہ شاید مصائب و آلام کے لئے ہی اس دنیائے دوں میں نمودار ہوا تھا یا باری تعالیٰ کو ان کی بردباری اور صبر و تحمل کا امتحان مقصود تھا۔

46ھ میں جنوبی سندھ میں بحیرہ عرب کے ساحلی علاقہ سواندھی میں داخلے پر ضروریات زندگی کی نایابی اور قلت۔ مقامی باشندوں کی سرد مہری اور ناروا سلوک اور سب سے بڑھ کر اموی حملہ کا ہر لحظہ دھڑکا اور خوف جیسے پریشان کن مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ اندرون سندھ ایک کھچڑی نما ملے جلے ماحول سے واسطہ پڑا۔ غرضیکہ اس قبیلہ کو نئے نئے وطن میں اپنی بقاء و سلامتی کے لئے کئی پاپڑ بیلنے پڑے۔ متعدد بار نقل مکانیوں کے دکھ سہے۔ بحالت مجبوری مقامی باشندوں سے ازدواجی تعلقات قائم کر کے ان میں خلط ملط ہو کر گمنامی میں بھی دن کاٹنے پڑے۔

اس قبیلہ کا سربراہ محمد حارث علافی سامہ بمعہ اپنے دست راست جہم سامہ شامی کے 92ھ میں جنرل قاسم کی دست برد سے بچتے بچاتے اپنے پانچ صد جانبازوں کی ہمراہی میں سواندھی سامہ سے فرار ہونے اور تبلانیسیلت ولد حلف مغنی، عبداللہ اور

عبدالرحیم، محمد ولد معاویہ اور محمد امیر ولد عبدالرحمٰن سرداران کو اموی لشکر کے رحم و کرم پر چھوڑ کر رجاہ داہر کی پناہ میں چلے جانے سے اس قلیل التعداد قبیلہ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے مگر اس کے باوجود اس نے نہایت حوصلہ مندی اور احسن طریقے سے نظامت سواندھی سامہ کا نظم و نسق سنبھالے رکھا اور پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دی۔

92ھ میں امداد الدین محمد قاسم بن عقیل ثقفی کی سندھ پر چڑھائی کے وقت سواندھی سامہ کا ناظم اعلیٰ اور علاقہ کا بڑا زمیندار محمد امیر سامہ تھا۔ قاسم نے اسے منصب نظامت سے معزول کر کے اپنے متعمد خاص حازم بن عمرو کو وہاں کا عامل (گورنر) مقرر کر دیا اور بعد لینے حلف وفاداری محمد امیر سامہ سے مقررہ شرح پر خراج و لگان کی باقاعدہ ادائیگی کا عہد نامہ لکھوایا۔ عام ساماؤں سے بھی حلف وفاداری لیتے ہوئے اور انہیں معاف کرتے ہوئے وہاں رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ مگر محمد حارث علافی سامہ اور اس کی مفرور پارٹی جنرل قاسم کے ہاتھ نہ لگ سکی۔ حارث کی وفات کے بعد اس کا نائب جیہم سامہ شامی اور اس کے بچے کچھے ساتھی خلافت امیہ کی سندھی میں عملداری کے خاتمہ تک روپوش رہے یہ وہی جیہم سامہ شامی ہے جس کی جنگی خدمات کے اعتراف میں محمد حارث علافی سامہ نے سواندھی سامہ کے علاقہ میں اس کے نام پر جیہم پور کی بستی کی بنیاد رکھی جسے بعد میں سندھی پیر پرستوں نے جیہم پیر کے نام سے مشہور کر دیا۔ یہ بستی آج تک نظامت سواندھی سامہ (موجودہ قسمت کراچی) میں قائم و دائم ہے اور ساماؤں کی سندھ میں آمد کی اولین نشانی ہے۔

ابتدائی حالات خاندان سامہ

آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل 46ھ کے وسط میں بنو عامر (آل عدنان) کی بطون بنو سامہ سے یہ لوگ اپنے مندرجہ ذیل سرداران کی سربراہی میں امیر معاویہؓ کے

عہد خلافت میں ٹاسک فورس زیر کمان جنرل عبداللہ بن سعد میں شامل ہو کر براستہ مکران سندھ کے زیریں علاقہ سوانڈھی میں وارد ہوئے۔

1- صفاوی ولد لام سامہ 2- محمد ولد حارث علافی سامہ 3- تبلائیسیات ولد حلف مغنی سامہ 4- جیہم سامہ شامی 5- محمد ولد معاویہ سامہ 6- عبداللہ ولد عبدالرحیم سامہ 7- سلیمان سامہ 8- علی محمد ساہ انچارج محکمہ سراغ رسانی بمعہ ایک ہزار جانبازوں کے 9- محمد امیر

ان سرداراں میں سے مندرجہ ذیل صوبہ مکران میں عاملان خلافت امیہ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ 1- صفاوی ولد لام سامہ 2- سلیمان سامہ

مندرجہ ذیل جنرل قاسم کی 92ھ میں سندھ پر چڑھائی کے دوران اندرون سندھ روپوش ہو کر فوت ہوئے۔

1- محمد حارث علافی سامہ' یہ سردار کشمیر کی سرحد پر واقعہ شکل بار کے مقام پر بحالت فرار فوت ہوئے۔

2- تبلائیسات ولد حلف مغنی سامہ 91ھ کے آر میں فوت ہوئے۔

3- جیہم سامہ شامی' یہ سردار بمعہ اپنے جانباز ساتھیوں کے خلافت امیہ کی سندھ میں چالیس سالہ عملداری کے خاتمہ تک روپوش رہا اور گمنامی کی حالت میں فوت ہوا۔

4- سردار عبداللہ ولد عبدالرحیم' محمد ولد معاویہ' محمد امیر اور علی محمد انچارج شعبہ سراغ رسانی اور ماتحت جانبازوں کے مقامی باشندوں سے باہمی اختلاط سے نئی نسل ابھری جو مندرجہ کنبوں اور بطون میں بٹ گئی۔

1- خانوادہ زوہب داری

یہ کنبہ سندھ میں آج کل زرداری کہلاتا ہے۔ شرافت معاشی اور سیاسی لحاظ سے اپنا منفرد مقام رکھتا ہے اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ماضی میں یہ لوگ اول درجہ کے زمینداروں میں شمار ہوتے تھے۔ ابتدائی دور

میں بالائی سندھ موجودہ شہر بہاولپور کے قرب و جواب میں ان کی خاصی آبادی تھی اور محمد حارث سامہ کے نام پر اس علاقہ کا نام حارث سامہ رکھا گیا اور صفاوی بن لام سامہ کے نام پر موجودہ خانپور' صادق آباد' سنجر آباد' رحیم یار خان اور احمد پور شرقیہ پر محیط تمام علاقہ کا نام "پرگنہ لاماں" رکھا گیا۔ چنانچہ اسی علاقہ میں بسنے والے سامہ راعیوں کی بنیادی گوت "لاماں" نے جنم لیا جو وقتاً فوقتاً نقل مکانی کر کے لاہور اور سیالکوٹ کے موجودہ اضلاع میں آباد ہوتی رہی اور آج تک کثیر تعداد میں وہاں پائی جاتی ہے۔

-2 خانوادہ ناہیت

یہ نام "ناہید" سے بگڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ کنبہ اب ناپید ہے اور تاریخ اس کی تفصیلات کے بارے میں خاموش ہے۔

-3 خانواد طیار

یہ کنبہ "راناطیرہ" یا "رانو طیار" بھی کہلاتا ہے۔ اسی گھرانہ سے سردار اسد اور سردار اودھار ہوتے ہیں۔ اس کا بیٹا منبہ 300ھ میں حاکم ملتان رہا ہے اودھار سے ابراہہ سامہ ہوا ہے جس کے بعد خاندان سامہ مندرجہ ذیل دو بڑی شاخوں میں بٹ گیا۔

الف دھریجہ

یہ لوگ غیر ساماؤں میں وٹہ سٹہ کی شادیاں کر کے مخلوط النسل ہو گئے اس شاخ کے سربراہ سردار لاکھانے اپنے قبیلے سے باہر ایک پہاڑی قبیلہ "بوتھی جاہز" کی ایک خاتون سے شادی کر لی اور اپنی دختر اسی قبیلہ میں بیاہ دی۔ حصول امتیاز کی خاطر یہ شاخ ابریجوں سے ہمیشہ برسرپیکار رہی اور خراج و لگان کی ادائیگی سے انکاری رہے۔ آخر ارغوانی دور میں مرزا شاہ بیگ اور اس کے

بیٹے مرزا شاہ حسین کے ساتھ مختلف معرکوں میں اس کے ستائیس نامور سردار قتل ہونے سے اس مغرور شاخ کا گھمنڈ خاک میں مل گیا۔ جان کی سلامتی اور بچی کھچی املاک کے تحفظ کے لئے ارغونوں نے مصالحت کرتے ہی بن پڑی۔ بعض گھرانے سر چھپاتے ہوئے بغیر کسی قابل ذکر سربراہ کے گمنامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے اور متعدد لوگ چوری چھپے حکمران شاخ ابریجہ میں گھس آئے۔

ب ابریجہ

(ماں باپ دونوں خاندان سامہ سے/یا اور ماں غیر سامہ اور باپ سامہ۔

اس شاخ کا دوسرا نام ابرو/ابراہہ ہے۔ یہ لوگ اپنی دختران غیر ساماؤں میں نہیں بیاہتے۔

اس شاخ سے مندرجہ ذیل خانوادے معرض وجود میں آئے۔

(i) خانوادہ بابینہ

اس گھرانہ سے دو بھائی انار اور جونا پسران بابینہ ہوئے ہیں "جونا" لفظ جون کا بگڑا ہوا ہے جس کے ہندی اصطلاح میں معانی مسلمان حملہ آور کے ہیں۔

انار علاقہ سواندھی سامہ میں تمندار تھا پچھلے اوراق میں واضح کیا جا چکا ہے کہ کس طرح ساماؤں نے ریاست کچھ کے راجہ کو بمعہ اس کے اہل و عیال اور قلعہ گیر سیاہ کے قتل کر کے ریاست کچھ اور اس سے ملحقہ ہندوستانی علاقہ جیسلمیر پر قبضہ جما لیا اور کس طرح وہاں سے سمراؤں کے خلاف سندھ پر چڑھائی کی۔ چنانچہ سمراؤں کی شکست اور خاتمہ اقتدار کے بعد ساماؤں نے تمندار انار کی شاندار خدمات کے اعتراف میں اسے بالاتفاق رائے سندھ کا

حکمران چن لیا جس نے 640ھ میں "جام" لقب اختیار کر کے سلطنت سامہ کی بنیاد رکھی۔ وہ ایک سلجھا ہوا اور وسیع النظر ایڈمنسٹریٹر تھا۔ چنانچہ عنان حکومت سنبھلتے ہی اس نے محسوس کیا کہ ساماؤں کے قدیم مسکن سواندھی سامہ سے متعلقہ بدحوں کی واحد مگر طاقت ور ریاست بابیہ (Babia) سے قلمروسندھ سلامتی کو کسی وقت بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے لہٰذا ملکی اور قومی مفاد کی خاطر اس کا سیاسی وجود ختم کرنا از بس ضروری ہے۔ چنانچہ حفظ ماتقدم کے طور پر انار نے اچانک حملہ کر کے اس ریاست کو دبوچ کر سلطنت سندھ میں شامل کر لیا اور اس کے حکمران چتراہ (Chitra) بزبان عربی "جریجہ" (Jareejah) کو گرفتار کر کے ساموئی لے آیا جہاں کچھ دنوں بعد اس سے حکومت سامہ کی غیر مشروط اطاعت اور وفاداری کا حلف لے کر اسے باعزت زندگی گزارنے کے لئے مناسب سہولتیں مہیا کر دیں۔ حالات جلد را پر سکون ہوئے تو رانا چتراہ نے جام انار سے وطن واپس جانے اور وہاں عام شہری کی حیثیت سے مستقل رہائش اختیار کرنے کی اجازت طلب کی۔ جام انار نے اس کی یہ درخواست نامنظور کر دی مگر اس کی غیر مشروط اطاعت کے پیش نظر اسے مقررہ شرح سالانہ پر خراج و لگان کی ادائیگی کی طے شدہ شرائط پر بیرون سندھ ریاست کچھ اور تھر کے علاقے اس کی تحویل میں دے دیئے جس سے وہ مطمئن ہو گیا۔

(سندھ اور کچھ کا درمیانی صحرائی علاقہ تھر (Thur) انگریزوں کی آمد سے قبل جودھ پوری راجپوتوں کی عملداری کا حصہ رہا ہے۔ ران چتراہ کی وفات کے بعد اس علاقہ کا نظام اس کی اولاد اور وارثان میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا رہا۔ آخر کار جام فیروز آخری حکمران خاندان سامہ کی ارغونوں کے ہاتھوں شکست اور خاتمہ اقتدار کے بعد جریجوں پر ساماؤں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ (رانا چتراہ کی اولاد کا عربی لقب جریجہ ہے) چنانچہ جریجوں کے اس وقت کے

سربراہ راؤ کنگر نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطانوں کو خراج و لگان کی ادائیگی بند کر دی اور اپنی آزادی کا اعلان کرتے ہوئے نظامت "کچھ" کا خود مختار حکمران بن بیٹھا اور اس کے ساتھ ہی اپنے آپ کو "ہندوستانی" ظاہر کرتے ہوئے "راجپوت" کہلوانے لگے۔ چنانچہ اس کی وفات کے بعد اس کی نسل "رانا" اور "راؤ" کے القاب کی بجائے "مہاراجہ" کا راجپوتی لقب اختیار کر کے ریاست کچھ پر حکومت کرتی رہی مغل دور میں یہ لوگ حکومت کے وفادار اور باجگزار رہے اور سرکش راجپوتوں کے برعکس انہوں نے مغلو کی حکومت سے کبھی غداری نہ کی اور ہمیشہ ان سے بھرپور تعاون کیا۔

انگریزوں کے دور اقتدار میں یہ لوگ حکومت بمبئی (Govt Bombay) کے حلیف اور وفادار دوست بن گئے اور سندھ کے تالپور بلوچ حکمرانوں کے خلاف مخبری اور جاسوسی کا کام کرنے لگے۔ تالپوروں کو جب ان کی ان ذلیل حرکتوں کا علم ہوا تو انہوں نے انضباطی کاروائی کرتے ہوئے کھوسو اور کئی دوسرے سندھی قبائل کو لوٹ مار مچانے اور جریجوں کو ہراساں کرنے کے لئے ریاست کے اندر داخل کر دیا۔ "جریجے راجپوت" ریاست چھوڑ انگریز وائسرائے لارڈ منٹو سے مدد کے طلبگار ہوئے۔ چنانچہ وائسرائے نے اس واعقہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور سندھ کے اندرونی معاملات میں مداخلت کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے فوری طور پر ایک برگیڈ فوج بھی کر تالپوروں پر کنٹرول کے علاوہ انگریزوں کو ریاست کچھ کے اندرونی معاملات میں بھی دخل اندازی کا موقع مل گیا۔ چنانچہ انہوں نے ریاست میں اپنا ایک ریزیڈنٹ مقرر کر دیا جو جریجوں کی اعانت سے تالپوروں کی حرکلت و سکنات پر کڑی نظر رکھنے لگا جس سے تالپوروں اور انگریزوں کے باہمی تعلقات سخت متاثر ہونے لگے۔ انگریزوں کے تالپوروں سے دن بدن کشیدہ تعلقات اور جریجوں سے ان

کے دوستانہ مراسم اور بد قسمت تالپوروں کی آپس میں ناچاقی اور ناقص نظام حکومت سے جریجوں نے یہ تاثر لیا کی شاید انگریز تالپوروں کا پتہ کاٹ کر سندھ کی عملداری ان (جریجوں) کے سپرد کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے چنانچہ انہوں نے اسی مفروضہ کی بناء پر اپنے آپ کو اب سندھی نژاد اور سابقہ حکمران خاندان سامہ کی نسل ثابت کرنے او رملک سندھ پر حکومت کرنے کا وراثتی حق جتانے کی کوشش میں اپنے شجرہ نسب اور دیگر سرکاری دستاویزات میں رد و بدل کروا کر اپنے آپ کو "سامہ راجپوت" ظاہر کرنے لگے۔ چنانچہ ہمارے تاریخ نویس حضرات غلط فہمی کا شکار ہو کر بغیر کسی گہری تحقیق و تجسس کے جریجوں کو نو مسلم ہندو راجپوت قبیلہ ماننے لگے اور ساماؤں کی نسل گروانے لگے حالانکہ یہ لوگ بودھوں اور برہمنوں کے اختلاط سے معرض وجود میں آئے اور تاریخی لحاظ سے ان کی عربی النسل سامہ قبیلہ اور ہندی نژاد راجپوتوں سے ہرگز کوئی مناسبت نہیں ہے (یاد رہے عہد فرنگی میں تقسیم ہند تک ریاست کچھ کے جریجے حکمران اپنے ناموں کے ساتھ "رانا" "راؤ" "مہاراجہ" اور "سر" (Sir) کے القاب و خطابات اکٹھے ایک ساتھ استعمال کرتے رہے جس سے ان کی پست ذہنیت اور دوغلی اصلیت کا بخوبی پتہ چلتا ہے)

فتح بابیہ سے ساماؤں کی مشہور گوت "بابی" (Babi) نے جنم لیا جسے سندھی زبان میں "باپی" بھی کہا جاتا ہے سابقہ ریاست جونا گڑھ کا حکمران گھرانہ اسی "بابی" گوت سے تعلق رکھتا ہے مگر یہ لوگ اپنے آپ کو "بابی سامہ" کی بجائے "بابی پٹھان" کہتے ہیں حالانکہ تاریخی لحاظ سے ساماؤں کی سندھ میں آمد کے وقت یا ان کے بعد اس خطہ زر زمین میں پٹھانوں کا کوئی وجود نہ تھا۔

(ii) خانوادہ جھانگراں

ساماؤں کا یہ کنبہ سندھی زبان میں جھاگراں' جھاگڑاں اور جھاگڑے کے نام سے بھی مشہور ہے جھانگران کی اولاد نسل سلطان سے سلطان اودھ اور سلطان اودھ سے ملاں راعینہ (Raina) جو راعیدینہ (Raidina) راعیدون (Raidun) اور راعیدان (Raidaan) کے ناموں سے بھی جانا جاتا ہے۔ راعینہ سے "بالی" (سندھی زبان میں "پالی" بھی پکارا جاتا ہے) بالی سے اضحیٰ' سعود' قادریہ اور مرادیہ تین لڑکے ہوئے ہیں۔ سعود قادریہ کے گھرانہ کو قادریہ پوتا کا گھرانہ بھی کہا جاتا ہے مرادیہ کی اولاد سے ملاں جنید کلہوڑوں کے عہد میں عمال بھکر و سکھر ہوا ہے۔

راعینہ کے نام پر ساماؤں کی سب سے بڑی اور اہم شاخ "راعین" معرض وجود میں آئی۔ راعینہ کے چار بیٹے 1- لاکھا (سندھ میں لاکھو) 2- ابراہہ 3- چنیسر اور 4- بالی جسے سندھی زبان میں پالی بھی کہا جاتا ہے ہوئے ہیں۔ لاکھا گھرانہ (جسے لنجر کا گھرانہ بھی کہا جاتا ہے) میں سے مشہور صوفی بزرگ شیخ صابر لنجری ہوئے ہیں۔ ملاں جام راعینہ کی المناک موت کے بعد س کا سب سے چھوٹا بیٹا بالی سربراہ خاندان ہوا۔ اس کے تین بیٹے 1- اضحیٰ 2- سعود قادریہ اور 3- مرادیہ ہوئے ہیں۔ سعود قادریہ سواندھی سامہ میں واقعہ علاقہ تھری کا تمندار تھا۔ اسی خانوادہ سے جام فیروز آخری حکمران خاندان سامہ کی حکومت کے زوال اور خاتمہ کے درمیانی عرصہ میں بازید اور ابراہیم بالترتیب شور کوٹ اور اوچ کے جاگیردار ہوئے ہیں جنہوں نے لودھیوں کے زمانہ میں ملتان کے لنگاؤں کے خلاف بغاوت کر کے دولت خاں لودھی عامل لاہور کی مدد سے دریائے راوی تک کا تمام علاقہ قبضہ میں کر لیا اور خود مختار حکمران بن بیٹھے مگر مغل فرمانروا ظہیر الدین بابر نے ان دونوں عملداریوں کا خاتمہ کر دیا اور پورے

علاقہ کو اپنی قلمرو شامل کر لیا۔ جام راجپنہ نے خانوادہ بابینہ سے اقتدار چھین کر 19 سال تک سندھ پر نہایت رعب و دبدبہ سے حکومت کی (تفصیلات اس بابینہ حکمران کی اگلے اوراق میں ملاحظہ کریں)۔

(iii) خانوادہ ہنگارو

یہ گھرانہ سندھ سے باہر نہیں گیا اور آج کل بڑی حد تک مخلوط النسل ہو چکا ہے یہ لوگ سیاست کے جھنجھٹ سے الگ تھلگ رہتے ہوئے زیادہ تر زراعت کے کاموں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ عمدہ نسل کے گھوڑے پالنے اور شہسواری میں خاصی شہرت کے مالک ہیں سندھ میں ان کا بہترین کاشتکاروں میں شمار ہوتا ہے۔

(iv) خانودہ منائیہ

اس کنبہ کا دوسرا نام مندرہ (Mandra) بھی ہے مگر سندھی زبان میں عام طور پر مندرو مشہور ہے اسی گھرانہ سے سندھ کے مشہور عالم دین' ادیب اور صوفی حضرت مخدوم عبداللہ ناریو' حضرت میاں عبدالرحیم اور ملاں عبدالحکیم ہوئے ہیں۔ حضرت مخدوم عبداللہ ناریہ گاؤں واقعہ سواندھی سامہ نظامت میں پیدا ہونے کی وجہ سے ناریوارو کے نام سے تاریخ سندھ میں جانے پہچانے جاتے ہیں۔ آپ نے 1200ھ میں ستھری کے مقام پر وصال فرمایا۔

حضرت میاں عبدالرحیم

خاندان کلہوڑہ کے زوال و خاتمہ کے درمیانی عرصہ میں اپنی کرامات کی وجہ سے مشہور ہوئے۔

ملاں عبدالحکیم

عالم دین' ادیب ار مشہور ماہر نفسیات ہوئے ہیں۔

خانوادہ بابینہ کے حکمران

خاندان سامہ کے خانوادہ بابینہ میں سے مندرجہ ذیل حکمران ہوئے ہیں۔ 1- انار ولد بابینہ 2- جونا ولد بابینہ 3- طماچی اول 4- خیر الدین ولد طماچی اول 5- طماچی دوئم 6- اصلاح الدین 7- نظام الدین اول 8- علی شیر 9- کرن 10- فتح خاں 11- تغلق شاہ 12- سکندر 13- نظام الدین ثانی 14- فیروز ولد نظام الدین ثانی

خانوادہ جہانگران میں سے حکمران سندھ

(1) ملاں راعینہ ولد سلطان اودھ : یہ فرمانروا تاریخ سندھ میں رادینہ راعیدان اور راعیدون کے نام سے مشہور ہے۔ جام سکندر کی وفات کے بعد خانوادہ بابینہ کی حکومت کا خاتمہ کر کے اس نے 19 سال تک ملک سندھ بلا شرکت غیرے نہایت دبدبہ سے حکومت کی۔

تفصیلات حکمران

1- انار سامہ

انار سامہ نے 640ھ میں ملک سندھ کی عنان حکومت سنبھالی۔ اس نے سمراؤں کا تختہ الٹ کر خاندان سامہ کی بطون بابینہ کی حکومت کی بنیادی رکھی اور ایرانی حکمران جمشید کے نام پر اپنے حکمران خانودہ کے لئے "جام" کا لقب منتخب کیا جسے سماؤں کے مقتدر افراد سندھ میں آج تک اپنائے ہوئے ہیں۔ جام انار نے ساڑھے تین سال تک حکومت کی اس مختصر سے دور حکومت میں اس نے سمراؤں کے پایہ تخت "محمد طور" کو پیوند زمین کر کے خاندان سامہ کے نام پر ایک نئی بستی "ساموئی" کی بنیادی رکھی اور اسے اپنا پایہ تخت بنایا۔ اس نے سیوستان کے قلعہ دار غلام رتن ترک جو سلطنت دہلی کی طرف سے مقرر تھا کو مطیع کر کے قلعہ کو اپنی قلمرو میں شامل کیا اور اس کے ساتھ

ہی آگے بڑھ کر بدھوں کی عملداری بابیہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ وہ ٹھٹھہ اور جیسلمیر کے علاقوں میں امن و امان قائم کرتے ہوئے سندھی جاگیرداروں کی سازش کا شکار ہو کر قتل ہوا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی چنانچہ اس کی وفات پر اس کا چھوٹا بھائی جونا تخت سندھ کا وارث ہوا۔

2- جام جونا

یہ فرمانروا زبردست انتظامی قابلیت کا مالک تھا۔ اس کی حکمت عملی سے سمراؤں کے خلاف حقارت و نفرت کا طوفان تھم گیا۔ اس نے ساماؤں کو سندھی سوسائٹی کا ایک اہم رکن بنا کر ملکی ترقی اور خوشحالی میں بھرپور دلچسپی لی۔ اس نے اپنے نام پر جونا گڑھ شہر آباد کیا اور ساماؤں کے دور دور بکھرے ہوئے گھرانوں کو یکجا کر کے وسیع اراضیات دے کر انہیں وہاں آباد کیا۔ یہی لوگ سندھ میں سب سے پہلے عراق و عرب و عجم میں مروجہ القاب "ملک" اور "میاں" سے پکارے جانے لگے اور انہی کی نسلیں وقتاً فوقتاً سندھ اور جوناگڑھ سے نقل مکانی کر کے وسطی پنجاب کے علاقوں میں اباد ہو گئیں اور "ملک" اور "میانے" کہلوانے لگیں (میانہ لفظ "میاں" سے بگڑا ہوا ہے) اس کے عہد میں گو سمراؤں کی طاقت کا مکمل طور پر خاتمہ ہو چکا تھا تاہم وہ لوگ پھر بھی اپنے سندھی رشتہ داروں سے مل کر گاہے گاہے سر اٹھانے کی کوشش کرتے رہتے مگر مجموعی طور پر ان سے کوئی بڑا خطرہ نہ تھا۔ اس نے ملتان کی جغرافیائی پوزیشن کے پیش نظر وہاں کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی سے ہمیشہ اجتناب کیا کیونکہ یہ قدیم بستی غزنی اور قندھار سے ہندوستان پر حملہ آور فوجوں کے لئے پڑاؤ کا کام دیتی تھی اور بدیں وجہ وہاں آئے دن کوئی نہ کوئی آفت آئی رہتی تھی لہٰذا ساماؤں کا وہاں پوری طرح کنٹرول نہ ہو سکا۔

3- جام طماچی اول

جام جونا کی وفات کے بعد طماچی اول تخت سندھ پر بیٹھا۔ کچھ ہی عرصہ بعد علاؤ

الدین خلجی اس سے کسی بات پر ناراض ہو گیا چنانچہ وہ اسے قیدی بنا کر بمعہ اس کے کمسن بیٹے خیر الدین کو دہلی لے گیا اور اس طرح سماؤں کے لئے ایک نئی مصیبت کھڑی ہو گئی کیونکہ خالی مسند پر خلجی فوجی دستوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ سماؤں نے اسے اپنی بے عزتی خیال کرتے ہوئے فوری طور پر جام جونا کے چچا زاد بھائی کو اپنا سربراہ مقرر کر کے اس کی سرکردگی میں تھری کے مقام پر اپنی فوجی طاقت جمع کر کے ساموئی پر قابض خلجی تلنگوں کو ٹھکانے کا خفیہ پروگرام بنایا۔ قریب تھا کہ اسے عملی جامہ پہنچایا جاتا کہ دہلی سے جام طماچی کی فوتیدگی اور اس کے بیٹے خیر الدین کی سندھ واپسی کی اطلاع موصول ہوئی۔ چنانچہ اس اطلاع کے ملتے ہی خلجی فوجی دہلی واپس چلے گئے اور سماؤں نے ساموئی شہر پر قبضہ کر لیا۔ خیر الدین کی چند یوم بعد آمد پر اسے سربراہ خاندان تسلیم کرتے ہوئے تخت سندھ پر بٹھا دیا۔

4- خیر الدین ولد طماچی

دہلی پلٹ یہ نوجوان حکمران کاروبار سلطنت اپنے درباریوں کے حوالے کر کے اپنا زیادہ تر وقت سیر و تفریح اور حرم میں گزارنے لگا۔ پندرہ سال تک برائے نام حکمران رہنے کے بعد آخر راہی ملک عدم ہوا۔

5- جام طماچی دوئم

یہ حکمران جہاں غریب پرور اور سخی مشہور تھا وہاں پرلے درجہ کا تن آسان اور عاشق مزاج بھی تھا۔ ایک دن دوران شکار دریائے ہاکڑو کے کنارے آباد "گاندھرہ" قبیلہ کے ایک مچھیرے کی بیٹی "نورین سے اس کی آنکھ لڑ گئی۔ بس اسی کا ہو کر رہ گیا اور آخر کار اسے داخل حرم کر لیا۔ اس کے لئے منچر جھیل کے کنارے ایک عالیشان محل تعمیر کرایا اور باغات لگوائے امورات سلطنت خوشامدی درباریوں کے سپرد کر کے خود عیش و عشرت میں 13 سال گزارنے کے بعد اللہ کو پیارا ہو گیا۔ تاریخ سندھ میں اس کے رومانی قصوں کی جھلکیاں جابجا دکھائی دیتی ہیں۔ نورین اور طماچی دوئم مرنے کے

بعد بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے۔ دونوں ٹھٹھہ کے نزدیک "ماکلی" پہاڑی پر دفن ہوئے جہاں ان کی قبروں پر لنگاؤں اور قوالوں کا دن رات مجمع رہنے لگا۔ اس کی سخاوت اور فراخدلی سے خوش ہو کر ایک ملنگ نے نعرہ مارا اور ساماؤں کی ترقی اور خوشحالی کی پیشنگوئی کی کہ "ساماؤں کے گڑھ" سواندھی سامہ میں بہنے والا دریا ہاکرد (Hakro) کبھی خشک نہ ہوگا دریائے سندھ کے بند ٹوٹ جائیں گے اور اس کا پانی دریائے ہاکرو میں بہتا ہوا اپنے ساتھ ساماؤں کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے قسم قسم کی مچھلیاں اور پھل بطور تحائف لاتا رہے گا"۔

ملاحظہ فرمائیں پیشنگوئی بزبان سندھی۔ "ہاک واہندہ ہاکرو بما جانڈی بندا روڑ ببے مچھی ان لودھ دہندی سامے سکری"۔

انگریزی ترجمہ درج ذیل ہے۔

"The Hakro shall be come a perennial stream and the dykes of alor shall burst and thus shall productions of lakes and streems be carried to the samma clan as presents"

اس دل پھینک اور سخی بادشاہ کے عہد میں خاندان سامہ کی روایتی قبائلی عصبیت عود کر آئی اور آپس میں سرپھٹول شروع ہو گیا جس کے نتیجہ میں ہزاروں جانیں تلف ہوئیں اور وسیع پیمانہ پر نقل مکانیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

6- جام صلاح الدین

یہ حکمران گو بیدار مغز اور بہادر تھا مگر اس کی حد سے بڑھتی ہوئی نرم مزاجی اور عفو و درگزری کی پالیسی سے محلاتی سازشوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ عوام اس کی ناقص سیاسی اور نرم حکمت عملی سے ناخوش رہنے لگے چنانچہ اندر ہی اندر لاوا پکنے لگا اور اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے ساماؤں کے کئی گھرانوں نے عدم تعاون کی فضا پیدا کر کے باغیانہ رویہ اختیار کر لیا۔ کئی کنبے افراتفری کے عالم میں ریاست کچھ اور

جیسلمیر میں اپنے رشتہ داروں کے پاس منتقل ہو گئے۔ بعض مورخین کا اندازہ ہے کہ اس بدامنی اور افراتفری کے پیچھے ملاں راعینہ کا ہاتھ تھا۔ گو اس الزام کی صحت کا کسی مستند ریکارڈ سے کوئی ثبوت نظروں سے نہیں گزرا تاہم خاندانی رقابت اور جهانگران خانواده کی دن بدن بڑھتی ہوئی ہوس اقتدار سے پیدا شدہ عدم استحکام کی صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے اس اندازہ کو آسانی سے مسترد بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری وجہ یہ کہ ملاں راعینہ نے سندھ سے خود تو نقل مکانی نہ کی بلکہ لوگوں کو گڑبڑ پھیلانے اور انہیں نقل مکانی پر اکسانے لگے لئے وہ خود ٹھٹھہ میں ہی مقیم رہا۔ جام صلاح الدین 13 سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا اور اس کے بعد اس کے بیٹے نظام الدین نے تخت سنبھالا۔

7- جام نظام الدین اول

دن بدن بڑھتی ہوئی سازشوں اور شورشوں کی تاب نہ لاتے ہوئے یہ حکمران کچھ ہی عرصہ بعد تخت چھوڑنے پر مجبور ہو گیا مگر اس کے باوجود اسے پل بھر چین نصیب نہ ہوا۔ آخر کار ساموئی سے اسے بھاگنا پڑا اور بحالت فرار راستہ میں ہی کہیں دشمنوں کے ہتھے چڑھ کر قتل ہوا۔

8- جام علی شیر

اس کے عہد میں سازشیں خانہ جنگی میں تبدیل ہو گئیں۔ گو یہ حکمران مضبوط ارادہ کا مالک تھا اور اس نے اپنے پانچ سالہ دور اقتدار میں امن و امان کی صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی مگر فوج کے دو حصوں میں بٹ جانے سے اس کی طاقت کمزور پڑ گئی۔ آخر سازش کا شکار ہو کر جام کرن کے ہاتھوں قتل ہوا۔

9- جام کرن

یہ شخص اقتدار کا بھوکا بزور بازو اور بغیر رضامندی خاندان سامہ تخت پر قابض

ہو گیا۔ وہ پرلے درجے کا احمق اور جذباتی تھا اور قائدانہ صلاحیتوں سے یکسر محروم تھا۔ عوام اسے سفاک اور قاتل سمجھتے ہوئے اس سے سخت متنفر تھے۔ آخر کار یہ بدنصیب صرف تین ماہ تک برسراقتدار رہنے کے بعد اپنے باڈی گارڈ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

10- جام فتح خاں

جام کرن کے قتل کے بعد اس کے بھتیجے فتح خاں کو تخت سندھ پر بٹھا دیا گیا۔ اس نے اپنے دس سالہ دور حکومت میں اپنی بساط کے مطابق عوام کو مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر وہ پوری طرح کامیاب نہ ہو گا۔ دھریجوں اور جہانگران خانوادہ نے لگان دینا بند کر دیا اور خزانہ خالیسو گیا۔ اسی پریشانی میں اسے ایک اور بلائے ناگہانی سے واسطہ پڑا اس کے عہد میں امیر تیمور کے پوتے مرزا پر محمد نے ہندوستان جاتے ہوئے لنگاؤں سے ملتان چھین لیا اور اس کے ساتھ آگے بڑھ کر بھکر اور سکھر کے علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا اور مقامی زمینداران سے اپنی تیس ہزار گھوڑ سوار فوج کے لئے خوراک اور چارہ کا مطالبہ کرتے ہوئے انہیں حلف وفاداری اٹھانے کے لئے اپنے کیمپ میں طلب کیا۔ لوگوں کی بھاری اکثریت مرزا کی فوج کے ڈر سے افراتفری کے عالم میں اندرون سندھ اور ملحقہ ہندوستانی علاقہ جیسلمیر کی طرف نقل مکانی کر گئی۔ گاؤں کے گاؤں خالی ہو گئے۔ جام فتح خاں نے بے بس ہو کر غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے اور تورانی تلنگوں کے مظالم اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ عوام کو بے پناہ مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ فوج نے لوٹ مار شروع کر دی اور کھڑی فصلیں تباہ کر دیں گئیں غلہ اور چارہ جبراً اٹھایا جانے لگا۔ آخر مظلوموں کی فریاد سنی گئی۔ مرزا پیر محمد کچھ دنوں تک ملتان میں قیام کرنے کے بعد ہندوستان کی طرف کوچ کر گیا۔ ملتان دوبارہ لنگاؤں کے قبضہ میں آ گیا اور بھاگے ہوئے لوگوں کے کئی گھرانے واپس لوٹ آئے۔ یہ بدنصیب جام آخر پریشانی کے عالم میں فوت ہوا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی تغلق شاہ تخت پر بیٹھا۔

10- جام تغلق شاہ

یہ شخص بطون بابینہ کا سب سے زیادہ جابر اور سخت مزاج حکمران گزرا ہے۔ اس نے ملک کی متزلزل سیاسی صورت حال پر قابو پانے کے لئے سوائے اپنی بطون کے باقی تمام ساماؤں کی وفاداریوں کو مشکوک نگاہ سے دیکھتے ہوئے ان کا ناک میں دم کر دیا۔ اس کے چالاک مشیر اعلیٰ سنجر نے ملاں راعینہ کے خلاف اس کے خوب کان بھرے کہ ملاں راعینہ اس کے خلاف محاذ قائم کر کے اس کی حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار اپنی بطون میں منتقل کرنے کی تدبیریں کر رہا ہے لہٰذا اس فتنے کو دبانے کے لئے ملاں راعینہ کو ٹھکانے لگانا از بس ضروری ہے۔ چنانچہ سنجر کے مشورہ کے مطابق تغلق شاہ نے بطون جھانگراں اور ان کی طرفداروں اور بہی خواہوں کی گرفتاریاں شروع کر دیں حالانکہ سنجر ساماؤں کی باہمی رقابت اور رنجش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خود تخت سندھ کو ہتھیانے کی فکر میں تھا۔ چنانچہ ملاں راعینہ نے باہمی رقابت اور رنجش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خود تخت سندھ کو ہتھیانے کی فکر میں تھا۔ چنانچہ ملاں راعینہ نے باہمی رقابت سے مغلوب ہو کر تغلق شاہ کی حکومت کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں اور باوجود کوشش بسیار کے وہ جام سے مصالحت کرنے پر تیار نہ ہوا اور روپوش ہو گیا۔ آخر جب اس کے ساتھیوں کی جائیدادیں ضبط ہونے لگیں تو انہوں نے راعینہ کا ساتھ چھوڑ کے جام تغلق شاہ کی غیر مشروط طور پر اطاعت قبول کر لی اور اسے تنہا چھوڑ دیا۔ آخر بحالت مجبوری راعینہ بمعہ اپنے اہل و عیال کے چھپتا چھپاتا بے سروسامانی کی حالت میں ریاست ”کچھ“ میں پناہ گزین ہو گیا۔ جہاں سے وہ سندھ پر قبضہ کرنے کے لئے مناسب موقعہ کی تلاش میں سیاسی صورت حال کا بغور جائزہ لینے لگا۔ اس کی نقل مکانی کے بعد جام تغلق شاہ نے قدرے اطمینان کا سانس لیا۔

11- جام سکندر

تغلق شاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سکندر تخت پر بیٹھا مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ صرف عرصہ ڈیڑھ سال تک زندہ رہنے کے بعد چل بسا۔ چنانچہ ملاں راعینہ

موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے ماہ جمادی الاول 756ھ میں ریاست "کچھ" سے اپنی جماعت کو لے کر "ساموئی" پہنچ گیا۔

احوال ملاں راعینہ

ریاست "کچھ" میں ملاں راعینہ نے اپنے حسن تدبر سیاسی سوجھ بوجھ' درس و تدریس اور شرافت سے تھوڑے ہی عرصہ میں خاصی مقبولیت اور شہرت حاصل کرلی۔ وہ علاقہ بھر میں ایک ہردلعزیز اور بڑے زمینداروں میں شمار ہونے لگا چنانچہ اس نے وہاں پہلے سے مقیم سماؤں اور دیگر مقامی لوگوں کی ایک بھاری جمیعت اکٹھی کرلی اور پورے بھروسے کے ساتھ عازم سندھ ہوا۔ ساموئی سے ہوتا ہوا وہ سیدھ ٹھٹھہ پہنچا جہاں شہر کے باہر اس نے کیمپ کیا اور علاقہ کے تمام سماؤں اور دیگر مسلم قبائل کو اکٹھا کیا اور ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس کا متن حسب ذیل ہے۔

"اے میرے قبیلے کے لوگو! اور دیگر مسلمانوں! آپ کو بخوبی علم ہے کہ میں ہمیشہ آپ کی سلامتی اور بہتری کے لئے کوشاں رہا ہوں۔ جہاں تک میرے بس میں تھا میں نے آکر کئے گئے مظالم اور بے انصافیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے آپ کی حتی المقدور خدمت کی اور آخر مجبوراً" جدا ہو کر مجھے نقل مکانی کرنی پڑی۔ ریاست کچھ میں جلا وطنی کی حالت میں کبھی ہروقت آپ کی یاد ستاتی رہتی۔ میں چاہتا تھا کہ کسی طرح جلد از جلد اپنے بھائیون کے درمیان پہنچ کر حسب سابق ان کی خدمت کروں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم کیا ہے اور آج میں آپ کے درمیان حاضر ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے اپنا سربراہ خاندان اور حکمران کسی ایک شخص کو چن لیں جو آپ کی عزت و ناموس اور مال و دولت کی حفاظت کا ضامن ہو اور ملک کے خلاف ہر سازش کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی ہمت اور صلاحیت رکھتا ہو۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں نہ تو کسی کا

حق غصب کرنا چاہتا ہوں اور نہ ہی مجھے حکمرانی کی کوئی طلب ہے۔ میں تو صرف خانہ جنگی اور محلاتی سازشوں کے خطرہ کو ہمیشہ کے لئے دور کرنے کے لئے آپ کی پر خلوص کوششوں میں ہاتھ بٹانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ آپ اتفاق رائے سے جس کسی کو اپنا لیڈر منتخب کریں گے میں اس کی غیر مشروط طور پر اطاعت کروں گا۔ تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کا تقاضا ہے کہ ہم بغیر کسی تاخیر کے اپنا لیڈر چن لیں"۔

اس تقریر نے سامعین پر جادو کا سا اثر کیا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا "ملاں صاحب! جہاں تک شرافت' جرات' خاندانی اور دینی خدمات کا تعلق ہے خاندان سامہ میں تو کیا پورے ملک میں اس وقت آپ کے ہم پلہ کسی شخص کا ملنا محال ہے لہٰذا ہم آپ کو خاندان سامہ کا سربراہ تسلیم کرتے ہوئے بلا شرکت غیرے تخت سندھ آپ کے حوالے کرتے ہیں" چنانچہ ملاں راحینہ بغیر کسی خون خرابہ کے جمہوری طریقہ سے سندھ کا حکمران منتخب ہو گیا اور وہ "ملا راحینہ" سے "جام راحینہ" بن گیا۔

ملاں راحینہ تاریخ سندھ میں راعیدینہ' راعیدان اور راعیدون کے نام سے بھی جان پہچانا جاتا ہے۔ نسب نامہ خاندان سامہ کے مطابق وہ ابریجہ شاخ کی جہانگراں بطون میں تیسری پشت سے ہوا ہے۔

جام راحینہ ولد سلطان ولد سلطان اودھ ولد جہانگران نے تخت سنبھالتے ہی سب سے پہلے تمام سرکش جاگیرداران اور زمینداران کی سرکوبی کی۔ سابقہ حکمرانوں کی نالائقی سے یہ لوگ صلح صفائی سے خراج و لگان کی ادائیگی یا بوقت ضرورت فوجی یا مالی امداد دینے کے عادی ہی نہ تھے۔ ڈیڑھ سال کی مختصر سی مدت میں اس نے ساحل سمندر اور علاقہ سواندھی سامہ سے لے کر پرگنہ مہرکی تھیلو" کے شہر کجرالی (Kajrali) اور کاہنڈی (Kahandi) کی سرحدوں تک کے تمام علاقہ میں امن و امان بحال کر کے اپنی قلمرو کی سرحدیں محفوظ کر لیں۔

"مہر کی تھیلو" کا با جگزار نو مسلم رانا سیٹھ ماک (Sethmak) سربراہ خاندان "مہراں" اسلامی نام "خان" تمام جاگیرداروں میں سے بڑا خود سر اور باغیانہ ذہنیت کا مالک تھا۔ اس نے جام راعینہ کی اطاعت قبول کرنے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ جام راعینہ خاندان سامہ کی حکمران بطون بابینہ سے براہ راست تخت سندھ کا وارث نہیں ہے لہٰذا مروجہ قانون کے تحت وہ (رانا) نہ تو حلف وفاداری اٹھانے اور نہ ہی خراج و لگان کی ادائیگی کا پابند ہے۔ جام راعینہ' ران کے اس منطق سے آگ بگولہ وہ گیا چنانچہ اس نے رانا کے ہوش و حواس درست کرنے کے لئے فوج کا ایک بھاری دستہ روانہ کیا۔ فوج نے اس کے محل کا محاصرہ کر کے اس کے قلعہ گیر سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر قلعہ کے اندر داخل ہو کر رانا کو بمعہ اس کی فیملی کے ٹھکانے لگا دیا۔ سامہ فوج کے ہاتھ کافی مال غنیمت آیا۔ جاگیر "مہر کی تھیلو" کو شامل قلمرو کیا اور بحالی امن کے لئے وہاں مستقل طور پر ایک برگیڈ کی نفری متعین کر دی گئی۔

اس ذلت آمیز شکست کے بعد "مہر کی تھیلو کی عملداری کے "مہروں" نے راعینہ کی فوج اور اس کی حکومت کو ملک سندھ کی سپریم پاور تسلیم کرتے ہوئے "مہر" کا اعزازی خطاب پیش کیا۔ چنانچہ انہیں ایام سے خاندان سامہ کی شاخ "راعین" کے افراد احتراماً "مہر" کہلاتے چلے آ رہے ہیں۔ جام راعینہ کی خوشنودی حاصل کرنے اور اسے اپنی وفاداریوں کا یقین دلانے کے لئے کئی نو مسلم سندھی گھرانوں نے بھی اس خطاب کو فخریہ طور پر اپنا لیا۔ اس کے عہد میں خاندان سامہ اپنے عروج پر تھا۔ راعینہ نے پرانے نظام و بندوبست اراضی کو یکسر منسوخ کر کے نیا نظام رائج کیا۔ خراج و لگان اور محصولات کی وصولی' نئی نہروں کی کھدائی اور زراعت میں ترقی کے کاموں میں بے قاعدگیوں اور سقموں کو دور کیا۔ راشی اور نااہل کارداران اور سائران کو برخاست کر کے ان کی جگہ ایماندار اور محنتی افراد کا تقرر کر کے اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں ملکی معیشت کا کایا پلٹ کر رکھ دی۔ اس کی 19 سالہ حکومت کے آخری سال میں ایک دن

اس کے معتمد درباری سنجر (San jar) نے اس کے اعزاز میں ایک دعوت خصوصی کا اہتمام کیا جس کے دوران اس نمک حرام نینظر بچا کر جام راعینہ کے مشروب میں زہر ملا دیا جس کے مہلک اثرات سے یہ مجاہد اور خاندان سامہ کا ہیرو تین دن تک زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہ کے اتنے لمبے عرصہ تک کامیاب اور شاندار حکومت کرنے کے بعد خالق حقیقی سے جا ملا۔

سنجر گو عباسی گروپ کے کسی گمنام سے گھرانے کا فرد تھا مگر اپنی خداداد قابلیت سے تغلق شاہ کے درباریوں میں شامل ہو گیا تھا جہاں اس نے تغلق شاہ کو خوب انگلیوں پر نچایا اور خاندان سامہ میں پھوٹ اور ناچاکی کے بیج بو کر اندر ہی اندر اقتدار پر قبضہ جمانے کی تدبیریں کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ اس کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں جام راعینہ کو اپنے ساتھیوں سمیت تغلق شاہ کے عہد میں ریاست "کچھ" میں پناہ لینی پڑی۔ جام تغلق کی وفات کے بعد اس کے لڑکے جام سکندر پر سنجر نے ڈورے ڈالنے کی کوشش کی مگر اس کے ڈیڑھ سالہ دور اقتدار میں وہ کوئی اہم پوزیشن حاصل نہ کر سکا۔ جام راعینہ کے عہد میں وہ دوبارہ قسمت آزمائی کے لئے میدان میں کود پڑا۔ اس مکار نے کسی نہ کسی طرح اپنی بے گناہی اور وفاداری کا ثبوت پیش کر کے جام راعینہ پر اپنا اعتبار جما کر اسے راضی کر لیا اور آخر کار اس کے درباریوں میں شامل ہو گیا اور جلد ہی اس کا منظور نظر اور مشیر خاص بن گیا اور آخر کار اقتدا کے بھوکے اس مار آستین نے اپنے آقا و محسن کی جان لے کر ہی دم لیا۔

جام راعینہ کی المناک اور بے وقت موت نے جھانگران گھرانہ میں ایک پر نہ ہونے والا خلا پیدا کر دیا اور اسے راعیوں کی بدقسمتی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ آج تک انہیں کوئی مخلص اور بے لوث سربراہ میسر نہ آ سکا۔ بدیں وجہ یہ عربی قبیلہ علمبردار اسلام اپنے مشن کی تکمیل میں اپنے آپ کو بے یارومددگار سمجھتے ہوئے ابھی تک پورے جوش و انہماک سے میدان جہاد میں آنے سے ہچکچا رہا ہے۔

خاندان مہراں کا حال

یہ خاندان ہندی نژاد ہے اور سندھ میں بدھ مذہب کے پیرو رائے سہاسی دائی سندھ کے عہد میں جب ہندوستان قحط کی زد میں آگیا اپنے سردار مسمی "چاند" کی سربراہی میں نقل مکانی کر کے یہاں آباد ہو گیا تھا۔ رائے سہاسی نے چاند کو متھیلو (موجودہ میرپور خاص) کے علاقہ کا عامل مقرر کر دیا اور کچھ ہی عرصہ بعد اس کی وفادارانہ اور شاندار خدمات کے صلہ میں یہ علاقہ اسے بطور جاگیر عطا کر دیا گیا۔ چاند نے اپنے خاندان کے نام پر اس جاگیر کا نام "مہرکی تحیلو" رکھ دیا اور اسی وقت سے یہ خاندان وہاں اباد چلا آ رہا تھا۔ امیر امداد الدین محمد بن قاسم بن عقیل ثقفی کی سندھ پر چڑھائی کے دوران یہ خاندان مسلمان ہو گیا اور جاگیر حسب دستور سابق انہیں لوگوں کی تحویل میں رہی۔ جام راعینہ کے عہد ہی اس جاگیر کا مالک سیٹھ ماک باغی ہو کر خراج دینے سے انکاری ہو گیا چنانچہ جام نے اس کے خلاف تادیبی کاروائی کرتے ہوئے اس تمام علاقہ کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا اور اس قدیم جاگیر کا خاتمہ کر دیا گیا۔

جام سنجر

مکار اور قاتل سنجر کو ساماؤں کی آپس میں ناچاقی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آخر کار تخت سندھ کو ہتھیانے کا موقعہ ہاتھ آ ہی گیا وہ بلا کا ذہین اور گھسا پٹا سیاستدان تھا۔ اس بخوب معلوم تھا کہ اگر ساماؤں کو آپس میں سر جوڑنے اور مل بیٹھنے کا کوئی موقعہ مل گیا تو وہ ایک دن بھی برسراقتدار نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اس نے جوڑ توڑ کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے کئی لوگوں کو جاگیروں' وسیع اراضیات اور عہدوں کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ مزید برآں اس نے بطون بابینہ کو جہانگراں بطون کے خلاف مزید مشتعل کرنے اور جام راعینہ کی شہرت کو بٹہ لگانے اور اس کے خلاف نفرت پھیلانے کے لئے ایک نیا شوشا چھوڑا کہ جام راعینہ ایک طالع آزما حاسد اور خود غرض زمیندار اور

سیاستدان تھا جو ماضی میں حصول اقتدار کی خاطر جام انار کے جانشینوں کو آپس میں لڑوا کر حکومت کو کمزور اور تباہ کرنے کی خفیہ کوششوں میں مصروف رہا اور یہ کہ وہ (راعینہ) بطون بابینہ سے اقتدار چھین کر اپنی بطون میں منتقل کرنے کا تہیہ کر چکا تھا مگر اللہ تعالیٰ کو اس کے (راعینہ) عزائم کی تکمیل منظور نہ تھی لہٰذا بطون بابینہ کے تحفظ اور جام راعینہ سے ان کی گلو خلاصی کرانے کا فریضہ اللہ تعالیٰ نے میرے (سنجر) سپرد کر دیا تھا۔ میں اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہوں کہ میرا دور حکمرانی عبوری ہے اور جونہی حالات پرسکون ہوئے ہیں تخت سندھ بطون بینہ کے جائز وارث کے حوالے کر کے خود گوشہ تنہائی میں چلا جاؤں گا۔ سنجر چونکہ جام راعینہ کا معتمد خاص درباری رہ چکا تھا لہٰذا لوگ اس کی چلا میں آکر اس کے مداح بن گئے اور یوں سنجر کی سیاست اور چالاکی نے اسے سرفرازی سے ہمکنار کر دیا ساماؤں کی قبائلی عصبیت سے اس نے خوب فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ اس کے زہریلے پراپیگنڈا سے بابینہ بطون کے لوگ راعینہ گھرانے کے خون کے پیارے ہو گئے اور جام سنجر کی شہہ پر ان کی املاک پر دن دیہاڑے کھلے بندوں حملے کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا جس سے ساماؤں میں مایوسی پھیل گئی اور آخر یہ قلیل التعداد قبیلہ آئے دن کے حملوں سے عاجز آکر اپنی جان کی سلامتی کی خاطر بحالت مجبوری وطن عیزی کو چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ چنانچہ بطرف روہیل کھنڈ نقل مکانیوں کے بعد ساماؤں کا یہ تیسرا قافلہ سرسہ اور ملتان جیسی محفوظ جگہوں پر 775ھ میں جا کر آباد ہو گیا۔

جام سنجر ساماؤں کی آپس میں پھوٹ اور اپنی چالاکیوں سے غیر قانونی طور پر آٹھ سال تک تخت سندھ کے ساتھ چمٹا رہنے کے بعد پیرانہ سالی میں اگلے جہان کو سدھارا۔

جام سنجر نے مرنے سے قبل تخت سندھ سے دستبرداری اور اسے بطون بابینہ کے حوالے کرنے کا وعدہ پورا نہ کیا۔ اس کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس کے باوجود اس

نے اپنی اکلوتی بیٹی کے اکلوتے بیٹے صلاح الدین کو اپنا وارث قرار دیتے ہوئے چپکے سے تخت اس کے حوالے کر دیا۔

جام انار کے جانشینوں کی اولاد کو جام سنجر کی اس ذلیل حرکت کا جب علم ہوا تو وہ آگ بگولہ ہو گئے اور اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کی واگزاری اور خاندانی وقار کی بحالی کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ صلاح الدین بابینوں کی نقل و حرکت اور جنگی تیاریوں سے چوکنا ہو گیا چنانچہ اس نے اپنے نانا (سنجر) کی وصیت کے مطابق ساماؤں کی دھریجہ شاخ اور جہانگران خانوادہ میں جام سنجر کے کئی خود غرض چچوں اور خاشامدیوں کو حکمت میں شریک کرنے اور انہیں بھاری جاگیروں کا وعدہ اور لالچ دیتے ہوئے ان کا تعاون حاصل کرنے کی خفیہ کوششیں شروع کر دیں۔ بابینوں نے جب اپنی دیرینہ دشمن شاخ دھریجہ اور جہانگران فیملی میں سے اکثر با اثر افراد کا جھکاؤ صلاح الدین کی طرف دیکھا تو انہوں نے وقتی طور پر آپس کے اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہنگارو اور منائیہ کنبوں کے لوگوں کو خاندان سامہ کی بقا اور وقار کا واسطہ دے کر اپنے اعتماد میں لیا اور نظام الدین المعروف نندو کو سربراہ بطون بابینہ منتخب کر کے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔

جام نظام الدین ثانی المعروف نندو

نندو ایک جرات مند اور قابل لیڈر ثابت ہوا اس کے اندر خاندانی تفاخر اور تکبر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا لہٰذا پیشتر اس کے کہ صلاح الدین اپنے قدم جمانے کے لئے کوئی موثر کاروائی کرتا نندو نے فوری طور پر ایک چاق و چوبند گھوڑ سوار دستہ لے کر صلاح الدین کے محل پر شبخون مار کر اس کی خواب گاہ میں گھس گیا مگر صلاح الدین کی اچانک آنکھ کھل گئی اور وہ چور دروازے سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا اور بھیس بدل کر چھپتے چھپاتے گجرات کاٹھیاوار میں اپنے چچا کے داماد نواب مظفر خاں کے پاس پناہ گزین ہو گیا اور اسے کل صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے اس سے مدد کا خواستگار ہوا۔ نواب مظفر خان نے حالات کا پورا جائزہ لیتے ہوئے صلاح الدین کو وقتی طور پر اس سانحہ کو بھول جانے کا مشورہ دیا۔

جام نندو نے صلاح الدین سے گلو خلاصی کرانے کے بعد خانوادہ بابینہ کے دشمنوں اور مشکوک قسم کے لوگوں کی پکڑ دھکڑ شروع کر دی۔ دھریجہ شاخ کے کئی سردار جنہوں نے صلاح الدین سے اپنی ہمدردیاں اور وفاداریاں وابستہ کر رکھی تھیں ان میں سے کئی کو بے دریغ قتل کیا اور بہت سے لوگ سراسیمگی کی حالت میں شہری آبادیوں سے دور بھاگ کر دیہاتوں میں روپوش ہو گئے۔ جام نندو نے سخت رویہ اختیار کر کے پورے ملک میں امن و امان بحال کر دیا اور اس کے بعد وہ جہانگران خانوادہ کے لوگوں کی طرف متوجہ ہوا۔ سب سے پہلے اس نے جام راھینہ کے بیٹے پالی کو فیملی سربراہی سے معزول کر کے اس کی اراضیات ضبط کر لیں اور سواندھی سامہ میں جام راھینہ کے مقرر کردہ تمام اہلکاران کو ان کے عہدوں سے سبکدوش کر دیا۔ جام نندو اپنے آپ کو ایک پیدائشی حکمران خانوادہ کا فرد سمجھتے ہوئے عربی ذہنیت کے عین مطابق خاندانی عصبیت و امتیاز اور جتھہ بندی پر پورا پورا یقین رکھتا تھا اور خانوادہ جہاکران کو اپنے خانوادہ سے کہیں کم تر سمجھتے ہوئے اسے غاصب اور عیار گردانتا تھا۔ چنانچہ اس

نے اس خانوادہ کو ذلیل و خوار کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اس نے اس فیملی کے کئی دوسرے باا‌ثر افراد کو جنہوں نے جام راجینہ یا صلاح الدین کا کبھی ساتھ بھی نہ دیا تھا انہیں بھی بغیر چھان بین کئے قصور وار گردانتے ہوئے تمام مراعات سے محروم کر کے ان کی املاک ضبط کر لیں اور اس طرح مجموعی طور پر راجینہ فیملی اور اس کے بہی خواہوں کا جینا دوبھر کر دیا۔ جن لوگوں نے حلف وفاداری اٹھانے سے انکار کیا یا مشکوک پائے گئے انہیں غدار سمجھا جانے لگا اور ان سے غلاموں کا سا سلوک کرتے ہوئے جبری بیگاریں بھی لی جانے لگیں۔ چنانچہ جام نندو کی سخت پالیسی اور ناروا سلوک سے تنگ آ کر جام راجینہ کی نسل، پارٹی اور اس کے بہی خواہوں کی اکثریت تہی دست اور بے سروسامانی کی حالت میں 786ھ میں دو قافلوں میں ایک بطرف بریلی پیلی بھیت اور دوسرا بطرف سرسہ جزوی طور پر نقل مکانی کر گئے اور وہاں پہنچ کر اپنے آپ کو شیخ سامہ کی بجائے جام راجینہ کی پارٹی سے منسوب کرتے ہوئے اس کے نام پر "رائیں" کہہ کر متعارف کرانے لگے۔

جام نندو کی جرات اور ذہانت کے نتیجہ میں ستائیس سال کے لمبے عرصہ کے بعد بابینوں کا چھنا ہوا اقتدار واپس آ گیا اور خانوادہ بابینہ کا وقار بطور حکمران فیملی پھر سے بحال ہو گیا مگر خاندانی عصبیت اور حسد و بغض کی بیماری میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ اور آپس میں دھینگا مشتی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ جام راجینہ کے حواری اور خانوادہ جہانگران کے وفادار اور نمک خواروں میں سے آئے دن کوئی نہ کوئی حریف کھڑا ہو جاتا جو جام نندو کے لئے وردِ سر بن جاتا بدیں وجہ وہ دو دفعہ زور آزمائی کرنے کے باوجود ریاست ملتان کو لنگاؤں کے پنجہ سے آزاد کرانے میں ناکام رہا۔ یاد رہے ریاست ملتان کی عملداری پر 300ھ سے منبہ بن سامہ کی اولاد کا قبضہ چلا آ رہا تھا مگر لنگاہ قبیلہ (نو مسلم بھانڈ Band) جو جام جونا کے عہد میں ہندوستان کی ریاست گجرات کاٹھیاواڑ سے نقل مکانی کر کے ملک سندھ میں آباد وہ گیا تھا) کہ ایک چالاک درباری باونڈ رائے

سمارہ" ساماؤں کی باہمی ناچاقی اور خاندانی کدورت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے دو مقتدر سامہ زمیندار بازید اور ابراہیم جو خانوادہ جہانگران میں سے جام راعینہ کی نسل سے ہوئے ہیں کی ملی بھگت سے ملتان کے اس وقت کے صوبی مش عامل میاں یوسف کو عملداری سے معزول کر کے خود قطب الدین کے لقب سے حاکم ملتان بن بیٹھا۔ شیخ ابراہیم سامہ فیروز سامہ کا بہنوئی اور جام نندو کا داماد تھا مگر جام نندو کی جہانگرانی خانوادہ سے دشمنی کی وجہ سے اس نے (شیخ ابراہیم سامہ) ملتان کی واگذاری میں جام کی کوئی مدد نہ کی۔ جام نندو نے خاندان سامہ سے موزوں افراد لینے کی بجائے نظام حکومت چلانے کے لئے قندھار سے نقل مکانی کر کے سندھ میں آباد ہونے والے دو بھائیوں دریا خاں اور سارنگ خان کو اپنے درباریوں میں شامل کر کے انہیں وزارتیں سونپ دیں اور اپنے چہیتے اور خوبصورت نازک اندام اور آزاد کردہ غلام دلشاد فارسی کو بھکر جیسے اہم صوبہ کا گورنر مقرر کر کے بظاہر حکومت کی جڑیں مضبوط کر کے اطمینان سے بیٹھ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سندھ میں شاید "سب اچھا" تھا اور نندو ایک ایسی طاقت بن چکا تھا جسے کسی چیلنج کا سامنا نہ ہو مگر یہ سب کچھ ایک خواب تھا اس کے لمبے عہد حکومت میں سندھ سازشوں کی آماجگاہ بن چکا تھا خاندان سے باہر عہدوں کی تقسیم اور وزیروں کا تعین اور اپنے غلام کو گورنری کے عہدہ پر مقرر کرنے کی احمقانہ حرکت نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ بازید اور ابراہیم کی نیتوں میں فتور آ چکا تھا اور وہ جام نندو کے خاندان بابینہ سے بدلہ لینے اور سندھ میں جام راعینہ فیملی کی حکومت پھر سے قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے چنانچہ انہوں نے ریاست ملتان کی واگذاری کے لئے جام کی کوئی مدد نہ کی اور اس طرح ملتان کو لنگاؤں کے حوالے کرنے کے وہ بھی کسی حد تک ذمہ دار تھے۔ لنگاؤں کے سربراہ اے سارا عرف قطب الدین کا 890ھ میں انتقال ہو گیا۔ اس کی موت کے بعد اس کے بیٹے حسین لنگاہ نے ملتان کی عملداری سنبھالی اور باپ کی وصیت کے مطابق بازید سامہ اور ابراہیم امہ کو ان کی خدمات کے اعتراف میں بالترتیب

شور کوٹ اور اوچ کے علاقے بطور جاگیر عطا کئے۔ ان غدار ساماؤں نے غداری کے انعام میں حاصل کردہ جاگیروں کو اپنی محنت کی کمائی سمجھتے ہوئے اپنے قبیلے کے لوگوں سے الگ تھلگ رہتے ہوئے لنگاؤں کو ساماؤں سے زیادتیاں اور ناانصافیاں کرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔ لنگاؤں نے ریاست ملتان بشمولہ اوچ' موجودہ بہاولپور شہر' موجودہ ساہیوال اور شور کوٹ تحصیل جھنگ پر مجموعی طور پر 72 سال کے قریب اپنا غاصبانہ تسلط جمائے رکھا۔ اس دوران انہوں نے ساماؤں کو سیاسی طور پر مفلوج کرنے اور ان کی یکجہتی پر ضرب لگانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی اور جوڑ توڑ کا سلسلہ جاری رکھا۔ بازید سامہ اور ابراہیم سامہ کے بے رخی اور لنگاؤں کے آئے دن مظالم سے تنگ آکر آخر شہری علاقوں میں رہائش پذیر ساماؤں کی خاصی تعداد اندرون پنجاب لاہور اور سیالکوٹ کے علاقوں میں منتقل ہو گئی اور یہی لوگ ـــ "ملتانی راعین" کہلائے۔

اس نقل مکانی کے بعد ریاست ملتان میں بچے کھچے ساماؤں اور لنگاؤں کی آپس میں جھڑپوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا اور اکثر اوقات لنگاؤں کو ساہی وال کے علاقہ میں آباد سندھ سے بھاگے ہوئے جاٹوں کو نقد معاوضہ دے کر ان کی مدد سے ان جھڑپوں کو فرو کرنا پڑتا تھا اور اگر نقد معاوضہ کی ادائیگی جاٹوں کے حسب منشا نہ ہوتی تو وہ مفت میں ساماؤں سے الجھنے کا خطرہ مول نہ لیتے۔ چنانچہ حسین لنگاہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے محمود لنگاہ نے عملداری سنبھالتے ہی آئے دن کے سر پھٹول سے گلو خلاصی کرانے اور ساماؤں کو اپنے اعتماد میں لینے کے لئے بازید سامہ جاگیردار شور کوٹ کو قلمدا وزارت پیش کیا۔ اس غدار خاندان نے نہایت ڈھٹائی سے اس پیش کش کو منظور کر لیا اور ساماؤں کو پر امن رہنے کی تلقین کرتے ہوئے لنگاؤں کے ہاتھ مضبوط کرنے کو کہا۔ سامہ لوگ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ یہ شخص لنگاؤں کا نمک خوار ہوتے ہوئے ا (سامہ خاندان) کے مفاد اور وقار کی حفاظت کا ضامن کس طرح ہو سکتا تھا۔ لہٰذا ساماؤں کا اس سے تعاون یا اس کی اپیل پر دھیان دینے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا

چنانچہ انہوں نے اس کی کوئی بات سننے سے انکار کر دیا اور لنگاؤں سے جھڑپیں برابر جاری رہیں۔ محمود لنگاہ کچھ عرصہ تو بازید کی سماؤں سے مصالحتی کوششوں کے لئے استعمال مختلف طریقوں کا بغور جائزہ لیتا رہا مگر جب اس نے محسوس کیا کہ جام بازید کا کوئی طریقہ کار کامیاب ہوتا دکھائی نہیں دیتا تو اس نے اسے وزارت سے ہٹا کر معاملات اپنے ہاتھ میں لے لئے اور بازید اپنی جاگیر پر واپس چلا گیا۔

جام سندو نے آخر کار حالات کے آگے ہتھیار ڈالتے ہوئے لنگاؤں سے ملتان کی واگذاری کے لئے مزید کوئی کوشش کرنی چھوڑ دی۔

جام سندو نے سماؤں میں سے سب سے لمبے عرصہ تک سندھ پر حکومت کی اور آخر کار 891ھ میں وہ اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

جام فیروز

جام سندو کی وفات کے بعد بابینوں نے فوجی افسران کی رضا مندی سے اس کے اکلوتے بیٹے فیروز کو تخت پر بٹھا دیا۔ وہ ایک جوشیلا اور اچھا مقرر تو ضرور تھا مگر سیاست سے بالکل بے بہرہ اور خوشامد پسند واقع ہوا تھا۔ اس کے عہد میں حصول اقتدار کے لئے سماؤں میں باہمی کشمکش ایک ناسور کی شکل اختیار کر چکی تھی لہٰذا بغاوتوں اور شورشوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ مزید برآں اس کی نااہلی اور غفلت سے سندھ کے شمال مغربی بالائی حصوں میں مرزا شاہ بیگ ارغون کی جنگی سرگرمیاں اور اس کا سبی پر قبضہ اور اندرون سندھ دستبرد کا خفیہ منصوبہ امن و امان اور سیاسی استحکام کے لئے خطرہ بنتا جا رہا تھا۔ بہرحال وہ مجموعی طور پر ایک کمزور حکمران ثابت ہوا۔ ایسا لگتا تھا کہ شاید سماؤں کا ستارہ اقتدار گردش میں آنے کو ہے۔ یہ تو ایک معجزہ تھا کہ ان نامساعد حالات میں وہ نو سال تک حکمرانی کے مزے لوٹتا رہا۔ اس کامیابی کا سہرا دراصل اس کے باپ کے پروردہ اور وفادار درباری سارنگ خاں' دریا خاں اور آزاد کردہ غلام دلشاد

فارسی کے سر ہے۔ جنہوں نے حق نمک ادا کرتے ہوئے مرتے دم تک خاندان سامہ کی خدمت کی۔ اس کے وفادار خادم دریا خاں نے آخر مرزا شاہ بیگ کے خلاف جنگ میں اپنے آقا کی جان اور حکومت کے دفاع میں جان دے دی۔

اسی دوران دریا خان کی لاعلمی اور جام فیروز کی نا سمجھی سے مرزا شاہ بیگ کے جاسوس قاسم قیباتی نے کسی نہ کسی طرح جام فیروز پر ڈورے ڈالتے ہوئے اس کی خوشنودی حاصل کر لی اور اس کے درباریوں میں شامل ہو گیا۔

یہ شخص لحہ بہ لحہ بدلتے ہوئے حالات اور دفاعی انتظامات کے کمزور پہلوؤں سے مرزا شاہ بیگ کو باخبر رکھتا۔ دریا خاں نے اندرون امن و امان قائم رکھنے اور آئے دن کی بغاوتوں پر قابو پانے کے لئے ٹھٹھہ اور ساموئی سے دور "باغبان نامی خوشگوار مقام پر فوجی ہیڈ کوارٹر اور سیوستان سے سات کوس کے فاصلہ پر "تالتی" کے مقام پر اپنے دونوں بیٹوں محمود اور محسن خان کی زیر کمان دو ڈویژن فوج تعینات کر رکھی تھی۔ یہ دفاعی فوجی انتظام گو اندرونی امن و امان قائم رکھنے کے لئے بالکل مناسب اور موزوں تھا مگر بیرونی حملوں کے وقت دور دراز پھیلی ہوئی فوج کو فوری طور پر یکجا کر کے حملہ آوروں کا اس طریقہ سے مقابلہ کرنا نہایت کٹھن کام تھا۔ قاسم قیباتی اس دفاعی کمزوری کا کلی جائزہ لیتا رہا اور آخر ایک مناسب موقعہ پر اس مار آستین نے مرزا شاہ بیگ کو ٹھٹھہ اور ساموئی پر بیک وقت حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔

مرزا شاہ بیگ تو موقعہ کی تلاش میں تھا لہٰذا اس نے قیباتی کے مشورہ کے مطابق بجلی کی سی رفتار سے اپنی دس ہزار گھوڑ سوار فوج لے کر ٹھٹھہ پر چڑھائی کر دی۔ ٹھٹھہ اور ساموئی میں اس وقت سوائے باڈی گارڈز اور مقامی حفاظتی ڈیوٹیوں کے لئے مخصوص اور مختصر سے دستوں کے اور کوئی خاص فوج نہ تھی جو ارغوانی یلغار کا مقابلہ کرتی۔ چنانچہ جام فیروز اپنے آپ کو بے بس پاتے ہوئے اپنے اہل و عیال، ضعیف

والدہ اور چھوٹی ہمشیرہ کو پیچھے چھوڑ کر سراسیمگی کی حالت میں تن تنہا ٹھٹھہ سے دریائے سندھ پار کر کے دوسرے کنارے پر پناہ گزین ہو گیا۔ گو مرزا کی اچانک چڑھائی کو روکنے کے لئے تمام سامہ فوج کا اتنی جلدی اکٹھا ہونا ممکن نہ تھا تاہم ادھر اودھر بکھری ہوئی سپاہ جوں جوں ٹھٹھہ پہنچتی گئی دریا خاں اسے اپنی قابلیت کے مطابق دفاعی استعمال میں لاتا رہا مگر مرزا کے چاق و چوبند اور جدید ہتھیاروں سے لیس گھوڑ سوار دستوں کے سامنے اس کی کوئی پیش نہ گئی۔ آقا کی عدم موجودگی اور اس کی سرپرستی سے محروم نمک خوار جرنیل دریا خاں نہایت بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا اور حق نمک ادا کر گیا۔ مرزا نے ٹھٹھہ اور ساموئی پر قبضہ کر لیا مگر سامہ گورنمنٹ کے چیف قاضی "قاضان" کی درخواست پر لوٹ مار اور قتل و غارت سے اپنی فوج کو سختی سے منع کر دیا اور جام کے اہل و عیال کو امان دیتے ہوئے انہیں محلات میں رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ جام کو دریا پار سے واپس آنے کے لئے کہلا بھیجا۔ چنانچہ جام واپس آ گیا اور اپنی شکست کو تسلیم کرتے ہوئے مرزا کی غیر مشروط طور پر اطاعت قبول کر لی۔ مرزا نے آدھا سندھ اس سے لے کر اپنے جاسوس قاسم قیباقی اور دوسرے بہی خواہوں میں تقسیم کر دیا اور آدھے حصہ پر جام کا قبضہ ہی رہنے دیا۔ دریا خاں کے دونوں بیٹے محمود اور محسن خاں جو بمعہ جام فیروز کے نزدیکی رشتہ داران سارنگ، گل شیر اور ساہتہ قبیلہ کے با بکردار رانا رنمل جو بھاگ کر حضرت مخدوم بلال کے پاس پناہ لے چکے تھے ان سب کو تہ تیغ کر کے انتظام اپنے بیٹے کے ہاتھ میں دے کر خود سبی واپس چلا گیا۔

کچھ ہی عرصہ بعد جب حالات پر سکون ہوئے تو جام سنجر کے دوہتے صلاح الدین کو جو اپنے چچا کے داماد نواب منظر خاں کے پاس پناہ گزیں ہو چکا تھا جام فیروز کی بے بسی اور شکست سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ مل گیا۔ چنانچہ وہ سماؤں کے اصل مسکن سواندھی سامہ کو روندتا ہوا دس ہزار گھوڑ سواروں کے ساتھ ٹھٹھہ میں آ دھمکا جام فیروز نے اس اچانک حملہ کی اطلاع مرزا شاہ بیگ کو پہنچائی جس نے فوری طور پر اپنے

بیٹے مرزا شاہ حسین کو صلاح الدین کی سرکوبی کے لئے حکم دیا۔ شاہ حسین نے صلاح الدین کا آگے بڑھ کر مقابلہ کیا۔ چنانچہ صلاح الدین اور اس کا بیٹا اس معرکہ میں مارے گئے اور اس کی فوج میدان چھوڑ کر بھاگ نکلی جس کا تعاقب کر کے اس کی اکثریت کو تہ تیغ کیا گیا اور صرف چند ہی لوگ بمشکل جان بچا کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔ ابھی یہ شوروشر اچھی طرح سے دبا بھی نہ تھا کہ سلماؤں کی دھریجہ شاخ کے دماغ میں فتور آگیا اور انہوں نے اپنی دیرینہ دشمنی کا ابال نکالنے کے لئے ابریجہ شاخ کے سلماؤں اور مرزا شاہ بیگ کی بکھری ہوئی سپاہ پر حملے شروع کر دیئے۔ مرزا شاہ بیگ اور اس کے بیٹے شاہ حسین نے ان شرپسند لوگوں کو قرار واقعی سزا دینے کے لئے ان کے ستائیس نامور اور سرپھرے سرداران کو چن چن کر قتل کیا اور اس شاخ کا غرور خاک میں ملا دیا۔

اس بغاوت کو فرو کرنے کے بعد مرزا شاہ بیگ نے گجرات کاٹھیاوار کو فتح کرنے کا منصوبہ بنایا اور جام فیروز سے فوجی اور مالی امداد طلب کی۔ جام فیروز نے اپنی مجبوریاں ظاہر کرتے ہوئے مرزا سے معذرت چاہی۔ مرزا نے معذرت کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے خود ہی برا" سلماؤں سے گھوڑوں اور جوانوں کی خوراک اور چارہ اکٹھا کیا اور کاٹھیاواڑ کو فتح کرنے چل نکلا مگر وہاں پہنچنے سے پہلے ہی وہ ملیریا کا شکار ہو کر راستہ میں ہی چل بسا۔ جام فیروز اور اس کی حکومت نے جب مرزا کی اچانک موت کی خبر سنی تو وہ بڑے شادمان ہوئے۔ شاں حسین کو جب فیروز کے امداد دینے سے انکار اور اس کے باپ کی موت پر اظہار مسرت کی متعلق علم ہوا تو وہ غصہ سے آگ بگولا ہو گیا۔ چنانچہ اس نے جام کے پاس سخت الفاظ میں یہ پیغام بھجوایا کہ وہ فوری طور پر تخت سندھ سے دست بردار ہو جائے ورنہ س کی خیر نہیں۔

جام فیروز نے جب یہ پیغام پڑھا تو وہ پریشان ہو گیا۔ چنانچہ اس نے مذاکرات کے لئے اپنے ایک خاص ایلچی کو شاہ حسین کے پاس بھیجا۔ شاہ حسین نے مذاکرات سے

انکار کرتے ہوئے ایلچی کو واپس کرتے ہوئے دوبارہ واضح کیا کہ جام جیسے دغا باز اور نااہل حکمران کو ملک سندھ کی تقدیر سے کھیلنے کی زیادہ دیر تک اجازت نہیں دی جا سکتی لہٰذا اس پر لازم ہے کہ وہ بلا تامل تخت سندھ سے دست بردار ہو جائے ورنہ جنگ کے لئے میدان میں نکل آئے۔

ایلچی نے واپسی پر جام کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا چنانچہ جام نے غصہ میں آکر مرزا کو پیغام بجھوایا کہ ملک سندھ کا مقدر صرف خاندان سامہ سے وابستہ ہے اور کہ خاندان سامہ ہی اس خطہ بینظیر کا حقیقی اور قانونی وارث ہے اور یہ کہ جام اپنی وراثت کی حفاظت کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب ہتھیائے ہوئے علاقے واپس لے لئے جائیں گے۔ شاہ حسین نے اس جواب کو اپنی بے عزتی خیال کرتے ہوئے فوراً" اعلان جنگ کر دیا اور لڑائی کے لئے دن مقرر ہو گیا۔

جام فیروز کو چاہئے تو یہ تھا کہ مرزا شاہ بیگ سے شکست کھانے اور آدھے ملک سے ہاتھ دھونے کے بعد ارغونوں کے کسی آئندہ غیر متوقع حملے کے خطرہ کی پیش نظر اپنی فوج میں اضافہ کرتا اور اسے جدید خطوط پر استوار کرتے ہوئے ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے قابل بناتا مگر تن آسانی اور لاپرواہی کے باعث اسے اتنی گہرائی میں جانے کا کبھی خیال تک نہ آیا۔ چنانچہ ادھر ادھر بکھری ہوئی غیر تربیت یافتہ چالیس ہزار کے قریب گھوڑ سوار' تیر انداز اور پیدل دستوں پر مشتمل فوج کو عجلت میں اکٹھا کر کے ارغونوں کے خلاف میدان میں لے آیا۔

مرزا کی فوج کے مقابلہ میں جام کی فوج اب بھی تعداد میں کہیں زیادہ تھی اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جام کے اندر خود اعتمادی لوٹ آئی ہے اور وہ ارغونوں کا چیلنج منظور کرتے ہوئے انہیں عبرتناک شکست دے گا مگر ساماؤں کا لڑائی کا فرسودہ ڈھنگ اور سب سے زیادہ خطرناک معاملہ ان کی آپس میں پھوٹ اور با بگزار غیر مسلم

رانوں کا مشکوک رویہ اور عدم تعاون کا خطرہ جیسے اسباب ارغونوں کی کم نفری والی فوج کی فتح و نصرت کا سامان بن گئے۔

لڑائی شروع ہوئی۔ جام فیروز کے گھوڑ سوار گھوڑوں سے نیچے اتر کر اپنے پیدل دستوں سے مل کر پرانے دستور کے مطابق سروں سے پگڑیاں اتار کے ایک دوسرے کی کمریں باندھ کر نیم دائرہ کی شکل میں ایک ساتھ آگے بڑھ کے دشمن پر وار کرتے اور اسی طرح پگڑیو سے جکڑے ہوئے اپنے دفاعی داؤ پیچ لگانے اور جوابی حملہ سے بچاؤ کے لئے پیچھے ہٹتے۔ براول دستوں کی مدد کے لئے عقب میں تیر انداز دستے متعین کر رکھے تھے اور اس میں کوئی شک نہ تھا کہ انہوں نے تیروں کی لگاتار بوچھاڑ سے کافی دیر تک ارغونی براول دستوں کا ناک میں دم کئے رکھا تھا اور ان کی پیدل فوج کو بھاری نقصان پہنچایا مگر مجموعی طور پر ارغونوں کی گھوڑ سوار فوج کا پلہ بھاری نظر آتا تھا۔ مزید نقصان سے بچاؤ کے لئے مرزا شاہ حسین نے ایک نئی چال چلی جس کے تحت پیادہ دستوں کے دونوں بازوؤں پر متعین گھوڑ سوار دستے بجلی کی سی رفتار سے پگڑیوں سے جکڑی ہوئی سماؤں کی پیادہ فوج کی صفو کو چیرتے ہوئے تیز اندازوں کی صفوں میں گھس جاتے اور آناً فاناً کشتوں کے پشتے لگاتے واپس لوٹ جاتے ارر یہی حربہ سماؤں میں بھگدڑ مچانے کے لئے تھوڑے تھوڑے وقفہ بعد استعمال کیا جانے لگا آخر کار سامہ تیز انداز اپنی پوزیشنیں چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور اس طرح یہ اہم امدادی دستہ ہراول فوج سے کٹ کر ایک عضو معطل ہو کر رہ گیا۔ جام کی تمام جنگی چالیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ فوج کے پاؤں اکھڑنے شروع ہو گئے۔ باوجود بے جگری سے لڑنے کے مقدر نے سماؤں کا ساتھ نہ دیا۔ میدان ارغونوں کے ہاتھ رہا۔ سماؤں کا بھاری جانی نقصان ہوا۔ بے شمار قیدی بنا لئے گئے اور بہت کم لوگ میدان سے بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہوئے۔ آخری سامہ تاجدار سندھ جام فیروز کی فوج کے ہولناک انجام سے سندھ کے سب سے بڑے گروپ "عباسی" کے سب سے بڑے اور اہم رکن خاندان

سامہ کے 204 سالہ دور حکومت ختم ہو گیا۔

جام فیروز بمعہ اپنے اہل و عیال اور وزیر مانیکا (Manika) ساموئی سے فرار ہو کر ریاست کچھ میں رانا کنگر کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ جہاں کچھ ہی عرصہ بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

بقول مسٹر ای ایچ ا-ٹکنز (E-H-Atkins) ایڈیٹر سندھ گز-ٹیئرز سامہ قبیلہ کی اس وقت مجموعی تعداد جس میں مخلوط النسل لوگوں کی بھی خاصی نفری شامل تھی تہتر ہزار (73000) کے لگ بھگ تھی اور یہ لوگ بھر' لاڑکانہ' سکھر' اروڑ' شکارپور' سیوستان' نیروں کوٹ' بہاولپور کے علاقے "لاماں" اور "حارث سامہ کے علاوہ ملتان' جونا گڑھ' کچھ اور ہندوستانی ریاست جیسلمیر کے اضلاع میں پھیلے ہوئے تھے۔ ارغونی یلغار نے ان میں مایوسی اور افراتفری کا سا سماں پیدا کر دیا۔ فاتح نے مفتوح کی رہی سہی ساکھ اور عزت و وقار کو خاک میں ملانے کیلئے مختلف حربے استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ عام لوگوں کو زر زمین کا لالچ دے کر اور بہتوں کو ڈرا دھمکا کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اپنوں نے مخبری کر کے زیر زمین روپوش سرداروں کی نشاندہی کر کے گرفتار کروا دیا قبیلے کا شیرازہ بکھر گیا۔ مرکزیت اور یکجہتی مفقود ہو گئی۔ ساماؤں کا ہر گھرانہ ایک دوسرے کا شاکی ہو گیا۔ احساس کمتری کا شکار ہو کر ہر کوئی اپنے بچاؤ کی سوچنے لگ گیا۔ جدھر کسی کا منہ اٹھا ادھر کو ہی بغیر نشان منزل چل دیا۔ شکست خوردہ دھڑ بچے ارغونوں کے رحم و کرم پر غلامانہ زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔ بازید اور ابراہیم شور کوٹ اور اوچ میں لنگاؤں کی عطا کردہ جاگیروں پر برائے نام تسلط اور ذاتی سربلندی پر نازاں مصائب و آلام میں گھرے ہوئے عام ساماؤں سے قطع تعلق کر کے اپنے آپ کو محفوظ سمجھ بیٹھے۔ ساماؤں کی آبادی اور اوپر دیئے گئے اعداد و شمار متواتر نقل مکانیوں سے بتدریج گھٹتے گھٹتے یکم فروری 1851ء میں سندھ میں 806682 کی کل مسلم آبادی کا 1/8 حصہ رہ گئے۔

اندرون سندھ سماؤں سے نمٹنے کے بعد مرزا شاہ حسین ارغون نے ریاست ملتان کا رخ کیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ سماء راعیوں کے تعاون سے لنگاؤں کے صفایا کر کے اس نے اپنے ایک معتمد خاص خواجہ شمس الدین کو وہاں کا عمال مقرر کر دیا جسے کچھ ہی عرصہ بعد ایک گمنام سے شخص لنگر خاں نے دھوکا سے قتل کر دیا اور ملتان سے راوی تک کا تمام علاقہ موطاس شیریں خان چغتائی مغل کے حوالے کر دیا اور بھاری انعام پایا۔ اس مغل درندے نے بچے کچے ملتان کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ تین دن تک لوٹ مار کا بازار گرم کئے رکھا اور اس کاروائی کے بعد وہ محمد تغلق کی سرکوبی کرنے اور ہندوستان پر قبضہ کرنے کے لئے دہلی کی طرف بڑھا۔ محمد تغلق مغل فوج سے گھبرا کر مصالحت پر آمادہ ہو گیا اور بطور تاوان ہیرے اور جواہرات دے کر اپنی گلو خلاصی کرائی۔ بھوکے مغلوں سے لنگاؤں کی لوٹ کھسوٹ سے بچی کچی ریاست سے جسے کبیر والا، میلسی، لودھراں اور جالہ خورد و کلاں اور علاقہ حارث سماء کے سماء راعیوں نے اپنے خون پسینہ سے زرعی پیداوار میں بے پناہ اضافہ کر کے ملتان کو دارالذہب (House of Gold) کا نام دے رکھا تھا اسے معاشی اور اقتصادی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا۔ جس سے قحط کی سی صورت حال پیدا ہو گئی۔ مغلوں کی وطن واپسی کے کچھ عرصہ بعد تک انتظار کرنے کے بعد جب حالات معمول پر آنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو شہروں کے قرب و جواب میں جہاں گزارہ کے لئے اراضیات کی کمی تھی وہاں کے سماء راعیوں نے نقل نکانی کر کے موجودہ ضلع لاہور میں چونیاں اور پٹی کے علاقوں کے علاوہ پہلی بار موجودہ ضلع سیالکوٹ کے دور افتادہ علاقوں کلاخطائی، رعیہ، ظفروال اور پسرور میں پھیلی ہوئی اراضیات پر تصرف حاصل کر کے مستقل سکونت اختیار کر لی اور اسی دور ابتلا میں جم اناڑ کے زمانہ سے سندھ سے ملحقہ ریاست جیسلمیر میں آباد سلماؤں پر آفت آئی۔ وہاں کے ہندوؤں نے ارغونی کے ہاتھوں سماؤں کی شکست سے پیدا شدہ سیاسی خلا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انتقامی جذبہ کے تحت ان کو علاقہ

بدر کرنے کا منصوبہ بنایا چنانچہ انہوں نے اس قلیل التعداد اور بے یار و مددگار قبیلہ کے دیہاتوں میں لوٹ مار مچا کر ان کی املاک تباہ کر دیں اور قتل و غارت شروع کر دی۔ جو لوگ بمشکل جانیں بچانے میں کامیاب ہوئے وہ بھیس بدل کر بچتے بچاتے ملک سندھ میں داخل ہو گئے مگر یہاں بھی انہیں ابتر حالات سے واسطہ پڑا۔ چنانچہ ان میں سے متعدد خانوادے ریاست ملتان کی طرف کوچ کر گئے اور کئی بے سروسامانی کی حالت میں ہندوستان کے ضلع سرسہ میں اپنے پہلے سے گئے ہوئے بھائیوں کے پاس جا کر آباد ہو گئے۔

"ہر کمالے راز والے" ایک قدرتی عمل ہے بہار کے بعد خزاں اور خزاں کے بعد بہار' یہ سلسلہ اسی طرح تا ابدی جاری و ساری رہے گا۔ خزاں کا آہنی پنجہ کمزور نحیت اور بےرنگ و بو زرد پتوں اور عمر رسیدہ نباتات کو چمن سے باہر اکھاڑ پھینکتا ہے اور اس کی جگہ تازہ دم' پرجوش اور مہکتی ہوئی خوشبوؤں سے لبریز کونپلوں کو آنے کی دعوت دیتا ہے اگر بنظر غور دیکھا جائے تو بہار کی ساری خوبیاں دراصل خزاں کے اس عظیم کردار کی مرہون منت ہوتی ہیں۔

یہ قبیلہ اس قدرتی عمل کی اہمیت سے پہلوتہی کرتے ہوئے اپنی فوجی شکست کے دن سے ہی مایوسی اور خود فراموشی کا شکار چلا آرہا تھا وہ خزاں کے جھٹکوں (شکست) کو اپنی مستقل تباہی اور بدقسمتی سے تعبیر کرتے ہوئے بہار (فتح) کی متوقع آمد سے ناامید ہو کر پریشان ہو گیا اور لیڈر شپ کے فقدان سے اس نے ایک رولنگ سٹون (Rolling Stone) کی سی شکل اختیار کر لی اسے کوئی یہ سمجھانے والا نہ رہا کہ شکست اور ناکامی تو اصول و اخلاق سے انحراف و بغاوت اور سربراہان کی تن آسانیاں اور پرعشرت زندگی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ قدرت ایسے نافرمان ہاتھوں سے اقتدار' رہنمائی' عظمت اور سرفرازی چھین کر بہتر لوگوں کے سپرد کر دیتی ہے۔ جو قوم طوفان زندگی کے بے رحم تھپیڑوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے توبہ کرنے سے اپنی درستگی کر لیتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے

مطابے چھنی ہوئی نعمتیں اسے واپس لوٹا دیتا ہے۔ محکوم اور انتشار کا شکار قوموں کا یہ وطیرہ ہے کہ وہ غلامی اور محکومی کی زندگی کو امن و آتشی کا نام دیتے ہوئے بے حسی کے عالم میں آپس میں ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے ہوئے اپنی قسمت کو کوستی رہتی ہیں حالانکہ نااتفاقی' بغض و حسد اور دم اعتمادی جیسی قباحتیں خود ان کی اپنی پیدا کردہ ہوتی ہیں۔

بدقسمتی کی انتہاء یہ ہے کہ آخر دم تک اس قبیلہ کی صفوں میں اتحاد قائم نہ ہو سکا۔ جس کی سزا آج تک بھگتنی پڑ رہی ہے۔ ہر بطون اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کے مصداق اپنے اپنے منفرد نام و لقب سے الگ الگ تشخص قائم کرنے میں ہی عزو فخر اور خیر و عافیت سمجھنے لگی اور اس طرح اسلام کا یہ ہراول دستہ اور سندھ میں سب سے بڑے عربی گروپ "عباسی" کا ابتدائی رکن نو سو سال (46ھ تا 900ھ) تک خاندانی عصبیت اقتدار کی چھینا جھپٹی اور بغض و عناد کا شکار' آپس میں ایک دوسرے پابالادستی کی دھونس جمانے والا تھکا ماندہ اور حساس خاندان معمولی فوجی شکست کے ایک ہی جھٹکے سے اپنے آبائی قبائلی نام سے ہی بیزاری اور خجالت محسوس کرتی ہوئے مندرجہ ذیل تین بڑی شاخوں میں بٹ کر ایک دوسرے کو بھول گئے۔

1- شاخ الف "ابراہمہ" (ابراہمہ سامہ)

یہ لوگ مستقل طور پر سندھ میں ہی مقیم رہے اور اپنی ابتدائی گوتوں ذوہیب داری (زرداری) مل پوتا' پھل پوتا' ساگی' نظامائی' چاچڑ اور انار وغیرہ وغیرہ اور قبائل القاب از قسم "عباسی"' "ملاں" "میاں" "ملک" "جام" "شیخ" سے جانے پہچانے اور پکارے جاتے ہیں۔

2- شاخ "ب" شیخ (سامہ)

یہ لوگ بیرون سندھ شیخ سالار ساہو اور شیخ قاضی قدوات الدین کی سربراہی میں

وقتاً" فوقتاً" بطرف بریلی، پیلی بھیت اور وہاں سے اندرون ہند یو پی (موجودہ اتر پردیش) سی پی (موجودہ مدھیہ پردیش) نقل مکانیاں کرتے رہے۔ وہ "شیخ "ملک" "ملاں" اور "قدوائی" کے القاب سے اپنے آپ کو متعارف کراتے رہے اور آج یہ لوگ انہیں القاب سے پہچانے اور پکارے جاتے ہیں۔

3- شاخ "ج" راعین

خاندان سامہ کے جو لوگ وقتاً" فوقتاً" سندھ اور اس کی قدیم ریاست ملتان سے بطرف سرسہ، جالندھر، لاہور اور سیالکوٹ نقل مکانی کرتے رہے وہ اپنے ہیرو (Hero) جام راعینہ کے نام پر اپنے آپ کو "راعین" کہلواتے ہیں اور یہی نام آج کل غلط فہمی کی بناء پر اردو زبان میں "ارائیں" لکھا اور پکارا جاتا ہے جو قطعاً" بے معنی ہے اور کسی لغت میں موجود نہیں۔ یہ لوگ عام طور پر میاں، مہر، ملاں، ملک اور شیخ کے القاب سے جانے پہچانے اور پکارے جاتے ہیں سرسہ سے بطرف جالندھر اور بریلی، پیلی بھیت نقل مکانی کرنے والے سرسہ وال اور ملتان سے براستہ دیپالپور، لاہور اور سیالکوٹ جانے والے ملتانی راعین مشہور ہیں۔

(نوٹ) سندھ میں آباد وہ لوگ جو "راعین" کہلاتے ہیں وہ 1800ء تا 1958ء کے درمیانی عرصہ میں تالپوروں اور انگریزوں کے عہد میں اور 1947ء کے بعد پاکستان کے معرض وجود میں آنے پر گاہے بگاہے نقل مکانی کر کے آباد ہوئے ہیں سندھ گزیٹیرز 1876ء میں درج شدہ کوائف کے مطابق میر فتح علی خاں تالپور کے زمانہ میں ٹنڈو محمد خاں اور بدین کی آباد کاریاں اور ضلع لاڑکانہ اور حیدر آباد (قدیم نام نیروں کوٹ) کی زرعی ترقی میں ہاتھ بٹانے کے لئے نہایت منفعت بخش اور آسان شرائط پر پنجاب کے راعین اپنے آبائی مسکن سندھ میں آباد ہوئے۔ چنانچہ انہیں وقتوں سے ضلع لاہور، جالندھر، سرسہ، ملتان اور سیالکوٹ اور بعد ازاں لائلپور (موجودہ فیصل آباد) سے راعیوں

کے متعدد خانوادے سندھ میں منتقل ہوئے۔ جو مقامات سندھ میں راعیوں کے نام پر قائم و دائم ہیں وہ انہیں وقتوں کی یادگاریں ہیں۔ ضلع لاڑکانہ میں میاں فتح محمد لاہور او۔ سرسہ کے گاؤں بھٹہ سے میاں محمد پردادا' سرشاہنواز بھٹو چوٹی کے زمینداروں اور جاگیرداروں میں شمار ہوتے ہیں چنانچہ تاریخ سندھ و ہند کا بغور مطالعہ کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ 1800ء سے قبل ملک سندھ میں "راعین" "ارائیں" "راعی" یا "الراعی" نام کے کسی فرد گھرانہ یا برادری کی موجودگی کا کوئی مستند ثبوت نہیں ملتا۔

مزید وضاحت شاخہائے متذکرہ بالا

1- شاخ الف ابراہہ/ابرو

(ABRO) یہ گروپ سندھ میں زیادہ تر مندرجہ ذیل چار علاقوں میں دو بڑی شاخوں "منائیہ" اور "مندرو کی مختلف گوتوں' دوہب داری (بگڑ کر زرداری ہوا) ہنگارو' ہل پوتا' پھل پوتا' نظامائی' چاچڑ' (رحمانی چاچڑ گوت کا دوسرا نام ہے) اور بابی (دوسرا نام باپی) میں بٹا ہوا ہے۔ یکم فروری 1851ء کی سروے اور مردم شماری رپورٹ کے مطابق یہ گروہ سندھ کی کل آبادی دس لاکھ ستاسی ہزار سات سو باسٹھ (10,87,762) میں سے آٹھ لاکھ چھ ہزار چھ سو چھیاسی (8,06,686) کی کل مسلم ابدی کا تقریبا 1/8 حصہ 7532 مختلف شہروں' قصبوں' دیہاتوں اور گوٹھوں میں پھیلا ہوا ہے۔

(i) قسمت سواندھی سامہ (موجودہ کراچی تا جنگ شاہی' جم پیر اور ٹھٹھہ تک کا علاقہ)

یہ علاقہ ساماؤں کا قدیم مسکن ہے یہی وہ علاقہ ہے جہاں یہ عربی قبیلہ سب سے پہلے 46ھ میں محمد حارث علافی سامہ' صفاوی بن لام سامہ' سلیمان بن بکر سامہ' قیسالائیات بن حلف مغنی سامہ' جہیم شامی سامہ' عبداللہ بن عبدالرحیم سامہ' محمد بن معاویہ سامہ' علی محمد سامہ انچارج محکمہ سراغ رسانی کی سربراہی میں آباد ہوا۔ کراچی شہر

ان ایام میں "مہانوں" (مچھیروں) کی چند جھونپڑیوں پر مشتمل ایک گمنام سی بستی تھا۔ سلماؤں نے اس بستی کو بحیرہ عرب کے ساحل پر واقعہ ہونے کی اہمیت کے پیش نظر اسے سندھ کی بندرگاہ میں تبدیل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا مگر چونکہ اس وقت یہ علاقہ صوبہ مکران کا حصہ تھا چنانچہ خلافت امیہ کے خوف سے اس منصوبہ کو عملی جامہ نہ پہنایا جا سکا۔ مگر اس کے گرد و نواح میں "ماری" اور "جم پیر" کی بستیاں قائم کر لیں جو آج تک قائم و دائم ہیں۔ تالپوروں کے عہد میں کراچی کو خان آف قلات وائی مکران سے چھین کر اسے ملک سندھ میں شامل کر لیا گیا۔ اس نظامت میں زیادہ تر سلماؤں کی زرداری، بابی، بل پوتا، پھل پوتا اور ساگی گوتیں آباد تھیں جن کی وسیع اراضیات پر مقامی ساہتہ جنڈر اور لوہانوں کسان بطور مزارعہ کام کرتے تھے۔

(ii) قسمت نیرون کوٹ

موجودہ حیدر آباد سے موجودہ بہاولپور تک کا علاقہ۔

(نوٹ) یاد رہے کہ ریاست بہاولپور 1729ء تک ملک سندھ کا حصہ رہی ہے۔

رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے یہ ریاست سب سے بڑی تھی اور اس میں موجودہ نواب شاہ، خیر پور، میرپور، روہڑی (قدیم اور مل صادق آباد، احمد پور سرقیہ، منچن آباد، پرگنہ خانپور لالاں، رحیم یار خاں (قدیم نوشہرو) خان بیلہ مسکاری، حارث سامہ، کوٹ سبزال، خیر پور داہ، اور شہر بہاولپور کے قرب و جوار اور دریائے ستلج کے کنارے تک تمام علاقے شامل تھے جن میں زیادہ تر چاچڑ، ابیول، صدرہ، دراند، نگانہ، قادریہ، پوتا، ساگی، لالاں، باہمنی، بھٹ، چین، نین، جھمر اور پھل پوتا گوتوں کے گھرانے آباد تھے۔ ان علاقوں میں 1325ء کے آخر میں خاندان سامہ ابراہہ میں سے مندرجہ ذیل مشہور زمینداران اور سرداران زندہ تھے۔

(1) میاں عبدالخالق چیف آف وارنی

(2) مولوی محمد اسحاق چیف آف کوٹ سبزال

(3) ملا خدا بخش ذیلدار آف خیر پور واہ

(4) جام محمد خاں آنار (خان بیلہ میسکاری)

(iii) قسمت شکار پور (موجودہ جیکب آباد' شکار پور' لاڑکانہ' سکھر اور بھکر)

اس علاقہ میں عام طور پر جھاکڑے (اصل نام جھانگران) جاموٹ۔ نظامانی بل پوتا۔ ذوھب داری۔ مہر۔ ملتانی۔ سائر تمیم۔ (تھم) انار۔ باہمنی اور چنن گوتوں کے لوگ آباد تھے اور اپنی اراضیات میں آبپاشی زیادہ تر نسوں سے کیا کرتے تھے۔ نظامانی گوت کے افراد گھوڑے اور اونٹ پال کر وسیع پیانہ پر ان جانوروں کی تجارت کرتے تھے چنانچہ انگریزوں کی سندھ میں آمد پر جو سب سے پہلا رسالہ (سندھ ہارس) کھڑا کیا گیا۔ اس کے لئے سب سے زیادہ گھوڑے ساماؤں نے ہی سپلائی کئے تھے۔ اور رسالہ کا ہیڈ کوارٹر جیکب آباد منتخب کیا گیا۔ ابراہ ساماؤں کے علاوہ لوہانوں قبیلہ کی شاخ عامل اور بانیہ کے لوگ بھی اس علاقہ کی خوشحالی کی وجہ سے بڑے تعداد میں آباد ہو گئے اور ساماؤں کی ملازمتیں کرنے لگے۔

(iv) دیگر علاقے

مندرجہ بالا تینوں قسمتوں کے علاوہ مندرجہ ذیل علاقوں میں بھی سامہ لوگ بکثرت آباد ہوئے۔

(1) مانگرول (2) اناؤ (3) کچھ (4) جونا گڑھ (5) جیلمیر۔ شہر جونا گڑھ سامہ قبیلہ کی حکمران شاخ بابینہ کے دوسرے جام جونا کا بسایا ہوا ہے۔ اس ریاست کے حکمران ساماؤں کی گوت "یابی" سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر بعد ازاں یہ لوگ اپنے آپ کو "بابی پٹھران" کہنے لگے۔ اس تمام خطہ میں آباد سامہ لوگ احتراماً "ملک" اور "میاں" کے القاب سے پکارے جاتے تھے۔ "ملک" عربی لفظ ہے اور میاں فارسی زبان کا لفظ ہے جو سندھی زبان میں بگڑ کر "میانوں" اور پنجابی لہجے میں "میانے" ہوا۔ لقب "ملک" کا

استعمال سلطنت اسلامیہ میں خلافت عباسیہ کے زمانہ سے عربی نژاد مسلمان شرفا اور صاحب حیثیت افراد کے لئے شروع ہوا چنانچہ ملک سندھ میں خلافت امیہ کے 40 سالہ دور کے کاتمہ کے بعد عباسیوں کی آمد پر سامہ قبیلہ عباسی گروپ میں جب شامل ہوا تو یہ لقب خصوصی طور پر سماؤں کے لئے استعمال ہونے لگا۔ خاندان سمرا جو اگرچہ بنیادی طور پر عباسی گروپ کا رکن تھا۔ مگر جاوں میں مدغم ہو جانے کی وجہ سے ان کے لئے یہ لقب ہرگز استعمال کیا گیا اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ خاندان سمرا کے افراد بغیر کسی اعزازی لقب کے سندھ کے زبردستی عاملان بنے رہے۔ یہ غیر معمولی اعزاز صرف سماؤں کے لئے ہی مخصوص تھا اور ان کی عظمت اور بزرگی کا یہ بڑا ثبوت ہے۔

ان ہی علاقوں سے وقتاً" فوقتاً نقل مکانی کرنے والے سامہ لوگوں کی اولادیں موجودہ پنجاب میں مہر۔ میاں۔ ملک اور ملاں کے القاب سے معزز کئے جانے کے علاوہ " میانے" (بگڑ کر منے ہوا) کہلاتے ہیں۔ اور اسی طرح اندرون ہند بریلی۔ پیلی بھیت۔ دہلی اترپردیش۔ اور دکن تک کے علاقوں میں شیخ اور ملاں کہلوانے کے ساتھ سے ساتھ "ملک" اور "میانے" بھی کہلاتے ہیں اور آخرکار یہی القاب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی گوتیں بن گئے۔ ان کی روایتی فیاضی اور فراکدلی کے متعلق تاریخ سندھ میں ایک روایت ابھی تک محفوظ چلی آ رہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

"لاکھا لکھ بٹاوے۔ کرن بٹاوے کروڑ
تے ابراہہ سامہ بٹاوے ہل دی اوڑ"

ترجمہ

رانے اور راجے تو نقد رقم دان دیتے ہیں مگر سامہ کی فیاضی کا یہ عالم ہے کہ وہ ہل کی مدد سے جو کچھ حاصل کرتا ہے سب کا سب مخلوق خدا میں تقسیم کر دیتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جس طرح یہ عظیم عربی قبیلہ رزق حلال کی جستجو میں محنت

شاقہ اور خوف خدا پر یقین رکھتا تھا اسی طرح تبلیغ دین کے اپنے بنیادی مشن میں پیش آنے والی ہر مشکل کو آسان سمجھنے میں بھی پیش پیش رہا ہے۔

نو سو سال کے پر آشوب اور باہمی ناچاقی کے عرصہ دراز میں آنے والے ہر دور میں اس گروہ میں سے کوئی نہ کوئی اللہ کا خاص بندہ، عاشق رسولؐ اور خادم اسلام پیدا ہوتا رہا ہے جس نے سندھی فطرت اور روحانی ذوق کا گہرا مطالعہ کرتے ہوئے بت پرستی کا خاتمہ اور پیر پرستی جیسی بدعت سے گلو خلاصی کرانے کے لئے لوگوں کو فقہ دین سے متعارف کرانے میں اپنی زندگی صرف نہ کر دی ہو۔ چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

ابراہہ سامہ کی دو بڑی شاخوں منائیہ (اس شاخ کا دوسرا نام منگاریہ بھی ہے) اور مندرو (Mandro) میں سے مندرجہ ذیل تین درخشندہ ستارے۔ بلند پایہ عالم دین۔ ادیب اور صوفی ہوئے ہیں جو متواتر دو صدیوں تک سرزمین سندھ کو اپنی پر نور کرنوں سے منور کرتے رہے ہیں۔

(1) ملاں عبدالرحیم منگاریو۔

(2) مخدوم عبداللہ ناربیارو

(ناریہ گاؤں واقعہ علاقہ سواندھی سامہ میں تولد ہونے کی وجہ سے نار۔بیارو کہلاتے ہیں)

(3) ملاں عبدالحکیم

تفصیلات

(1) ملاں عبدالرحیم منگاریو

آپ خاندان کلہوڑہ (حبشی نژاد مخلوط النسل سندھی ملنگوں کا ٹولہ) کے زمانہ

اقتدار کے ابتدائی ایام میں اس وقت منظر عام پر آئے جب اس چالاکی اور ابن الوقت خاندان نے صدیوں سے بت پرستی اور توہمات کا شکار سندھی فطرت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سندھ میں پیری مریدی کا جال پھیلا دیا تھا جس میں پھنس کر بھولے بھالے نو مسلم سندھیوں کی اکثریت تھوڑے ہی عرصہ میں اسلامی عقائد سے انحراف و روگردانی کرنے لگی۔ اس عاشق رسولؐ کی جلالی طبع نے کلہوڑوں کی اس حرکت کو اسلام کے لئے ایک خطرہ عظیم اور کھلی سازش قرار دیتے ہوئے علم جہاد بلند کیا اور کھلے بندوں اعلان کیا کہ جو لوگ خدائے واحد اس کے رسولؐ اور کتاب مقدس کے احکامات کے منافی کلہوڑوں کی خانقاہوں اور ڈیروں پر بھنگ پی کر دن رات پڑے رہتے ہیں اور ان کے سامنے سر بسجود ہو کر دل کی مرادیں مانگتے ہیں ان کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے۔ کلہوڑے اپنے مریدوں کی سادگی اور سریع الاعتقادی کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے دنوں میں ہی لاکھوں میں ہی کھیلنے لگے اور نذر و نیاز کے طور پر حاصل کردہ وسیع اراضیات کے مالک بن کر اپنے آپ کو طبقہ امرا میں شمار کرنے لگے۔ چنانچہ جب انہوں نے اس مرد مجاہد کے نعرہ حق کو اپنی شہرت اور اپنی آمدنی کے لئے خطرہ محسوس کیا تو درپردہ ان کے خلاف سازشیں کرنے لگے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے تحفظ کا کام ان سے لینا تھا لہٰذا مکر و فریب کے پتلے کلہوڑوں کو انہیں کوئی گزند پہنچانے کی ہمت نہ پڑی۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ بلوچستان سے سندھ میں آکر بسنے والے بلوچوں کا سردار بہرام بلوچ جو میاں نور محمد کلہوڑہ کے مرید میراللہ دیو بلوچ کی اولاد میں سے تھا اور میاں سرفراز خان کلہوڑہ کے خاص مریدوں میں شمار ہوتا تھا سندھ میں عروج پکڑنے لگا اور میاں سرفراز کو محسوس ہونے لگا کہ بہرام بلوچ کے دن بدن بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے اس کی عملداری کو سخت خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس سے گلو خلاصی کرانے کے لئے اسے ٹھکانے لگانا ضروری ہے چنانچہ اس نے بہرام بلوچ اور اس کے چھوٹے بیٹے صوبدار کو دربار میں بلا کر قتل کر دیا۔ بہرام بلوچ کا بڑا بیٹا "باجار" ان

دنوں فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے مدینہ میں مقیم تھا چنانچہ واپسی پر جب اسے اپنے باپ اور بھائی کے قتل کی اطلاع ملی تو وہ فوری طور پر مجاہد اسلام ملاں عبدالرحیم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کل ماجرہ بیان کرتے ہوئے مدد کا خواستگار ہوا۔ آپ نے باجار کو میاں سرفراز خان کلہوڑہ کے خلاف بغاوت کرکے اس پر چڑھائی کا مشورہ دیا اور پیشگوئی کی کہ فتح اس کی ہوگی مگر ایک وعدہ کرنا ہوگا کہ خاندان کلہوڑہ کو نیست و نابود کرکے ملک سندھ کی عنان حکومت اسے خود سنبھالنی ہوگی اور اگر اس وعدہ کو پورا نہ کیا گیا تو اس کا (باجار ولد بہرام بلوچ) انجام بخیر نہ ہوگا۔ چنانچہ باجار نے آپ کی زیر ہدایت سرفراز خان کے خلاف محاذ آرائی کرکے فتح پائی مگر کلہوڑوں کے اثر و رسوخ اور ان کی پیری مریدی کے سلسلہ سے مرعوب ہو کر اسے تخت سندھ پر قبضہ کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ مجاہد اسلام ملاں صاحب کو جب اس وعدہ شکنی کی اطلاع ہوئی تو آپ نے باجار ولد بہرام بلوچ کو بلا کر اس کا حال دریافت کیا۔ باجار خاموش رہا۔ آپ جلال میں آگئے اور مندرجہ ذیل شعر باآواز بلند پڑھا۔

اور باجارے! اساں پاری توں نہ پاری
ہانے وہی توں جے گھراں سرداری
اندا کو کافی پیٹ پھاڑی وہندامی

ترجمہ

"اے باجار ہم نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا مگر تم کم ہمت نکلے اور اپنے وعدے پر قائم نہ رہے تو سرداری کے لائق نہیں۔ یہ تیرے گھرانے سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہی ہے۔ اور تھوڑے دنوں کے اندر راجپوتانہ کے "کوکائی" قبیلہ کے شہسوار آئیں گے اور تیرا پیٹ چاک کر دیں گے"۔

اس پیشگوئی کے چند دنوں بعد ہی کلہوڑوں کی امداد کے لئے مہاراجہ جودھ

پور نے "کوکائی" قبیلہ کے تین خونخوار شہسوار بھیجے جنہوں نے باجار کو قتل کر دیا اور اس کے ساتھ ہی باجار کے گھرانے سے سرداری رخصت ہو کر اس کے بھتیجا میر فتح علی خاں تالپور بلوچ کے گھرانے میں چلی گئی۔ اس طرح مجاہد اسلام ملاں عبدالرحیم منگاریو کی دعا منظور ہوئی اور یوں کلہوڑے اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اپنے انجام کو پہنچے۔

مخدوم عبداللہ نار۔لیارو

آپ بلند پایہ ادیب' عالم دین' صوفی اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی زبان میں اس قدر تاثیر تھی کہ جو کوئی ایک دفعہ آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا وہ آپ کا گرویدہ ہو کر رہ جاتا۔ آپ کی سیرت و بصیرت بابرکات اور تبلیغی حسن بیان سے متاثر ہو کر ہزاروں غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے اور سینکڑوں نومسلم سندھی پیر پرستی سے تائب ہوئے آپ کی پوری زندگی یاد الٰہی اور خدمت دین میں گزری۔ آپ کا وصال 1821ء میں علاقہ سواندھی سامہ میں تھری کے مقام پر ہوا۔ جہاں، آپ کے مزار مبارک پر ہر سال ان کی یاد میں عرس منایا جاتا ہے۔ آپ نے فلسفہ اسلام پر عام فہم الفاظ میں عربی' فارسی اور سندھی زبانو میں متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے مندرجہ ذیل بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

1- کنزل عبرت 2- قصص الانبیاء 3- خز۔لتہ الاعظام 4- خز۔لتہ الابرار 5- خز۔لتہ الرادیات 6- تیسہ غافلان 7- مینار سا لکین طریقت

3- ملاں عبدالحکیم

آپ زاہد و متقی' عالم دین اور ماہر نفسیات ادیب ہوتے ہیں چشم بصیرت سے کئی معاملات حل کر دیا کرتے تھے۔ آپ نے اسلام کے سنہری دور کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد خلیفہ اسلام اور تصوف پر عربی' فارسی تصانیف کا سندھی زبان میں عام فہم ترجمہ کر کے اسلامی مدارس میں بطور نصاب داخل کروائیں۔

ادیب و اخلاق، علماء و مشائخ کے حالات زندگی اور ان کے غیر معمولی کارناموں پر مشتمل سندھی زبان میں آپ کی شہرہ آفاق تصنیف "حکایت الصالحین" ہے جس کا مطالعہ سندھ میں تعینات انگریز افسران پر لازم تھا اور آج تک عربی سے سندھی اور سندھی سے عربی سیکھنے کے لئے یہ بہترین کتاب شمار کی جاتی ہے۔

ملک سندھ میں ابراہہ سامہ واحد گروہ ہے جس نے صحرائی ہونے کے باوجود مقامی کسانوں ساہتہ، جنڈ، لوہانوں اور کھوکھروں سے مل جول بڑھا کر فن زراعت میں کمال حاصل کیا اور دینی خدمات کے ساتھ ساتھ اپنی زرعی مہارت کو بروئے کار لاتے ہوئے نہایت جانفشانی سے بنجر اور بے آب و گیاہ زمین کو گلزار و چمن زار میں تبدیل کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ بدیں وجہ ہو بل پوتا اور پھل پوتا جیسے صفائی ناموں سے بھی مشہور ہیں اور یہی اصطلاحیں آخر کار ان کی گوتیں بن گئیں مگر جہاں تک ان کے حسب نسب کے تحفظ و تقدس کا تعلق تھا انہوں نے اسے خلط ملط یا داغدار ہونے سے بچانے کی ہمیشہ کوشش کی۔ جیسا کہ ابتدائی اوراق میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ سامہ لوگ بے سروسامانی اور فرار کی حالت میں سندھ میں وارد ہوئے اور بقائے نسل کے لئے انہیں مجبوراً" مقامی باشندوں سے ازدواجی تعلقات قائم کرنے پڑے مگر اپنی امتیازی حیثیت کو برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے مخصوص عربی رواج کی تقلید میں اپنی دختران کو غیر ساماؤں میں بیاہنا کبھی گوارا نہ کیا اور اسی رواج کی پیروی کرتے ہوئے آج تک ساماؤں کے تینوں گروپ (ابراہہ، شیخ سامہ، راعین) شاذ و نادر ہی غیروں میں رشتے ناطے استوار کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ وثوق سے کہا جاتا ہے کہ برصغیر میں وہ خانوادے جو بکلی مخلوط النسل ہونے کے باوجود عربی کہلاتے ہیں ان کے مقابلہ میں اس قبیلہ کے انساب کا تقدس کہیں زیادہ محفوظ چلا آ رہا ہے۔ مشہور انگریز مورخ مسٹر آر، ایف برٹن نیتاریخ سندھ مطبوعہ 1851ء میں ابراہہ سامہ کے انسابی تقدس اور خاندانی امتیار کا یوں نقشہ کھینچا ہے۔

سندھ میں شاید ابراہہ سامہ ہی وہ واحد گروپ ہے جس کے افراد اپنی منفرد حیثیت کو قائم رکھتے ہوئے اپنے مخصوص رسم و رواج پر سختی سے کاربند ہیں اور اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بہادر اور حسین سمجھتے ہیں۔ ان کی نظروں میں دوسرا کوئی خانوادہ بچتا ہی نہیں جو ان کی برابری کر سکے۔ وہ دوسرے خاندانوں کی بیٹیوں اور یا ہمشیرگان کو تو اپنے نکاح میں قبول کر لیتے ہیں مگر اپنی بیٹیوں اور ہمشیرگان کا غیر ساماؤں میں رشتہ کرنا معیوب خیال کرتے ہیں چنانچہ ان ضمن میں وہ "شمثیلا" ایک قصہ یوں بیان کرتا ہے۔

ایک سامہ کی غیر سامہ بیوی سے بچی کی پیدائش پر لڑکی کا ماموں تحائف اور پاچات لایا۔ بچی نہایت خوبصورت تھی چنانچہ اس کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر اس نے اپنے سامہ بہنوئی سے اپنے بیٹے کے لئے لڑکی کے رشتہ کی درخواست کی۔ پیشتر اس کے کہ سامہ کوئی جواب دیتا اس کی بیوی نے فوری طور پر اپنے بھائی کی تائید میں سامہ سے سفارش کر دی۔ سامہ کو اپنی بیوی کا یہ رویہ بڑا ناگوار گزرا اور کہنے لگا۔

"مو سنجی دھیجہ کنا لامہ - تنے اے سون د جانده سامہ"

ترجمہ: "میری بیٹی کے کان اتنے لمبے ہیں کہ انہیں کوئی سامہ سردار ہی سونے کی بالیوں سے پر کر سکتا ہے"

اور یہ کہتے ہوئے وہ داماد کی تلاش میں سامہ گھرانوں کی طرف چل کھڑا ہوا چنانچہ۔ اس نے اپنی ننھی منی بچی کی منگنی سن بلوغت پہنچنے سے پہلے ہی ایک سامہ گھرانے میں طے کر دی مبادا اس کی عدم موجودگی یا غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس کی بیوی کہیں خفیہ طور پر اپنے بھائی کے بیٹے کے ساتھ اس کی منگنی ہی نہ کر دے"۔

باب پنجم

خاندانِ سامہ کی شاخ "ب" "شیخ سامہ"

جیسا کہ پچھلے اوراق میں انحصارا" ذکر آچکا ہے کہ "سامہ شیخ" مختلف ادوار میں روہیل کھنڈ (بریلی پیلی بھیت کا علاقہ) قدیم نام کٹہراہ (Katehra) میں آباد ہوتے رہے اور وہاں سے وقتا" فوقتا" یہ لوگ ہندوستان کے صوبوں اودھ اور مدھیہ پردیش میں نقل مکانی کرتے رہے۔

1- 423ھ بمطابق 1043ء میں شیخ سالار ساہو کی زیر قیادت عبدالرزاق وزیر سلطان محمود غزنوی کے مظالم سے تنگ آکر (یاد رہے اس شخص نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میں سندھ سے عربوں کو نکال دیا)۔

2- 604ھ بمطابق 1224ء میں شیخ قدوات الدین اور ملک عبداللہ کی سربراہی میں سمراؤں کے مظالم سے تنگ آکر۔

3- 776ھ بمطابق 1396ء سے 906ھ بمطابق 1526ء کے درمیانی عرصہ میں جام سنجر، جام نندو اور آخری حکمران خاندان سامہ کی ارغونوں کے ہاتھوں شکست اور ساماؤں کے خاتمہ اقتدار کے بعد ملتان کے لنگاؤں اور سندھ کے باغی اور نمک حرام

جاگیرداران کی ساماؤں سے انتقامی کاروائیوں کی تاب نہ لاتے ہوئے بریلی' پیلی بھیت' لاہور اور سرسہ کی طرف انہیں نقل مکانیوں کے دوران سرسہ اور پیلی بھیت میں سامہ لوگ اپنے ہیرو جام راجینہ کے نام پر اپنے آپ کو راعین کہہ کر متعارف کراتے رہے۔

4- 1164ھ بمطابق 1787ء میں ضلع سرسہ اور حصارے سے ہندو بھٹیو سے چھڑپوں کے بعد اور قحط سالی کے دوران نقل مکانی بطرف بریلی' پیلی بھیت اور بطرف دو آبہ جالندھر جزوی نقل مکانی۔

تفصیلات

سماؤں کے متواتر سازشی ہتھکنڈوں کے زیر اثر عبدالرزاق وزیر سلطان محمود غزنوی کو جب ساماؤں کی وفاداری اور خلوص نیت پر دن بدن زیادہ ہی شک گزرنے لگا تو اس نے مختلف حیلے بہانے تراش کر ان کا جینا دوبھر کر دیا۔ بات بات پر پکڑ دھکڑ شروع کر دی جاتی اور طرح طرح کی ذہنی اور جسمانی اذیتیں پہنچائی جانے لگیں اور بیگاریں لے کر اس شریف النفس قبیلہ کو ذلیل و خوار کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔ چنانچہ ان آئے دن کی مصیبتوں سے تنگ آ کر شہروں میں رہائش رکھنے والے ساماؤں کی بھاری تعداد شیخ سالار ساہو نامی ایک سامہ سردار کی سربراہی میں بھیس بدل کر سندھ کی سرحد پار کر کے بریلی کی طرف کوچ کر گئی۔ کٹہراہ (موجودہ روہیل کھنڈ) ان ایام میں بانسوں کے گھنے جنگلوں سے ڈھکا پڑا تھا اور بریلی کا قصبہ نیا نیا آباد ہوا تھا۔ صحراؤں اور جنگلوں کا سفر ناکافی اور ناقص رخت سفر' دشوار گزار راستوں سے ناواقفیت جیسی رکاوٹوں سے دوچار اس قلیل التعداد اجنبی قافلہ کے لئے کڑے امتحان کا وقت تھا۔ شہری آرام دہ زندگی سے مانوس کئی افراد تو سفر کی صعوبتوں کی تاب نہ لاتے ہوئے راستہ میں ہی دم توڑ گئے۔ آخر کسی نہ کسی طرح بچے کھچے لوگ بریلی کے قصبہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس نو آباد علاقہ میں ان دنوں ہندو قبائل از قسم کٹہراہ' جھنگڑ'

کرمی، موعراؤ، لودھا، برہمن، مالی اور آراکھ کسان لوگ جنگلات کو صاف کر کے کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے ان کسانوں کو جب اس اجنبی قافلہ کی آمد کا علم ہوا تو وہ گھبراہٹ اور سراسیمگی کی حالت میں ادھر ادھر بھاگنے لگے اور حفاظتی مورچے قائم کر کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔

سالماؤں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے ڈپلومیسی سے کام لیتے ہوئے اپنی آمد کی وجہ بتائی اور ساتھ ہی انہیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ غیر مسلح ہیں اور وہ حملہ کرنے یا لوٹ مار کے ارادہ سے ہرگز نہیں ائے اور یہ کہ وہ خاطرجمع رکھیں انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ مگر ہندی کسانون کو ان نووارد شیخوں کی کسی بات پر اعتبار نہ آیا اور وہ انہیں بریلی کا علاقہ چھوڑنے پر برابر اصرار کرتے رہے۔ سالماؤں نے اجنبی ماحول اور وقت کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بریلی کی طرف بڑھنے اور وہاں پر ڈیرے ڈالنے کا ارادہ بدل دیا اور وہاں سے ہٹ کر دوسری سمت بریلی کی حدوود سے باہر فاصلہ پر پھیلے ہوئے پیلے بانسوں کے جنگل میں کیمپ لگا لیا جہاں انہوں نے آہستہ آہستہ درخت صاف کر کے اسی جنگل کے نام پر پیلی بھیت کا گاؤں آباد کیا اور اس سے تھوڑی دور ہٹ کا دلمان (Dilman) نام کی ایک بستی کی بنیاد رکھی اور اپنے میں سے ملک عبداللہ کو اپنا سربراہ خاندان اور ناظم مقرر کر کے دلمان کو صدر مقام کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ (نوٹ) ملک عبداللہ، خواجہ جہاں والئی ملتان کا متبنی تھا جو ملتان سے قافلہ کے ساتھ مل کر روہیل کھنڈ پہنچا تھا۔

نئے علاقہ میں ان لوگوں نے جب اپنے پاؤں مضبوطی سے جما لئے تو وہ گاہے بگاہے موقعہ محل کے مطابق بریلی پر شبخو مارتے اور رفتہ رفتہ اس بستی کے علاوہ ارد گرد کے دیہات میں مقامی لوگوں کی دور دور پھیلی ہوئی اراضیات پر بھی تصرف حاصل کر لیا اور جن ہندی کسانوں نے بطور مزارع یا ٹھیکہ پر کام کرنا منظور کر لیا انہیں کچھ اراضی دے کر وہاں رہنے کی اجازت دے دی اور بقایا تمام لوگوں کو جن میں اکثریت بہار،

جھنگڑ اور کٹہراہ کے جھوٹ موٹ کے کشتریوں کی تھی اندرون روہیل کھنڈ اور موجودہ ریاست رامپور کے علاقہ میں دھکیل دیا۔ یہ قبائلی لوگ موقعہ پا کر سر اٹھانے کی کوششیں کرنے لگے اور چوریوں کے علاوہ کھڑی فصلوں کو آگ لگانے سے بھی دریغ نہ کرتے مگر ساماؤں کی بروقت اور موثر کاروائیوں سے ان کی سازشوں اور شرارتوں میں بتدریج کمی واقع ہوتی چلی گئی۔ بالاخر 756ھ سے 1164ھ کے درمیانی عرصہ میں جام نندو اور جام سنجر کے عہد میں اور جام فیروز کی شکست اور خاندان سامہ کے اقتدار کے خاتمہ اور ملتان میں لنگاؤں کے طاقت پکڑنے اور خشک سالی کے دوران ضلع سرسہ سے منتقل ہونے والے سامہ راعیوں کی بھاری تعداد میں آمد سے سامہ شیخو کا زور کافی بڑھ گیا اور سر پھرے مصنوعی کشتریوں کے ہوش ٹھکانے آ گئے اور دوبارہ تخریب کاریو کی انہیں کبھی جراٗت نہ ہوئی 423ھ تا 604ھ کے پونے دو سو سالہ درمیانی عرصہ میں سامہ شیخوں نے سخت محنت اور لگن سے اس غیر آباد علاقہ کو سرسبز و شاداب بنا دیا۔ پیداوار میں مثالی ترقی ہونے لگی اور وافر اجناس کی کھپت کا مسئلہ پیدا ہوا چنانچہ انہوں نے بریلی اور پیلی بھیت کے درمیانی علاقہ میں ایک مرکزی مقام پر ایک نئے قصبہ " گھاس منڈی" (جو بگڑ کر کسمنڈی کہلانے لگا) کی بنیاد رکھی۔ یہ قصبہ دنوں میں ایک اعلیٰ درجہ کی غلہ منڈی بن گیا جہاں سے اندرون ہند اجناس بھیج جانے لگیں جس سے سامہ شیخ دنوں میں خوشحال ہو گئے۔ چنانچہ اقتصادی حالت بہتر ہونے کے ساتھ ساتھ تبلیغ دین کے کام نے بھی فروغ پایا۔ مساجد اور دینی درسگاہوں کی تعمیر شروع ہو گئی ہندی قبائل جوق در جوق مشرف بہ اسلام ہونے لگے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سامہ شیخوں سے رشتے ناطے جوڑ کر وہ بھی شیخ سامہ کہلانے لگے جس سے عربیا ور مقامی مخلوط النسل شیخوں میں ظاہری تفریق جاتی رہی جوں جوں اسلام پھیلتا گیا شیخو کا حلقہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ عربی اور غیر عربی نژاد شیخ گھرانوں کی شناخت میں غلط فہمیاں اور پیچیدگیاں پیدا ہونے لگیں۔ چنانچہ ایک شدید رد عمل کے نتیجہ میں نو

مسلم گھرانوں نے عربی نژاد سامہ شیخ ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کے مقابل میں اپنا تشخص الگ قائم کرنے کا فیصلہ کرا لیا اور قبیلہ دو گروپوں میں بٹ گیا۔ نیا گروپ سامہ شیخ کہلانے والوں سے اپنے آپ کو برتر درجہ کا شمار کرتے ہوئے خلفائے راشدین کی براہ راست نسل سے منسوب کرنے لگا اور صدیقی' فاروقی اور عثمانی شیخ کہلانے لگے اور قانونی تحفظ کی خاطر کاغذات مال اور دیگر سرکاری دستاویزات میں اپنی شناخت کے لئے اپنی ناموں کے ساتھ صدیقی' فاروقی اور عثمانی شیخ جیسے اندرجات کروا لئے۔ چنانچہ بریلی پیلی بھیت اور رامپور کے گزیٹرز میں یہ نئے ناموں والا سامہ گروپ اپنی الگ انفرادی حیثیت کو برقرار رکھنے کے لئے موروثی مالکان اراضی (پوادے) کے درجہ میں شمار ہوتا چلا آ رہے ہا ور اٹھارہویں صدری عیسوی میں آخر کار یہی لوگ سامہ شیخوں کے ساتھ ہی سرسہ سے سامہ راعیوں کی آمد پر پھر سے ایک گروپ بن گئے۔

(نوٹ) دہلی' پنجاب اور کشمیر میں مغلیہ دور میں جو غیر زراعت پیشہ ہندو تاجر خاندان وقتاً" فوقتاً" مشرف بہ اسلام ہوتے رہے وہ شیخ کھتری' شیخ بنجابی' شیخ پوری' شیخ سونی' شیخ سیٹھی' شیخ ککریجہ' شیخ صراف' شیخ پنڈت اور شیخ پال وغیرہ کہلاتے ہیں مگر وہ نہ تو طبقہ زمینداران اور زراعت پیشہ میں شمار ہوتے ہیں اور نہ ہی کاشتکاری ان کا خاندانی پیشہ ہے لہٰذا وہ نہ تو شیخ راعین ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی شناخت کا مسئلہ زیر بحث ہے جو اصل موضوع پر اثر انداز ہو سکے۔

604ھ میں سمراؤں کے مظالم اور غیر منصفانہ برتاؤ سے تنگ آ کر نظامت ہائے ٹھٹھہ' بھکر' نیرون کوٹ اور ملتان کے شہری علاقوں سے شیخ قدوات الدین سامہ قاضی کی سربراہی میں سامہ شیخوں کی بھاری نقل مکانی کے باعث بریلی اور پیلی بھیت کی آبادی میں مزید اضافہ ہوا اور یہ بھی گمان ہونے لگا کہ شاید بریلی' پیلی بھیت اور کمنڈی جیسے بارونق قصبے جلد ہی شہروں کی صورت اختیار کر لیں گے مگر ایسا نہ ہو سکا کیونکہ نو وارد شیخوں کو یہ نیا نیا اور غیر مانوس سا دیہاتی ماحول پسند نہ آیا اور وہ چھ سال کی مدت تک

یہاں رہنے کے باوجود اپنے آپ کو اس ماحول میں ڈھالنے میں کما حقہ' طور پر کامیاب نہ ہو سکے لہٰذا وہ تذبذب اور پریشانی میں دن گزارنے لگے۔ آخر کار اس گھٹن سے گلو خلاصی کرانے کے لئے انہوں نے اندرون ہند صوبہ اودھ میں منتقل ہونے کا منصوبہ بنایا اور 612ھ کے اوائل میں شیخ قدوات الدین کا گھرانہ بمعہ دیگر متعدد مہم جو سامہ شیخ اور صدیقی' فاروقی اور عثمانی کہلانے والے شیخ کنبوں میں سے لوگوں کی خاصی تعداد صوبہ اودھ میں منتقل ہو گئی جس سے اس علاقہ کی آبادی میں اچانک کمی واقعہ ہو گئی اور روہیل کھنڈ کے یہ تینوں قصبے عرصہ تک شہر نہ بن سکے حتیٰ کہ 782ھ اور 900ھ کے درمیانی عرصہ میں جام نندو کی انتقامی کاروائی کے نتیجہ میں اور جام فیروز کی شکست کے بعد بھاری تعداد میں سامہ شیخوں اور ضلع سرسا اور حصار سے سامہ راعیوں کی آمد سے علاقہ کی آبادی اور رونق میں پھر سے اضافہ ہونے لگا اور بے گھر لوگوں کو بسانے کے لئے مزید بستیاں قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی چنانچہ شیخوں نے اپنی دور دور بکھری ہوئی اراضیات پر مندرجہ ذیل مزید تیس گاؤں آباد کئے۔

1- بھینسا 2- اودھے پور 3- ڈھاہنڈری 4- لال پور 5- مادھو پور 6- اسوڑی 7- بھیڑی 8- ا ۔کھرڑہ 9- کرگنہ 10- ڈانگ 11- کھمریا 12- پوٹا 13- ڈکیہ 14- جگت 15- ڈھیرم 16- ڈحکیہ 17- سو لکھیہ 18- دیالوچ 19- گوپال نگر 20- سرنیاں 21- پپرا 22- موہنڈیا 23- گنہ 24- پنڈری 25- ترکونیہ 26- نور پور 27- قادر پور 28- کچا 29- مرولی اور 30- ناصر پور وغیرہ

ان دیہات میں تمام ضروریات زندگی فراہم کر کے انہیں مثالی بستیاں بنا دیا گیا۔

روہیل کھنڈ کا قدیم نام کٹھراہ ہے

خیال رہے کہ آج کل روہیل کھنڈ ہندوستان کی متعصب ہندو گورنمنٹ کی کوتاہ اندیشی اور ناقص حکمت عملی کے سبب اتر پردیش کی ایک غیر ترقی یافتہ اور پسماندہ ڈویژن کا درجہ رکھتا ہے مگر ایک ہزار سال قبل 423ھ میں جب اس وسیع اور قدرتی

وسائل سے مالا مال خطہ ارض کے بانسوں کے گھنے جنگلات میں سامہ شیخوں کا کارواں اترا تو ہندوستان سے الگ تھلگ یہ علاقہ ایک آزاد اکائی کی حیثیت کا مالک تھا جس پر ایک ہندو (Pagon) راجہ جاوداہ کٹھرہ کی برائے نام عملداری تھی اور اس کا صدر مقام موجودہ ریاست رامپور کے صدر مقام کے قرب و جوار میں کہیں واقع تھا اور اسی کے نام پر یہ علاقہ کٹھرہ کہلاتا تھا اس ہندو راجہ کا قبیلہ کٹھرہ کی نسل آج تک موجودہ ریاست رامپور اور بریلی کے علاقوں میں خال خال ملتی ہے۔

ساماؤں نے اپنی عقل و ذہانت اور دن رات کی محنت شاقہ سے اس خطہ کو گلزار بنا دیا اور انہی وقتوں سے سندھ کے بعد یہ علاقہ ساماؤں کا سب سے بڑا گڑھ سمجھا جاتا ہے جس میں اس عظیم خاندان کی تینوں شاخوں کے متعدد خانوادے امتیازی پوزیشن رکھتے ہیں اور وہ اپنے حکمران خود تھے اور کسی دوسری قوم کی بالا دستی انہوں نے کبھی قائم نہ ہونے دی اور اسی خطہ سے یہ لوگ وقتاً فوقتاً ہندوستان کے مختلف صوبوں میں پھیل گئے۔

وہ سیاسی جوڑ توڑ اور ڈپلومیسی جیسے منافقانہ چالوں اور حکمت عملی پر یقین نہ رکھتے تھے اور اپنے کام اور تبلیغ دین کے فریضہ کو دوسرے مشاغل پر ترجیح دیتے تھے۔ گزیٹیرز آف بریلی، پیلی بھیت اور رامپور کے مطابق ان کے حسن سلوک اور ہمدردانہ برتاؤ سے ان کے مزارعے اور گھریلو ملازمان ہمیشہ ان کے دل سے وفادار اور فرماں بردار ہوتے تھے اور دوسروں کے مقابلہ میں وہ ساماؤں کی زمینوں پر کاشت اور ان کی ملازمتیں اختیار کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ سامہ لوگ مشکل اور پیچیدہ سماجی مسائل کا حل ہمیشہ اسلامی قواعد اور اصولوں کی روشنی میں کرتے تھے اور شکر رنجی یا بدگمانی کا کبھی کوئی جواز پیدا نہ ہونے دیتے تھے۔

کٹہراہ میں روہیلوں کی آمد

سلماؤں کے حسن انتظام کٹہراہ کی سرسبزی و شادابی اور روح پرور آب و ہوا کی شہرت دور دور تک پھیلنے لگی کئی مطالع آزما اور افلاس زدہ لوگ دور دراز علاقوں یہاں آنے شروع ہو گئے۔ انہیں لوگوں میں ریاست ملتان میں رہائش پذیر خانہ بدوش افغان (Pawinday) پاوندے بھی تھے ۔جنھوں نے گو اپنا آبائی پیشہ تجارت ترک کر کے مقامی رؤسا امراء اور سلاطین کی گھریلو اور فوجی ملازمتیں اختیار کر رکھی تھی مگر پھر بھی ان کی اکثریت نہایت تنگی اور عسرت میں زندگی بسر کر رہی تھی۔ یہ لوگ عرصہ دراز سے افغانستان سے پھل، ہینگ، اون، کھالیں اور بھیڑ بکریاں، شکارپور، ٹھٹھہ اور ملتان کی منڈیوں میں برائے فروخت لایا کرتے تھے اور بارٹر سسٹم (مال کے بدلے مال) کی بنیادوں پر یہاں سے کپڑا۔ چمڑے کا سامان، کھانے پینے کے برتن گڑ، شکر، تیل اور دیگر ضروریات زندگی لے جایا کرتے تھے تجارت کا یہ سلسلہ کئی برسوں تک جاری رہا۔ آخر کار وقت اور حالات کے پلٹا کھانے کے ساتھ ساتھ انہوں نے تغلقوں کے زمانہ میں اپنے سربراہ قبیلہ اور سالار کارواں بہرام خان کی زیر ہدایت تجارت کا پیشہ ترک کر کے رؤسا، امراء اور سلاطین دہلی کے ملازمتیں اختیار کر لی۔ بہرام خان کے پانچ بیٹے تھے جو خضر خان وائسرائے ملتان کی فوج میں ملازم تھے ان میں سے سب سے بڑے لڑکے سلطانے نے اجودھان (موجودہ پاکپتن) کے معرکہ میں کمال جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے تن تنہا آگے بڑھ کر دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے محمود تغلق کے وزیر اور جرنیل اقبال خان کا تلوار کے ایک ہی وار سے سر قلم کر کے جنگ کا پانسہ خضر خان کے حق میں پلٹ دیا۔ دربار دہلی کی فوج اپنے کمانڈر کو قتل ہوتے دیکھ کر بد دل ہو گئی اور دم دبا کر بھاگ نکلی۔ میدان خضر خان کے ہاتھ رہا۔ اس نے خوش ہو کر سلطان پاوندے کو اسلام خان کے خطاب سے نوازا اور ساتھ ہی سرہند کا گورنر مقرر کر دیا اور دوسرے چاروں بھائیوں کو باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے اراضیات عطا کر دیں۔ ان بھائیوں میں سب

سے چھوٹے کالے خان کے ہاں بہلول نامی لڑکا پیدا ہوا بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور کچھ ہی عرصہ بعد کالے خاں خود بھی اس دنی فانی سے چل بسا۔

اس یتیم بچے کی پرورش اور دیکھ بھال کا ذمہ اس کے چچا اسلام خان گورنر سرہند نے اٹھا لیا اور اس کے جوان ہونے پر اس کی شادی اپنی ایک دختر سے کر دی۔ اسلام خاں کی وفات کے بعد یہی لڑکا اس کا وارث بنا اور سرہند کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ بہلول خان جرات مند ہونے کے علاوہ ایک زیرک اور سلجھا ہوا گہری سوجھ بوجھ رکھنے والا منتظم تھا۔ اس نے اپنے قدم جماتے ہی صوبہ دیپالپور اور صوبہ لاہور پر قبضہ کر لیا اور اس پورے علاقہ کو قلمرو ملتان کا ایک حصہ بنا دیا اور اپنے قبیلہ کی معاشی اور سماجی حالت درست کرنے کے لئے ان کی اکثریت کو مختلف ملازمتوں میں کھپا دیا اور جو افراد بچ گئے انہیں 1121ھ میں اپنے ایک نزدیکی رشتہ دار محمد روحیل علی کی سرکردگی میں ملک کیراہ میں آباد ہونے کے لئے بھیج دیا۔ ملتانی پاوندوں کے اس قافلہ نے کیراہ میں پہنچ کر سالاؤں کی دیکھا دیکھی بانسوں کے جنگلات کو صاف کر کے ہزاروں ایکڑ اراضی برائے کاشت تیار کر لی۔ مگر بدقسمتی سے فن زراعت سے بے بہرہ یہ لوگ نہ تو وسیع اراضیات کی اچھی طرح سے دیکھ بھال کر سکے اور نہ ہی زرعی پیداوار میں اضافہ کر کے خود کفیل ہونے میں کامیاب ہو سکے۔ نجی اخراجات آمدنی سے تجاوز کرنے لگے جس کے نتیجہ میں یہ لوگ ہندو ساہوکاروں کے مقروض رہنے لگے اور رفتہ رفتہ اپنی املاک ان کے پاس رہن یا بیعہ کرنے لگے۔ پٹھانوں کی اس کمزوری سے سالاؤں نے بھی خوب فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ انہوں نے اونے پونے میں ان کی اراضیات خرید کر کے اپنی جائیدادوں میں اضافہ کر لیا اور آہستہ آہستہ ان لوگوں کو تہی دست کر کے موجودہ ریاست رامپور کی طرف نقل مکانی کرنے پر مجبور کر دیا چنانچہ محمد روحیل علی کے انتقال کے بعد اس کے اکلوتے بیٹے حافظ رحمت خاں کی سربراہی میں روہیوں کے متعدد خاندان نقل مکانی کر کے رامپور کے علاقہ میں آباد ہو گئے جہاں کچھ ہی عرصہ بعد انہوں

نے وہاں کے بوڑھے راجہ کی عملداری ختم کر کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ چنانچہ اسی وقت سے اس علاقہ کا نام روہیل کھنڈ پڑ گیا 1158ھ (1778ء) میں فیض اللہ خاں روہیلہ نے موجودہ شہر رامپور کی بنیاد رکھی۔

1135ھ (1755ء) میں جب بہلول لودھی نے علاؤ الدین درویش بدایونی سے تخت دہلی ہتھیا کر حکمران خاندان لودھی کی بنیاد رکھی تو ان روہیوں کے حوصلے بہت بلند ہو گئے اور یہ برصغیر پر حکومت کرنے کے خواب دیکھنے لگے بہلول لودھی نے اپنے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے ریاست رام پور کو روہیوں کا سیاسی گڑھ بنا دیا اور یہاں سے ان کی فوج کے لئے افرادی قوت اور ضروری سامان خورد و نوش کا بندوبست ہونے لگا روہیلے دن بدن طاقت پکڑنے لگی اور مغلیہ خاندان کے دور انحطاط کے شروع میں انہوں نے بربریت' لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کر کے دہلی اور پنجاب میں ایک قیامت برپا کر دی تقسیم ہند تک ریاست رام پور کا علاقہ حافظ رحمت خاں کی اولاد کے پاس رہا اور انگریزی عملداری میں یہ ریاست ہمیشہ سرکار انگلشیہ کی وفادار اور فرمانبردار رہی۔ تقسیم ہند پر اس علاقہ سے شیخوں کی اکثریت پاکستان ہجرت کر آئی مگر روہیل یا اپنی جائیدادوں کو چھوڑ کر پاکستان آنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے رہے چنانچہ ان کی اکثریت ابھی تک وہاں مقیم ہے اور سیاست اور ملکی معاملات سے بے تعلق رہ کر ہندوؤں کے رم و کرم پر خاموش اور ڈانواں ڈول زندگی بسر کرتے ہوئے اپنے تشخص سے تقریباً" محروم ہو چکے ہیں۔ نواب آدینہ بیگ رائین وائسرائے پنجاب نے ان کو بحیثیت مسلمان اور روہیل کھنڈ میں سامہ شیخوں سے اچھے ہمساؤں جیسے تعلقات کی بنا پر ان کی خاصی تعداد اپنی فوج میں بھرتی کر رکھی تھی مگر نظم و ضبط سے عاری اور لوٹ مار کے رسیا بھوکے لوگ اکثر اوقات بے قابو ہو جاتے اور سکھ لٹیروں کی طرح علاقہ کا امن و امان درہم برہم کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن جب نواب آدینہ بیگ ایک پہاڑی راجہ کی سرکوبی میں مصروف تھا تو

پیچھے چھوڑے ہوئے سلطانپور گریزن میں شامل ایک روہیلہ رجمنٹ اپنے کمانڈر قطب شاہ روہیلہ کی زیر کمان باغی ہو گئی اور جمال خاں چیف آف مالیر کوٹلہ سے ساز باز کر کے قلعہ پھلور پر قبضہ کرتے ہوئے دونوں نے مل کر نواب آدینہ بیگ رائین کی حکومت کو چیلنج کر دیا۔ نواب صاحب کو جب اس خطرناک واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً" پہاری مہم سے واپس ہوا اور ان نمک حرام پٹھانوں کو سبق سکھانے کے لئے راتوں رات دریائے ستلج کو پار کر کے پھلوں پر بھرپور حملہ کیا۔ باغی فوج اپنے مورچے مضبوط کر کے چونکہ پہلے سے ہی چوکنا ہو کر تیار بیٹھی تھی لہٰذا وہ جی توڑ کر لڑی اور قریب تھا کہ پٹھان میدان مار لیتے کہ آدینہ بیگ کے ہاتھی کے مہاوت محمد توفیق نے اچانک مالیر کوٹلہ کے چیف جمال خاں کو دیکھ کر پہچان لیا۔ آدینہ بیگ نے جمال خان کو اپنی تلوار سے قتل کرنے کے لئے مہارت کو اس کی طرف ہاتھی بڑھانے کا حکم دیا مگر پیشتر اس کے نزدیک پہنچ کر آدینہ بیگ اپنی تلوار سے اس باغی پٹھان کا سر قلم کرتا مہاوت محمد توفیق نے فوراً" اپنی توڑے دار بندوق کے ایک ہی فائر سے اس کا کام تمام کر دیا۔ بس پھر کیا تھا جب باغی فوج نے اپنے سردار کو اس طرح قتل ہوتے دیکھا تو سراسیمگی کی حالت میں وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ آدینہ بیگ نے تعاقب کر کے سوائے گنتی کے چند بھگوڑوں کے جو بچ نکلنے میں کامیاب رہے باقی سب کو بمعہ قطب شاہ روہیلہ کے کیفر کردار کو پہنچا دیا۔ وہاں سے فارغ ہوتے ہی مالیر کوٹلہ کا محاصرہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔ سرکردہ پٹھانوں کی جائیدادیں ضبط کر لیں اور چھپے ہوئے سرداروں کا کھوج لگا کر انہیں چن چن کر قتل کیا اور امن و امان بحال کر کے اپنے صدر مقام بٹالہ چلا گیا جہاں پہنچتے ہی اس نے فوجی بھرتی کی پالیسی پر نظر ثانی کرتے ہوئے اپنی فوج میں پٹھانوں کی بھرتی قطعی طور پر بند کر دی۔

روہیل کھنڈ سے شیخوں کی اندرون ہند نقل مکانی

پنجاب میں جواب آدینہ بیگ رائین کی حکومت کے خلاف مالیر کوٹلہ کے

پٹھانوں کی بغاوت اور اس میں روہیلہ پلٹن کی شمولیت سے پیدا شدہ حالات کے ضمنی تذکرہ کو چھوڑتے ہوئے اب اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ جیسا کہ پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ سلمہ شیخوں کا ایک قافلہ شیخ قدوات الدین قاضی کی زیر قیادت —— جس میں شیخ قطب الدین، شیخ قائم دین، شیخ شوال اور شیخ سالار ساہو کے خاندان سے عالم دین شیخ صلاح الدین بمعہ اپنے پانچ کنبوں کے اور خاصی تعداد کم اراضی کے مالکان خود کاشت اور نو مسلم دیندار شیوخ کسان صدیقی، فاروقی اور عثمانی شامل تھے 608ھ میں روہیل کھنڈ سے ہندوستان کے موجودہ صوبہ اتر پردیش (یہ صوبہ مغل دور اقتدار سے قبل ملک اودھ اور بعد ازاں تقسیم ہند تک صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کہلاتا تھا) کی طرف کوچ کر گیا۔ ان ایام میں ملک اودھ اجودھیا۔ جگدیو پور (پرانا نام جگور Jagoor) متھرا، اجین، میرٹھ اور اندر پرستھ (موجودہ نام دہلی) کی ہندو ریاستوں میں بٹا ہوا تھا اور سلطان محمود غزنوی کی مہمات کے بعد گو یہاں کہیں کہیں اور دہلی اور میرٹھ میں خاص طور پر اسلامی جھلک نظر آنے لگی تھی مگر مجموعی طور پر یہ پورا علاقہ ابھی تک کفر کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا اور اسلام کے نام لیواؤں کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ شیخوں کا یہ قافلہ دشوار گزار اور پر پیچ راستوں پر کئی دن کی مسافت کے بعد آخر کار ملک اودھ کی سرحدی ریاست اجودھیا (موجودہ ضلع بارہ بنکی اور لکھنؤ کے قرب و جوار کا علاقہ) میں داخل ہو گیا اور اس کی زرخیزی اور بہتر سامان معاشرت کی فراوانی کا جائزہ لیتے ہوئے اندرون ہند بڑھنے کی بجائے یہیں ڈیرے ڈالنے کا ارادہ کر لیا۔ ان ایام میں ایک ہندو قبیلہ "بھارہ (Bhara)" کے لوگ ہی زیادہ تر اس علاقہ میں اراضیات کے مالک تھے اور کھیتی باڑی بھی وہ خود ہی کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ان نوواردوں کو اپنی زمینوں میں داخل ہونے سے روک دیا اور ان کی ریاست بدری کے لئے اپنے راجہ سے درخواست کی۔ راجہ نے انہیں ریاست بدر کرنے کی بجائے اپنی ذاتی جاگیریں سالانہ ٹھیکہ پر دے دیں جہاں یہ لوگ عارضی طور پر آباد ہو گئے اور اس طرح بے سروسامانی کی حالت میں ان نوواردوں نے اپنی نئی زندگی کا آغاز کیا۔

خواب حقیقت میں بدل گئے

کون جانتا تھا کہ بے یارومددگار قافلہ کے یہ لوگ تھوڑے ہی عرصہ میں وسیع اراضیات کے مالک بن کر پوری ریاست کے کرتے دھرتے بن جائیں گے۔ حالات نے یکایک پلٹا کھایا۔ قسمت نے یاوری کی اور خواب حقیقت میں بدل گئے۔ ہوا یوں کہ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھنے کے بعد جرنیل شہاب الدین غوری اپنے چہیتے غلام اور معتمد خاص قطب الدین ایبک کو دہلی میں وائسرائے مقرر کر کے غزنی جاتے ہوئے رہتک کے مقام پر کافر گکھڑ درندوں کے ہاتھوں مارا گیا جس کے نتیجہ میں ہندو جاگیرداران اور زمینداران کے حوصلے بڑھ گئے اور قطب الدین کی نئی نئی حکومت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ ان کی دیکھا دیکھ سب سے پہلے دہلی اور میرٹھ کے ہندوؤں نے مسلمانوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا اور ان کی املاک پر قبضہ کر لیا۔ یہاں تک کہ مسجد کو بھی شہید کرنے سے گریز نہ کیا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے قتل و غارت کی یہ آگ بڑھتے بڑھتے ملک اودھ کی دوسری ریاستوں میں بھی پھیل گئی۔ سلطان قطب الدین ایبک کے لئے بڑا نازک وقت تھا۔ اس نے فوری اقدامات کرتے ہوئے دہلی اور میرٹھ میں مندروں کے شرانگیز مہنتوں کو جو دیوتاؤں کے نام پر مسلمانوں کے قتل عام اور اسلامی اثرات کو مٹانے کے لئے ہندوؤں کو بھڑکانے میں پیش پیش تھے چن چن کر تہہ تیغ کیا اور بمشکل امن و امان بحال کیا۔ اس کے بعد اس نے متھرا کے باغی جاٹوں کے مزاج درست کئے اور ریاست اجین کے راجہ کے کس بل نکالتے ہوئے ریاست اجودھیا اور جگدیو پور پر چڑھائی کی جہاں "بہار" قبیلہ اور ان کے راجگان نے اپنی خودمختاری کا اعلان کرتے ہوئے خراج اور لگان کی ادائیگی بند کر رکھی تھی۔ سلطانی فوج کی آمد کی خبر پاتے ہی ان باغیوں نے اپنی فوجیں یکجا کر کے ایک مشترکہ محاذ قائم کر لیا اور جان توڑ مقابلہ کرتے ہوئے کئی روز تک سلطانی فوج کی پیش قدمی کو روکے رکھا۔

سلطان اس علاقہ میں امن و امان بحال کر کے جلد از جلد واپس لوٹنا چاہتا تا مگر علاقہ سے ناواقفیت اور مقامی ہندوؤں کے عدم تعاون سے سپلائی لائن اور دہلی سے رابطہ کٹ جانے کے دن بدن بڑھتے ہوئے خطرہ کے پیش نظر یہ ممکن تھا کہ وہ اس مہم کو کسی دوسری فرصت کے لئے ادھورا چھوڑ کر دہلی واپس لوٹا جاتا کہ اسی اثناء میں اس کے سراغرانوں نے اطلاع دی کہ سندھ سے نقل مکانی کر کے حال ہی میں کئی عربی خاندان ریاست اجودھیا میں آکر آباد ہوئے ہیں مگر "ہمار" قبیلہ کے لوگوں سے ان کے تعلقات ٹھیک نہیں ہیں جس کے نتیجہ میں آئے دن ان میں سر پھٹول ہوتا رہتا ہے لہٰذا اس صورت حال سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ چنانچہ سلطان نے اس صورت حال کو بھانپتے ہوئے عربوں سے رابطہ قائم کر کے اس مہم کو جلد از جلد سر کرنے میں ان کا تعاون اور مدد طلب کی۔ شیخوں نے اسلامی جذبہ کے تحت اور "ہماروں" کے غیر معاندانہ اور ناروا رویہ کے پیش نظر سلطان کو فوری طور پر اپنی غیر مشروط خدمات پیش کر دیں۔ جس سے سلطانی فوج کی نہ صرف جنگی قوت میں اضافہ ہوا بلکہ اندرون علاقہ کئی خفیہ راستوں کا پتہ لگانے اور راشن پانی کی سپلائی کو بہتر بنانے میں بھی گرانقدر مدد ملی چنانچہ ایک خفیہ سکیم تیار کی گئی۔ چیدہ چیدہ آزمودہ کار پیادہ فوج کے جوانوں پر مشتمل ایک جیش خاص ترتیب دیا گیا جو شیخ قدوات الدین کی سربراہی میں خفیہ راستوں سے ہوتا ہوا دشمن کے عقب میں پہنچ گیا جہاں سے اس نے سپلائی لائن کاٹتے ہوئے اس کے عقبی دستوں پر اچانک ہلہ بول دیا اس کے ساتھ ہی سامنے سے سلطانی فوج نے بھرپور حملہ کر دیا بس پھر کیا تھا اس طرح دو طرفہ حملہ سے دشمن کی صف بندی ٹوٹ گئی اور وہ سراسیمگی کی حالت میں بھاگ کھڑا ہوا۔ تعاقب میں دونوں راجے مارے گئے اور بھاگتی ہوئی فوج کا مکمل طور پر صفایا کر دیا گیا اور اجودھیا اور جگدیو پور کے شہروں پر قبضہ کر کے ان دونوں قدیم ہندو ریاستوں کو قلمرو دہلی میں شامل کر لیا گیا۔

شیخوں کی غیر مشروط وفاداری اور جاں نثاری نے سلطان قطب الدین ایبک کا دل موہ لیا۔ چنانچہ ان کی شاندار خدمات کے صلہ میں انہیں بھاری خلعتوں اور جاگیروں سے نوازا گیا۔ شیخ قدوات الدین کو ایک مرصع تلوار اور بھاری خلعت کے علاوہ باون (52) گاؤں کی جاگیر عطا ہوئی۔ فقہ اسلام کے ماہر اور بلند پایہ مصنف شیخ شوال (مصنف میرات اسلام) کو دہلی کا قاضی مقرر کیا گیا۔ شیخ قائم الدین کو جسمارہ (Jasmara) کی جاگیر عطا ہوئی اور شیخ صلاح الدین کو بلبیراہ کی جاگیر ملی۔ شیخ ضیاء الدین عثمانی کو پانچ گاؤں کی گزارہ جاگیر کے علاوہ شہاب پور اور بھٹوال کی تعلقداری تفویض ہوئی۔ کارکھ بدھو سرائے' ستریکھ اور کنیتر کے علاقوں پر چیدہ چیدہ موزوں افراد کو تعلقدار اور چوہدری مقرر کیا گیا اور شیخ محمد عارف کی دوسری پشت سے شیخ مصطفیٰ عباسی کو دہلی کا نائب قاضی مقرر کیا گیا۔ سلطان قطب الدین نے چند یوم تک اجودھیا میں قیام کیا اور ضروری انتظامات مکمل کرنے کے بعد یہ علاقہ شیخو کی سپرداری میں دیتے ہوئے دہلی واپس لوٹ گیا۔ اس کے جانے کے بعد آہستہ آہستہ یہ لوگ اندرون اودھ بڑھنے لگے اور دریائے گومتی کے پار تک تمام علاقہ بشمولہ سلطان پور اور سیتا پور کے حکومت وقت سے مالکانہ حقوق حاصل کر لئے۔ اسی علاقہ میں انہوں نے لکشمن پور کے ٹیلہ کے قریب ایک نیا شہر (موجودہ لکھنؤ) بسایا جو اجودھیا اور جگدیو پور (موجودہ ضلع بانکی پور) کے بعد آج تک شیخوں کا گڑھ سمجھا جاتا ہے۔

شیخ نصر اللہ صدیقی کی سربراہی میں فاروقی اور عثمانی متعدد شیخ گھرانے سلطان پور اور سیتا پور میں حاصل کردہ وسیع اراضیات پر آباد ہو گئے جہاں سے ان کی نسلیں مختلف ادوار میں نقل مکانی کر کے صوبہ سی پی اور بہار تک پھیل گئیں مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں مزید ہندی نژاد نو مسلم قبائل کی شمولیت سے ان قدیم گھرانوں کی شناخت مشکل ہو گئی ہے۔ شیخ نصر اللہ صدیقی کی اولاد میں سے شیخ نصرت

اللہ صدیقی کو محمد تغلق کے عہد میں ہندو "مہار" قبیلہ کی بغاوت فرو کرنے کے صلہ میں موجودہ ضلع سیتا پور میں 252 دیہات بطور جاگیر عطا ہوئے۔ اسی کی نسل سے اکبر اعظم کے عہد میں ہیموں بقال کے خلاف معرکہ میں نمایاں فوجی خدمات کے اعتراف میں ضلع بانکی پور میں مزید دو صد گاؤں کی ایک اور جاگیر عطا ہوئی جو مجموعی طور پر "جاگیر محمود آباد" کے نام سے آج تک مشہور چلی آ رہی ہے۔

شیخ قدوات الدین کی وفات اور خاندان قدوائی کی ابتداء

شیخ قدوات الدین کا 630ھ کے لگ بھگ اجودھیا میں انتقال ہوا اور اسی جگہ ان کا مقبرہ بنا جو آج تک موجود ہے۔ سلطان اورنگ زیب نے اس مقبرہ کے قریب ہی ایک عالیشان مسجد تعمیر کروائی تھی جو آج تک قائم و دائم ہے اور اس مرد مجاہد کے مرقد کی نشاندہی کرتی ہے۔ شیخ قدوات الدین کی یاد میں ان کے لواحقین نے ان کی وفات کے بعد خاندان کی منفرد حیثیت کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے آپ کو "قدوائی شیخ" کہلوانا شروع کر دیا جن کی نسلیں ہندوستان میں آج تک اسی لقب سے جانی پہچانی اور پکاری جاتی ہیں۔

نیا دور

شیخوں کے تدبر اور حسن انتظام سے جاگیریں اور تعلقداریاں سونا اگلنے لگیں خراج اور لگان کے فرسودہ قواعد کو از سر نو ترتیب دے کر وصولی میں باقاعدگی پیدا کی گئی جس سے آمدنی میں اضافہ ہونے لگا۔ دربار دہلی نے ان کی بے مثل وفاداری اور اطاعت مطلق کے اعتراف میں انہیں اپنے خاص درباریوں میں شامل کر لیا۔ جاہ و حشمت ان کے قدم چومنے لگی اور دولت گھر کی لونڈی بن گئی۔ ملکی معاملات میں بھی ان کی رائے کو مقدم جانتے ہوئے خاص اہمیت دی جانے لگی اور جنگی مہمات ان کی شرکت کے بغیر نامکمل سمجھی جانے لگیں۔

شرکت کے بغیر نامکمل سمجھی جانے لگیں۔

سلطان قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں اجین اور مالواہ کی مہمات میں بہادری کے جوہر دکھانے پر شیخ صلاح الدین جاگیردار بلیہرہ کو منصب سہ ہزاری کے علاوہ سا ئیکھی (Saikhi) کی اضافی جاگیر سے نوازا گیا اور اسی جاگیر کے نام پر خاندان قدوائی کی مشہور شاخ "سا ئیکھی شیخ" معرض وجود میں آئی۔ 826ھ میں سائیدان پور کے گپتا نسل سے ایک راجہ نے بغاوت کر دی۔ معز الدین مبارک شاہ سلطان دہلی نے اس سرکش راجہ کی سرکوبی کے لئے شیخ محمد ابراہیم اور شیخ جلال الدین کو مامور کیا۔ چنانچہ انہوں نے راجہ کو قتل کر کے ریاست میں امن و امان بحال کر دیا۔ سلطان نے خوش ہو کر سائیدان پور کا پورا علاقہ ان دونوں کو انعام میں دے دیا۔

مغلیہ دور میں سامہ شیخوں کا کردار اور عروج

لودھیوں کے زمانہ اقتدار کے خاتمہ تک قدوائی خاندان کے لوگ بلیراہ، جسمارہ، سیکھی، محمود آباد اور سائیدان پور کی جاگیرات اور ضلع سلطان پور، اناؤ، سیتاپور، گونڈہ اور بجنور میں وسیع اراضیات کے مالک بن کر معاشی اور سیاسی میدان میں دوسری برادریوں کے مقابلہ میں کہیں آگے نکل کر ایک منظم قوت بن چکے تھے اور اسلامی سلطنت دہلی جاں نثاروں کی صف اول میں شمار ہونے لگے تھے۔ ابراہیم لودھی کی شکست اور حکمران خاندان لودھی کے خاتمہ کے بعد انہوں نے اپنی امتیازی پوزیشن کو برقرار رکھتے ہوئے نئی حکومت سے اپنی وفاداری کا عہد باندھا اور غیر مشروط طور پر اپنی مالی اور جنگی خدمات سلطنت مغلیہ کے استحکام کے لئے وقف کر دیں۔ بابر کی وفات کے بعد ہمایوں کو اپنے بھائیوں کی بے وفائی اور غداری اور شیر شاہ سوری پشاوری (اصل نام فرید خاں پشاوری) کی طالع آزمائی کا شکار ہو کر جب ہندوستان سے فرار ہونا پڑا تو یہ

ہوئے حالات کے اتار چڑھاؤ کا بغور جائزہ لیتے رہے۔ حتیٰ کہ ہمایوں کی ہند واپسی اور اس کی ساڑھے چار سالہ حکومت کے بعد اس کے بیٹے جلال الدین اکبر کی تخت نشینی کے زمانہ میں وہ دوبارہ منظر عام پر آ گئے چنانچہ سنٹرل انڈیا اور اودھ کے علاقہ سے سب سے پہلے شیخوں نے ہی اکبر اعظم کو تخت دہلی کا وارث تسلیم کرتے ہوئے اپنی غیر مشروط وفاداری اور اطاعت کا اعلان کیا۔ اکبر ساڑھے تیرہ سال کی عمر میں اپنے باپ کی وفات کے بعد اتالیق بیرم خاں کی زیر سرپرستی تخت ہند پر بیٹھا۔ اس وقت ہمایوں کا مقرر شدہ گورنر دہلی تاردی بیگ اور اکبر پنجاب میں کلا نور کے مقام پر مقیم تھا۔ چنانچہ ان حالات میں ریواڑی کے ایک بنیا ہیموں بقال کو دہلی پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے کرایہ کے پٹھان سپاہیوں کی مدد سے تاردی بیگ گورنر دہلی کا نکال باہر کیا اور خود بکرماجیت ثانی کا لقب اختیار کر کے ہندستان کا راجہ بن بیٹھا اور زہریلے پراپیگنڈا سے ہندوؤں میں مسلمانوں کے خلاف منافرت پھیلا کر تمام راجاؤں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ایک لشکر جرار اکٹھا کر کے پنجاب کو فتح کرنے نکل پڑا۔ دوسری طرف آگرہ اور اودھ کے علاقوں میں شکست خوردہ محمد شاہ عادلی کے حامی پٹھانوں نے راجپوتانہ کے کئی راجپوت زمینداروں سے گٹھ جوڑ کر کے مغلوں کو ہند بدر کرنے اور سور خاندان کے کھوئے ہوئے اقتدار کو پھر سے بحال کرنے کے لئے الگ محاذ قائم کر رکھا تھا۔ بیرام خاں جیسے صاحب تدبیر اور منجھے ہوئے جرنیل نے ہیموں بقال (سابق وزیر محمد شاہ عادلی) کی ہاتھیوں والی اور کرایہ کے سرحدی پٹھان سپاہیوں پر مشتمل بھاری بھرکم فوج کو پانی پت کے میدان میں روک کر ذلت آمیز شکست دی۔ ہیموں کو قیدی بنا کر بیرام خاں نے خود اپنی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا اور شاہی فوج فتح کے شادیانے بجاتی ہوئی دہلی میں داخل ہو گئی بیرام خان نے دہلی پہنچنے پر کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر گھوڑ سواروں کا ایک جیش اودھ میں شرپسندوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا اور وہاں کے شیخ زمینداروں کو شاہی فوج سے مکمل تعاون اور اس کو ہر ممکن سہولت اور امداد مہیا کر

کے اس ابھرتے ہوئے فتنہ کو کچلنے کی تلقین کی۔ چنانچہ دربار دہلی کے حکم کی تعمیل میں شیخوں نے محمود آباد کے جاگیردار شیخ داؤد خاں صدیقی کی سربراہی میں اپنے تمام وسائل یکجا کر کے اس مہم کو سر کرنے میں بھرپور حصہ لیا۔ تخریف کار اور باغی پٹھانوں اور راجپوتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا اور انہیں تہ تیغ کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہاں مکمل طور پر امن و امان قائم کر دیا۔ اس طرح ہمایوں کی غیر طبعی موت سے بگڑتے ہوئے حالات پر قابو پا لیا گیا جس کے بعد پشاور تا اودھ کے تمام علاقہ پر پھر سے سلطنت مغلیہ کا پرچم لہرانے لگا۔

شیخوں کی غیر مشروط وفاداری' اطاعت مطلق اور ثابت قدمی سے اکبر بڑا متاثر ہوا اور انہیں دربار دہلی کے قابل اعتماد جاں نثاروں کی فہرست میں شامل کر کے اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا اور بھاری جاگیرات اور اعزازات سے نوازتے ہوئے اودھ کی تمام دوسری برادریوں پر ان کی برتری قائم کر دی۔
شیخ داؤد خاں صدیقی کی شاندار خدمات اور قائدانہ صلاحیتوں کے اعتراف میں اسے نوابی کا خطاب دے کر منصب سہ ہزاری پر فائز کیا اور ضلع سیتا پور میں 200 گاؤں کی اضافی جاگیر برائے فوجی اخراجات عطا کی۔ شیخ ملاں عبداللہ زمیندار آف سلطان پور کو منصب دو ہزاری اور مشیر برائے امور داخلہ کے عہدہ جلیلہ پر فائز کیا گیا۔ شیخ مولوی پیر محمد کو منصب دو ہزاری پر فائز کر کے بطور دینی معلم (Preceptor) مقرر کیا گیا شیخ فرید کو منصب یک ہزاری اور پے ماسٹر (بخشی) برائے افواج متعینہ اضلع شمالی کے اعلیٰ عہدہ پر فائز کیا گیا ملاں شیری اور شیخ محمد عاقل کو بالترتیب منصب دو ہزاری و یک ہزاری پر فائز کر کے انہیں مستقل طور پر فوج شاہی میں شامل کر لیا گیا۔

بیرام خاں اور بادشاہ میں ناچاقی اور شیخوں کی مصالحتی کوششیں

اودھ کے معاملات سے نمٹنے کے بعد نہ جانے بوڑھے جرنیل بیرام خاں کے دل

میں کیا خیال آیا کہ وہ آہستہ آہستہ اپنی پوزیشن کا بے جا استعمال کرنے لگا اور خفیہ طور پر سیاسی جوڑ توڑ سے اس نے اپنے حامیوں کی تعداد میں خاصا اضافہ کر کے تخت دہلی پر ہاتھ صاف کرنے کی درپردہ تیاریاں شروع کر دیں۔ وہ دن بدن اپنی من مانیاں کرنے لگا اور بادشاہ کو کئی کئی دن کورنس بجالانے اور اسے روزمرہ کی حکومتی کاروائیوں سے آگاہ کرنے سے گریز کرنے لگا۔ بادشاہ بیرام خاں کی حد سے زیادہ عزت کرتا تھا اور اسے اکثر "بابا" کہہ کر پکارا کرتا تھا۔ چنانچہ اسے جب اپنے اتالیق کے خفیہ عزائم کا پتہ چلا تو وہ بڑا فکر مند ہوا مگر آداب اور احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے وہ اپنے اتالیق کو دربار میں بلا کر اس سے بازپرس کرنے میں جھجک محسوس کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے معلم شاہی شیخ پیر محمد کو بیرام خاں کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ "آپ اکثر اوقات ہم سے ملاقات نہیں کر پاتے جس سے ہم آپ کی صحت کے متعلق بہت فکر مند ہیں۔ ہم اب آپ کی دعاؤں سے سن بلوغت کو پہنچ چکے ہیں اور ہماری خواہش ہے کہ اب اس پیرانہ سالی میں سلطنت کی بھاری ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر آرام فرمائیں اور تمام امور سلطنت کا بوجھ ہمارے کندھوں پر ڈال دیں۔ اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے مناسب بندوبست کئے دیتے ہیں" بیرام خاں نے بادشاہ کے اس پیغام پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی بجائے الٹا شیخ پیر محمد کو ڈانٹ پلائی اور اسے یہ کہتے ہوئے کہ "وہ اسی کا لگایا ہو پودا ہے اور آج وہ اپنے محسن کے خلاف بادشاہ کو الٹی سیدھی پٹی پڑھا کر یہ پیغام لے آیا ہے لہٰذا اسے عہدہ معلمی سے برخاست کرتے ہوئے دربار سے نکال دیا اور اسی جگہ اپنے خاص آدمی میر عبداللطیف قزوینی کو بادشاہ کی خوشنودی حاصل کئے بغیر معلم شاہی مقرر کر دیا بادشاہ بیرام خاں ____ کی اس گستاخانہ حرکت پر بڑا ملول ہوا اور اس کے خلاف ابھی کوئی مناسب کاروائی کرنے کی سوچ ہی رہا تھا کہ انہیں ایام میں بیرام خان سے ایک اور فاش غلطی سرزد ہو گئی۔ ہوا یوں کہ اس نے ہمایوں کے مقرر کردہ گورنر دہلی تاردی بیگ خاں اور اس کے عملہ پر غداری اور

بزدلی کا الزام لگا کر بادشاہ کی منظوری حاصل کئے بغیر یکطرفہ کروائی کرتے ہوئے ان سب کو تختہ دار پر چڑھا دیا۔ بادشاہ کو جب اس سفاکانہ واقعہ کی اطلاع ملی تو اس کا پیانہ صبر لبریز ہو گیا۔ چنانچہ اس نے ادب و آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بیرام خاں کو دربار میں حاضر ہو کر اپنے اس فعل کی وضاحت کرنے کا حکم بھیجا۔ بیرام خاں نے دربار میں حاضر ہونے کی بجائے اپنی رینک بمعہ خلعت جھنڈا' نقارہ اور اپنا ہاتھی دربار میں بھجوا دیا اور خود دہلی سے روپوش ہو کر پنجاب کی طرف چلا گیا جہاں اس نے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ بادشاہ نے طیش میں آ کر ملاں عبداللہ سلطان پوریکو اس کی گرفتاری اور دربار میں حاضر کرنے کا حکم دے دیئے۔ چنانچہ ملاں نے اس کا پنجاب تک پیچھا کیا اور بٹھنڈا سے اسے سمجھا بجھا کر دہلی واپس لے ایا۔ راستہ میں ملا نے بیرام خاں کو جان بخشی کا یقین دلاتے ہوئے یہ مشورہ دیا کہ اگر وہ اپنی پگڑی اتار کر اپنے گلے میں ڈالتے ہوئے بادشاہ کے سامنے حاضر ہو جائے تو بادشاہ اسے معاف کرتے ہوئے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے باعزت طور پر ملک چھوڑنے کی اجازت دے دے گا۔ چنانچہ بیرام خاں نے ملاں کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے سر سے پگڑی اتار کر اپنے گلے میں ڈالی اور ننگے پاؤں تخت کا بوسہ لینے کیلئے آگے بڑھا۔ بادشاہ نے اپنے اتالیق اور محسن خاندان تیموریہ کو اس حالت میں دیکھ کر ایک سرد آہ بھری مگر جلد ہی سنبھلتے ہوئے تخت سے اٹھا اور اسے سہارا دے کر تخت پر اپنے ساتھ داہنی طرف بٹھا لیا اور رقت بھری دھیمی آواز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ کو ابھی تک فوجی زندگی سے لگاؤ اور انسیت ہے تو کالپی اور چندیری کی عملداریوں کے باغیانہ رجحانات آپ کو دعوت عمل دیتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں کہ دربار تیموری میں آپ کے لئے کرسی حاضر ہے اور اگر آپ ریٹائر ہو کر حج پر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس کا بھی فوری طور پر بندوبست ہو سکتا ہے۔

بیرام خاں نے مودبانہ انداز میں کہا جہاں پناہ میری خواہش ہے کہ میں اب

دنیاوی جھمیلوں سے دور رہ کر زندگی کے بقایا دن یاد الٰہی میں گزاروں۔ بادشاہ نے پچاس ہزار روپیہ ماہوار پنشن مقرر کر دی اور حج کے لئے روانگی کی شایان شان انتظامات کرتے ہوئے اسے باعزت طور پر دربار سے رخصت کیا اور اس طرح ملاں عبداللہ سلطانپور کی عقل و فراست اور حکمت عملی سے شاہ تیموری کا دامن اپنے اتالیق کے خون سے داغدار ہونے سے بچ گیا۔

بیرم خاں کے بعد

اکبر کی پرورش اور تربیت میں جہاں بیرام خان کا کردار قابل ستائش ہے وہاں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں اکبر کے اندر خود اعتمادی پیدا کرنے اور شعور میں پختگی لانے میں اس کے پر آشوب بچپن کا بھی بڑی حد تک عمل دخل رہا ہے۔ یہ ایک معجزہ سے کم نہیں کہ ماں کے پیار اور شفقت پدرانہ سے ناآشنا یہ بچہ طاقت' قابلیت' ذہانت اور استعداد میں اپنی ناپختہ عمر سے کہیں آگے بڑھ چکا تھا۔ اس نے کم سنی میں ہی اپنے لواحقین کے حاسدانہ رویہ اور خاندان تیموریہ کے ٹکڑوں پر پلنے والے پٹھانوں کی بے وفائی اور غداری سے یہ اندازہ لگا لیا کہ ان لوگوں سے ہروقت چوکنا رہنا ہو گا اور ان پر بھروسہ کر کے انہیں حکومتی کاروبار میں شامل کرنا خطرہ سے خالی نہیں ہو گا۔ چنانچہ 1561ء میں بیرام خاں کی سبکدوشی کے بعد اس نے عنان حکومت سنبھالتے ہی پٹھانوں اور مشکوک کریکٹر کے رشتہ داران کی ملازمتیں ختم کر دیں اور ان کی جگہ ہندوؤں اور شیخوں کو متعین کر دیا اور آئندہ کے لئے شاہی فوج میں پٹھانوں کی بھرتی قطعی طور پر بند کر دی۔ اس نے جلد ہی یہ اندازہ بھی لگا لیا کہ ہندوؤں سے الگ تھلگ رہتے ہوئے اور ان کو اعتماد میں لئے بغیر وہ ان کے طویل و عریض ملک میں خاندان تیموریہ کی ایک مضبوط اور ہردلعزیز حکومت قائم کرنے کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس نے اسلامی عقائد کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جے پور' اودھے پور اور بیکانیر کے راجگان کے گھروں میں شادیاں کر

لیں اور راجہ پورن مل، راجہ بھوانی داس، راجہ کلیان مل، راجہ مان سنگھ، راجہ بھگوان داس، راجہ رائے سنگھ، راجہ ٹوڈل مل (سابق وزیر مال شیر شاہ سوری) اور راجہ بیربل کو اپنے خاص مصاحبوں میں شامل کر لیا اور خود داڑھی صفاچٹ کر کے ہندوآنہ فیشن کی لمبی اور بے ڈھب سی مونچھیں رکھ کر اور ماتھے پر تلک لگا کر اپنے دربار کو ہندوآنہ رنگ میں رنگ دیا۔

اس نے اپنی ہندو بیویوں کے لئے پوجا پاٹ اور کیرتن کرنے کے خصوصی انتظامت محلات کی چار دیواری کے اندر کر دیئے جہاں صبح و شام دونوں وقت ٹل بجنے لگے جن کی گونج سے اذان کی آوازیں دب کر رہ جاتیں۔ اس نے شاہی فوج میں راجپوتوں کو کثیر تعداد میں بھرتی کر کے مسلمانوں میں سے سوائے شیخ محمد عاقل، خیششیری، شیخ فرید، مرزا زین الدین خاں، مرزا کوکا اور شاہباز خاں کمبوہ کے تمام اعلیٰ فوجی عہدوں پر ہندوؤں کا تقرر کر دیا۔

ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے اس نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ عربی زبان کی سکھلائی اور استعمال اور اسلامی نام "محمد" اور "علی" رکھنے کی ممانعت بھی کر دی۔ اس نے ہندو مذہب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے شاہی علمائے دین اور مبلغین شیخ حاجی ابراہیم سرہندی شیخ حاجی سلطان احمد، ملاں شاہ محمد، ملاں شیسی، شیخ عبدالقادر بدایونی اور شیخ اللہ داد کو دینی خدمات پر سے ہٹا کر ہندوؤں کی مذہبی کتب اتھروید، رگ وید، رامائن، مہابھارت اور گیتا کا فارسی میں ترجمہ کرنے کے کام پر لگا دیا۔ ان شیخوں نے دن رات کی محنت شاقہ سے یہ کام تھوڑے ہی عرصہ میں ختم کر دیا اور بادشاہ کو اس کی حسب خواہش روزانہ اس ترجمہ سے اقتباسات پڑھ کر سنائے جانے لگے۔ اکبر ان پڑھ تھا مگر بلا کا ذہین اور زبردست قوت یادداشت کا مالک تھا۔ اقتباسات سننے کے بعد وہ اپنے چیف سیکرٹری ابوالفضل اور درباری شاعر فیضی سے ہندو ماتھالوجی پر گھنٹوں بحث کرتا اور اس طرح مواد اکٹھا کر کے اس نے اسلام اور ہندو دھرم کے مابین ایک نیا

مذہب "دین الٰہی" ایجاد کی۔ السلام علیکم کہنے کی بجائے اللہ اکبر اور جواب میں وعلیکم السلام کے بدلنے "جل جلال ہو" کہا جانے لگا اور شاہ ہند ہونے کے ساتھ ساتھ "مہابلی" اور "دیوتا" بھی بن بیٹھا۔

اکبر کو اکبر اعظم بنانے اور اسے دنیائے مشرق کے عظیم فرمانرواؤں کی صف میں کھڑا کرنے میں اس کی ہندو نواز پالیسی کے علاوہ عربی النسل قبیلہ سامہ کے شیخوں کی فکری صلاحیت غیر مشروط اطاعت و وفاداری اور جذبہ جاں نثاری کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اکبر کی اسلام سے روگردانی اور ہندو مذہب کی طرف جھکاؤ کے باوجود شیخوں نے عہد وفاداری کو بطریق احسن نبھایا اور اس کے باون سالہ دور حکومت کو کامیاب بنانے اور استحکام بخشنے میں اپنی جانوں کی بے دریغ قربانی دی 1586ء میں راجہ بیربل کی ہمراہی میں شیخ شیری اور شیخ محمد عاقل نے اپنے اپنے فوجی دستوں کے ساتھ سوات اور باجوڑ کے باغی پٹھانوں کے خلاف مہم میں شرکت کی اور راجہ کے شانہ بشانہ تلوار کے جوہر دکھاتے ہوئے کام آئے۔

1590ء میں کشمیر کے گورنر مرزا یادگار نے بغاوت کر دی اور خود مختار حکمران بن کر اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا۔ اکبر اس خطہ بے نظیر کے باغی گورنر کو قرار واقعی سزا دے کہ علاقہ میں جلد از جلد امن بحال کرنے کا خواہشمند تھا مگر علاقہ کی فزیکل پوزیشن کے پیش نظر پنجاب میں تعینات فوجداروں میں سے کسی کو کشمیر پر چڑھائی کرنے کا حکم دینے کی بجائے اس نے صرف رضاکارانہ طور پر خود کو پیش کرنے والے کمانڈر کو اس مہم پر روانہ کرنا زیادہ بہتر خیال کیا مگر کوئی فیلڈ کمانڈر رضاکارانہ طور پر اس مہم پر جانے کے لئے تیار نہ ہوا۔ آخر پے ماسٹر (بخشی) شیخ فرید نے جسے گو پہاڑی لڑائی (Mountain Warfare) کا کوئی عملی تجربہ نہ تھا۔ اپنی خدمات پیش کر دیں۔ چنانچہ بادشاہ سے منظوری آنے پر وہ جتھے دار صلوے بیگ اور ابراہیم خاں کوکا کی ہمراہی میں دو بٹالین پیدل فوج لے کر خفیہ راستوں سے وادی کشمیر میں داخل ہونے

میں کامیاب ہو گیا اور باغی گورنر کے محل کو اچانک گھیرے میں لے لیا۔ باغی گورنر اپنے دفاع میں جی توڑ کر لڑا مگر مارا گیا اور محل پر شیخ فرید کی سپاہ کا قبضہ ہو گیا۔ قبضہ کے بعد اس نے فوری طور پر علاقہ میں امن و امان قائم کر دیا اور مقتول گورنر کی جگہ اس کے بھائی یوسف خاں مشہدی کو گورنر مقرر کر کے واپس ہوا اور بادشاہ کو مژدہ جانفزا سنایا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر منصب ہفت ہزاری عطا کیا اور کشمیر میں بھاری جاگیر سے نوازا۔

اکبر اعظم نے اکلون سال 9 ماہ کے قریب بڑے کروفر سے حکومت کی اس کی وفات کے وقت افغانستان سے بنگال اور دوسری طرف دکن، گجرات اور سندھ پر اس کا پھریرا لہرا رہا تھا وہ شکار کے بیحد شوقین تھا اور اس شوق کی تکمیل کے لئے اس کے ذاتی اصطبل میں بہترین نسل کے پانچ سو تیز رفتار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔

قدرت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اس عظیم فرمانروا کی زندگی کے آخری ایام نہایت غم و آلام اور درد و کرب میں گزرے اور شاید یہی وجہ تھی کہ وہ جلد ہی قبر میں جالیٹا۔ اس کے خاص مشاہیر اور جاں نثار ساتھیوں میں سے راجہ ٹوڈرمل، راجہ بھگوان داس، راجہ بیربل اور فیضی مختلف معرکوں میں حق نمک ادا کرتے ہوئے اس سے باری باری جدا ہو چکے تھے اور سب سے بڑھ کر اس کے جواں سال بیٹے دانیال کی کثرت مے نوشی سے بے وقت موت اور شہزادہ سلیم (جہانگیر) سے اس کی ناچاقی جیسے واقعات نے اس کی زندگی کی چولیں ہلا کر رکھ دی۔ حرم دو گروپوں میں بٹ چکا تھا۔ ایک گروپ شہزادہ سلیم کی والدہ مریم زمانی (دختر راجہ جے پور) کا تھا اور دوسرا راجہ پورن مل کی بیٹی اور راجہ مان سنگھ کی ہمشیرہ زوجہ شہزادہ سلیم کا تھا۔ ہر دو محلاتی سازشوں میں مصروف تھے۔ وفود غم سے کثرت کار سے اسے ہلکا ہلکا سا بخار رہنے لگا اور کچھ دنوں کے بعد پیچس کی شکایت پیدا ہو گئی۔ بڑھاپے میں اس قدر تھپیڑوں کی تاب نہ لاتے ہوئے ہندوؤں کا "مہابلی دیوتا" 1605ء کے ماہ اکتوبر کے پہلے ہفتہ میں بستر

علالت پر پڑ گیا حالت دن بدن غیر ہوتی گئی اور امید جاتیری جاتی رہ۔ مرنے میں چار یوم باقی تھے کہ راجہ مان سنگھ نے اس نازک صورت حال کے پیش نظر بادشاہ سے کہا "جہاں پناہ! شہزادہ سلیم کی تخت نشینی سے حضور کی صلح کل پالیسی سے قائم شدہ ملکی استحکام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا احتمال ہے اور ملک میں عدم تعاون کی فضا پیدا ہو گی جس کے نتیجہ میں سازشیں ہوں گی اور بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوں گی اور خاندان تیموریہ کی عظمت و شہرت کی ساکھ اکھڑ جائے گی "دین الہیٰ" کا جنازہ نکل جائے گا۔ آپ کے وفادار اور بہادر جرنیل علی قلی خاں (شیر افگن) کو اپنی چہیتی بیوی نور جہاں سے ہاتھ دھونے پڑیں گے اور آپ کے راجپوت رشتہ داران کی زندگی اور املاک سخت خطرہ میں پڑ جائیں گی اگر اور کوئی امر مانع نہ ہو تو شہزادہ خسرو کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا جائے اور رسم تاجپوشی کے لئے ضروری اقدامات کا آغاز کر دیا جائے۔

راجہ سنگھ راجپوت شہزادہ سلیم کو تخت ہند سے محروم کر کے اپنے بھانجے خسرو کو اکبر کا جانشین مقرر کرانا چاہتا تھا اور خاص کر شاہی محلات میں راجپوتی اثر و رسوخ کو دائمی طور پر قائم کرنے کا خواہشمند تھا۔ اس نے اکبر کو اس بات پر قائل کر لیا کہ سلطنت مغلیہ کی بقا اور سلامتی اور وسیع تر مفاد کی خاطر جہانگیر جیسے اکھڑ مزاج اور اسلام پسند شخص کی بجائے خسرو جیسے آزاد خیال اور ہندوؤں میں مقبول و ہردلعزیز شہزادے کو تخت ہند پر متمکن کیا جائے اکبر نے گو راجہ مان سنگھ کی دلجوئی کے لئے ذاتی طور پر اس کے مشورہ سے اتفاق کر لیا مگر وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھا کہ جہانگیر کی موجودگی میں وہ خسرو کو قانوناً" اور اخلاقاً" وراثت منتقل کرنے کا مجاز نہ تھا کیونکہ جہانگیر اس کا بڑا بیٹا تھا اور خسرو کسی حالت میں بھی اس کا جانشین نہیں ہو سکتا تھا۔ اکبر شش و پنج میں پڑ گیا اور معاملہ بغیر کسی حتمی فیصلہ کے معرض التوا میں پڑ گیا۔

بادشاہ کو راجہ مان سنگھ کا مشورہ شہر آگرہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا اور مختلف طبقوں اور خیالات کے لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ جہانگیر کی والدہ

ملکہ مریم زمانی کو اس سازش سے آگاہی کے بعد بڑا قلق ہوا۔ وہ دارالخلافہ سے باہر جہانگیر کو جلد از جلد اس امر سے آگاہ کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس کے ذاتی باڈی گارڈ شیخ بازید نے ملکہ کا ڈھارس بندھاتے ہوئے جہانگیر کو باخبر کرنے کا فرض اپنے ذمہ لے لیا۔ رات کے اندھیرے میں محل سے نکل اسپ تازی پر سوار دن رات کا سفر گھنٹوں میں طے کر کے لکھنؤ کے قریب کیمپ میں پہنچ کے جہانگیر کو کل ماجرا سے آگاہ کیا۔ جہانگیر نے کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر دو ہزار گھوڑ سوار اپنے ساتھ لئے اور دوسرے دن پو پھٹنے سے پہلے آگرہ پہنچ گیا۔ محل میں داخل ہو کر مغل اعظم کو کورنش بجا لایا۔ خیریت پوچھی' عیادت کی اور آخر میں اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے کہا "ابا حضور! آپ کا فرزند اکبر اپنا حق مانگتا ہے" اکبر نے دیوار کے ساتھ پڑی ہوئی مرصع ترپائی پر پڑے تاج شاہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیوار سے لٹکتی ہوئی تلوار اٹھانے کے لئے کہا جہانگیر نے آگے بڑھ کر یہ دونوں چیزیں اٹھالیں اور شہنشاہ ہند بن گیا۔

جہانگیر نے اپنی والدہ مریم زمانی بیگم کی سفارش پر شیخ بازید کو اس خدمت کے اعتراف میں پرگنہ نواب گنج ضلع لکھنؤ میں اپنے نام پر ایک بستی جہانگیر آباد بسانے کی اجازت دے دی اور خوش ہو کر اس کی عزت افزائی کے لئے اسے "راجہ" کے خطاب سے نوازا۔

اکبر اعظم کے معتمد خاص اور فاتح کشمیر کمانڈر شیخ فرید بخشی کو جہانگیر نے مستقل طور پر اپنی ملازمت میں لے لیا اور اسے اپنی باغی بیٹے شہزادہ خسرو کی گرفتاری اور قلعہ لاہور کی واگزاری پر مامور کیا۔ شیخ نے مختصر سے فوجی دستہ سے رات کے اندھیرے میں اچانک چھاپہ مار کر قلعہ پر قبضہ کر لیا مگر شہزادہ خسرو ہاتھ نہ لگ سکا۔ وہ بمعہ اپنے فوجی کمانڈرز میاں عبدالعزیز اور مرزا حسین بیگ کے بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا مگر شومئی قسمت دریائے چناب کو عبور کرتے ہوئے تینوں گرفتار ہوئے۔ شہزادہ کو پابہ زنجیر لاہور لایا گیا اور بارہ دری کامران میں مقیم جہانگیر کے سامنے پیش کیا گیا۔ میاں

عبدالعزیز اور مرزا حسین بیگ کو بالترتیب گدھے اور بیل کی کھالوں میں سی کر لاہور شہر کی گلیوں میں پھرایا گیا۔ یہ دونوں تین دن تک کھالوں میں بند تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ شہزادہ خسرو کو جہانگیر نے اپنے ایک وفادار راجپوت آفیسر اونا رائے قلعہ دار کی تحویل میں دے دیا جہاں یہ بدنصیب شہزادہ آٹھ سال تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتا ہوا راہی ملک عدم ہوا۔ انہیں دنوں شیخ بازید کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کے اکلوتے بیٹے شہباز کا انتقال پہلے ہی ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس کے پوتے شیخ عنایت خاں کو جہانگیر آباد کا جاگیردار مقرر کیا گیا۔ اس جاگیر کے علاوہ اسے جاگیر ہلیراہ سے بھی کچھ حصہ دیا گیا۔ شیخ عنایت خاں کی اولاد میں سے شیخ رزاق بخش ہوا ہے جس کو نواب آف اودھ نے شاندار فوجی خدمات کے اعتراف میں "راجہ" کا خطاب دیا اس کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی صرف ایک لڑکی تھی جس کی شادی ایک زمیندار شیخ فرزند علی سے ہوئی۔ شیخ فرزند علی نواب واجد علی شاہ کا وفادار دوست تھا۔ چنانچہ 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں نے جب واجد علی شاہ کو گرفتار کر کے کلکتہ کے قلعہ فورٹ ولیم میں بند کر دیا تو شیخ فرزند علی کو بھی ساتھ ہی دھر لیا گیا۔ اس کی تمام جائیداد ضبط کر لی گئی۔ قید سے رہائی کے بعد اس نے صوبہ اودھ میں از سر نو زمینداری کا کام شروع کرنے کے لئے زرعی اراضی کے وسیع قطعات خرید کئے اور 1873ء تک اس جائیداد میں اضافہ کرتے کرتے 65 گاؤں کا بلا شرکت غیرے واحد مالک بن گیا 1881ء میں اس کا بغیر اولاد نرینہ کے انتقال ہو گیا۔ اس کی اکلوتی بیٹی زیب النساء کی شادی راجہ تصدق رسول نے جنگ آزادی (1857ء) میں نگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا لہٰذا اس وفاداری کے صلہ میں اس کو جہانگیر آباد کی جاگیر اور اس کے علاوہ 94 گاؤں کی ایک اضافی جاگیر عطا ہوئی۔

اسی خاندان میں سے شیخ حامد علی، شیخ فرزند علی، شیخ صابر احمد، شیخ زین العابدین، قاضی جمال، شیخ ابوالحسن، شیخ واجد حسین، شیخ نظیر حسین تعلقداران اور شیخ شاہد حسین (کیمبرج یونیورسٹی گریجویٹ) مشہور ڈپٹی کمشنر ہوئے ہیں۔ قدوائیوں کے جسمارہ خاندان

سے شیخ قائم الدین، شیخ عبدالمالک، شیخ محمد حامد، شیخ فخراللہ اور شیخ مظہر علی ہوئے ہیں۔ شیخ مظہر علی نے اپنی جائیداد منقولہ میں اضافہ کرنے کیلئے لکھنؤ کے دو ہندو چوہدریوں دولت رائے اور جسونت رائے کی تمام اراضیت منہ بولے داموں نقد روپیہ دے کر خرید لیں س نے 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کا ساتھ دیا مگر آزادی کے متوالوں نے موقعہ پا کر اسے گرفتار کر لیا اور بعد میں قتل کر ڈالا۔ اس کی بیوہ مسماۃ شمس النساء اور اس کا بیٹا شیخ محسن علی تعلقدار جسمارہ، مراد آباد اور محمد پورہ ہوئے ہیں اسی لائن میں سے شیخ محمد اسماعیل، شیخ میر اللہ، شیخ اصغر علی اور شیخ صمصام علی ہوئے ہیں جو جنگ آزادی کے بعد اپنے اپنے علاقہ میں کامیاب تعلقداران ہوئے ہیں۔ انیسویں صدی کے آخر میں شیخ سر امیر حسین خان بہادر کے سیالس آئی راجہ آف محمود آباد ہوئے جن کا 1902ء میں انتقال ہو گیا اور ان کا بیٹا شیخ علی محمد راجہ آف محمود آباد مقرر کیا گیا۔

شاہ جہان کے عہد میں شیخ سالار ساہو کی اولاد میں سے شیخ ناصر کی فوجی خدمات کے اعتراف میں پرگنہ بھٹ ول کا چوہدری مقرر کیا گیا۔ اسی کی اولاد میں سے شیخ لطف اللہ اور شیخ سرفراز احمد ہوتے ہیں۔ جنہوں نے 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف آزادی کے متوالوں کے بھرپور ساتھ دیا جس سے اودھ میں انگریزوں کے پاؤں اکھڑ گئے بعد میں پنجاب سے سکھوں ڈوگروں کے اور بعض خود غرض اور غداران قوم مسلمانوں پر مشتمل فوجی دستوں کی مدد سے انگریزوں نے اودھ میں اپنا اثر و رسوخ دوبارہ قائم کر لیا اور مولی فیض آبادی کے ساتھ ان شیوخ کو بھی گرفتار کر لیا انگریز انہیں سخت ترین سزا دینا چاہتے تھے مگر عوام میں ان کی ہر دلعزیزی کے پیش نظر سیاسی مصلحت کی بنا پر انہیں رہا کر دیا گیا اور ان کو ساتھ ملانے کے لئے ان کی چھینی ہوئی جائیدادیں اور جاگیریں انہیں واپس کر دیں گئیں۔ شیخ سرفراز احمد کے لڑکے چوہدری مرتضٰی حسین کو آزادی کے متوالوں نے گرفتار کر لیا۔ مگر انگریزوں کی فتح کے بعد اسے

رہائی مل گئی۔ انگریزوں سے وفاداری کے صلہ میں اسے سکندر پور اور شریف پورہ کی جاگیریں عطا ہوئیں۔

شاہجہاں ہی کے عہد میں شیخ ضیاء الدین عثمانی، شیخ عبدالسلام اور قاضی بدر الدین شاہی منشیاں ہوئے جنہیں اپنی حفاظت کے لئے دو دو ہزار گھڑسواروں پر مشتمل دستے رکھنے کی خاص اجازت تھی اور ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے انہیں مناسب جاگیریں ملی ہوئی تھیں۔ ملاں فرید منجم ملتانی شاہجہان کے دربار میں منجم اعلیٰ تھا۔ اس نے مختلف سیاروں پر مبنی ایک زائچہ تیار کیا اور اس کا نام "زائچہ شاہجہانی رکھا جس کے صلہ میں اسے جاگیر عطا کی گئی۔

شہنشاہ اورنگ زیب

اس فرمانروا نے اپنے بوڑھے والد کی زندگی میں ہی اپنے بھائیوں کو ٹھکانے لگا کر سلطنت ہند کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ اس وقت صوبہ اودھ میں واقع ہلراہ، جسمانہ، سا کھیہ، محمود آباد، سیدان پور، اور جہانگیر آباد کی جاگیر اور اضلاع سلطان پور، اناؤ، لکھنؤ، سیتاپور، گونڈہ اور بجنور میں شیخوں کی تعلقداریاں زرعی ترقی میں مثالی حیثیت اختیار کرنے کے علاوہ اسلامی سرگرمیوں کے مراکز میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ جابجا دینی مدارس، مسافر خانے اور یتیم خانے کامیابی کے ساتھ قائم ہو چکے تھے اور غیر مسلم خصوصاً" ذات پات کے قانون کے ستائے ہوئے مظلوم اچھوتوں کی خاصی تعداد مشرت بہ اسلام ہو کر اسلامی برادری میں مدغم ہو چکی تھی۔ شہنشاہ اورنگ زیب شیخوں کی اسلامی طرز زندگی، جذبہ خدا پرستی، تبلیغی خدمات، حسن انتظام، اور خاندان مغلیہ سے ان کی والہانہ محبت اور وفاداری سے بڑا متاثر ہوا۔ وہ چونکہ خود اک راسخ العقیدہ سنی مسلمان تھا اور تفرقہ بازی یا مذہبی تعصب کو ہوا دینے والے مفاد پرست عناصر کا سخت دشمن تھا لہٰذا بدیں وجہ اس کا سماہ شیخوں کی طرف جھکاؤ دن بدن زیادہ

ہونے لگا اور ان پر التفات و مراعات کے دروازے کھول دیئے گئے۔

اورنگ زیب مسلم اور غیر مسلم ہندی قبائل اور خاص کر شیعہ مسلک سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی وفاداریوں پر سخت شک کیا کرتا تھا اور ان کے لئے اعلیٰ سرکاری ملازمتوں خاص کر فوج میں شمولیت بالکل بند کر رکھی تھی۔ البتہ راجپوتوں میں سے چیدہ چیدہ بلند اخلاق اور باصلاحیت اشخاص کو اس نے حسب لیاقت ملازمتیں دے رکھیں تھیں۔ انہیں راجپوتوں میں سے ایک راجہ روپ سنگھ کی بیٹی سے اس نے اپنے بڑے بیٹے معظم کی شادی کر رکھی تھی۔

خاندان مغلیہ کے درباروں میں سے دربار عالمگیری ہی ایسا دربار تھا جو علمبرداران اسلام سامہ شیخوں سے بھرا پڑا تھا' دکن' گجرات اور بنگال کی مہمات کو توکلی طور پر ان کی سپردگی میں دے رکھا تھا اور انہیں کی بصیرت' باوریا ور قربانیوں کے نتیجہ میں یہ تینوں علاقے سلطنت مغلیہ کا حصہ بنے۔

شہنشاہ عالمگیر کا دین محمد سے والہانہ عشق اور شیخوں پر خاص نظیر لطف کی شہرت سن کر برصغیر کے کونے کونے سے سامہ قبیلہ کے اہل علم و دانش اور شجاع افرد دہلی جمع ہونا شروع ہو گئے ان میں علم و فضل کے ساتھ ساتھ زاہدوں کا زہد عابدوں کا سرگرمیاں اور سپاہیوں جیسی چستی جیسے اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ شہنشاہ نے ان ستاروں کو درجہ بدرجہ مختلف محکموں میں کلیدی آسامیوں پر تعینات کر کے اپنی وسیع سلطنت کو بے وفا' دھوکا باز' خود غرض اور خوشامدی لوگوں کی دست برد سے محفوظ کر لیا۔

پچھلے اوراق میں سامہ شیخوں کے مختصر کارنامے اور ہر دور میں ان کی انفرادی اور اجتماعی خدمات کا ذکر آ چکا ہے۔ اب ذیل میں عہد عالمگیری میں ساماؤ کی دونوں شاخوں "سامہ شیخ" اور "سامہ رائین" منصبداران کی فہرست درج کی جاتی ہے جس سے اس عظیم قبیلہ کی توقیر و عظمت اور اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

فہرست منصب داران خاندان سامہ عہد عالمگیری میں

نمبر شمار	نام منصبدار	منصب	تعداد سپاہ گھوڑ سوار پیدل	کیفیت
1-	ملاں احمد آف نابتھ	شش ہزاری	6000/6000	ڈویژن کمانڈر
2-	شیخ محمد قاسم	پنج ہزاری	5000/4000	" "
3-	شیخ عبدالقوی	" "	" "	" "
4-	5000/3000 " "			
5-	شیخ فرید ولد شیخ قاسم	" "	5000/4000	یہ منصب وراثت میں باپ کی وفات پر بیٹے کو منتقل ہوا
6-	شیخ فخر اللہ چیف پے ماسٹر برائے افواج شاہی، بنگال	" "	5000/3000	ڈویژنل کمانڈر
7-	میاں عبدالرؤف میانہ	ہفت ہزاری	7000	انفنٹری بریگیڈ کمانڈر
8-	ملاں یحییٰ مخلص	دو ہزاری	2000/1500	کرنل کمانڈنٹ
9-	شیخ عبدالکریم تھانیسری	" "	2000/1000	" "
10-	ملاں عبدالسلام لاہور	" "	2000/-	" "
11-	ملاں اسد اللہ ولد ملاں احمد نابتھ	" "	2000/1000	جونیئر کرنل کمانڈنٹ
12-	شیخ عبدالعزیز	" "	1500/700	لیفٹیننٹ " "
13-	میاں عبدالعزیز میانہ	" "	2000/500	" " "
14-	حاجی میاں احمد سعید ولد میاں محمد سعید	یک ہزاری	1000/700	" " "
15-	شیخ نظام قریشی	" "	1500/1000	" " "
16-	شیخ نظام الدین ولد شیخ فرید	" "	1000/500	" " "
17-	شیخ عبدالسلام ولد شیخ عبدالرحمٰن محمد جان	یک ہزاری	1000/500	" " "

18-	شیخ میراں منور	" "	1000/-	" " پیدل پلٹن
19-	میں عبدالحمید میانہ ولد میں اخلاص میانہ	" "		1000/- بریگیڈ کمانڈر
20-	شیخ مخدوم فاضل آف ٹھٹھہ	" "		3000/- کرنل کمانڈنٹ
21-	شیخ سلیمان فاضل	" "	1500/-	" "
22-	شیخ محمد ابراہیم	" "	2000/-	" "
23-	میاں محمد علی ملتانی	" "	3000/-	" "
24-	میاں محمد فاضل لاہور	" "	2000/-	" " مورث اعلیٰ باغبانپورہ فیملی دکن کی مہم میں حصہ لیا
25-	شیخ محمد عارف لاہوری	" "	2000/-	مورث اعلیٰ کشار بندال فیملی دکن کی مہم میں حصہ لیا
26-	شیخ سیف اللہ اعرابی	" "	1000/-	لیفٹیننٹ کرنل کمانڈنٹ
27-	شیخ ابوالفتح نور پوری	" "	1000/-	" "
28-	شیخ عبداللہ ذاتی ملازم شہزادہ شاہ عالم	" "		5000/-

(نوٹ) جنگی مہمات میں شمولیت پر ان افواج کے تمام اخراجات خزانہ سرکار سے پورے کئے جاتے تھے اور زمانہ امن میں منصبداران اپنی سپاہ کے تمام اخراجات خود برداشت کرتے تھے جن کے لئے انہیں مناسب جاگیریں ملی ہوئی تھیں۔

اورنگ زیب کا انتقال اور حصول اقتدار کے لئے خانہ جنگی

شہنشاہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر نصف صدی تک کامیاب حکومت کرنے کے بعد 1707ء کے ماہ مارچ میں احمد نگر کے کیمپ میں 89 برس کی عمر میں فوت ہوا۔ اس کی موت کے بعد اس کے تینوں بیٹوں میں حصول اقتدار کی جنگ چھڑ گئی۔ اس

وقت اس کا بڑا بیٹا معظم وائسرائے کابل تھا اور منجھلا بیٹا اعظم باپ کے پاس مقیم تھا اورنگ زیب کا چہیتا اور سب سے چھوٹا بیٹا کام بخش بیجاپور کا گورنر تھا۔ معظم نے یکے بعد دیگرے دونوں بھائیوں کو شکست دے کر قتل کر ڈالا اور بہادر شاہ کا لقب اختیار کر کے خود فرمانروائے ہندوستان بن گیا۔

قطب الدین محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ کے انتقال کے بعد 1821ء تک مغلیہ خاندان میں سے یک ۔بعد دیگرے آٹھ کٹھ پتلی قسم کے حکمران ہوئے۔ اقتدار کی جنگ کے لئے ان کی آپس میں دھینگا مشتی، قتل و غارت گری اور تن آسانی نے خاندان مغلیہ کی جڑیں کھوکھلی کر کے رکھ دیں۔ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مرہٹوں اور سکھوں نے اودھم مچانا شروع کر دیا نادر شاہ نے سرزمین پنجاب اور دہلی کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ جنوبی ہند میں پرتگیز، فرانسیسی اور انگریز سازشوں کا جال بچھا کر آہستہ آہستہ ساحلی علاقوں پر اپنا قبضہ جمانے میں مصروف تھے۔ غرضیکہ ایک افراتفری اور کسمپرسی اور چھینا جھپٹی کے عالم تھا ان حالات کے تحت جب شاہی خاندان تیزی سے روبہ زوال ہونے لگا تو سامہ شیخوں نے دربار دہلی سے اپنے تعلقات منقطع کرتے ہوئے ملکی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنی توجہ زیادہ تر اپنی جاگیروں کی حفاظت اور ترقی پر مرکوز کر دی اور اس طرح 1857ء میں جنگ آزادی کے موقع تک وہ بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر نوابان اودھ اور بعد میں انگریزوں کے وفادار بن کر اپنا سیاسی اور فوجی کردار ادا کرتے رہے جس کا تفصیلی ذکر آپ پچھلے اوراق میں پڑھ آئے ہیں۔

جنگ آزادی کے بعد اودھ میں تقسیم ہند تک سامہ شیخوں کے حالات

جنگ زادی میں آپس کی پھوٹ، خود غرضی اور طالع آزما لوگوں کی وطن دشمنی کے نتیجہ میں انگریز ہندوستانیوں پر غالب آ گئے۔ انہوں نے غداران وطن کو "خدمات"

کے صلہ میں کم و بیش پانچ سو بیاسی (582) چھوٹی بڑی ریاستیں اور جاگیریں دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اور اس طرح جلد ہی اپنے قدم مضبوطی کے ساتھ جما کر ہندوستان کو برٹش ایمپائر میں شامل کر لیا۔ چنانچہ ان حالات کے تحت سامہ شیخ بھی آخر کار انگریزوں کے حامی اور وفادار بن گئے۔ انگریزوں نے ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کے لئے صوبہ اودھ اور علاقہ دہلی میں انہیں نہ صرف اپنی پہلے والی جاگیریں اور تعلقداریوں پر قابض رہنے دیا۔ بلکہ خاص طور پر ضلع بانکی پور میں زیدپور' فتحپور' دریا آباد' نواب گنج' رام نگر' سورج پور اور سلیمان پور وغیرہ جیسی نئی تعلقداریاں قائم کر کے انہیں بھی ان کی تویل میں دے دیا اور اس طرح صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ میں واقع چونتیس (34) تعلقداریوں میں سے اکیس (21) پر شیخوں کا قبضہ ہو گیا جو جاگیروں کے علاوہ تھا۔ بقایا تیرں (13) تعلقداریاں مندرجہ ذیل نسبت سے دوسری برادریوں کے پاس رہیں۔

1- سید برادری = سات عدد

2- راجپوت برادری = پانچ عدد

3- پٹھان برادری = ایک عدد

شیخوں کی ان اکیس تعلقداریون میں سے بھٹ والی کی تعلقداری رقبہ میں سب سے بڑی تھی جس کا تعلقدار تقسیم ہند کے وقت چوہدری مصطفےٰ حسین تھا اور موضع سلیمان پور میں رہائش رکھتا تھا دوسرے درجہ پر دیواہ کی تعلقداری آئی ہے جس پر تقسیم ہند تک شیخ سالار ساہو کے فوجی کمانڈر شاہ اویس کی اولاد کا قبضہ رہا ہے۔ تیسرے درجہ پر دین پناہ کی تعلقداری تھی جو پانچ گاؤں پر مشتمل تھی اور اس طرح 1947ء کے اختتام تک چھ بڑی جاگیریں محمود آباد' جہانگیر آباد' سالیکھی' پہلیراہ' جسمارہ اور سائیدان پور کے علاوہ اکیس مندرجہ بالا تعلقداریوں پر سامہ شیخوں کے مختلف گھرانوں کا قبضہ رہا۔

اودھ میں سامہ شیخ بیسویں صدی عیسوی میں

تقسیم ہند کے بعد گو آج تک سامہ شیخوں کی املاک اپنی جگہ پر قائم ہیں مگر ان میں سے کئی ایک ان کی فضول خرچی کی وجہ سے قرضوں کے بوجھ تلے بری طرح دب چکے ہیں۔ ایسے بھی آزادی کے بعد بھارتی حکومت نے ریاستوں اور جاگیروں پر کنٹرول کر لیا ہے لہٰذا ان وسیع جائیدادوں اور املاک کے مستقبل کے متعلق مزید کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ آزادی سے پیدا شدہ نئے ماحول نے گو سامہ شیخوں کی شاہانہ زندگی کو خاصی حد تک متاثر کیا مگر پھر بھی انہوں نے اپنے درخشندہ ماضی اور وسیع املاک کے تحفظ کے لئے ہر ممکن طریقہ استعمال کیا۔ چنانچہ ان کی بھاری تعداد یا تو ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی کانگریس میں شامل ہو گئی یا بہت سے لوگ اس پارٹی کے مداح بن کر اپنے آپ کو نیشنلسٹ مسلمان کہلانے لگ گئے۔ ان لوگوں میں سے سامہ شیخوں کا قدوائی گھرانہ تو مکمل طور پر نہرو خاندان اور کانگریس پارٹی کا غیر مشروط وفادار بن چکا ہے چنانچہ یہ طریقہ استعمال کرنے سے وہ کافی حد تک اپنے تحفظ کر کے بھارتی حکومت میں وزارتیں اور اعلیٰ عہدے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں چنانچہ اس گھرانہ سے شاذونادر ہی کوئی فرد تقسیم ہند کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آیا ہو اس حکمت عملی سے انہیں انفرادی طور پر کچھ فائدہ ضرور ہوا ہے مگر مجموعی طور پر سامہ شیخوں میں اتفاق و یکجہتی اور ان کے تبلیغی مشن کو خاصا دھچکا لگا ہے۔ بیسویں صدی عیسوی یعنی موجودہ دور میں اس گھرانہ میں میاں رفیع احمد قدوائی استاد زمان منشی احمد علی قدوائی' مولانا عبدالسلام قدوائی' حافظ ابراہیم قدوائی' مسٹر کے ایم قدوائی اور میاں محمد آصف قدوائی ایم اے بہت مشہور ہستیاں ہیں میاں رفیع احمد قدوائی 18 فروری 1891ء کو بارہ بنکی میں امتیاز علی قدوائی ریٹائرڈ منیجر کورٹ آف وارڈز کے گھر پیدا ہوئے اور اپنے زمانہ میں چوٹی کے وکیلوں میں شمار ہوتے تھے۔ پنڈت موتی لعل نہرو اور ان کے فرزند پنڈت جواہر لال نہرو کے معتمد خاص ہونے کی وجہ سے نہرو فیملی میں رچ بس گئے تھے اور

مرتے دم تک نہرو خاندان اور کانگریس پارٹی کے مداح اور وفادار رہے۔ بدیں وجہ ہندو لوگ انھیں بطور نیشنل ہیرو مانتے ہیں اور ابھی تک ان کی قومی اور کانگریسی زندگی پر کئی مقالے لکھے جا چکے ہیں لکھنؤ میں مشہور کانگریسی جریدہ "نیشنل ہیرلڈ کے فونڈر ڈائریکٹر رہے ہیں اور یو پی میں وزیر داخلہ' وزیر زراعت اور وفاقی حکومت میں وزیر زراعت اور وزیر مواصلات بھی رہے ہیں آپ نے 24 اکتوبر 1957ء کو وفات پائی اور بارہ بنکی کے نواح میں اپنے آبائی گاؤں میں سپرد خاک کئے گئے۔

استاد زمان منشی احمد علی شوق قدوائی لکھنوی نواب رامپور کے ایما پر آصفیہ فرہنگ (اردو ڈکشنری) ترتیب دیتے رہے۔ تقسیم ہند سے قبل پچیس ہزار الفاظ ڈکشنری میں شامل کرنے کا سہرا آپ کے سر ہے (معلوم ہوا ہے کہ ابھی حال ہی میں ان کا انتقال ہو گیا ہے)۔

مولانا عبدالسلام قدوائی مدیر ماہانہ "معارف" لکھنؤ ہیں۔ حافظ محمد ابراہیم یو پی کے وزیر زراعت رہے ہیں اب وہ وفات پا چکے ہیں۔ میاں محمد آصف قدوائی ایم اے پی ایچ ڈی نے دینی کتب کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کے کام کے لئے اپنی زندگی کی وقف کر رکھی ہے۔ مسٹر کے ایم قدوائی زیر مملکت حکومت ہند ہیں اور محسنہ قدوائی سوشل امورات (صحت و خاندانی بہبود) کی وزیر ہیں۔ قدوائی گھر زیادہ تر ضلع لکھنؤ' سلطان پور اور بارہ بنکی میں آباد ہے اور ہندو سامراج کے اس گئے گزرے زمانہ میں بھی ابھی تک صرف ضلع لکھنؤ میں اس گھرانہ کے پاس باون گاؤں کے مالکانہ حقوق ہیں اور چودہ تعلقداریوں میں سے آٹھ پر ان کا قبضہ ہے۔

قدوائیوں کی دیکھا دیکھی سلماؤں کے دوسرے گھرانوں نے بھی اپنا تشخص الگ قائم کرتے ہوئے ملک کی مختلف قومی اور مذہبی تنظیموں میں حصہ لینا شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں سیاسی لحاظ سے یہ برادری دو بڑے دھڑوں میں بٹ گئی۔

پہلا گروہ نیشنلسٹ شیخوں یعنی قدوائیوں کا کانگریس کے ساتھ حکومت برطانیہ سے عدم تعاون کی تحریک میں شامل ہو کر ہندو کانگریس ممبروں کے ساتھ جیل کی صعوبتیں جھیلتا رہا اور دوسرا گروہ 1906ء میں سر میاں محمد شفیع کی قیادت میں تشکیل شدہ مسلمانوں کی پولیٹیکل پارٹی مسلم لیگ میں شامل ہو گیا 1913ء میں لکھنؤ کے شیخوں کی کوششوں سے میاں محمد شفیع کی صدارت میں مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوؤں کے ناپاک عزائم سے آگاہ کرتے ہوئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی تلقین کی گئی اور مندرجہ ذیل دو ریزولیوشن پاس کئے گئے۔

1- مسلم لیگ اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کی تعمیر و ترقی کا انحصار اس بات پر ہے کہ مختلف فرقے یکسانیت اور اتحاد سے کام کریں۔

2- ہندوستان کے لئے آئینی ذرائع سے مکمل خود مختاری حاصل کرنے کے لئے قومی اتحاد میں استحکام پیدا کیا جائے۔

اسی تنظیم نے علی گڑھ کالج کو مسلم یونیورسٹی میں تبدیل کرنے کا کام شروع کیا جس میں سامہ شیخوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پنجاب میں میاں محمد شفیع اور بیگم شاہنواز نے تمام صوبہ سے ایک رقم خطیر جمع کر کے اس واحد اسلامی ادارہ کو یونیورسٹی کے درجہ تک پہنچانے میں بے مثل کردار ادا کیا۔

سائمن کمیشن کے بعد اس زمانے میں آل انڈیا مسلم لیگ دو دھڑوں میں بٹ چکی تھی بلکہ دو متوازی لیگیں بن چکی تھیں۔ ایک کے صدر قائداعظم محمد علی جناح اور سیکرٹری ڈاکٹر سیف الدین کچلو تھے اور دوسری کے صدر سر میاں محمد شفیع اور سیکرٹری علامہ اقبال تھے۔ گو دونوں لیگیں بنیادی مطالبات میں متفق تھیں مگر اختلاف کی بات یہ تھی کہ جناح صاحب مخلوط انتخاب کے حامی تھے اور شفیع صاحب جداگانہ انتخاب چاہتے تھے اور اس سلسلہ میں انہیں سامہ شیخوں کی مکمل حمایت حاصل تھی۔ آخر کار دہلی میں

منعقدہ اجلاس میں شامل بساطہ شخوں کے ایما پر سر میاں محمد شفیع نے اتحاد المسلمین کی خاطر عہدہ صدارت چھوڑ دیا اور جناح صاحب صدر آل انڈیا مسلم لیگ منتخب ہو گئے۔

انجمن راعیان ہند کا قیام

ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک میں مختلف ہندی اقوام کے درمیان با عزت طور پر رہ کر ملکی معاملات میں مناسب حصہ لینے اور اپنی بقاء اور حقوق کے تحفظ کے لئے بدلتے ہوئے حالات کے تحت مسلمانوں کو اب اپنے آپ کو نئے خطوط پر منظم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ اس عظیم کام کی ابتداء سب سے پہلے صوبہ پنجاب سے کی گئی جہاں مسلمانوں کی سب سے بڑی شاخ رائین کثیر تعداد میں آباد تھی۔ باہمی نظم و ضبط اور اصلاح و تعمیر کے لئے لائحہ عمل ترتیب دینے کی خاطر رائین دانشوروں کا پہلا باقاعدہ اجلاس 4 اپریل 1894ء کو منشی محمد بخش ناظر کے مکان واقع جالندھر شہر میں ہوا۔ اس نشست میں شریک ہونے والے معززین میں مولوی محمد اکبر علی صوفی کے علاوہ خان صاحب میر نظام الدین' صوبیدار میجر میاں غلام حسین جالندھری' مولوی محمد ابراہیم نمبردار کرتال اور سردار نور محمد رئیس گنجہ کلاں (عثمان والا) لاہور جیسی شخصیات شامل تھیں۔ اس سلسلہ میں دوسرا اجلاس "گنڈا سنگھ والا" میں سردار نور محمد رئیس گنجہ کلاں و آنریری مجسٹریٹ کے زیر صدارت 1898ء میں ہوا۔ تیسرا اجلاس بھی سردار صاحب کی صدارت میں ہوا لیکن سوائے زبانی جمع خرچ کے اور کوئی ٹھوس قدم نہ اٹھایا جا سکا۔ کوششیں جاری رہیں اور صوفی محمد اکبر صاحب کے رفقائے کار میں ملک تاج الدین بی اے اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ جنرل ڈاک خانہ جات پنجاب اور لاہور کے خاندان کشار بنداں کے چوہدری غلام حیدر عمر بھی شامل ہو گئے۔ انجمن راعیاں قائم کرنے کے لئے سر میاں محمد شفیع کی کوٹھی پر ایک اجلاس میں تجویز منظور ہو گئی اور اس ریزولیوشن کو عملی شکل دینے کے لئے میاں احسان الحق بیرسٹر جالندھری' خلیفہ غلام حیدر ایڈووکیٹ راجپوری' قاضی علی محمد انبالوی' میاں عبدالعزیز برائیٹ لاء اور میاں

پری بخش کٹار بند لاہور جیسے حضرات بھی میدان میں آ گئے۔ چنانچہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ 5 اپریل 1951ء کو "انجمن راعیان ہند" معرض وجود میں آ گئی جس کا پہلا باقاعدہ اجلاس زیر صدارت سر میاں محمد شفیع منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل حضرات منتخب ہوئے۔

1- جنرل سیکرٹری: ملک تاج دین بی اے

2- جائنٹ سیکرٹری: میاں عبدالرشید

3- اسسٹنٹ سیکرٹری: چوہدری غلام حیدر عمر

4- فنانس سیکرٹری: میاں جلال الدین فاروقی

5- سفیر انجمن: قاضی فتح محمد انبالوی

سر میاں محمد شفیع کی کوششوں سے چیف جسٹس میاں شاہدین، خان بہادر حاجی نور برہان، مہر نظام الدین، ملک دین محمد رئیس سانده کلاں اور میاں غلام حیدر کٹار بند اس تنظیم کے بنیادی اراکین کی صف میں شامل ہو گئے۔ مرکزی انجمن کے قیام کے بعد جلد ہی پنجاب کے متعدد شہروں میں بھی اس کی شاخیں قائم ہو گئیں اور اس کے بعد مندرجہ ذیل چار بڑے اجلاس ہوئے۔

1- 15 اپریل 1915ء لاہور۔ زیر صدارت سر میاں محمد شفیع

2- 19 اپریل 1916ء لاہور۔ زیر صدارت حافظ عبدالحلیم خلف الرشید ملک التجار حاجی عبدالرحیم پٹیالوی

3- 6 اپریل 1917ء پٹیالہ۔ زیر صدارت حافظ عبدالحلیم پٹیالوی

4- 5 فروری 1918ء امرتسر۔ زیر صدارت ملک دین محمد رئیس اعظم سانده کلاں

کہنے کو تو یہ تنظیم "انجمن راعیان ہند" کہلاتی تھی مگر حیران کن بات یہ ہے کہ اس میں پنجاب کی رائین برادری کے افراد کے سوا ہندوستان کے اور کسی صوبہ سے سلاؤں کی دوسری شاخوں کی کوئی نمائندگی نہ تھی جس کے نتیجہ میں صوبہ دہلی، متحدہ

آگرہ و اودھ (موجودہ اتر پردیش) سی پی (موجودہ مدھیہ پردیش) بنگال' بہار اور دوسرے دور دراز علاقوں میں یہ تنظیم بالکل بے اثر ہو کر رہ گئی لہٰذا اسی بنا پر کانپور (یو پی) کے ملک التجار' سوداگر چرم حافظ میاں محمد علیم کی زیر صدارت 1918ء میں ہندوستان کے مندرجہ بالا صوبوں سے چیدہ چیدہ حضرات کا ایک اجلاس خاص منعقد کیا گیا جس میں آل انڈیا جمیعتہ الراعین نام کی ایک تنظیم تشکیل دی گئی جس کے بالترتیب تین اجلاس الہ آباد' کلکتہ اور کانپور میں ہوئے مگر بدقسمتی سے میاں صاحب کی وفات کے ساتھ ہی یہ تنظیم جمود و تعطل کا شکار ہو کر دم توڑ گئی۔

آخر کار تغیرات ار انقلابات زمانہ کو بھانپتے ہوئے بہار شریف کے نوجوانوں نے اپنے بزرگوں اور اکابرین کی حمایت و قیادت میں فولادی ارادوں کے ساتھ ایک سماجی تنظیم قائم کرنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ صوبہ بہار کے وہ "شیخ" (جو پنجاب میں سب سے بڑی اور باثر سلسلہ شاخ "راعین" کے نام پر اپنے آپ کے "شیخ راعین" کہلواتے تھے) ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے اور مورخہ 26 جولائی 1936ء کو اپنی نئی تنظیم "بہار شریف سب ڈویژنل جمیعتہ الراعین" قائم کی اور راعین تحریک کو فروغ دینے کے لئے از سر نو کوششیں شروع کر دیں۔ اسی تنظیم کا پہلا اجلاس داناپور صوبہ بہار میں زیر صدارت مولوی عبدالمالک صاحب ایڈووکیٹ منعقد ہوا۔ جس میں تنظیم کا نام "ریاستی جمیعتہ الراعین" رکھا گیا چنانچہ اسی نام کے ساتھ اس تنظیم کی ذیلی شاخیں صوبہ بہار کے دیگر اضلاع میں قائم کر دی گئیں۔

2/3 اکتوبر 1937ء کو زیر صدارت ڈاکٹر عبدالشکور' داناپور میں تنظیم کی شاخ قائم ہوئی جس کے جنرل سیکرٹری زین الدین ایڈووکیٹ آف سمستی پور منتخب ہوئے۔ اس تنظیم کو مزید فعال اور مضبوط بنانے اور پنجاب میں قائم شدہ انجمن راعیاں سے منسلک کرنے کے لئے اپریل 1951ء کو پٹنہ میں ایک عظیم الشان اجتماع کا اہتمام کیا گیا جس میں فخر قوم جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی صدر آل انڈیا مجلس احرار کو خاص

طور پر مدعو کر کے کرسی صدارت پیش کی گئی۔ اس کے بعد حسب ہدایت مولانا صاحب ہندوستان میں آباد سامہ شیخوں کو رائین شاخ میں مدغم کرنے کے لئے جدوجہد شروع ہو گئی۔ 1956ء میں 3/4 نومبر کو پٹنہ میں زیر صدارت ڈاکٹر محمد یٰسین ایم اے' پی ایچ ڈی' ایک اور اجلاس ہوا جس کے بعد سامہ شیخوں کی رائین شاخ میں شمولیت کا کام تیز ہو گیا 29 فروری 1976ء کو الٰہ آباد میں "جمیعتہ الرائین" کا ایک اور اجلاس ہوا جس میں پنجاب اور ہند کی دونوں رائین تنظیموں کو ہمرنگ اور ہم آہنگ بنانے کے لئے ایک نیا دستور العمل منظور کیا گیا جس کی اساس قومی یک جہتی' اتحاد و اتفاق اور اسلامی ضابطہ حیات اور اخوت و مساوات پر استوار کی گئی اور اس طرح ہندوستان میں صوبائی' ضلعی اور شہری سطح پر قائم شدہ تنظیموں کو ایک دستور' ایک نصب العین اور ایک پلیٹ فارم پر لے آیا گیا جس سے دیکھتے ہی دیکھتے تنظیم میں وسعت' طاقت و توانائی اور روز افزوں ترقی کے آثار نمایاں نظر آنے لگے۔ بعد ازاں یکے بعد دیگرے اس تنظیم کے اجلاس کانپور لکھنؤ' جے پور "گیا" کلکتہ اور رائین نگر رانچی میں ہوئے اور آخر کار 14 مئی 1978ء کو س تنظیم کے عہدیداران کی حتمی تصدیق و توثیق کر دی گئی۔ 1982ء کے ماہ مئی کی 29/30 تاریخ کو ایک تاریخی اجلاس "قدوائی نگر" ناگپور میں ہوا اور جدید انتخابات عمل میں لائے گئے۔ جناب اس اللہ عثمانی صاحب کی بے لوث اور انتھک خدمت کے اعتراف میں انہیں بالاتفاق رائے دوبارہ صدارت کے عہدہ جلیلہ کے لئے چن لیا گیا اور جناب خورشید احمد صاحب ایم ایل اے بھڑائچ (یو پی) کو جنرل سیکرٹری منتخب کر لیا گیا جس سے تنظیم کی ہر دلعزیزی اور طاقت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ جدید مجلس عاملہ کی پہلی میٹنگ 18 اکتوبر 1982ء کو دار الشفا لکھنؤ اور ماہ جون 1983ء کو قدوائی نگر' کانپور' سلطان پور' مراد آباد' میرٹھ اور دہلی میں یکے بعد دیگرے اس تنظیم کے اجلاس ہوئے اور تاحال یہ رائین تحریک چلتے پھرتے' گرتے پڑتے' لڑکھڑاتے اور پھر سے سنبھلتے ہوئے ایک جوان اور تنومند تنظیم کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ ملک کی دیگر

مسلم طبقاتی، سماجی و فلاحی تنظیموں میں یہ تنظیم سب سے زیادہ مستحکم، منظم، مضبوط و فعال اور ملک گیر تنظیم ہے۔ غرضیکہ ال انڈیا رائین تنظیم کا مستقبل روشن اور تابناک ہے اور وہ دن دور نہیں جب یہ عظیم برادری اپنے ماضی کا کھوج لگا کر ہندستان میں اپنے لئے حسب سابق اعلیٰ و ارفع مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

اس کتاب کی تحریری کے دوران مجھے آل انڈیا رائین کانفرنس منعقدہ قدوائی نگر ناگپور اور جناب اسد اللہ عثمانی صاحب ایڈووکیٹ جل پور (سی پی) کی طرف سے نئے انتخابات کے نتائج موصول ہوئے جو درج ذیل ہیں۔

صدر: جناب اسد اللہ عثمانی صاحب، ایم اے، ایل ایل بی، ایڈووکیٹ

نائبین صدر: (1) جناب نور محمد رائین صاحب کلکتہ (2) جناب سمیع اللہ صاحب لکھنؤ (3) جناب محمد خلیل الرحمٰن عزیزی صاحب، آسانگر بہار شریف (4) جناب محمد یوسف، محمد قسم صاحب، شولا پور (مہاراشٹر) (5) جناب چوہدری نفیس احمد صاحب، قدوائی نگر کانپور

جنرل سیکرٹری: جناب خورشید احمد صاحب، ایم ایل اے بھڑائچ

جوائینٹ سیکرٹری صاحبان: (1) جناب محمد حنیف صاحب، جبل پور (2) جناب محمد عاصم صاحب، ناگپور (3) جناب نسیم احمد صاحب، جے پور (4) جناب جلال الدین صاحب، مظفر پور (بہار) (5) جناب پروفیسر ظہور احمد، علی گڑھ (یو پی)

سیکرٹری نشرو اشاعت: جناب ماسٹر نذیر الدین صاحب، ناگپور

خازن: جناب سیٹھ سلیمان اشرف، کلکتہ (بنگال)

آخر میں ہندوستان میں آباؤ شیخ رائین برادری کے ان چیدہ چیدہ مایہ ناز سپوتوں کی فہرست پیش کی جاتی ہے جو ہندوستان کے مختلف صوبوں میں بکھری ہوئی اس برادری کا کھوج لگا کر اس میں اتفاق و یکجہتی اور خود اعتمادی پیدا کرنے میں دن رات کوشاں ہیں۔ راقم الحروف کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی کوششوں میں کامیاب

کرے اور وہ جلد ہی اپنے درخشندہ ماضی کے خطوط پر حسب سابق خدمت دین و خلق جیسے فرائض سنبھال کر اپنا کھوجا ہوا مقام حاصل کرلیں۔

1- جناب عبدالعلیم شیخ کریم معظم صاحب صدر جمعیۃ الراعین' قدوائی نگر ناگپور
2- جناب جمیل الرحمن صدیقی صاحب ایڈووکیٹ' نائب صدر انجمن ہذا ناگپور
3- جناب عقیل الرحمن صاحب ایڈووکیٹ' نائب صدر انجمن ہذا ناگپور
4- جناب بدیع الزماں یزدوانی صاحب' سیکریٹری انجمن ہذا ناگپور
5- جناب محمد الطاف صاحب' خازن انجمن ہذا ناگپور
6- جناب خلیل الرحمن عزیزی صاحب' نائب صدر جمعیۃ الراعین صوبہ بہار
7- جناب شوکت اللہ بھائی صاحب ایڈووکیٹ' صدر جمعیۃ الرعین اتر پردیش
8- جناب عبدالشکور صاحب ایڈووکیٹ' جبل پور
9- جناب پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد صاحب (علیگ)
10- جناب عبدالحمید صاحب' ایم اے' ایل ایل بی ایڈووکیٹ۔ کانپور
11- جناب فدا حسین عبیدی' ادیب و مصنف' کڑا الہ آباد
12- جناب غلام معین الدین' نائب صدر جمعیۃ الراعین' کانپور
13- جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب' ایم بی بی ایس - بھاگلپور
14- جناب ایم اسحق صاحب ملک التجار' لکھنؤ
15- جناب وصی احمد عزیزی صاحب' جلال پور صوبہ بہار
16- جناب عبدالحکیم صاحب' صدر جمعیۃ الراعین سمستی پور بہار
17- جناب ڈاکٹر سرفراز اکرم صاحب' ایم اے' پی ایچ ڈی' ایل ایل بی' پٹنہ
18- جناب نشاط انور راعین صاحب' علی ہاؤس پورب رائے روڈ مونگیر بہار
19- جناب مولوی محمد سلیم صاحب' صدر جمعیۃ الراعین' پٹنہ صوبہ بہار
20- جناب خورشید احمد صاحب' ایم اے اے' اتر پردیش

21- جناب اسد اللہ عثمانی صاحب ایم اے' ایل ایل بی' صدر ل انڈیا جمیعۃ الرائین' جبل پور

22- جناب محمد خلیل الرحمن عیریز صاحب' نالندہ بہار

23- جناب الحاج محمد حسین صاحب' کلکتہ (بنگال)

24- جناب فیض اکرم صاحب' بہار شریف مینجنگ ڈائریکٹر بہار سٹیٹ ہینڈ لوم ہنڈی کرافٹ

25- جناب مولوی مظہرالحق وارثی' ڈورنڈا بازار رانچی بہار

26- جناب مرتضے حسین بوکارو' دھنباد

27- جناب الحاج ممتاز احمد صاحب' 429 او بلاک قدوائی نگر کانپور

28- جناب محمد سمیع احمد آزاد' محلہ کمن سرائے' بہار شریف (نالندہ) بہار

29- جناب ولی اللہ صاحب تاجر' بہار شریف

30- جناب عبدالعزیز صاحب' بہار شریف

31- جناب کریم اللہ صاحب' بہار شریف

32- جناب میاں ضیاء الاسلام صاحب' بہار سبزی بھنڈار' بہار شریف

33- جناب محمد نظام الدین راعیصاحب' آشیانہ بلڈنگ سمن پورہ پٹنہ

34- جناب ڈاکٹر محمد غیاث الدین راعی صاحب' سول سرجن پٹنہ ہسپتال پٹنہ

35- جناب امتیاز علی تاج شکور' بزنس مین' پٹنہ (بہار)

36- جناب میاں محمد اقبال صاحب' ایم اے' بی ایڈ' مالیر کوٹلہ' صدر پنجاب جمیعۃ الرائین

37- جناب ڈاکٹر اللہ رنگ چوہدری صاحب' زراعتی یونیورسٹی' لدھیانہ

38- جناب مختار احمد عاصی صاحب' مدیر "سریر" مظفرپور۔ بھارت

باب ششم

سامہ شیخ قدرت الدین قاضی کی اندرون ہند منتقلی کے بعد روہیل کھنڈ میں بچے ہوئے ساماؤں کے حالات

جیسا کہ پچھلے باب میں واضح کیا جا چکا ہیکہ 612ھ میں شیخ قدوات الدین کا گھرانہ اور متعدد دیگر مہم جو اور طالع آزما سامہ شیخ کنبے ہندوستان کے صوبہ یوپی میں جا کر آباد ہو گئے جس کے نتیجہ میں روہیل کھنڈ میں سامہ برادری کی آبادی میں خاصی حد تک کمی واقع ہو گئی حتیٰ کہ جام سنجر، جام نندو، جام فیروز کے زمانہ میں سندھ سے اور ہندوستان کے اضلاع سرسہ اور حصار سے سامہ رائیوں کی آمد سے آبادی میں پھر سے اضافہ ہونے لگا۔ چنانچہ بے گھر لوگوں کو بسانے کے لئے مزید بستیاں قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی لہٰذا انہوں نے اپنی دور دراز بکھری ہوئی اراضیات پر وقتاً فوقتاً مندرجہ ذیل مزید تیس گاؤں آباد کئے۔

بھینسا (Bhainsa)، ڈھپاڈری، لال پور، ناصر پور ہٹہ، لسوڑی، بھیڑی، ایکمرہ، کرگنہ، کھمریا، ڈانگ، جگت، پوٹا، ڈبکیہ، ڈھیرم، سو لکھیہ، دیالوچ، سرنیاں، ڈھکیہ، پیراہ موتڈیا، گنہ، پنڈری، ترکونیہ، نور پور، قادر پور، کچھا سرولی، اودھے پور، مادھو پور اور گوپال نگر اور ان میں اس زمانہ کے معیار زندگی اور رواج کے مطابق دوسری برادریوں

کے دیہات کے مقابلہ میں ہر قسم کی سہولت مہیا کر کے انہیں مثالی بستیاں بنا دیا گیا۔

لودھیوں کے زمانہ اقتدار میں پٹھان پاوندوں کو بھاری جاگیریں دے کر روہیل کھنڈ میں بڑی تعداد میں آباد کیا گیا مگر یہ لوگ غیر زراعت پیشہ اور فن زراعت سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے اراضیات کی اچھی طرح دیکھ بھال نہ کر سکے اور حکومت کی توقع کیخلاف مطلوبہ پیداوار بڑھانے میں ناکام رہے لہٰذا اخراجات آمدنی سے تجاوز کرنے لگے اور وہ ہندو ساہوکاروں کے مقروض رہنے لگے اور رفتہ رفتہ اپنی املاک اونے پونے میں بیعہ کر کے مفلس اور تہی دست ہو کر بیٹھ گئے۔ ساماؤں نے ان کی اراضیات خرید کر کے اپنی جائیدادوں میں حیران کن حد تک اضافہ کر لیا۔ چنانچہ ضلع بریلی اور پیلی بھیت کے 1784 کے بندوبست اراضی کے ریکارڈ کے مطابق ساماؤں (شیخ سامہ' شیخ راعین) کی اراضیات کی مندرجہ ذیل اہم تفصیلات ملتی ہیں۔

1- درجہ اول لینڈ لارڈز شیخ راعین

(i) **شیخ نور احمد:** ان کی مندرجہ ذیل نو (9) دیہات میں قابل کاشت اراضی کے مجموعی رقبہ 760 مربعہ یعنی ایک لاکھ انیس ہزار ایکڑ تھا جس کے بلا شرکت غیرے وہ واحد مالک تھے۔

ڈانگ' بھینسا' اودھے پور' ترکونیہ' ڈھانڈری' نور پور' کھمریا' پنڈری اور جگت شیخ نور احمد رئیس اعظم و درباری کرسی نشین کی وفات کے بعد ان کی اراضیات ان کے اکلوتے بیٹے شیخ عزیز احمد کو منتقل ہوئیں 1890ء میں شیخ عزیز احمد کی وفات کے بعد یہ جائیداد ان کے دو بیٹوں شیخ منیر احمد آف قادر پور اور شیخ منظور احمد رئیس اعظم آف ڈھانڈری کو بحصہ برابر منتقل ہوئی۔ شیخ منظور احمد رئیس اعظم کی اپنی پیدا کردہ زر خرید اراضی نو سو پچیس ایکڑ اس حصہ وراثت کے علاوہ تھی جو کھمریا' کرگنہلو موہڑیا کے دیہات میں واقع تھی۔

(ii) **شیخ نذیر احمد رئیس اعظم موضع ڈانگ** : درباری کرسی نشین اور پینتیس (35) ہزار ایکڑ پر پھیلے ہوئے تیرہ دیہات کے بلا شرکت غیرے واحد مالک تھے۔

(iii) **شیخ فضل احمد آف لال پور** : رئیس اعظم اور سات گاؤں کے واحد مالک تھے۔

(iv) **شیخ حاجی قدرت علی آف لال پور** : رئیس اعظم اور تین گاؤں ڈھیرم لسوڑی اور لال پور کے واحد مالک تھے۔

ان شیوخ کے مندرجہ بالا اراضیات کے علاوہ شہری جائیدادیں از قسم مکانات' دکانات' بریلی اور پیلی بھیت میں موجود تھیں اور یہ گھرانے رؤسائے روہیل کھنڈ میں شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ رؤسا کی روایات کو قائم رکھتے ہوئے ان گھرانوں کے افراد بھی اعلیٰ اور جدید قسم کے علوم و فنون سے بے بہرہ رہے۔ طاؤس و رباب کے دھنوں اور قوالیوں سے ہی دل بہلاتے رہے۔ انگریزی عہد میں ہندوستان کے دوسرے خوشامد پرست جاگیرداروں اور راجگان کی طرح ان لوگوں کو بھی کٹھ پتلی اعزازات و القابات سے نوازا جا سکتا تھا مگر بوجہ خودداری یا شاید شرمیلا پن کے در فرنگی پر دستک دے کر " نواب" یا "خان بہادر" بننا تو گوارا نہ کر سکے البتہ گھر کے "نواب" ضرور تھے۔ دینی درسگاہوں اور رفاہ عامہ کے کاموں پر دل کھول کر خرچ کرتے تھے اور کوئی سوالی ان کے گھر سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھے۔ اپنے مزارعوں پر خاص نظر التفات رکھتے تھے اور ان کے دکھ درد میں برابر کے شریک بن کر انکی اخلاقی اور مالی امداد کرتے تھے۔ ڈیوڑھیوں پر ہاتھی جھومتے تھے۔ دولت کی ریل پیل تھی چنانچہ تقسیم ہند کے بعد ان رؤسا کی اولاد میں سے سوائے ایک آدھ کے اور کوئی قابل ذکر فرد ہجرت کر کے پاکستان نہ آیا۔

لینڈ لارڈز درجہ سوئم : مندرجہ ذیل دیہات میں گو سارہ شیخ رائیوں کی خاصی ملکیت تھی مگر آبادی میں اضافہ اور تقسیم وراثت سے اراضیات میں بتدریج کمی ہوتی

چلی گئی اور بدیں وجہ ان کی اکثریت ملازمت اور تجارت جیسے پیشے اختیار کئے ہوئے تھی ناصر پور ہٹ، سردلی، گنہ، بھیڑی، پوٹا، یکھرٹاہ، ڈ بکینہ، کچا اور ڈھیک وغیرہ۔

تقسیم ہند کے بعد ان دیہات میں بسنے والوں کی اکثریت پاکستان میں آباد ہو چکی ہے اور یہ لوگ حیدر آباد، سکھر اور کراچی میں تجارت اور زمینداری کرتے ہیں۔ صوبہ پنجاب اور سرحد میں بھی یہ لوگ خاصی تعداد میں آباد ہیں۔ اس طرح عرصہ دراز سے بچھڑی ہوئی سامہ خاندان کی ان تینوں شاخوں کو بھرسے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کا موقعہ نصیب ہو گیا۔

1857ء کی جنگ آزادی میں روہیل کھنڈ میں مقیم شیخ سامہ راعیوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور انگریز افسران کو اپنے علاقوں سے باہر دھکیل کر مجاہدین آزادی کے ساتھ مل گئے مگر یہ سرگرمیاں زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوئیں۔ علاقہ میں انگریزی فوج کی کمک آنے سے اور انگریزوں کی روایتی سیاسی چالوں اور انعام و اکرام کے لالچ میں آکر یہ برادری دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک گروپ خطیب جامع مسجد فیض آباد کی زیر قیادت جان توڑ کر آخری دم تک انگریزی فوج کا مقابلہ کرتا رہا اور دوسرا گروپ شیخ مظفر علی سامہ غدار قوم کی سرکردگی میں انگریزوں کا وفادار رہا اور انہیں پناہ دیتا رہا اور فیض آبادی گروپ کے خلاف مخبری بھی کرتا رہا۔ تاہم پھر بھی فیض آبادی گروپ انگریزوں کے خلاف ڈٹا رہا اور شیخ مظفر علی کو اس کی غداری کی پاداش میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا جس کے نتیجہ میں اس علاقہ میں انگریزی تسلط کی گرفت ڈھیلی پڑنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ پنجاب سے سکھ اور ڈوگرہ پلٹنیں منگوائی گئیں جنہوں نے مختلف مراکز پر چھاپے مار کر آزادی کے متوالوں کو گرفتار کر کے نہایت سفاکی سے قتل کیا اور اس مقدس تحریک کو کچل دیا گیا۔

باب ہفتم

خاندانِ سامہ کی شاخ "ج"

"راعین"

خاندان سامہ کی یہ تیسری اور آخری شاخ آج سے پانچ سو اسی برس (580) قبل سلماؤں کی درج ذیل دس ابتدائی گوتوں (ملاحظہ فرمائیں کتاب کے اول حصے میں دیئے گئے انساب خاندان سامہ) پر مشتمل جزوی طور پر نقل مکانی کر کے ملک سندھ سے براستہ سرسہ اور ملتان موجودہ صوبہ پنجاب میں داخل ہوئی۔ سرسہ سے دو آبہ جالندھر کی طرف ہجرت کرنے والے رائین کنبے سرسہ وال رعین کہلائے اور آج تک ایسا ہی کہلاتے ہیں جبکہ ملتان کی طرف سے براستہ دیپالپور، ضلع لاہور اور سیالکوٹ کے علاقوں میں آباد ہونے والے کنبے "ملتانی رائین" کہلائے اور آج تک ایسا ہی کہلاتے ہیں۔

(1) لماں (Lammman) پنجابی زبان میں لماں بھی کہا جاتا ہے (2) چاچڑ (یہ گوت رحمانی بھی کہلاتی ہے) (3) میانہ (Miana) (4) قادریہ پوتا (5) چنن (Chanan) (6) نین (Nain) (7) بھمنی (Bahmani) (8) سائر (Sair) (9) راہی (Rahi) (10) کھامبراہ (Khambra)

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ چودھویں، پندرھویں اور انیسویں صدی کے درمیانی عرصہ میں سامہ راعیوں کی مندرجہ ذیل گوتیں معرض وجود میں آئیں جن سے آبادی میں مزید اضافہ ہوا۔

(1) عدن (Adan) (2) جتالہ (3) ابوہر (4) دولہ (Daula) (5) تانبرو (6) راج (7) بدو (Baddo) (8) مقصود پوریہ (9) ملوک (Maluk) (10) حدوانی (Hadwani) (11) سانده (Sanda) (12) سپال (Sappal) بمعنی اسپ پال (13) بھوم بھائی بمعنی اراضیات کے آباد کرنے والے۔

چنانچہ بحوالہ رپورٹ مردم شماری پنجاب 1891ء، جلد دوم ٹیبل نمبر 16 ان گوتوں کے معرض وجود میں آنے سے راعیوں کی آبادی 1880 میں بڑھ کر ساتھ لاکھ ستر ہزار یک صد پچپن تک پہنچ گئی اور مندرجہ ذیل 31 اضلاع میں پھیل گئی۔

نام ضلع	راعین آبادی	کیفیت
سامہ	6362	
کرنال	7498	
انبالہ	330038	
ہوشیارپور	3937	
جالندھر	144738	
لدھیانہ	31053	
ملتان	28582	
فیروزپور	61079	
جھنگ	7515	
لاہور	11353	

ساہیوال (منٹگمری) 27924

امرتسر 43228

گورداسپور 64056

سیالکوٹ 72697

گجرات 19504

گوجرانوالہ 24002

شاہ پور 8355

ڈیرہ غازی خاں 4793

مظفر گڑھ 8134

دہلی 1660 ان ایام میں دہلی پنجاب کا حصہ تھا

کانگڑہ 663

راولپنڈی 203

شملہ 62

جہلم 43

گوڑگانواں 14

روہتک 8

بنوں 2986 ان ایام مین صوبہ سرحد معرض

ڈیرہ اسماعیل خاں 4215 وجود میں نہیں آیا تھا اور

پشاور 184 یہ اضلاع صوبہ پنجاب

کوہاٹ 54 میں ہی شمار ہوتے

ہزارہ 37 تھے

نئی آبادیوں کے معرض وجود میں آنے اور وقتاً فوقتاً نقل مکانیوں سے مندرجہ

ذیل سولہ نو مسلم ہندی قبائل کی جزوی شمولیت سے راعین آبادی میں مزید اضافہ ہوا اور یہ عربی النسل قبیلہ عرب کم اور ہندی زیادہ ہو کر انہوں نے ہندی لباس' زبان اور طرز معاشرت کو اپنا لیا۔

1- ڈھینگا

یہ گوت علاقہ دہلی کے نو مسلم زمیندار فتو ولد متھا قوم دھاریوال درباری اکبر اعظم کے خانوادہ سے تعلق رکھتی ہے اور عہد جہانگیری میں اس کے متعدد افراد راعین برادری میں شامل ہو گئے اور براستہ سرسہ راعیوں کے ساتھ نقل مکانی کر کے پنجاب میں داخل ہوئے۔

2- مولہ

دہلی اور روہتک یک علاقوں میں ہندو جاٹوں (فرما) کے متعدد گھرانے مغل دور میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور "مولہ جاٹ" کہلاتے۔ ان مولہ جاٹوں کے کئی کنبے راعین برادری میں شامل ہو گئے جس وجہ سے یہ گوت معرض وجود میں آئی۔

3- ساہنسار

ضلع ہوشیار پور میں آبد نو مسلم راجپوتوں کا ایک پورا خاندان "ساہنسار" نواب آدینہ بیگ راعین والئے پنجاب کے عہد میں راجپوت قوم سے قطع تعلق کر کے راعین برادری میں شامل ہو گیا مگر اپنے خاندانی تشخص برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے اسی نام کو اپنے رکھا جو بالاخر راعیوں کی گوت بن گیا۔ راجپوتوں کے "چوہدریوں" نے اس قبیلہ کو طعنہ دیا تھا کہ وہ سبزیوں کی کاشت کر کے راعیوں کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں لہذا وہ راجپوت کہلوانے کے اہل نہیں ہیں چنانچہ ان میں شدید رد عمل پیدا ہوا اور ضد میں آ کر کاغذات مال میں انہوں نے راعین برادری میں اندراجات کروا لئے۔

4- میلہ

4- میلہ

ضلع میانوالی، بھیرہ اور خوشاب کے علاقوں میں آباد نومسلم راجپوت قوم کا ایک قبیلہ "میلہ کہلاتا ہے۔ اس خاندان میں سے جزوی طور پر کئی گھرانے مراعین برادری میں شامل ہو گئے اور اس طرح "میلہ" گوت راعین برادری کی گوت بن گئی۔

5- ننذی

راعیوں میں یہ گتو مسلم راجپوت گھرانہ "ننذی" کے نام پر معرض وجود میں آئی۔ یہ لوگ مغل دور میں جزوی طور پر راعین برادری میں شامل ہوئے ننذی پور اسی گوت کے نام پر بسایا ہوا گاؤں ہے۔

6- آرکی

یہ گوت نومسلم "ویش" زراعت پیشہ قبیلہ "راکی" سے متعلق ہے اس قبیلہ کے جو لوگ وقتاً" فوقتاً" مسلمان ہوتے گئے وہ راعین برادری میں شامل ہوتے گئے۔

7- کھوکھر

قدیم سندھی قبیلہ "کھوکھر" کے کئی گھرانے اسلام قبول کرنے کے بعد سلماؤں کی راعین شاخ میں شامل ہو گئے اور اپنا تشخص الگ برقرار رکھنے کے لئے "کھوکھر راعین" کہلانے لگے۔

8- رائی

یہ گوت کانگڑہ اور اس سے ملحقہ پہاڑی علاقوں میں آباد ڈوگرہ راجپوت قوم سے تعلق رکھتی ہے جس کے معتی کئی گھرانے نواب آدینہ بیگ راعین والئے پنجاب کے زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہو کر راعین برادری میں شامل ہوئے۔

9- کھتورہ

یہ گوت علاقائی ہے اور ضلع سرسہ میں واقعہ ہندو بھٹیوں کا آباد کردہ ایک گاؤں

کھتورہ" جسے راعیوں نے اپنے "بارہ" میں شامل کر لیا تھا کہ نام پر راعیوں کی گوت کہلانے لگے۔

10- گوہیر 11- گھیر

یہ دونوں گوتیں ملتان اور جھنگ میں آباد قدیم سندھی خاندان "مہراں" کی نسل سے نو مسلم "سیال" شاخ سے تعلق رکھتی ہیں جن میں سے کئی کنبے رائین برادری میں شامل ہو کر اپنی انہیں قدیم گوتوں سے جانے پہچانے اور پکارے جانے لگے۔

12- جیہ 13- بگا

یہ دونوں گوتیں راعیوں کی "بھوم بھائی" گوت کی شاخیں ہیں اور انہیں کے نام پر بساتے ہوئے گاؤں "جیہ بگا" کی وجہ سے یہ گوتیں مشہور ہو گئیں۔ یہ گوتیں دراصل علاقائی ہیں۔

14- ساجہ' درانده' وہراہ' چنڈیالہ اور واہند

یہ گوتیں نو مسلم قبیلہ "کمبوہ" (بنیادی طور پر ہندو دلیش) سے تعلق رکھتی ہیں جو مشرف بہ اسلام ہو کر جزوری طور پر رائین برادری میں مدغم ہو گئیں اور "رائین" کہلانے لگیں۔

15- چوغطہ 16- رتہ

یہ دونوں گوتیں دہلی اور لاہور کے قرب و جوار میں آباد مغل برادری سے تعلق رکھتی ہیں خاندان مغلیہ کے زوال و خاتمہ اور اس کے بعد 1857ء کی جنگ آزادی کے دوران عتاب انگلشیہ سے بچنے کے لئے ان گوتوں کے کئی گھرانے جزوری طور پر رائین برادری میں شامل ہو گئے اور رائین چوغطہ اور رائین رتہ کہلانے لگے۔

چنانچہ بحوالہ امپیریل گزیٹرز آف انڈیا (صوبہ پنجاب) جلد اول صفحہ نمبر 48 مطبوعہ 1908 میں ان مختلف گوتوں کی رائین برادری میں شمولیت سے پنجاب کی زراعت پیشہ

آبادی کا تناسب غیر معمولی طور پر متاثر ہوا اور رائین برادری کا شمار بہ لحاظ آبادی (چناب کالونی سکیم کے تحت) پانچویں نمبر پر اور املاک و اراضیات کے لحاظ سے چوتھے نمبر پر ہونے لگا۔ ملاحظہ فرمائیں گوشوارہ درج ذیل۔

گوشوارہ آبادی زراعت پیشہ برادریاں
1908ء (چناب کالونی)

نمبر شمار	نام برادری	کل آبادی
-1	مسلم جاٹ	1957000
-2	ہندو جاٹ	1595000
-3	سکھ جاٹ	1390000
-4	مسلم راجپوت	1347000
-5	رائین	1007000
-6	مسلم آوان	421000
-7	مسلم کمبوہ	174000
-8	سینی' ہندو' سکھ	27000

گوشوارہ ملکیتی اراضی زراعت پیشہ برادریوں کے متعلق

چناب کالونی رپورٹ صفحہ نمبر51 52 مجاریہ 1905 بمعہ ریمارکس سرکاری

1- ہندو جاٹ'2۔ سکھ جاٹ ملکیتی اراضی : 448565

سرکاری ریمارکس :

رائیوں سے عقل و ذہانت اور فن زراعت میں کم تر درجہ رکھتے ہیں احساس کمتری کا شکار یہ لوگ مصائب و مشکلات سے مغلوب ہو کر جلد مشتعل ہو جاتے ہیں شراب نوشی کے عادی ہوتے ہیں۔

3- مسلم جاٹ ملکیتی اراضی : 234432

سرکاری ریمارکس :

یہ لوگ اوسط درجہ کے کاشتکار ہیں۔ اپنا زیادہ تر وقت نمازیں پڑھنے میں ضائع کر دیتے ہیں اور بدیں وجہ کاشتکاری پر مناسب دھیان نہیں دیتے چنانچہ ان کی اکثریت ہندو ساہوکاروں کی مقروض رہتی ہے۔

4- راعین ملکیتی اراضی : 191794

سرکاری ریمارکس :

یہ لوگ بہتری کاشتکار اور سخت محنتی ہیں جاٹوں کے برعکس مشکلات اور الجھنوں سے مرغوب ہوئے بغیر مقصد براری میں خاص ملکہ رکھتے ہیں۔

5- کمبوہ ہندو/ سکھ 6- سینی ہندو/ سکھ ملکیتی اراضی : 51193

سرکاری ریمارکس :

اچھے کاشتکار ہیں مگر مصائب و مشکلات سے جلد گھبرا جاتے ہیں ان میں سے اکثر نشہ کے عادی اور بزدل ہوتے ہیں۔

7- راجپوت ملکیتی اراضی : 35288

سرکاری ریمارکس :

یہ لوگ فن زراعت سے بے بہرہ اور سست الوجود ہوتے ہیں اور اوسط درجہ کی ذہانت کے مالک ہوتے ہیں۔

8- گوجر ملکیتی اراضی : 20350

سرکاری ریمارکس :

(نوٹ) برادریوں کے متعلق مختلف سرکاری ریمارکس خاص توجہ کے حامل ہیں۔ بحوالہ مردم شماری پورٹ نمبر XIV 1911ء (پنجاب) جلد اول صفحہ نمبر 84 85 چناب وار جہلم کا نوفائیریشن سکیم کے تحت پنجاب میں راعیوں کی ضلع وار تفصیل نقل مکانی حسب ذیل

ہے

چناب کالونی

تعداد کنبے جو منتقل ہوئے	نام ضلع جہاں سے منتقل ہوئے
1158	انبالہ
11032	ہوشیارپور
25174	جالندھر
4600	فیروزپور
4132	لاہور
4100	امرتسر
3600	گورداسپور
4478	سیالکوٹ
1802	منٹگمری (موجودہ ساہیوال)
2123	کپورتھلہ

جہلم کالونی

تعداد کنبے جو منتقل ہوئے	نام ضلع جہاں سے منتقل ہوئے
448	سیالکوٹ
242	گجرات

مندرجہ بالا کوائف سے ظاہر ہے کہ انبالہ اور جالندھر ڈویژن میں آباد سرسہ والی راعیوں کی خاصی تعداد 1905ء تا 1910ء کے پانچ سالہ درمیانی عرصہ میں نقل مکانی کر کے پاکستان کے صوبہ پنجاب میں آباد ہوئی اور اس طرح سرسہ وال اور ملتانی راعین دوبارہ یکجا ہونا شروع ہو گئے اور تقسیم ہند پر ہمہ گیر ہجرت سے پاکستان میں قبیلہ سامہ کی یہ سب سے بڑی شاخ پھر سے ایک ہو گئی۔

ابتدائی حالات

جیسا کہ اس کتاب کے ابتدائی اوراق میں تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے کہ خاندان سامہ کے لوگ بنیادی طور پر زراعت پیشہ نہ تھے بلکہ وہ نسلاً بعد نسل مجاہدین ہی چلے آ رہے تھے اور بطور مجاہدین ہی وہ 46 45ھ حجاز سے ملک شام میں وارد ہوئے اور وہاں سے ہی خلافت امیہ کے ابتدائی دور میں وہ بطور مجاہدین سرزمین سندھ میں داخل ہوئے۔ یہ ایک اتفاقی امر تھا کہ اس قلیل التعداد عربی نژاد قبیلہ کو قبائلی عصبیت کا شکار ہو کر راجہ داہر والئے سندھ کی پناہ میں آنا پڑا اور بحالت مجبوری مستقل طور پر سندھ میں ہی سکونت اختیار کرنی پڑی اور پھر یہاں سے انہیں وطن واپس جانا نصیب نہ ہوا۔ چنانچہ ان نامساعد حالات میں جب روزی کمانے کا مسئلہ پیدا ہوا تو انہوں نے اپنی دینی اور تبلیغی جدوجہد کو جاری رکھتے ہوئے پیشہ زراعت کو بطور ذریعہ معاش اختیار کر لیا کیونکہ اس وقت کے رواج اور سماجی نظام کے مطابق عسکری پیشہ کے بعد درس و تدریس اور زراعت جیسے پیشوں کو ہی اعلیٰ اور برتر مقام حاصل تھا۔ اہل حرفہ یا دیگر غیر زراعت پیشہ طبقوں کو زمیندار کا خدمتگار سمجھا جاتا تھا اور ان سے ادنیٰ درجہ کے شہریوں جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔ عام طور پر ایسے لوگ نان نفقہ رہائش اور تحفظ کے لئے زمینداروں کے ہی دست نگر ہوا کرتے تھے۔ ساماؤں نے سندھی جاٹ قبائل سے فن زراعت سیکھا اور دن رات کی محنت شاقہ اور جانفشانی سے کچھ ہی عرصہ بعد اعلیٰ درجہ کے زمیندار اور کاشتکار بن کر انہوں نے سندھ کے زیریں علاقہ سواندھی (بعد میں خاندان سامہ کے نام پر یہ علاقہ سواندھی سامہ کہلانے لگا) سے اپنی نئی زندگی کا آغاز کیا۔ وہ دنوں میں ہی وسیع اراضیات کے مالک بن کر مقامی باشندوں کو مزارعہ رکھنے کے علاوہ خود بھی کاشتکاری کرنے لگے اور آخر کار اسی پیشہ کے ساتھ مستقل طور پر وابستہ ہو گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل شامل حال ہوا جس سے اس قبیلہ کو حکم و برتری منوانے کی قوت حاصل ہو گئی اور وہ متواتر دو صدیوں تک سر

زمین سندھ پر حکومت کرتے رہے۔ اتنے لمبے عرصہ تک حکومت کے دوران ان سے اپنے فرائض منصبی میں کئی کوتاہیاں اور سیاسی اور سماجی غلطیاں بھی زرد ہوئیں جس کے نتیجہ میں انہیں زوال و تنزل کی سزا بھی بھگتنا پڑی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ذاتی اصلاح و تقویٰ اور خوف خدا دلوں میں موجود تھا مگر آپ میں پھوٹ، تن آسانی اور خاندانی عصبیت کے مسلسل جھٹکوں سے جذبہ جہاد و اجتہاد سرد پڑ چکا تھا۔ چنانچہ دشمن نے ان کی ان کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا اقتدار چھن گیا اور یہ قبیلہ تتر بتر ہو کر تین شاخوں میں بٹ گیا یکجہتی مفقود ہو گئی۔ دشمن نے انہیں پل بھر چین نہ لینے دیا اور نوبت نقل مکانیوں تک پہنچ گئی۔ نقل مکانیوں کے دوران اور نت نئے ٹھکانوں کی تلاش میں دشمنوں کے ہاتھوں بے پناہ دکھ اٹھائے اور ظلم سہے۔ خاندانی وقار اور حسب نسب کو سخت دھچکا لگا اور یہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس قبیلہ کی تینوں شاخوں میں سے زیر بحث "راعین" شاخ پر ہی سب سے زیادہ مصیبتیں آئیں اور بلائیں نازل ہوئیں۔ پنجاب میں اسلام دشمن اور رسوائے زمانہ بھگتی تحریک کے روپ میں برہمن کی زناری اور سکھ کی کرپان کے پے درپے زخم زیادہ تر اسی شاخ نے کھائے اور برداشت کئے۔

بریلی اور پیلی بھیت میں ابلو سامبہ شیخوں کے کئی افراد کو کرپان کے زور سے سکھ پنتھ میں شامل کر کے انہیں زبردستی پنجاب لے آیا گیا جن میں سلاؤں کی دو مشہور اور اہم ترین بنیادی گوتوں "ساگی" اور "للاں" کے دو گھرانے بھی شامل تھے جو سکھوں کے اقتدار کے خاتمہ تک پنجاب کی تاریخ میں بالترتیب "سندھیانوالہ" اور "للاں" فیملی کے ناموں سے جانے جاتے ہیں۔

گورو گوبند سنگھ کے درندہ صفت چیلے بندہ بیراگی نے اپنے گرو کے فرمان کے مطابق سرہند، تھانیسر اور سلطان پور کو تہ و بالا کیا اور لاہور میں راعیوں کا قائم کردہ تبلیغی ادارہ "حیدری جتھ" کو ختم کر کے ان کے منتظمین میں محمد تقی اور ملا پیر محمد کو

نہایت بیدردی سے قتل کیا اور رائی کی گنجان آبادی والے علاقوں باغبانپورہ' بیگم کوٹ اور بدوکا آوا کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ہزاروں بے گناہ اور نہتے لوگوں کو تہ تیغ کیا اور راعیوں کی شہرہ آفاق نشانی شالامار باغ کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

ظلم کی انتہا یہ تھی کہ نواب آدینہ بیگ رائین والئے پنجاب کے عہد حکومت میں اودھم مچانے اور امن عامہ کو درہم برہم کرنے کی پاداش میں ان کے خلاف کی گئی تادیبی کاروائیوں کے بہانہ بنا کر سکھ درندوں نے نواب صاحب کی وفات کے بعد دوآبہ جالندھر اور خاص کر ضلع امرتسر میں واقعہ راعیوں کے متعدد گاؤں لوٹ کر نزر آتش کر ددیئے اور ان کی زمینیں چھین لیں جس سے معیشت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ جو کوئی تھوڑی بہت اراضیات کسی نہ کسی طرح ان وحشی درندوں کی دست برد سے محفوظ رہ گئیں وہ بھی بعد ازاں خاندانی تقسیم وراثت کے مسلسل عمل سے رفتہ رفتہ گھٹتی گئیں اور باعزت طور پر گزر بسر کرنے میں مشکلات پیدا ہونے لگیں۔ چنانچہ بحالت مجبوری راعیوں کو بٹائی پر زمینیں بھی لینا پڑیں اور بعض حالتوں میں تو بادل نخواستہ جاگیرداروں اور بڑے بڑے زمینداروں کی مزارعت بھی قبول کرنی پڑی جس سے ان کی خودداری سخت مجروح ہوئی۔

ایک وقت امتحان وہ بھی آیا جب مغل حکومت کے زوال و خاتمہ اور انگریزوں کی پنجاب میں پیش قدمی کے درمیانی عرصہ میں بھگتی تحریک نے ایک بار پھر زور پکڑا اور سکھوں نے اسلام اور اس کے نام لیواؤں کو یکسر ختم کرنے کے پروگرام پر شدت سے عمل در آمد شروع کیا۔ سکھوں کے رز بروز بڑھتے ہوئے اسلام کش اقدامات سے ایسا لگتا تھا کہ پنجاب میں نعوذ باللہ اسلام کا نام مٹنے کو ہے اور نو مسلم ہندی اقوام کے لوگ اپنے آبائی مذہب کی طرف لوٹ کر دیوی دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے اور ان سے معافی مانگنے کے لئے پھر سے مندروں میں ٹل بجانے لگیں گے چنانچہ ایسے نازک اور خطرناک دور میں راعیوں نے بریلی' پیلی بھیت' ملتان' اودھ اوپر دہلی کے

علاقوں میں آباد سامہ شیخوں کو تحفظ اسلام اور ملت اسلامیہ کی سلامتی اور بقا کا واسطہ دے کر اپنی مدد کے لئے پکارا' سامہ شیخ اپنے بھائیوں کی اس اپیل پر لبیک کہتے ہوئے کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر بریلی کے مرد مجاہد سید احمد شہید' مولوی شیخ عبدالحئی شہید' شیخ عبدالعزیز شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی زیر قیادت پنجاب میں بھگتی تحریک کو کچلنے اور سکھوں سے بدلہ لینے کے لئے سر پر کفن باندھ کر میدان میں کود پڑے۔ یہ جانباز انگریزوں اور سکھوں کی سرحدی افواج سے بچتے بچاتے خفیہ راستوں سے سندھ کے اضلاع خیرپور اور شکار پور میں داخل ہو گئے اور وہاں سے پہلے سے منتظر منجب سے گئے ہوئے راعین غازیوں کے جتھوں کو اپنے ہمراہ لیا اور افغانستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ راتوں کو سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے اسلامیت اور آزادی کے یہ شیدائی پنجاب کے اہم سرحدی شہر پشاور تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہاں پہنچنے پر انہوں نے سکھوں کے پٹھو اور خود غرض برکزئی پٹھان یار محمد خاں گورنر کو مار بھگا کر شہر پر قبضہ کر لیا (یاد رہے کہ ان ایام میں موجود صوبہ سرحد پنجاب کا ہی ایک حصہ شمار ہوتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ پشاور اس کے قریب و جوار میں پشتو کی بجائے آج تک پنجابی زبان کی پوٹھوہاری شاخ "ہندکو" (Hindko) بولی جاتی ہے) کچھ دن یہاں قیام کرنے کے بعد یہ مجاہدین وحشی سکھوں کو سبق سکھانے اندورون پنجاب پیش قدمی کرنے لگے اور موقع محل کے مطابق شب خون مارتے اور سکھ فوج کو بھاری نقصان پہنچاتے ہوئے وہ ضلع ہزارہ اور مظفر آباد کے پہاڑی علاقوں میں پہنچ گئے جہاں انہوں نے مضبوطی سے اپنے مورچے قائم کر لئے اور پنجاب کے میدانی علاقہ اور کشمیر پر حملہ کی تیاری کرنے لگے مگر اسی اثناء میں سرحدی پٹھانوں کے بعض گھرانوں نے جاگیرات و انعامات کے لالچ میں سکھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو غازیوں کی آمد اور ان کے اس منصوبہ کو خبردار کر دیا اس اطلاع کے ملتے ہی راعیوں کے احسان فرموش مہاراجہ رنجیت سنگھ نے فوری طور پر ایک لشکر جرار بھیج دیا جس نے بالاکوٹ کے مقام پر مجاہدین کو گھیرے میں لے

لیا اور بمعہ ان کے قائدین کے ان کی اکثریت کو نہایت بے دردی اور سفاکی سے قتل کر دیا۔ کئی بچے ہوئے غازیا نے (سیستانہ و ملکھانہ) امیلہ کے پہاڑیوں میں پناہ لے لی جہاں سے وہ اسلام پر جانیں قربان کرنے کے لئے کسی دوسرے موقعہ کا انتظار کرنے لگے۔

چنانچہ اس المناک انجام کا شکر ہو کر یہ مقدس تحریک ناکام ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی راعیوں پر پہلے سے بھی زیادہ ظلم و ستم کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

پنجاب کے سکھوں کے ظلم و استبداد سے نجات دلانے اور پھر سے اسلامی اقتدار کی بحالی کی کوششوں میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی موت کے بعد راعیوں کو مثل داری جاگیردار اور سندھیانوالہ فیملی کے پتی دار جاگیردار مہر گھسیٹا آف راجہ سانسی، ضلع امرتسر (جو سندھیانوالہ فیملی کا سیاسی مشیر اور ایجنٹ بھی تھا) کی زیر قیادت ایک اور موقعہ ہاتھ آیا۔ مہر گھسیٹا اور سندھیانوالہ فیملی نے ستلج پار مقیم انگریزی فوج سے خفیہ مراسم پیدا کر لئے اور وہ سکھوں کے خلاف انگریزوں سے لاہور پر قبضہ کرنے کے لئے فوجی امداد طلب کی مگر عیار انگریز نے اپنا دامن بچاتے ہوئے سکھوں کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کی خلاف ورزی کا بہانہ بنا کر ان کو (مہر گھسیٹا اور سندھیانوالہ فیملی) فوجی امداد دینے سے تو انکار کر دیا مگر خفیہ طور پر ہتھیار مہیا کرنے، فوجی مشورہ اور اخلاقی امداد دینے سے کی حامی بھر لی۔ چنانچہ گھسیٹا اور اجیت سنگھ آف سندھیانوالہ فیملی نے اپنے اپنے حفاظتی دستوں میں توسیع کر کے ایک ایک بریگیڈ کی نفری کے برابر فوج تیار کر لی اور موقعہ پا کر قلعہ لاہور میں مقیم راجہ شیر سنگھ پسر مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کے وزیر دھیان سنگھ ڈوگرہ کو موت کے گھاٹ اتار کر قلعہ پر قبضہ کر لیا مگر بدقسمتی سے یہاں بھی حالات نے ساتھ نہ دیا۔ چھاؤنی میاں میر اور بدو کے آوا میں مقیم خالصہ فوج نے فوری اقدامات کرتے ہوئے قلعہ پر بھرپور حملہ کر کے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ مہر گھسیٹا اور اجیت سنگھ اپنی جانیں بچانے کے لئے قلعہ کی جنوبی دیوار پر سے رسوں کی مدد سے

اترتے ہوئے کرایہ کے ایک پٹھان سپاہی کی بندوق کا نشانہ بن گئے اور اس طرح یہ سکیم بھی ناکامی کی نذر ہو گئی اور پنجاب بھر میں ہندوؤں اور سکھوں کی آبادیوں والے علاقے میں رہائش پذیر قلیل التعداد راعین برادری پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ متعدد گھرانوں کو نہایت سفاکانہ طور پر قتل کیا گیا۔ سینکڑوں جوان مستورات اغوا کی گئیں اور کئی لوگوں نے ڈر کے مارے سر کے بال اور داڑھی منڈوانی بند کر دی۔
سب سے زیادہ قابل افسوس بات یہ ہے کہ پنجاب کی کثیر التعداد آبادی والی کاشتکار نو مسلم ہندی برادریاں اس نووارد قلیل التعداد قبیلہ پر سکھوں کے آئے دن کے وحشیانہ عملوں سے ٹس سے مس نہ ہوئیں بلکہ اس کے برعکس اپنے سابقہ بھائی بندوں کی تقلید میں اپنے آکو پنجاب کے اصل مالک و عالی نسب سمجھتے ہوئے اسلام کے ہراول دستہ اس قبیلہ کو ذہنی اور معاشرتی طور پر مفلوج کرنے میں کافروں سے کسی طور بھی پیچھے نہ رہیں۔

غرضیکہ "سکھا شاہی" اور بھگتی تحریک کا زمانہ راعیوں کے لئے قہر و غضب کا زمانہ تھا مگر باوجود ان مصائب کے انہوں نے دل سے سکھوں کی برتری اور ان کے اقتدار کو کبھی تسلیم نہ کیا اور تن تنہا کم نفری اور محدود وسائل کے باوجود تقسیم ہندوستان تک وہ ان درندوں اور انکی بھگتی تحریک کے خلاف برسرپیکار رہے۔
1849ء میں چیلیانوالہ اور گجرات کے میدانوں میں انگریزوں نے جموں کے ڈوگرہ راجہ اور ریاست نابہ' جیند اور پٹیالہ کے تعاون سے خالصہ فوج کو ذلت آمیز شکست دے کر سکھا شاہی کا بے لگام اور تشدد آمیز دور ختم کر کے پنجاب کو حکومت ہند میں شامل کر لیا۔

راعین کردار عہد فرنگی میں

اس طرح سکھوں کے مظالم سے تو نجات مل گئی مگر آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا

کے مصداق بنیا ذہنیت عیار قوم انگریز سے واسطہ پڑ گیا جس نے تیز و تفنگ کی بجائے چالاکی سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں کو ذہنی طور پر دبا کر اور ان کے برخلاف ہندوؤں کو ابھار کر ہندوستان کے بازو تے شمشیر زن پنجاب پر 98 سال تک قبضہ جمائے رکھے۔ اس نے پنجابیوں کو مارشل اور نان مارشل ریس کے چکر میں ڈال کر دو گروہوں میں تقسیم کر دیا جس سے آزادی پسند پنجابیوں کی مجموعی طاقت کمزور پڑ گئی اور خاص کر محب وطن اسلام کے شیدائیوں اور طالع آزما خوشامد پرست جاگیرات و انعامات کے لالچی مسلمان نام نماد "مارشل طبقہ" انگریزوں کے زیادہ نزدیک آتا گیا اور انہیں (انگریزوں کو) اپنی وفاداریوں اور حمایت کا ثبوت دلانے کیلئے کبھی کسی تحریک میں حصہ نہ لیا جس سے حریت پسندوں کو کچلنے کے لئے انگریزوں کے حوصلے ہمیشہ بلند رہے اور انہیں بزور بازو ہند بدر کرنا ناممکن نظر آنے لگا۔ چنانچہ ان حالات میں سیاسی نظریات اور جنگ آزادی کے طریقہ کار میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں جن سے حریت پسند بھی دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ تو انگریز سے کسی قسم کا تعاون کرنے اور اس کے اقتدا کو تقویت دینے کو خلاف اسلام سمجھتے ہوئے جدوجہد آزادی کو ہر قیمت پر جاری رکھنے کا قائل تھا اور دوسرا گروہ مصلحت وقت کے مطابق انگریز سے تعاون کی پالیسی پر گامزن ہو کر ہندوؤں اور سکھوں کے مقابلہ میں حکومت میں زیادہ سے زیادہ حصہ دار بن کر بتدریج آزادی حاصل کرنے پر یقین رکھتا تھا مگر ان پیچیدہ حالات کے باوجود حریت پسندوں کا اول الذکر گروہ اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے پاکستان کے معرض وجود میں آنے تک برابر اپنے طریقہ کے مطابق مصروف جہاد رہا۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے 1857ء کی جنگ آزادی (جس کو انگریز نے "سپاہی غدر" کا نام دے رکھا تھا) میں انگریزی اقتدار کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور وطن کو آزادی سے ہمکنار کرنے کے لئے اپنی جانیں قربان کیں۔ بریلی' پیلی بھیت اور اودھ کے سامنہ شیخوں اور روہیلوں (ان کی خاصی تعداد اس وقت انگریزوں کی انڈین آرمی میں شامل تھی) پر

مشتمل ایک پیدل پلٹن نے صوبیدار بخت خاں روہیلہ کی کمان میں تحریک مجاہدین کے ہیڈ کوارٹر سے موصولہ ہدایات بذریعہ خفیہ کوڈ "ریشمی رومال" کے مطابق میرٹھ چھاؤنی سے جنگ آزادی کا آغاز کیا۔ 14 مئی 1857ء کو انہوں نے دریائے جمنا کو پار کر کے سبزی منڈی دہلی سے اپنے رائین بھائیوں کی مدد سے باڑہ ہندہ راؤ اور پہاری دھیرج پر مورچے قائم کر لئے اور قلیل التعداد ہونے کے باوجود انگریز بریگیڈیئر نکلسن کی ماتحتی میں پنجاب سے لائی گئیں سکھوں، ڈوگروں اور مسلمانوں (یہ مسلمان زیادہ تر دریائے جہلم اور دریائے سندھ کے درمیانی علاقہ سے تعلق رکھتے تھے) پر مشتمل یونٹوں کو دہلی کی فصیل، موری دروازہ اور کشمیری دروازہ تک پہنچنے سے تین دن تک برابر روکے رکھا حتیٰ کہ مزید مجاہدین کی امد پر چارج دے کر وہ لال قلعہ میں پہنچ گئے جہاں انہوں نے غم سے نڈھال خاندان تیموریہ کی آخری نشانی بوڑھے بادشاہ ظفر کو تسلی دیتے ہوئے اسے دوبارہ تخت ہند پر بٹھا کر مغلیہ حکومت کا اعلان کر دیا۔ یاد رہے کہ انگریزوں نے بادشاہ بہادر شاہ ظفر سے اختیارات چھین کر اسے معمولی پنشن پر لال قلعہ کے اندر ہی رہائش کر لینے کی اجازت دے رکھی تھی)۔

یہ جنگ آزادی 16 ستمبر 1857ء تک جاری رہی جس میں اخر کار انگریزوں نے پنجاب کے خاشامد پرست "مارشل گروپ" کے لوگوں کی مدد سے کامیابی حاصل کر کے دہلی پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور پنجاب میں لاہور، امرتسر، ملتان، جہلم اور سیالکوٹ میں تعینات سلمہ شیخوں روہیلوں اور بہاریوں پر مشتمل تمام فوجی یونٹوں سے مختلف حیلے بہانوں سے ہتھیار ڈلوا کر انہیں قیدی بنا لیا گیا اور ان کے لیڈروں کو نہایت بے دردی سے تہہ تیغ کر دیا گیا۔

دہلی میں سبزی منڈی، قرول باغ، چنگی قبر، ترکمان گیٹ اور دریا گنج کے علاقوں میں آباد راعیوں اور مغلوں کے گھر جلا دیئے گئے۔ بہت سے لوگوں کو شہید کیا گیا۔ صرف وہ بچے جو جنگ کی ناکامی پر روپوش ہو کر دوسری جگہوں میں چلے گئے۔ اسی

افراتفری کے دوران مغل برادری کے کئی گھرانے راعیوں کے ایثار و قربانی سے متاثر ہو کر راعین برادری میں شامل ہو گئے۔

جنگ آزادی میں مجاہدین کی ناکامی اور انگریز نے اپنی کامیابی کے بعد ایک خاص پالیسی کے تحت راعین برادری اور روہیل کھنڈ اودھ کے سامہ شیخوں سے دشمنوں کا سا برتاؤ کرنا شروع کر دیا اور ان پر اعلیٰ سول ملازمتوں کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ فوج میں بھرتی کے لئے انہیں غیر موزوں اور غیر لڑاکا قرار دیتے ہوئے "مارشل گروپ" سے خارج کر دیا گیا جس سے فوجی ملازمت میں نام نہاد مارشل گروپ میں شامل دوسری نو مسلم ہندی برادریوں کی اجارہ داری ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حریت پسندوں کے اعتدال پسند گروپ کی کوشش بسیار کے باوجود انڈین آرمی میں انگریز کا پنجابی مسلمانوں کے لئے مقرر کردہ باون فیصد کوٹے میں تقسیم ہندوستان تک راعیوں کا حصہ چار فیصد سے زیادہ نہ بڑھ سکا۔ سماجی اور سیاسی لحاظ سے راعیوں کو احساس کمتری میں مبتلا کرنے کے لئے انگریزوں نے نہایت ڈھٹائی اور بددیانتی سے "مارشل گروپ" کی ملی بھگت سے اپنے مرتب کردہ ضلعی گزیٹرز اور دیگر سرکاری دستاویزات میں انہیں کمتر درجہ کا شہری اور دوئم درجہ کا زمیندار ظاہر کیا گیا۔ مگر قابل صد تحسین ہے اسلام کے ہراول دستہ کا یہ قبیلہ جس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی اور وہ انگریز اور اس کے بہی خواہوں کے اس ذلیل حربہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی بقا اور مقدس مشن کی تکمیل میں تقسیم ہند تک اپنی کوششوں میں تن، من اور دھن سے مصروف رہا۔

دوسری کوشش

جنگ آزادی کے حصول مقاصد میں ناکامی کے پانچ سال کے قلیل عرصہ بعد ہی 1862ء میں وائسرائے ہند لارڈ ایلگن کے زمانہ میں راعیوں اور سامہ شیخوں کو ملاں جعفر راعین رئیس اعظم و نمبردار سفید پوش آف تھانیسر اور ان کے معاونین میاں یحییٰ علی،

شیخ محمد شفیق بہاری اور میاں محمد شفیع لاہور آرمی کنٹریکٹر افواج انگلشیہ کی رہنمائی میں انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے اور مغلیہ سلطنت کو پھر سے بحال کرنے کا ایک اور موقعہ حاصل ہوا مرد مجاہد ملاں جعفر جو اورنگ زیب کے درباری منصب دار سہ ہزاری شیخ عبدالکریم تھانیسری کی اولاد میں سے تھے اور اپنے وقت کے ایک جید عالم' نڈر رہنما اور اسلام کی سچی تڑپ رکھنے والے دل کے مالک تھے۔ ان کی سات سمندر پار سے آنے والی نصرانای عیار قوم انگریز سے سخت نفرت تھی اور وہ سلطنت اسلامیہ کے چھن جانے اور انگریز کی غلامی جیسی ذلت پر اکثر کڑھتے رہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے انگریز کو ہند بدر کرنے کا ایک جامعہ منصوبہ تیار کیا جس کے تحت صوبہ بہار' صوبہ اودھ اور دہلی کے علاقوں سے سامہ شیخوں اور دیگر اسلام پسند مسلم برادریوں سے والنٹیرز بھرتی کر کے انہیں صوبہ بہار کے صدر مقام پٹنہ میں قائم کردہ خفیہ ٹریننگ مرکز میں گوریلہ ٹریننگ دوینے کا بندوبست کیا گیا اور تھانیسر کے ارد گرد پہاڑی علاقہ میں خفیہ اسلحہ خانہ اور گوریلہ کیمپ قائم کئے جہاں پٹنہ سے ٹرینڈ مجاہدین چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں بھیس بدلا کر بھیجے جانے لگے۔ چند ماہ بعد جب گوریلہ مجاہدین کی خاصی تعداد تھانیسر میں جمع ہو گئی تو انہیں وہاں سے افغانستان ی سرحد سے ملحقہ مقامات ستیانہ اور ملکہ تک پہنچانے کے پروگرام کو عملی شکل دینے اور انگریزی یونٹوں کی بارکیں اور فوجی تنصیبات کو تباہ کرنے کے لئے اندرون پنجاب مجاہدین کو ضروری سامان حرب و ضرب اور ہدایات مہیا کرنے کے دوران اس عظیم منصوبہ کا راز فاش ہو گیا اور کسی نہ کسی طرح انبالہ کمشنری کے کمشنر سرہربرٹ ایڈورڈز کے سرحدی پٹھان اردلی غزن خان نامی کو بھی اس کا پتہ چل گیا۔ اس ننگ وطن اور ننگ قوم پٹھان نے انعام کی لالچ میں اپنے انگریز آقا کو کل حالات سے آگاہ کر دیا۔ کمشنر نے فوری اقدامات کرتے ہوئے پنجاب میں صورت حال پر قابو پانے کے لئے صوبائی حکومت کو مطلع کر دیا جس نے تمام اضلاع کے ڈپٹی کمشنروں اور فوجی کمانڈروں کو خبردار کر دیا اور انہوں نے صوبہ بھر میں رائیوں کے

گھروں کی تلاشیاں لیتے ہوئے اور بے گناہ لوگوں کی گرفتاریوں سے خوف و ہراس کا سماں پیدا کر دیا۔ پٹنہ میں مجاہدین کے ہیڈ کوارٹرز اور ٹریننگ سنٹر کو تباہ کرنے اور ان کے منتظمین کی گرفتاری کیلئے ایک کپتان پارسنز نامی کی زیر کمان انگریزی فوج کا ایک بھری دستہ روانہ کیا گیا۔ کیپٹن پارسنز نے مرکز کو تباہ کر کے وہاں پر موجود منتظمین میاں یحییٰ علی اور شیخ محمد شفیق کو گرفتار کر کے پابہ زنجیر انبالہ لایا گیا جہاں ملاں جعفر اور ان سب پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا میاں محمد شفیع آرمی کنٹریکٹر کو فوجی راز ظاہر کرنے کی پاداش میں پھانسی کی سزا دی گئی اور دیگر راہنماؤں کو کالا پانی کی سزا دے کر جزیدہ انڈیمان بھیج دیا گیا۔ جہاں رائیوں کے یہ عظیم رہنما اور مجاہدین اسلام 18 سال تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے اور اپنی وسیع جائیدادوں کی ضبطی پر ذرا ملال نہ کیا۔

اس طرح یہ سکیم بھی فیل ہو گئی۔ پنجاب کی چھاؤنیوں میں رائیوں کی حرکات و سکنات اور ان کے زیر انتظام چلنے والے صوبہ بھر میں تمام دینی اداروں پر حکومت کڑی نظر رکھنے لگی اور معمولی سے شک کی بنا پر پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

1863ء میں تیسری کوشش

انگریز کی اس حکمت عملی سے تحریک آزادی کی سرگرمیاں بڑی حد تک سرد پڑ گئیں اور سیتانہ اور ملکھانہ میں مقیم مجاہدین کا سرفروشان پنجاب سے رابطہ تقریباً منقطع ہو گیا اور بظاہر انگریز سے دوبارہ ٹکر لینے کی کوئی سبیل نظر نہ آتی تھی مگر باوجود اس کے یہ اندرونی آگ برابر سلگتی رہی جو کسی وقت بھی بھڑک سکتی تھی۔ چنانچہ موقع پا کر وقتاً فوقتاً اکا دکا یا دو دو تین تین کی ٹولیوں میں مجاہدین کبھی تو یورپین لباس میں سیاح بن کر اور کبھی نیچر سٹڈی کے بہانے کالجوں کے سٹوڈنٹ بن کر ضلع ہزارہ اور

پشاور سے ہوتے ہوئے دشوار گزار راستوں سے سیتانہ اور ملکانہ اور امیلا کے علاقوں میں پہنچ جاتے حتیٰ کہ ان کی ایک معقول تعداد وہاں جمع ہو گئی جہاں سے وہ اپنے پہلے سے موجود بھائیوں کے سات عمل کر سر ہتھیلی پر رکھ کر انگریزی سامراج کو ضرب کاری لگانے کے لئے شب خون مارنے لگے۔ انہوں نے ایک رات دست بدست لڑائی میں انگریزی جرنیل نیول چمبرلین کو سخت زخمی کر دیا اور اس کے حفاظتی دستے کو تہس نہس کر کے نہایت پھرتی سے رات کے اندھیرے میں پچھلے موروں پر اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں۔ مجاہدین کی اس کاروائی سے انڈین آرمی کے ڈوگروں اور سکھوں کو اپنے آقا جرنیل کو زخمی حالت میں محفوظ مقام پر پہنچانے کی مہلت مل گئی مگر وہ زخموں کی تاب نہ لا کر طلوع آفتاب سے قبل ہی دم توڑ گیا۔ انگریز جرنیل کی نہتے سرفروشاں کے ہاتھوں اس طرح موت سر برٹش پارلیمنٹ میں ایک تہلکہ سا مچ گیا چنانچہ اس کی جگہ ایک کہنہ مشق اور پہاڑی لڑائی کے ماہر جرنیل کارمیک کو سخت ہدایات دے کر مجاہدین کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا گیا۔ اس جرنیل نے مقامی غدار اور انعام کے لالچی دوغلے پٹھانوں کی اعانت سے مجاہدین کے خفیہ اڈوں اور اسلحہ خانوں کا پتہ لگا کر دو بریگیڈ فوج سے پورے علاقہ کو چاروں طرف سے گھیر کر بھرپور حملہ کیا۔ سینکڑوں مجاہدین شہید ہوئے۔ اسلحہ خانے اور ایمونیشن فیکٹری تباہ کر دی گئی اور لالو کے مقام پر ان کے ہیڈ کوارٹر کو برباد کر کے اس تحریک کا خاتمہ کر دیا۔ بچے کچے سرفراشان جہاں سینگ سمائے پہاڑوں میں ادھر ادھر چھپ گئے جہاں سے آج تک ان کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔

پنجاب کی نفسیاتی موت

1857 کی جنگ آزادی اور 1900 کے تینتالیس سالہ درمیانی عرصہ میں کشمیر، کپور تھلہ، مالیر کوٹلہ، پٹیالہ، جیند، نابھہ، بہاولپور، فرید کوٹ اور ناہن ریاستوں کی غیر مشروط اطاعت سے کوہاٹ اور پشاور کے سکھوں کے پرانے خادم اور عافیت طلب ملکوں کی تابعداری، نام نہاد "مارشل گروپ" کی قلیل مشاہرے پر رضاکارانہ چاکری اور گھریلو

خدمتگاری سے (یاد رہے کہ ملکہ وکٹوریہ اور شاہی خاندان کے کئی گھرانوں میں گھریلو کام کاج کے لئے درجہ چہارم کے ملازمان زیادہ تر اسی گروپ سے تعلق رکھنے والے زیادہ تر اسی گروپ سے تعلق رکھنے والے پنجابی تھے) اور اس کے علاوہ شیڈول کاسٹس میں عیسائیت کے پرچار سے اور تجارت پیشہ مالدار اور پڑھا لکھا انگریزی دان بنیا طبقہ کو چھاؤنیوں میں بھاری ٹھیکے اور سول ملازمتوں میں ان کی اجارہ دری قائم کر کے انگریزوں نے پنجاب پر اپنی گرفت خوب مضبوط کر لی۔ اس صوبے کی بدقسمتی کی انتہا یہ تھی کہ حکومت انگلشیہ کے استحکام کی خاطر اور اپنی وفاداری کے ثبوت میں ٹوانوں نونوں کے کئی گھرانوں نے بمعہ گھوڑوں کے انڈین آرمی کے کیولری یونٹوں میں ادنیٰ درجہ کی ملازمتوں کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنے میں بھی کوئی عار نہ سمجھی۔ پانچ دریاؤں کی اس دھرتی میں بے شمار قدرتی وسائل اور اس قدر ارزاں افرادی قوت کی فراوانی اور دستیابی سے انگریز کا حوصلہ پہلے سے کئی گنا بڑھ گیا اور اس نے اب ہندوستان سے باہر بھی ادھر ادھر ہاتھ مارنے شروع کر دیئے۔ برما جیسے چھوٹے اور کمزور ملک کو دو ہفتوں کے اندر اندر ہڑپ کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا اور دیگ ہمسایہ ممالک کے اندرونی معاملات میں بے دھڑک دخل اندازی کرنے لگے غرضیکہ پنجاب کے بل بوتے پر عیار انگریز کا مشرق میں طوطی بولنے لگا۔ اس نے عیسائیت کو مزید فروغ دینے اور انگریزی زبان کو عام کرنے کے لئے بھاری وظائف اور پرکشش مراعات کا جال بچھا دیا جس کے نرغے میں پھنس کر کوئی نومسلم زمیندار برادریوں کے کئی جاہل اور لالچی لوگ عیسائیت قبول کر کے عیسائی مشن احاطوں میں اٹھ آئے جہاں انہیں انگریزی زبان کی مفت تعلیم اور آرام دہ زندگی گزارنے کی سہولتیں میسر آنے لگیں۔ آخر وہ بھی انگریز کے گن گانے لگے۔ غرضیکہ پنجاب میں انگریز کی افسوں انگیز حکمت عملی سے ہنگامہ خیزی اور گہما گہمی کا دور ختم ہو گیا۔ لوگ بے حسی کا شکار ہو کر اپنے تشخص اور عزت نفس سے محروم ہو گئے اور فرنگی اقتدار کے خلاف کوئی کاروائی کرنے کو کسی کا جی نہ

چاہتا تھا۔

کوئی چارہ باقی نہ رہا

بھلا ایسے میں اسلامیت اور آزادی کی بات کرنے والوں کا کہاں ٹھکانہ ہو سکتا تھا اور اگر کوئی اکا دکا سرپھرا گروہ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں نکل آنے کی جسارت کرتا بھی تو ظاہر ہے کہ اس کو سوائے قیمتی جانوں کے ضیاع کے اور کچھ حاصل نہ ہوتا۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ رائیوں اور ان کے اداروں پر حکومت کی کڑی پابندی لگ چکی تھی اور ذرا سا شک گزرنے پر فوراً" پکڑ دھکڑ شروع ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اندریں حالات حریت پسندوں کا وہ طبقہ جو انگریزی اقتدار کو تقویت دینا خلاف اسلام سمجھتا تھا اور جان کی بازی لگا کر آزادی حاصل کرنے کا متمنی تھا اسے مجبوراً" میدان خالی کرنا پڑا اور برادری کی قیادت انگریز سے تعاون کی پالیسی پر گامزن ہو کر تحفظ حقوق اور بتدریج آزادی حاصل کرنے والے اعتدال پسند طبقہ کی طرف خودبخود منتقل ہو گئی۔

معتدل گروپ کی سرگرمیاں

اس قیادت میں شروع شروع میں ضلع لاہور سے سردار حاجی نور محمد رئیس اعظم اور خان بہادر نور برہان آنریری مجسٹریٹ آف گنجہ کلاں' باغبانپورہ سے میاں جمال دین رئیس اعظم' ضلع جالندھر سے صوفی اکبر علی مصنف سلیم التواریخ' صوبیدار میجر میاں غلام حسین اور خانصاحب مہر نظام الدین اور ضلع کرنال سے مولوی ابراہیم نمبردار سفید پوش پیش پیش رہے مگر ان کی سرگرمیاں زیادہ تر برادری کی فلاح و بہبود اور اس میں غیر اسلامی رسومات جو ہندی اقوام سے اختلاط کے باعث جنم لے چکی تھیں ان کے انسداد کی کوششوں تک ہی محدود رہیں۔

راعیں کا مقدر خدمت اسلام ہے

راعیوں میں برادری کی سطح پر تنظیم و اصلاح کا یہ سلسلہ 1900ء کے بعد جنگ عظیم اول کے اختتام تک گو جاری رہا لیکن انتھک کوششوں کے بلوجود ذرائع ابلاغ اور آمدورفت کی ناکافی سہولتوں کے باعث صوبہ بھر میں دور دراز بکھری ہوئی برادری میں اس نوعیت کی انفرادی کوششوں اور پراپیگنڈا سے مجموعی طور پر خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہو سکے چنانچہ اتفاق و یکجہتی اور آپس میں ایک دوسرے کو قریب تر لانے میں وسیع تر بنیادوں پر ایک باقاعدہ تنظیم کی تشکیل کا خیال پیدا ہوا جسے سر میاں محمد شفیع آف لاہور کی ذاتی دلچسپی سے جلد ہی عملی جامہ پہنا کر انجمن راعیان ہند" لاہور کے نام سے ایک تنظیم کا قیام عمل میں لایا گیا اور میاں صاحب کو اس کا صدر جبکہ ملک تاج الدین صاحب بی اے اسسٹنٹ اکوشنٹ جنرل پنجاب کو جنرل سیکرٹری اور ایگزیکٹو ممبران ملک دین محمد رئیس اعظم سادہ کلاں اور جالندھر کے میاں احسان الحق بارایٹ لاء کے علاوہ قاضی فتح محمد انبالوی کو سفیر انجمن منتخب کیا گیا جن کے مساعی جمیلہ سے صوبہ کے مختلف شہروں میں اس تنظیم کی شاخیں قائم ہو گئیں اور اس طرح برادری میں ایک نئے انداز سے بیداری کی لہر اٹھی۔ لاہور میں موہنی روڈ پر راعین بلڈنگ کی شاندار عمارت دنوں میں کھڑی کر دی گئی اور ایک ہفتہ وار جریدہ "الراعی" قاصد کا کام کرنے لگا۔ ملکی حالات تیزی سے بدلنے لگے تھے۔ چنانچہ میاں صاحب کی دوربین نگاہوں نےجلد ہی بھانپ لیا کہ انگریزوں کی چالبازی سے ہندوؤں کی ہر شعبہ زندگی میں ترقی اور خاص کر تعلیمی میدان میں ان کی سبقت سے مسلم قوم کو دانستہ طور پر پیچھے رکھا جا رہا ہے لہٰذا مسلمانوں کو خواب غفلت سے جھنجھوڑنے کے لئے وسیع تر بنیادوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے چنانچہ انہوں نے میاں شاہ دین ہمایوں (جو جلد ہی ہائی کورٹ کے جسٹس بنا دیئے گئے تھے) کی معیت میں سرسید احمد خاں گروپ کے شانہ بشانہ کام کرنے کے لئے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں شرکت کر لی اور پنجاب میں اس تنظیم کو مضبوط

بنا کر اپنی بیٹی بیگم شاہنواز کے سرگرم تعاون سے لاکھوں روپے اکٹھے کر کے علی گڑھ کالج کو مسلم یونیورسٹی میں تبدیل کرنے کے لئے دن رات کام کیا اور اس عظیم منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں سرسید احمد خاں کا ہاتھ بٹایا۔ قومی سطح پر میاں صاحب کی گوناگوں مصروفیات میں دن بدن اضافہ ہونے لگا لہٰذا وہ برادری کی تنظیم کو زیادہ وقت دینے سے معذور رہے لگے اور آخر کار انہوں نے انجمن راعیان ہند لاہور کی باگ ڈور ایک نوجوان بیرسٹر میاں عبدالعزیز مالواہ آف یکی دروازہ لاہور (سابقہ ہوشیارپور) کے ہاتھ میں دے دی اور خود 1906ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے ڈھاکہ کے اجلاس میں انہوں نے (میاں سر محمد شفیع) مسلمانوں میں بیداری کی مہم کی رفتار کو تیز تر کرنے کے لئے مسلم لیگ کے نام سے ایک سیاسی پلیٹ فارم کی تجویز پیش کی جو بالاتفاق رائے منظور کر لی گئی اور اس طرح ہندوستان میں مسلمانوں کی واحد سیاسی تنظیم کی بنیاد رکھ دی گئی اور میاں صاحب اس کے پریذیڈنٹ اور علامہ اقبال صاحب جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے۔ آپ نے ملک میں مختلف جگہوں پر اجلاس کر کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد سے روشناس کراتے ہوئے انہیں ملکی سیاست میں حصہ لینے اور حصول تعلیم کی ضرورت پر خاص زور دیا۔ جب تنظیم میں پختگی پیدا ہو گئی تو آپ نے مسلمانوں کے وسیع تر مفاد میں مسٹر گاندھی سے نمٹنے کے لئے مسلم لیگ کی قیادت قائداعظم محمد علی جناح صاحب کے حوالے کر دی جنہوں نے ہندوؤں سے گلوخلاصی کرانے کے لئے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن حاصل کر کے ہی دم لیا۔

سر میاں محمد شفیع جب تک زندہ رہے وہ مجموعی طور پر مسلمانو قوم اور اپنی برادری کے مفاد اور فلاح و بہبود کے لئے انتھک اور بےلوث محنت کرتے رہے۔ آپ نے ہندو اکثریت کے طوفان سے مسلمانوں کے حقوق کی جس طرح حفاظت کی وہ اس حقیقت سے واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے قائداعظم (جو مخلوط انتخابات کے ذریعہ ہندو کانگرس کے ساتھ مل کر مکمل آزادی کے خواہاں تھے) کی ناراضگی مول لے کر

مسلمانوں اور دیگر اقلیتی فرقوں کے لئے جداگانہ انتخابات کا مطالبہ کر دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ آزادی ملنے کی صورت میں مسلمان اکثریت کے دو صوبوں پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی حکومت بنے اور باقی صوبوں میں مسلمانوں کے حقوق کا تعین کیا جائے کیونکہ میاں صاحب یہ خدشہ محسوس کرتے تھے کہ مکمل آزادی کے بعد ہندو قوم مسلمانوں سے انصاف ہرگز نہ کرے گی بلکہ انہیں کچلنے کی کوشش کرے گی اور دل کے کھوٹے ہندو مسلمانوں کو الگ حقوق کسی قیمت پر دینے کے لئے تیار نہ ہوں گے چنانچہ میاں صاحب نے سرسید گروپ سر آغا خان، علی برادران اور نواب محمد اسمٰعیل خاں کے بھرپور تعاون سے ہندوؤں کے حامی مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری اور مسٹر آصف علی جیسے اہم نیشنلسٹ مسلمانوں کی کانگرسی موقف کی مکمل حمایت کے باوجود منٹو مارلے سکیم کے تحت حکومت برطانیہ سے مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخابات کا مطالبہ تسلیم کروا لیا۔ اس اقدام سے قائداعظم میاں صاحب سے ناراض ہو گئے اور اسی دوران میاں صاحب پر یہ الزام بھی تھوپا گیا کہ آپ سرسید گروپ اور انگریزوں کے دیگر خوشامدی اور پٹھو مسلمان ہندوستان کو مکمل آزادی دینے کے راستے میں روڑے اٹکا رہے ہیں جبکہ باقی مسلمان قائداعظم کی زیر قیادت کانگرس سے مل کر ملک کی آزادی کے لئے مصروف جہاد ہیں 1928ء میں آل پارٹیز کا ایک اجتماع دہلی میں زیر صدارت سر آغا خاں ہوا جس میں میاں صاحب کی زیر نگرانی سائمن کمیشن کے سامنے تمام صوبوں سے موصول شدہ مسلمانوں کے مطالبات پیش کئے گئے۔ اسی سال کانگرس کی طرف سے بھی مطالبات پیش کئے گئے جن میں مخلوط انتخابات کی تجویز سرفہرست تھی لیکن اس میں اقلیتوں کے لئے کوئی خاص نشستوں کا تعین اور بنگال اور پنجاب میں مسلم اکثریت کو تسلیم نہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس رپورٹ کی اشاعت کے بعد قائداعظم بھی ہندو کانگرس سے دل برداشتہ ہو گئے اور آخرکار انہوں نے بھی میاں صاحب کے ترتیب دیئے گئے مندرجہ ذیل 12 نکات سے اتفاق کرتے ہوئے چودہ نکات

پر مبنی اپنی تجاویز حکومت کو پیش کر دیں۔

1- حکومت ہند وفاقی ہو گی۔

2- بقایا اختیارات صوبوں اور ریاستوں کے پاس رہیں گے۔

3- کوئی بل جس کو کسی فرقہ کی تین چوتھائی اکثریت مسترد کر دے اسے نافذ نہ کیا جائے۔4- مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخابات اس وقت تک برقرار رہیں جب تک وہ خود اسے نہ چھوڑ دیں۔

5- مرکزی اسمبلی میں مسلمانون کی نمائندگی ایک تہائی ہو۔

6- کسی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل نہ کیا جائے اور نہ ہی اسے برابر کیا جائے۔

7- بلوچستان اور صوبہ سرحد میں اصلاحات نافذ کی جائیں۔

8- سندھ کو علیحدہ صوبہ بنایا جائے۔

9- مسلمانوں کے لئے ملازمتوں کا مخصوص کوٹہ مقرر کیا جائے۔

10- مسلمانوں کے کلچر، مذہب، زبان، تعلیم اور اوقاف اور افرادی قانون کا مکمل تحفظ کیا جائے۔

11- ہندوستان کے آئین میں تبدیلی کے وقت ریاستوں کی رضامندی بھی حاصل کی جائے۔

12- ہندوستان کے آئین میں تبدیلی صوبوں کی رضامندی کے بغیر عمل میں نہ لائی جائے۔

کانگریس نے مسٹر گاندھی کے مشورہ پر مسلم لیگ کے پیش کردہ نکات کو ماننے سے انکار کر دیا اور مسٹر گاندھی کا یہی انکار آخر کار پاکستان کو معرض وجود میں لانے کا بڑا سبب بنا۔

مارچ 1929ء کے لیجسلیٹو اسمبلی کے بجٹ سیشن میں بیگم شاہنواز اور میاں شاہنواز نے سر میاں محمد شفیع اور قائداعظم کی ملاقات کا بندوبست ایک دعوت میں کیا۔ دونوں لیڈروں نے دو گھنٹہ کی گفتگو کے بعد دونوں مسلم لیگوں کو یکجا کر دیا۔ میاں صاحب مسلم لیگ کے صدر بن گئے اور قائداعظم اسی سال لندن تشریف لے گئے۔ یہ اتحاد انتہائی مبارک ثابت ہوا جس سے دونوں محبان قوم و وطن مل کر ملک کی خدمت میں لگ گئے۔

نومبر 1930ء میں بادشاہ جارج پنجم نے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کا افتتاح کیا جس میں چودہ (14) مسلمان شامل ہوئے۔ سر میاں محمد شفیع اور قائداعظم کے علاوہ مولانا محمد علی جوہر اور سر آغا خاں مسلمانوں کی نمائندگی میں پیش پیش رہے۔ میاں صاحب نے اپنی تقریر میں ہندوؤں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"آپ اپنے ملک کو کامن ویلتھ میں برابر کا ممبر بننے کی خواہش کر رہے ہیں۔ یاد رکھیں کوئی ملک اکیلا ہی آزادی برقرار نہیں رکھ سکتا۔ ہماری خوش قسمتی سے کامن ویلتھ موجود ہے۔ اگر آپ اپنے ملک میں مکمل سیلف گورنمنٹ کے خواہاں ہیں تو آپ کو فیاض اور فراخ دل ہونا پڑے گا اور ہمارے حقوق اور مطالبات تسلیم کر لینے چاہئیں۔ یقین کیجئے کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر آزادی کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے گا اگر آپ مسلمانوں کے جائز مطالبات تسلیم کرنے سے گریز کریں گے اور ایک بڑے اور طاقتور فرقہ کی ہمدردیوں اور جذبات کو نظرانداز کریں گے تو آپ کا "رام راج" ایک خواب پریشان ہو کر رہ جائے گا اور اس صورت میں برٹش پارلیمنٹ کس فرقہ کو حکومت منتقل کرے گی؟ کیا آپ لوگوں کو؟ اگر ایسا ہوا تو مسلمان اعتراض کریں گے اور اگر مسلمانوں کو حکومت منتقل ہوئی تو آپ لوگ اعتراض کریں گے لہٰذا حکومت کی منتقلی ناممکن ہو جائے گی۔ جب تک دونوں قومیں متحد نہ ہوں گی بقول لارڈ کرزن " انگریز ہندوستان جیسے خطہ جنت نظیر کو ہر ممکن طریقہ سے غلامی کی مضبوط رسی سے

جکڑے رکھے گا۔

مسٹر گاندھی پر اس بصیرت افروز مشورہ کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔ اگر وہ اس وقت مسلمانوں کے اس مشورہ کو مان لیتے تو 1930ء میں ہی انگریز بوریا بستر باندھ کر ہندوستان سے رخصت ہو جاتا مگر ہندو لیڈروں کی کوتاہ اندیشی اور متعصبانہ ذہنیت سے مکمل آزادی کا مسئلہ مزید سترہ سال تک معرض التوا میں پڑا رہا۔ دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس ستمبر1931ء میں ہوئی جس میں دوبارہ قائداعظم، میاں صاحب اور سر آغا خاں نے مسلمانوں کی نمائندگی کی اور دو ماہ تک بات چیت جاری رہی مسلمانوں نے ملکی آزادی کی رفتار تیز کرنے کی خاطر کم از کم شرائط پیش کیں جن کو گاندھی جی نے اس وقت تو تسلیم کر لیا مگر بعد میں سکھوں اور مہاسبھائیوں کے انکار کا بہانہ بنا کر وہ منکر ہو گئے۔

میاں صاحب نے اپنی بھرپور سیاسی زندگی مسلمان قوم کی باعزت طور پر بقا اور سلامتی کے لئے وقف کر رکھی تھی اور اس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ پنجاب میں ان کی ہردلعزیزی کا یہ عالم تھا کہ ان کی وفات پر ان کو پنجاب کا ایک غیر متنازعہ اور بے لوث لیڈر تسلیم کرتے ہوئے مخلص اور فراخدل ہندو اور سکھ کانگرس پارٹی کے منع کے باوجود مسلمانوں کے غم میں برابر کے شریک رہے اور پر خلوص محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے پریس اور جریدوں کے اداریوں میں نہایت دلکش انداز میں ان کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ ہندوؤں کے کٹر اخبار روزنامہ "پرتاپ" نے صفحہ اول پر جلی حروف میں، "پنجاب کا درخشندہ ستارہ آج غروب ہو گیا" کے عنوان سے آغاز کرتے ہوئے پورے جریدہ میں ان کی خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔ سر میاں محمد شفیع کی وفات حسرت آیات کے بعد برادری کی قیادت میاں عبدالعزیز مالودہ کے ہاتھ میں چلی آئی۔ آپ نے انتھک محنت کر کے راعیوں اور لاہور کی دیگر مسلمان برادریوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے پنجاب کے دل شہر لاہور کی میونسپل کمیٹی پر قبضہ کر لیا اور یہ

بات باعث صد افتخار ہے کہ آج تک اس عظیم شہر کی بلدیاتی حکومت پر رائیں برادری کا قبضہ چلا آ رہا ہے۔

میاں عبدالعزیز مالواوہ انگریز کی عملداری کے سخت خلاف تھے اور اس کی غلامی سے جلد از جلد چھٹکارا پانے کے لئے حکومت کی ہر حکمت عملی کو جو مفاد عامہ کے خلاف ہویا حصول آزادی میں رکاوٹ کا باعث بنتی آپ اسے ناکام بنانے کے لئے ہمیشہ ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے چنانچہ انہوں نے انگریز کے ابتدائی دور حکومت میں کمال جرات سے کام لیتے ہوئے میونسپل کمیٹی کے پلیٹ فارم سے زندہ دلان لاہور کی خواہشات کے احترام میں پرنس آف ویلز کے 1921ء کے دورہ ہندوستان کے سلسلہ میں لاہور آمد پر مکمل بائیکاٹ کا اعلان کر دیا اور سر جان لارنس سابق گورنر پنجاب کے ایک ہاتھ میں قلم اور دوسرے میں تلوار دکھاتے ہوئے مجسمہ کو لاہور کی مال روڈ پر نصب کر کے پنجابیوں کی غیرت کو جو چیلنج کیا گیا تھا اس کے خلاف اسے قبول کرتے ہوئے قرار دار منظور کرتے ہوئے انگریزی اقتدار و وقار کو خاک میں ملا کر رکھ دیا اور اس طرح وہ کام جو پنجاب کا کوئی مہاراجہ' راجہ' نواب' خان' ملک' چوہدری یا رائے زادہ نہ کر سکا وہ پنجاب کے اس رائیں سپوت نے کر کے دکھا دیا اور پنجابیوں کی لاج رکھ لی۔ ان قراردادوں کے پاس کرنے اور شالامار باغ میں پرنس آف ویلز کے استقبالیہ میں میونسپل کمیٹی کی عدم شمولیت سے اور میاں صاحب کی حکام سے قدم قدم پر مخالفت کے باعث حکومت پنجاب آپ کی قومی زندگی ختم کرنے اور انہیں کسی نہ کسی کیس میں پھنسانے کے لئے ہر ممکن حربہ استعمال کرنے لگی مگر یہ مجاہد پھر بھی لاہور میونسپل کمیٹی کا تین مرتبہ پریذیڈنٹ اور دو مرتبہ میئر بھاری اکثریت سے منتخب ہوتا رہا جس سے تمام صوبہ میں میاں صاحب کی دھوم مچ گئی اور آخر ان کی اس قدر ہردلعزیزی کے پیش نظر حکومت پنجاب ان کی بات سننے اور ہر حکمت عملی میں ان کے مشورہ جات پر عمل کرنے پر مجبور ہو گئی۔ آپ نے مسجد شہید گنج کے جھگڑے مولانا عطا اللہ شاہ بخاری

کے خلاف بغاوت کا کیس اور خاکسار تحریک پر عتاب شاہی کے موقعوں پر ایک مخلص مسلمان اور قابل قانون دان کی حیثیت سے اہم رول ادا کرتے ہوئے قومی وقار کو مجروح ہونے سے بچا لیا اور انگریز مسلمان کے جذبہ ایمان سے اپنی مسلم کش پالیسی پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو گئے اور ہندو کو ابھار کر مسلمان کو دبانے کی حکمت عملی پر بڑی حد تک عمل درآمد رک گیا۔ شاعر مشرق' مفکر اسلام علامہ اقبال میاں صاحب کی دینی اور ملی خدمات پر نازاں تھے اور ان کے دل سے قدر کرتے تھے۔ آپ نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر کے 1937ء تا 1946ء متواتر پنجاب اسمبلی کے الیکشن بھاری اکثریت کے ساتھ جیتے اور مسلمانوں کی گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ آپ کی جائے رہائش جو اس وقت لاہور میں سب سے بڑی اور شاندار عمارت کی شکل میں تھی تحریک آزادی اور مسلم لیگ کے اکابرین کا ہیڈ کوارٹر بنی رہی جس میں علی برادران' مولانا ابوالکلام آزاد' حکیم اجمل خاں' قائداعظم' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی' مولانا محمد حسین بٹالوی اور چوہدری محمد علی سابق وزیراعظم پاکستان جیسی ہستیوں کے اجتماعات ہوا کرتے تھے۔

ایک مقصد اور دو راستے

قدرت کا کرشمہ ملاحظہ فرمائیں کہ ایک بھائی تو قانونی رو اور افہام و تفہیم کے ذریعہ سے آزادی حاصل کرنے کا خواہاں ہے اور دوسرا بھائی ڈنڈے کے زور سے انگریز سے حکومت چھیننا چاہتا ہے۔ میاں صاحب کے برادر اصغر ڈاکٹر عبدالحفیظ نے انگریز کی ملازمت اور اس کی اطاعت قبول نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب جنگ عظیم اول اور تحریک خلافت کے شروع میں ہی ہندوستان سے براستہ افغانستان فرار ہو کر ترکوں کی فوج میں شامل ہو کر انگریزوں کے خلاف جہاد میں شریک ہو گئے۔ آپ چالیس سال تک وطن عزیز سے باہر رہ کر ہندوستان سے انگریزوں کی روانگی کا انتظار کرتے رہے اور آخر کار پاکستان کے معرض وجود میں آنے پر لاہور واپس آئے

اور اس طرح اپنی بے مثال حب الوطنی خدمات اسلام اور قربانی سے تاریخ مجاہدین میں سنہری حروف میں اپنا نام چھوڑ گئے۔ جو مسلمان قوم کے لئے ہمیشہ مشعل راہ کا کام دیتا رہے گا۔

جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ تحریک مجاہدین 1863ء کے اختتام پر عملی طور پر سرد پڑ گئی تھی مگر اس کے نشانات پھر بھی پنجاب کی وادیوں میں کہیں کہیں پائے جاتے تھے۔ ڈاکٹر عبدالحفیظ کی قربانی سے کئی دبی ہوئی چنگاریاں پھر سے شعلہ بننے لگیں۔ چنانچہ جنگ عظیم کے دوران یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایک شعلہ ضلع گوجرانوالہ کے گاؤں کوٹ بھوانی داس کے مہر پیر محمد کے گھر سے اس کے فرزند محمد حسین، دوسرا شعلہ گنج کلاں ضلع لاہور کے سردار محمد شفیع اور تیسرا شعلہ کیپٹن ظفر حسین ایبک کی صورت میں اٹھا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے کئی راہیں خاندانوں میں روشنی کر کے ان کے تھکے ماندے حریت پسند ضمیر کو پھر سے جگا دیا۔ چنانچہ انگریزوں کو ایک طریقہ سے دو جنگوں کا سامنا کرنا پڑ گیا۔ میاں عبدالباری آف تحصیل جڑانوالہ ضلع فیصل آباد (سابقہ لائیلپور) کیپٹن ظفر حسن ایبک کی ہمراہی میں انگریزوں کی نظروں سے بچتے بچاتے افغانستان پہنچ گئے اور وہاں پہنچنے پر میاں عبدالباری نے ملک کے اندر رہ کر انگریز کا مقابلہ کر کے آزادی حاصل کرنے کا پروگرام بنا لیا اور ملک سے باہر جانے کا ارادہ ترک کر کے واپس لاہور پہنچ کر مسلم لیگ کے سرگرم رکن کی حیثیت سے حکومت کے خلاف بر سرپیکار ہو گئے۔ ظفر حسن ایبک صاحب انگریز کی غلامی سے نکل کر ہمیشہ کے لئے اب ترکی میں سکونت اختیار کر چکے ہیں۔ قیام پاکستان تک میاں صاحب پنجاب مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل رہے اور 1949ء میں نواب ممدوٹ اور میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کے گروپوں کی اکثریتی رائے پر پنجاب مسلم لیگ کے صدر منتخب ہو گئے۔ میاں صاحب ایک محب وطن اور مسلمانوں کے سچے خیر خواہ تھے۔ جب انہیں یہ پتہ چل جاتا کہ مسلمانوں کے خلاف کہیں سازش ہو رہی ہے تو وہ فوراً

میدان عمل میں کود پڑے۔ ان کے وقتوں میں پنجاب کے گورنر سر فرانس موڈی تھے جو پاکستان بننے اور مسلم لیگ کی حکومت ہونے کے باوجود اپنی من مانیاں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ میا صاحب نے اس کے خلاف تحریک شروع کر کے اسے حکومت سے الگ کر کے ہی دم لیا اور ان کی جگہ سردار عبدالرب نشتر کو پنجاب کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ آپ نے نواب ممدوٹ اور دولتانہ گروپوں میں سیاسی بالا دستی اور کرسیوں کے لئے باہمی کشمکش کا منظر دیکھ کر 1950ء میں مسلم لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور مخالف بنچوں پر بیٹھ کر عوام کو اصل صورت حال سے آگاہ کرتے رہے۔ چوہدری محمد علی کی نظام اسلام پارٹی میں بھی شمولیت اختیار کر کے اسلام کی خدمت اور مسلمانوں میں یکجہتی پیدا کرنے میں دن رات آپ نے مخلصانہ طور پر خدمات سرانجام دیں۔

1911ء تک پنجاب میں راعیوں کی دو لاکھ کی ابادی میں ڈیڑھ لاکھ نفوس کا مزید اضافہ ہوا چنانچہ بحوالہ رپورٹ مردم شماری نمبر XIV- جلد اول (پنجاب) مطبوعہ 1911ء صفحہ نمبر 439 ان کا ضلع وار تناسب حسب ذیل ہو گیا۔

	نام ضلع	راعیوں کا تناسب آبادی
1-	ریاست کپور تھلہ	16 فیصد
2-	جالندھر	15 "
3-	لائلپور (موجود فیصل آباد)	12 "
4-	لاہور	10 "
5-	گورداسپور	7 "
6-	سیالکوٹ	7- گوجرانوالہ 6 "
8-	امرتسر	5 "

ریاست جموں و کشمیر میں بحوالہ رپورٹ مردم شماری (کشمیر) نمبر XX جلد اول

مطبوعہ 1911 صفحہ نمبر 217- رائیوں کی کل اباوی بیس ہزار چھو سو اکیس نفوس دکھائی گئی ہے۔ رپورٹ ہذا میں رائیوں کو جاٹوں کی ایک شاخ ظاہر کی گیا ہے جس سے ان کی نمائندگی جاٹ برادری میں مدغم ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ مزید براں ڈوگراہ، راجپوتوں اور گھورکھوں کو تمام مسلمان برادریوں کے مقابلہ میں افضل قومیں قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا ریاست میں آباد رائیوں پر لازم آتا ہے کہ وہ ایسے متعصبانہ اور شرانگیز اندارجات کو ریکارڈ متعلقہ سے حذف کرائیں اور اپنی شناخت کے لئے اس کتاب میں دیئے گئے شجرہ نسب خاندان سامہ کے مطابق "رائیں ملتانی" کا اندارج کروانے کی کوشش کریں تاکہ قبیلہ سامہ کی سب سے اہم اور بڑی شاخ "رائین" کی ریاست میں آبادی کا صحیح اندازہ لگایا جا سکے۔

ملک میں نظریاتی انقلاب اور رائیوں کا کردار

1900ء سے تخلیق پاکستان تک کا زمانہ دراصل نظریاتی ریخت و پرداخت کا زمانہ ہے۔ بنیا قوم انگریز اپنی بقا اور خوشحالی کے لئے اپنے ملک میں کپڑے اور بسکٹ سازی کی صنعتوں کا آغاز کر چکی تھی چنانچہ کچے مال کی فراہمی اور دستیابی میں تسلسل قائم رکھنے کے لئے اس نے پنجاب کی بنجر اور بے آب و گیاہ زمینوں کی ابیاری اور اس سے حاصل شدہ اجناس کو انگلینڈ بھیجنے کے لئے نہروں اور ریلوں کا جال بچھا دیا اور ان ذاتی اغراض کی تسکین کو پنجاب کے کسانوں کی فلاح و بہبود قرار دیتے ہوئے کالونائیزیشن سکیم کے تحت کوڑیوں کے بھاؤ گندم اور کپاس خرید کر انگلینڈ بھیجی جانے لگی اور اس کے بدلے میں تیار شدہ مال چوگنی قیمتوں پر کھپانے کے لئے ہندوستان کو ہی بڑی منڈی کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ اس طرح انگریز جو اس سے پیشتر آئرلینڈ سے آلو اور ناروے سے مچھلی مانگ کر گزارا کرتا تھا اب ہندوستان کی چائے۔ گندم اور کپاس پر مکمل کنٹرول کر کے دنوں میں خوشحال ہو گیا اور برِصغیر کے کروڑوں باسیوں کو کنگال کر کے رکھ دیا۔ اس کے علاوہ جنگ عظیم اول کے آغاز و

اختتام کا بھی یہی زمانہ تھا جس میں ہندوستان سے کرایہ کی سپاہ کے استعمال سے انگریز نے ایک وسیع سلطنت قائم کرلی (جس پر کبھی سورج غروب نہ ہوتا تھا) لاکھوں آدمی اس جنگ میں ہلاک ہوئے اور سینکڑوں نے بہادرانہ جوہر کی مثالیں قائم کیں مگر ایک غلام ملک کے کرائے کے ملازموں کی حیثیت سے ان سے جنگ کے دوران اور اختتام پر غیر منصفانہ اور نامناسب برتاؤ کیا گیا اور ان کی پیش بہا خدمات کے صلہ میں ان کو نہایت حقیر پنشنوں اور الاؤنسوں پر ٹرخا دیا گیا جس سے وہ دل برداشتہ ہو گئے اور انگریز حکومت سے عام نفرت کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے اور اس طرح انگریزی راج کی برکتوں کا بھانڈہ بھی جلد ہی پھوٹ گیا۔

چنانچہ انہیں ایام میں آل انڈیا کانگرس جو بظاہر تو ہندوستان کو انگریزی چنگل سے آزاد کرانے اور بعد آزادی یہاں بسنے والی مختلف اقوام کو حکومت میں منصفانہ نمائندگی کے حقوق دلوانے کے لئے جدوجہد کا دعویٰ کرتی تھی مگر درپردہ ہندو راج قائم کرنے کے ناپاک عزائم رکھتی تھی نے عوام کی حکومت انگلشیہ سے دن بدن بڑھتی ہوئی نفرت اور تحریک خلافت کے دوران ملک میں مسلمانوں کے جوش و خروش سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور نہایت چالاکی سے سبز باغ دکھا کر آزادی ہند کے لئے مخلصانہ کوششوں میں مصروف کئی مسلمان مجاہدین کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئی اور کچھ ہی عرصہ بعد قائداعظم محمد علی جناح اور پنجاب سے میاں افتخار الدین، صوبہ سندھ سے میاں رفیع احمد قدوائی اور حافظ محمد ابراہیم اور صوبہ بہار سے میاں غلام سرور اور ملاں جان محمد صدر آل انڈیا خلافت کمیٹی جیسی شخصیات بھی کانگرس کو ہی ملکی آزادی کے لئے واحد سیاسی تنظیم تصور کرتے ہوئے اسی کا پلیٹ فارم استعمال کرنے لگیں۔

جیسا کہ پچھلے اوراق میں واضح کیا جا چکا ہے کہ عیسائیت کے پرار کے لئے انگریز نے ملک میں عیسائی مبلغین کا جال بچھا کر لاکھوں اچھوتوں اور خاص کر پنجاب کے چوہڑوں بالیکیوں، میگھوں اور ساہنسیوں کو عیسائی کر لیا چنانچہ اس مذہبی تبدیلی سے ہندو

اکثریت میں خاصی کمی واقع ہوئی جس کے نتیجہ میں ہندو ووٹروں کے تناسب میں کمی واقع ہونے کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ہندوؤں میں عیسائیت کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے کانگرس میں شامل کٹر ہندو رہنماؤں نے قدیم سناتن دھرم میں چھوت چھات کے مسئلہ میں قدرے لچک پیدا کر کے ایک نیا فرقہ "آریہ سماج" کھڑا کر دیا جس نے شدھی تحریک شروع کر کے کئی اچھوتوں اور خاص کر پنجاب کے مینگھوں اور سانسیوں کی اکثریت کو ہندو دھرم میں واپس لانے میں خاصی کامیابی حصال کر لی اور اس کے علاوہ ہندو آبادیوں میں آباد غریب مسلمان مزدور طبقہ کے کئی افراد کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دوسری جانب قادیانیت کا فتنہ بھی انگریز کی سرپرستی میں زور پکڑتا جا رہا تھا جس کی زد میں آ کر لاہور کے جید عالم دین مولوی محمد علی رائین کے علاوہ اور کئی رائین گھرانے مرتد ہو گئے بعد ازاں مولوی محمد علی رائیں نے اس فتنہ کی انتظامیہ سے اختلافات کی بناء پر لاہوری پارٹی کے نام سے اپنی الگ ایک جماعت قائم کر لی اور مرزا غلام احمد کی دیکھا دیکھی وہ بھی نبوت کے خواب دیکھنے لگے۔ مزید برآں بھگتی تحریک بھی میان سے کرپان نکالے جانے کے موقع کے انتظار میں تیار کھڑی تھی۔ ساتھ ہی جنگ عظیم اول کے خاتمہ اور ترکوں کی شکست کے بعد تحریک خلافت بھی دم توڑ رہی تھی۔ چنانچہ ان گوناگوں حالات سے نمٹنے کے لئے ملت اسلامیہ کو اپنے تحفظ کی خاطر دفاعی مورچے قائم کرنے کی ضرورت کا شدت سے احساس ہونے لگا چنانچہ تحریک خلافت کے کھنڈرات پر مولانا حبیب الرحمٰن رائین آف لدھیانہ اور میاں عبدالستار آف فیروز پور اور سردار محمد شفیع آف گنجہ کلاں کی کوشوں سے مجلس احرار وجود میں آئی اور مولانا صاحب اس کے صدر مقرر ہوئے (یاد رہے یہ وہی تنظیم ہے جس نے اپنی جانیں داؤ پر لگا کر ریاست جموں و کشمیر میں اسلام دشمن ڈوگرہ حکومت پر ضرب کاری لگائی جو آخر کار ریاست کے ذلت آمیز زوال اور خاتمہ کا باعث بنی) عیسائیت اور مرزائیت کی یلغار کی روک تھام کے لئے لدھیانہ میں مولانا نور محمد رائین نے مدرسہ حقانی اور

جالندھر میں مولانا خیر محمد راعین نے خیر المدارس کا اجراء کر کے حکومت کی ناپسندیدگی کے باوجود ان فتنوں کے خلاف جہاد کے لئے طلبہ کو نئے خطوط پر ٹریننگ دینے کا انتظام کیا۔

ان اکابرین قوم کے علاوہ مولانا محمد عبداللہ درخواستی راعین رہنمائے جمیعۃ علماء اسلام میاں طفیل محمد رعین آف ریاست کپور تھلہ' چوہدری غلام محمد راعین آف جالندھر' چوہدری محمد اکبر راعین آف مراد پور سیالکوٹ اور سندھ سے مولانا جان محمد بھٹو راعین راہنما یا ان جماعت اسلامیا ور مولانا محمد علی راعین اور فیروز پور سے میاں عبدالحق بار ایٹ لاء' راہنمایان تحریک ختم نبوت و خلافت بھی تحفظ اسلام کی خاطر میدان عمل میں اتر آئے۔ شدھی یلغار کے بڑھتے ہوئے خطرہ کے پیش نظر ہندو اکثریتی علاقہ بمبئی پریزیڈنسی (مہاراشٹر) میں آباد مسلمانوں کو ہندوؤں کی بالا دستی سے نجات دلانے کے لئے سرشاہنواز بھٹو راعین آف لاڑکانہ (جو دراصل پنجابی راعین تھے) نے سر غلام حسین ہدایت اللہ اور جناب عبداللہ ہارون کے بھرپور تعاون سے علاقہ سندھ کو جسے انگریزوں نے تالپوروں کے کمزور ہاتھوں سے چھین کر بمبئی پریزیڈنسی میں شامل کر رکھا تھا۔ علیحدہ کرانے میں کامیابی حاصل کر لی اور اسی نئے صوبہ سندھ میں زیر ہدایت قائداعظم انہوں نے مسلم لیگ کو از سر نو منظم اور وسیع کرنے کے کام کو بطریق احسن سر انجام دے کر مسلمانوں کی سیاسی پوزیشن کو خوب مضبوط کر لی ان بروقت اقدامات سے اسلام دشمن تخریبی طاقتوں کا طوفان گو بڑی حد تک تھم گیا تھا مگر ہندو کانگرس کی طرف سے خطرہ بدستور موجود تھا۔ مسٹر گاندھی کی رہنمائی میں کانگرس کی ہندو نواز پالیسی سے اچھوتوں کی خاصی تعداد ہندو قوم میں واپس آ چکی تھی مگر ان مظلوم لوگوں کو سوائے ووٹ حاصل کرنے کے استعمال کے ہندو سماج میں ان کے لئے کوئی قابل عزت مقام نہ تھا اور نہ ہی انہیں ابھی تک دھرم شاستروں اور ویدوں کو پڑھنا تو درکنار چھونے تک کی اجازت تھی اور وہ بدستور ملیچھ اور اکھشش سمجھے جاتے تھے۔ مسٹر

گاندھی نہایت چالاکی سے کام لیتے ہوئے انہیں اچھوتوں کی بجائے "ہریجن" کی اس قدر تذلیل اور پست زندگی کو برداشت نہ کرتے ہوئے ان کے ہردلعزیز لیڈر ڈاکٹر امبیڈکر (Ambedkar) نے آخر تنگ آ کر ہندو دھرم کو چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی دھمکی دے دی۔ خدا کی قدرت ملاحظہ ہو کہ انہیں ایام میں مسٹر جواہر لال نہرو کی ہمشیرہ مسز وجے لکشمی پنڈت اور مسٹر گاندھی کے بڑے لڑکے ہیرالال گاندھی نے بھی ہندو دھرم سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے دین اسلام کو قبول کرنے پر آمادگی کا کھلے بندوں اعلان کر دیا۔ ان دھمکیوں سے مسٹر گاندھی پر ایک سکتہ سا طاری ہو گیا اور وہ "مرن برت" کا ڈھونگ رچا کر کانگرس اور اپنی قوم سے روٹھ کر واردھا آشرم میں لیٹ گئے۔ مسٹر گاندھی کی یہ چال کارگر گئی۔ ہندوؤں نے جب اپنے لیڈر کو اس حالت میں دیکھا تو وہ ڈاکٹر امبیڈکر کی منت سماجت کر کے اور ہریجنوں کے ساتھ مساوی سلوک اور بھاری مراعات دینے کا وعدہ کر کے اور نہرو کی ہمشیرہ اور گاندھی کے بیٹے کو بہلا پھسلا کر اپنے ارادوں سے باز رکھنے میں کامیاب ہو گئے اور مسٹر گاندھی کو یہ "مژدہ جانفزا" جا سنایا۔ مسٹر گاندھی نے اس پر اطمینان کا سانس لیا اور "مرن برت" توڑ کر واردھا آشرم کے مندر میں پورا ایک ہفتہ تک ہندو جاتی کی رکھشا کے لئے تپیا کرتے رہے۔ ہندوؤں نے مسٹر گاندھی کی ہندو دھرم کی اس "خدمت" کے اعتراف میں "مہاتما" کا خطاب دے کر اسے اوتاروں کی صف میں لا کھڑا کیا اور اس طرح مسٹر گاندھی اور اس کی کانگرس کے درپردہ عزائم خود بخود منظر عام پر آنا شروع ہو گئے۔

ہندوستان بھر میں ہندو مسلم فسادات کی آگ بھڑک اٹھی' ہندوؤں نے مسلمانوں کی دل آزاری اور ان کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کے لئے بوقت نماز مسجدوں کے سامنے جلوس نکالنے' باجے بجانے اور ہنگامہ ڈالنے جیسی مذموم حرکات شروع کر دیں بنارس میں اورنگ زیب کی تعمیر کردہ سنگ سرخ کی پرشکوہ مسجد پر بزدلانہ حملہ کر کے اس کی بے حرمتی کی گئی اور ظالم مرہٹوں نے ناسک میں نہتے اور بے گناہ مسلمانوں کو قتل

کرنے سے بھی گریز نہ کیا۔ ظلم کی انتہاء یہ تھی کہ اگر کوئی مسلمان کسی تقریب کے سلسلہ میں اپنی ملکیتی گائے ذبح کر کے اس کا گوشت کھاتا تو ہندو دھرم کو خطرہ لاحق ہو جاتا اور آن واحد میں مسلمانوں کی پوری بستی پر بلہ بول دیا جاتا اور حکومت وقت ٹس سے مس نہ ہوتی حالانکہ چھاؤنیوں میں گورے فوجیوں کے لئے بیف (Beef) راشن کی سپلائی کے لئے گائے بیل مہیا کرنے کا بندوبست عام طور پر بڑے بڑے ہندو ٹھیکیداروں کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ مسلمانوں پر اس قدر مظالم سے چونکہ کانگرس کے مقصد کو تقویت ملتی تھی اس لئے مسٹر گاندھی نے ہندوؤں کی ایسی ہندو مسلم اتحاد کش حرکات کے خلاف کبھی کوئی آواز نہ اٹھائی۔ چنانچہ قائداعظم نے ہندو ذہنیت اور اس کی تنگدلی سے اندازہ لگاتے ہوئے مسٹر گاندھی کو ایک متعصب ہندو لیڈر گردانتے ہوئے کانگرس سے فوری طور پر علیحدگی اختیار کر لی اور ان کے ساتھ ہی میاں افتخار الدین بھی کانگرس کے خلاف ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ ان کے علاوہ میاں عبدالباری اور میاں نور اللہ آف ضلع لائلپور' سردار محمد شفیع' میاں عبدالعزیز مالواوہ' میاں محمد شفیع عرف "م ش" میاں بشیر احمد خلف الرشید چیف جسٹس ہائی کورٹ میں شاہدین مرحوم اور رائیں خواتین میں سے مسلم لیگ کو اپنی خدمات پیش کر دیں۔ جناب قدرت اللہ شہاب ارائیں پسر جناب محمد عبداللہ گورنر گلگت جو اس وقت صوبہ اڑیسہ میں ڈپٹی ہوم سیکرٹری تھے نے اپنی جان خطرہ میں ڈالتے ہوئے اڑیسہ کے وزیر اعلیٰ سری کشن مہتاب کی خفیہ الماری سے وہ تحریر حاصل کر لی جس میں کانگرس ہائی کمان کے ناپاک عزائم اور مسلمانوں کی تباہی کی سکیم تیار کر رکھی تھی۔ یہ تحریر آپ نے دہلی جا کر قائداعظم کی خدمت میں پیش کر دی اور مسلمانوں کو قتل کرنے اور اڑیسہ بدر کرنے کی خفیہ تیاریوں کے متعلق ہندوؤں کے عملی اقدامات سے تفصیلاً" آگاہ کر کے مسلم لیگ کی خدمت بجالانے میں اہم کردار ادا کیا۔ قائداعظم نے علامہ اقبال کے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کے تصور کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مسلم رائے عامہ ہموار

کرنے کے لئے 1934ء تا 1939ء کے پانچ سالہ درمیانی عرصہ میں ملک بھر کے دورے کئے اور پنجاب میں میاں بشیر احمد نے طوفانی دورے کر کے مسلم لیگ کے لئے شاندار کامیابی حاصل کی اور آخر 1940ء میں میاں صاحب کی تجویز پر شاہی قلعہ لاہور کے سامنے وسیع میدان میں مسلمانو کے لئے آئندہ لائحہ عمل طے کرنے کے لئے ایک تاریخی اجلاس کا انتظام کیا گیا جس میں میاں صاحب نے بحیثیت سیکرٹری مجلس استقبالیہ اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ قائداعظم نے خوش ہو کر آپ کو پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا صدر اور آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا ممبر چن لیا۔ مسلم لیگ نے اس اجلاس میں قائداعظم کی تیار شدہ قرار داد کے مطابق شیر بنگال مولوی اے کے فضل حق کی تجویز پر مسلمانان ہند کے لئے ایک علیحدہ اور خود مختار وطن کے مطالبہ کی قرار داد اتفاق رائے سے منظور کر لی اور مسلم لیگ ہائی کمان اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے حریف ہندو اور عیار انگریز سے بیک وقت نمٹنے کے لئے میدان میں اتر آئی 1935ء میں عیار انگریز نے عملی طور پر جب صوبائی حکومتیں قائم کیں تو مسلم اقلیتی علاقوں میں کانگرس کی برتری قائم کر کے اقتدار اسے سونپ دیا۔ جس سے مسلم لیگ کو ہندو اور انگریز کی اس منافقانہ چال سے مسلمانوں کا مستقبل خطرے میں نظر آنے لگا۔ چنانچہ علیحدہ وطن کی مانگ کے دوسرے اسباب کے علاوہ یہ خطرہ بھی ایک بڑی وجہ تھی۔ ورنہ اگر ہندو اور انگریز کی نیت صاف ہوتی تو ہندوستان کبھی تقسیم نہ ہوتا۔ بلکہ ایک وفاقی نظام کے تحت ہندو مسلم اتحاد کی شکل میں مشرق میں ایک عظیم قوت بن کر ابھرتا 1946ء میں عبوری حکومت کا قیام جب عمل میں آیا تو اس وقت کے وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن کی ملی بھگت سے کانگرس نے مسلم لیگ کو زک پہنچانے اور ناکام بنانے کی نیت سے اسے چند غیر اہم اور بے جان قسم کے محکموں کے علاوہ وزارت خزانہ کی پیش کش بھی کی۔ کانگرس کا خیال تھا کہ مسلم لیگ کے پاس ماہرین اقتصادیات و مالیات کے فقدان سے وہ محکمہ خزانہ جیسے اہم اور گنجلدار ادارہ کو

کامیابی سے چلانے میں ناکام ہو جائے گی جس سے وہ ہندوؤں کے بغیر ایک الگ حکومت بنانے میں نااہل ثابت ہو گی اور اس طرح مسلمانوں کے علیحدہ وطن کے مطالبہ کو خودکشی کے مترادف سمجھتے ہوئے مسترد کر دیا جائے گا مگر ہندو کی یہ چال کارگر ثابت نہ ہوئی اور اسے منہ کی کھانی پڑی۔ خوش قسمتی سے ان دنوں میں مسلم لیگ اور مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کے زبردست حامی چوہدری محمد علی رائین آف ضلع جالندھر (جو بعد میں پاکستان کے وزیراعظم بھی بنے) مرکزی حکومت میں سیکرٹری مالیات کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے۔ چنانچہ انہوں نے قائداعظم کو کانگرس کا چیلنج منظور کرنے کا مشورہ دیا۔ قائداعظم نے چوہدری صاحب کے مشورہ سے اتفاق کرتے ہوئے خان لیاقت علی خان کو اس محکمہ کی وزارت کے لئے منتخب کیا۔ جنہوں نے چوہدری صاحب کی معاونت، عقل و فراست اور تجربہ سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے وزارت خزانہ کو نہایت کامیابی سے چلا کر کانگرس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور پوری مسلم قوم آپ کی قابلیت پر عش عش کر اٹھی ستمبر 1939ء میں جنگ عظیم دوئم کے چھڑنے کے وقت ہندوستان میں مندرجہ ذیل تین بڑے گروپ اپنے اپنے مفاد کی خاطر مصروف عمل تھے۔

1- کانگرس پارٹی

ملک میں یہ سب سے بڑی سیاسی پارٹی تھی جو جلد از جلد آزدی وطن کی خواہاں تھی اور بعد آزادی کے اکھنڈ بھارت کی صورت میں ملک میں ہندو راج قائم کرنا چاہتی تھی اس پارٹی کو ہندوستان کی کل ہندو آبادی بمعہ اچھوتوں اور نیشنلسٹ مسلمانوں کی مکمل حمایت حاصل تھی۔

2- مسلم لیگ

ملک میں مسلمانوں کی واحد سیاسی جماعت تھی جو آزازی ہند جلد از جلد حاصل کرنا چاہتی تھی اور بعد آزادی کے مسلمانوں کے مذہبی، سیاسی معاشی اور اقتصادی تحفظ

کے لئے تیار شدہ پروگرام کے تحت مصروف عمل ہونا چاہتی تھی۔ اس تنظیم کو دیگر مسلمانوں کے علاوہ پنجاب کی کل رائیں برادری کی مکمل حمایت حاصل تھی۔

3- انگریز کا پٹھو گروپ

یہ گروپ ہندوستان میں قائم شدہ چھوٹی موٹی پانچ سو بیاسی (582) ریاستوں کے حکمرانوں کے علاوہ جاگیرداروں' سرداروں' ملکوں اور بڑے بڑے زمینداروں پر مشتمل تھا جو انگریز کا غیر مشروط طور پر وفادار اور نمک خوار رہتے ہوئے اپنی بقا اور سلامتی کی خاطر حکومت کی چوکھٹ پر بیٹھا بھیک مانگ رہا تھا۔ اس گروپ کو سوائے اپنی ذاتی مفاد کے وطن کی مکمل آزادی اور وقار سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ انگریز کی غلامی میں رہتے ہوئے صرف جھوٹی عزت کا طلب گار تھا۔

جنگ کے شعلوں نے دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہٹلر نے یورپ' سولینی نے مشرق وسطیٰ اور جاپان نے مشرق بعید سے برما تک کا تمام علاقہ دنوں میں ہڑپ کر لیا۔ جاپان للچائی ہوئی نظروں سے ہندوستان کو دیکھتے ہوئے موقعہ کی تلاش میں تھا کہ کسی وقت اس "سونے کی چڑیا" کو انگریز کے پنجہ استبداد سے چھڑا کر اپنے قبضہ میں کر لے۔ یہ دیکھتے ہوئے انگریز کے اوسان خطا ہو گئے اس نے اس گھمبیر صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے ہرسہ گروپ سے علیحدہ علیحدہ مذاکرات کئے اور دفاعی تیاریوں میں ان سے بھرپور تعاون' افرادی قوت اور مالی امداد کی دردمندانہ اپیل کی اور ساتھ ہی وعدہ کیا کہ بعد اختتام جنگ ہندوستان کو آزادی دے دی جائے گی۔ دونوں سیاسی گروپوں نے وقت کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے انگریز کی جنگی تیاریوں اور ملکی وسائل کے استعمال میں روڑے نہ اٹکانے کا وعدہ کر لیا۔ مگر عملی طور پر حکومت کو افرادی اور مالی امداد دینے سے معذوری کا اظہار کر دیا۔

سیاسی پارٹیوں کی عملی طور پر جنگی تیاریوں میں حکومت سے عدم معاونت کے

نتیجہ میں انگریز نے عجلت میں اپنے پٹھو گروپ میں سے حسب منشاء افراد کا انتخاب کر کے مرکز میں وائسرائے کی زیر نگرانی ایک کھچڑی نما انتظامی ڈھانچہ اور پنجاب میں ایک جماعت یونینسٹ پارٹی کے نام سے کھڑی کر کے ایک کام چلاؤ وزارت قائم کر دی جس کی کوششوں اور وساطت سے انیس ڈویژن پیدل فوج اور سینتیس (37) بکتر بند یونٹیں کھڑی کر کے مختصر سی ٹریننگ دینے کے بعد انہیں مختلف محاذوں پر بھیج دیا گیا۔ اس کے علاوہ پٹھوؤں سے نقد مال بھی خوب بٹورا گیا اور اس طرح یہ سلسلہ تا اختتام جنگ جاری رہا۔ ہنگامی پالیسیوں اور جنگی تیاریوں کے خلاف نقطہ چینی کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اتنی سختی کے باوجود 1943ء میں مسٹر گاندھی نے ایک سوچی سمجھی چال کے مطابق " ہندوستان چھوڑ دو" (Quid India) کا نعرہ لگا کر فرنگی حکومت کو مرعوب کرنے کی کوشش کی مگر انگریز کے پٹھوؤں کی مدد سے خود اعتماد بنا جا رہا تھا اس لئے اس نعرہ نے اس پر کوئی خاص اثر نہ کیا۔ مسٹر گاندھی کے نعرہ لگانے کا مقصد دراصل یہ تھا کہ انگریز دوران جنگ بہکھلا کر حکومت کی باگ ڈور کانگرس کے حوالے کر دے گیا جو بعد میں جاپان سے سمجھوتہ کر کے اکھنڈ بھارت میں "رام راج" قائم کر کے مسلم لیگ کے علیحدہ وطن کے مطالبے کو مسترد کر دے گی مگر مسلم لیگ بھی مسٹر گاندھی کی اس چال کو بھانپ گئی لہذا عوام میں سے کسی مسلمان نے بھی اس نعرہ پر کوئی دھیان نہ دیا اور انگریز نے کوئی پرواہ کئے بغیر مسٹر گاندھی کو پونا میں آغا خاں کے محل میں قید کر دیا جہاں وہ گوپیوں کے جھرمٹ میں پونا کی صحت افزا آب و ہوا سے لطف اندوز ہونے لگے۔

پنجاب میں میاں عبدالباری جنرل سیکرٹری پنجاب مسلم لیگ اور میاں افتخار الدین رکن اور ورکنگ کمیٹی اور میاں محمد شفیع (م ش) جنرل سیکرٹری پنجاب مسلم لیگ اسمبلی پارٹی نے یونینسٹ پارٹی اور اس کی کٹھ پتلی وزارت کا تابڑ توڑ حملوں سے ناک میں دم کر رکھا تھا اور بالآخر انہیں کی کوششوں سے یہ ملک دشمن اور مسلم مفاد کی مخالف پارٹی اور اس کی وزارت دم توڑ گئی اور مسٹر فیروز خاں نون جیسا انگریز پرست شخص بھی بعد میں

مسلم لیگ میں شامل ہو کر اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کرنے پر مجبور ہو گیا۔

جنگ کے خاتمہ کے بعد 1947ء کے وسط میں برطانوی پارلیمنٹ نے وزیر اعظم مسٹر کلیمنٹ اٹیلے کی زیر قیادت ہندوستان کی آزادی کا بل پاس کر دیا اور اقتدار کی منتقلی کی تفصیلات طے کرنے کے لئے قائداعظم اور مسٹر جوہر لعل نہو کی جان پہچان والے ایک کہنہ مشق قانون دان سر سٹیفورڈ کرپس ڈائریکٹر بورڈ آف ٹریڈرز کی سربراہی میں ایک وفد نئی دہلی پہنچا۔ تفصیلات پر بحث کے دوران سر سٹیفورڈ نے منطقانہ انداز میں قائداعظم سے کہا کہ "مسٹر گاندھی کا کہنا ہے کہ ہندوستان میں بسنے والے تمام لوگ بلحاظ مذہب و ملت ایک قوم ہیں اور بعد آزادی ان کو اپنی اپنی جگہ مناسب حقوق دے کر مطمئن کر دیا جائے گا لہٰذا وطن عزیز کے حصے بخرے کرنا مناسب نہیں - آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے" قائداعظم نے جواب میں فرمایا کہ "مسٹر گاندھی ہندوؤں کے مہاتما ہیں وہ دوسروں کے دکھ درد کیا جانیں اور اگر وہ جانتے بھی ہوں تو وہ حقیقت سے عملاً" پہلو تہی کرتے ہوئے ایسا موقف اختیار کئے ہوئے ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ۔

1- ہندو گائے کی پوجا کرتے ہیں اور مسلمان اس کا گوشت کھاتے ہیں۔

2- ہندو ذات پات کے بندھن میں جکڑا ہوا مسلمان اور اچھوت کے سایہ سے دور بھاگتا ہے جبکہ مسلمان انسانی بھائی چارہ پر یقین رکھتا ہے۔

3- ہندوؤں کے تین صد سے زائد خدا ہیں اور ہم صرف خدائے واحد پر یقین رکھتے ہیں۔

4- ہندو مسلمان کے ہاتھ کا پانی پی کر زندہ رہنے کی بجائے پیاس سے مرجانے کو ترجیح دیتا ہے۔

5- ہم اپنے مردے دفن کرتے ہیں اور وہ جلاتے ہیں۔

اور پھر کیا تقسیم بنگال انہیں بنیادوں پر آئے دن کے فسادات سے چھٹکارا پانے کے لئے عمل میں نہیں ائی تھی؟ اتنا بنیادی تضاد ہونے کے باوجود کیا پھر بھی ہم ایک

قوم ہیں اور کیا بحیثیت قوم برصغیر میں امن و امان سے رہ سکتے ہیں۔ مسٹر گاندھی کو حقیقت پسندانہ اور مخلصانہ رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ ہم ایک خطہ سرزمین پر ضرور اکٹھے رہتے ہیں لیکن ایک قوم ہرگز نہیں ہیں مسلمان اگر قوم ہیں اور اپنے لئے الگ وطن چاہتے ہیں جہاں وہ اسلامی ضابطہ حیات کے تحت آزادانہ طور پر زندگی بسر کر سکیں"۔

انگریز نے قائداعظم کے ان دلائل کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور 14 اگست 1947ء کو مسلمانانِ ہند کے لئے ایک علیحدہ وطن "پاکستان" کے نام سے معرض وجود میں آ گیا۔ چوہدری محمد علی تقسیم اثاثہ جات کی کمیٹی میں پاکستان کے واحد نمائندہ کی حیثیت سے شامل ہوئے اور بقول مسٹر ایلین کیمبل اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے چالاک اور بدنیت ہندو سے پاکستان کے پورے حصص اور حقوق حاصل کرنے میں کامیاب ہو کر قائداعظم سے خراج تحسین حاصل کیا۔

متحدہ ہندوستان میں سالاؤں کا آخری اجتماع

1947ء کے ماہ مارچ میں یو پی کے ضلع بجنور میں جلال آباد کے مقام پر سالاؤں کی تینوں شاخوں کا ایک اجتماع عظیم ہوا جس کی صدارت سردار محمد شفیع آف گنجہ کلاں ضلع لاہور (جو میاں عبدالعزیز مالواڈہ کی وفات کے بعد آل انڈیا انجمن راعیان کے پریذیڈنٹ منتخب ہوئے تھے) نے کی۔ اس اجتماع میں قبیلہ کی اجتماعی فلاح و بہبود اور خوش حالی کے لئے نئی بنیادوں پر ایک جامعہ اور مربوط پروگرام مرتب کرنے کے علاوہ اسلام کی سربلندی اور خدمت ملت اسلامیہ کی کوششوں کو تیز تر کرنے کی ضرورت پر خاص زور دیا گیا۔

مملکت جمہوریہ پاکستان کی ابتدائی شکل اور راعین

پاکستان کے پہلے گورنر جنرل قائداعظم اور پہلے وزیر اعظم خان لیاقت علی خان بنے اور چوہدری محمد علی کو حکومت پاکستان کا چیف سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ محمد صدیق

چوہدری آف بٹالہ ضلع گورداسپور جو ہندوستانی بحریہ میں واحد مسلمان سینیئر افسر تھے کو امیرالبحر کے عہدہ پر ترقی دے کر پاکستان بحریہ کے کمانڈر ان چیف کی حیثیت سے بحریہ کو جدید اور مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کا کام سونپا گیا۔ انگریز جنرل سرڈگلس گریسی کو بری افواج کا کمانڈر ان چیف مقرر کیا گیا اور باغبانپورہ لاہور کے سرمیاں عبدالرشید چیف جسٹس ہائی کورٹ لاہور کو فیڈرل کورٹ آف پاکستان کا چیف جسٹس بنایا گیا جس نے قائداعظم سے حلف وفاداری لیا اور اس کے فوری بعد چوہدری محمد علی کو سیکرٹری جنرل حکومت پاکستان بنا دیا گیا جس عہدہ پر رہتے ہوئے انہوں نے مرکزی حکومت کے انتظامی ڈھانچہ کی تشکیل کے بعد اسے موثر اور مضبوط بنایا۔

قائداعظم کا انتقال اور بعد کی صورت حال

قائداعظم اپنے مشن کی تکمیل کے بعد ورثہ پاکستان کو قرارداد پاکستان کی بنیادوں پر چلانے کی تلقین کرتے ہوئے اسے مسلم لیگ کی سپردگی میں دے کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

قرار دار پاکستان قائداعظم کے انتہائی تدبر' سوچ اور سیاسی شعور کا نچوڑ تھی اور خود ان کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی اور اس پر پوری طرح عمل درآمد کرنے پر ہی پاکستان کی بقا اور سلامتی کا دارومدار تھا مگر بدقسمتی سے آپ کی وفات کے بعد اسے ایک بے جان کاغذ کا ٹکڑا سمجھتے ہوئے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا گیا اور آہستہ آہستہ اس قرار داد کی روح اور حدود کو بھلا دیا گیا اور ملک میں من مانیاں ہونے لگیں۔ برسراقتدار لوگوں کی کمزوری اور خود غرض افراد کی چیرہ دستیوں سے مہاجرین کی آباد کاری' اقتصادی بدحالی کو دور کرنے کی طرف فوری توجہ دینے اور تصفیہ کشمیر جیسے اہم مسائل سرد خانہ کی نذر ہو گئے اور آخر کار یہ ملک نوکر شاہی کے ہتھے چڑھ گیا جنہوں نے پورے آٹھ سال تک نہ تو کوئی آئین ہی بننے دیا اور نہ ہی مستقل طور پر مرکز میں

کسی ایک وزیر اعظم کو ٹکنے دیا۔ ہندوستان جو پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد آزاد ہوا اس نے تو اپنا آئین پانچ سال کے عرصہ میں تیار کر لیا اور اپنے پہلے وزیر اعظم مسٹر جواہر لال نہرو کو تاحیات اطمینان سے کام کرنے کا موقعہ دیا مگر یہاں آٹھ سال تک آئین تیار نہ ہو سکا اور اس دوران یکے بعد دیگرے چھ وزرا اعظم تبدیل ہوئے۔ آخر کار جب چوہدری محمد علی وزیر اعظم بنے تو انہوں نے 1955ء میں خود ہی ایک آئین تیار کیا اور دستور ساز اسمبلی سے اسے منظور کروایا جس کی بنیادی پر مغربی پاکستان کو ون یونٹ میں تبدیل کر دیا گیا اور ان ہی کی پیہم کوششوں سے ایک مرکزی ایوان میں مشرقی پاکستان نے مساوی نیابت کی بنیاد پر شرکت قبول کی۔

پنجاب میں 1947ء میں پہلی مسلم لیگی وزارت میں میاں افتخار الدین وزیر مہاجرین ہوئے اور میاں عبدالباری نے نواب ممدوٹ اور میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کو شکست دے کر پنجاب مسلم لیگ کی صدارت پر قبضہ کر لیا۔ آپ نوکر شاہی کی دن بدن بڑھتی ہوئی خرمستیوں سے سخت نالاں تھے اور چاہتے تھے کہ یہ لوگ مسلم لیگ کی پالیسیوں کے خلاف کوئی کاروائی کرنے سے باز رہیں۔ چنانچہ جب انہوں نے دیکھا کہ خاں لیاقت علی خاں کا مقرر کردہ انگریز گورنر سر فرانسس موڈی بھی مسلم لیگ سے عدم تعاون کی پالیسی پر چل نکلا ہے تو آپ نے اسے گورنری سے ہٹوا کر ہی دم لیا اور اس کی جگہ مسلم لیگی گورنر سردار عبدالرب نشتر کا تقرر کروایا۔

مرکز میں سول سرونٹ غلام محمد کے بعد محکمہ خارجہ کے ایک گمنام اور خود غرض' طالع آزما سول سرونٹ سکندر مرزا جسے پاکستان کی بقا اور خوشحالی سے کوئی دلچسپی نہ تھی کا داؤ چل گیا چنانچہ وہ فوجی سرونٹ جنرل محمد ایوب خا کی معاونت سے "مہاراجہ" بن کر اس مملکت خداداد کو اپنی میراث سمجھتے ہوئے اس پر راج کرنے لگا۔

سینڈ ہرسٹ پاس فوجی سرونٹ محمد ایوب خاں جو راقم الحروف کے ہم رینک ایک

رسالدار میجر کے بیٹے تھے کو نوزائیدہ مملکت میں ترقی کے جلد جلد مواقع ملتے گئے اور وہ جلد ہی کرنل کے عہدے سے لیفٹیننٹ جنرل بنا دیئے گئے اور اس ترقی کے فوری بعد جنرل کے عہدہ پر پہنچ کر فوج کو قومیانے کی سکیم کے تحت وہ سرڈگلس گریسی کی جگہ بری فوج کے کمانڈر انچیف بن گئے۔ اب ان کے دل میں صرف ایک ہی حسرت باقی رہ گئی تھی اور وہ تھی فیلڈ مارشل بننے کی۔ مگر کون جانتا تھا کہ وہ ایک فیلڈ مارشل بننے کے علاوہ مملکت خداداد پاکستان کے "بادشاہ" بھی بن جائیں گے۔ سکندر مرزا کا زمانہ نوکر شاہی کی بدترین مثال تھا۔ عوام نے پاکستان سے جو امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں ان پر پانی پھر گیا۔ اقتصادی زبوں حالی اور رشوت خوری اپنے عروج پر تھی اور مہاجرین کسمپرسی کی حالت میں مارے مارے پھر رہے تھے خودغرض اور عیار تاجران نے روزمرہ کے استعمال کی ضروری اشیاء کے بھاؤ تیز تر کر کے دولت سمیٹنی شروع کر دی اور اس طرح وہ دونوں میں امیر ہو گئے۔ جبکہ عوام کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ جنرل محمد ایوب خاں تیزی سے بدلتے ہوئے ان حالات کا بغور جائزہ لیتے رہے اور جوں جوں بحیثیت کمانڈر انچیف کے انہیں حکومت کے اندر جھانکنے کا موقعہ ملتا گیا توں توں وہ ملک میں انتظامی تبدیلی کی ضرورت شدت سے محسوس کرنے لگے چنانچہ اکتوبر 1958ء میں انہں نے سکندر مرزا کی حکومت کا تختہ الٹ کر ملک کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس طرح مسلمانوں کے خوابوں کی تعبیر "پاکستان" ایک سول سرونٹ کے ہاتھ سے نکل کر ایک فوجی سرونٹ کے کے آہنی پنجوں میں چلا گیا۔

سیاسیات اور اقتصادیات سے قطعی نابلد جرنیل نے فوجی رواج کے مطابق ایڈمن انسپکشن کی طرز پر قصابوں' مٹھائی فروشوں کی دکانوں اور ہوٹلوں پر جالیاں لگوانے اور پرچون فروشان و بلا سوچے سمجھے اندھا دھند قیمتیں کم کرنے کے احکامات جاری کر کے اپنی حکومت کا آغاز کیا۔ ان احکامات کے جاری ہوتے ہی صفائیاں شروع ہو گئیں۔ مکھی' مچھر اور جابجا کوڑے کے بکھرے ہوئے ڈھیر غائب ہو گئے اور کپڑے

سامان خورد و نوش اور دیگر عام گریلو استعمال کی چیزیں نہایت ارزاں داموں دستیاب ہونے لگیں جس سے بھولے بھالے افلاس زدہ عوام خوش ہو کر مارشل لاء کو دعائیں دینے لگے۔ یہ تماشا چند یوم تک تو نہایت آب و تاب سے جاری رہا مگر جلد ہی طمع خور اور بد طینت تاجر اپنا سٹاک زیر زمین لے جا کر بلیک کرنے لگے اور اس طرح پہلے سے بھی زیادہ ناجائز دولت اکٹھی کرنے لگے مگر مجموعی طور پر چھوٹے دکانداروں کی اکثریت پہلے سے مہنگے داموں خریدا ہوا مال مارشل لاء کے خوف سے سستے داموں فروخت کر کے اور نقصان اٹھا کر تہی دست ہو کر بیٹھ گئی کیونکہ کاروبار جاری رکھنے کے لئے تھوک فروشان نے اب انہیں نئی قیمتوں پر مال دینا بند کر دیا تھا۔ صنعتکار تذبذب اور ہچکچاہٹ کا شکار ہو گئے جس سے صنعتی پیداوار میں تعطل پیدا ہو گیا اور بازار میں کپڑا' جالی' کیل کانٹا' چونا' فینائل اور دیگر روزانہ استعمال کی چیزیں "ایوبی دور" سے پہلے کی طرح پھر عنقا ہو گئیں چھوٹے دکانداروں کا کاروبار تو بالکل ہی ٹھپ ہو کر رہ گیا اور یہ لوگ ہیرا پھیری' بلیک' اشیائے خوردنی میں ملاوٹ اور کم تولنا جیسی قباحتوں میں مبتلا ہو کر شرف انسانی و مسلمانی سے گرنے لگے جس کے نتیجے میں عوام کی مشکلات میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہو گیا۔ جرنیل صاحب اسی گھمبیر صورت حال سے گھبرا گئے اور انہوں نے سمجھا کہ یہ قباحتیں اور اخلاقی گراوٹ شاید ملک میں سیاسی عمل عرصہ تک معطل رہنے اور عوام کا حکومت سے رابطہ کٹ جانے کا نتیجہ ہیں۔ چنانچہ آپ نے عوام کے مزاج اور بنیادی مسائل و ضروریات کا مطالعہ اور صحیح جائزہ لئے بغیر ملک میں ایک غیر مانوس اور بے اثر قسم کا سیاسی ڈھانچہ "بنیادی جمہوریت" کی شکل میں تیار کر کے عوام پر تجربہ کرنا شروع کر دیا مگر ان کی توقعات کے خلاف یہ نظام بھوک' افلاس' معاشرتی بے انصافی' رشوت ستانی اور اخلاقی گراوٹ کا مقابلہ کرنے میں سخت ناکام ثابت ہوا البتہ اس سے آپ کی ایک ہمنوا پارٹی ضرور معرض وجود میں آ گئی جس کے سہارے وہ اپنی "نوکر شاہی" جو چمکانے لگے۔ عوام کو دراصل سیاست سے کوئی مس نہ تھا کیونکہ وہ ایک

طویل عرصہ تک سیاست کا کھیل کھیلتے رہے تھے اور ہزاروں قربانیوں کے بعد انگریز اور ہندو کو اس میدان میں شکست فاش دے کر اپنے لئے ایک علیحدہ وطن حاصل کر چکے تھے لٰہذا مزید سیاست میں پڑنے کی بجائے وہ مملکت خداداد پاکستان کی تعمیر و ترقی اور ملت اسلامیہ کی بقا و سلامتی کے لئے آج سے چودہ سو سال پہلے سے ترتیب دیئے ہوئے اسلامی اصولوں کی روشنی میں باوقار زندگی گزارنے کے خواہاں تھے اور اسی مقصد کے لئے یہ وطن حاصل کیا گیا تھا مگر ان حقائق کی طرف جرنیل صاحب نے کوئی دھیان نہ دیا۔ آپ نے شعوری یا لاشعوری طور پر اپنی کوتاہ نظری اور نوکر شاہی کے جاہلانہ غرور سے سرشار ہو کر مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کے متعلق غلط اندازے لگا کر انہیں ناراض کر دیا اور وہ اپنے ہی وطن میں اجنبیت اور بیگانہ پن محسوس کرنے لگے جس سے ملک کے دونوں حصوں میں اندر ہی اندر کدورت و منافرت کا لاوا پکنے لگا۔

آپ نے 1965ء میں پاکستان اور کشمیری عوام کا پلہ بھاری ہونے کے باوجود جناب ذوالفقار علی بھٹو رائیں آف لاڑکانہ جن کو آپ نے سکندر مرزا کی حکومت کا تختہ الٹانے کے بعد اپنی نام نہاد کابینہ میں بطور وزیر معدنیات و قدرتی وسائل لے کر جلد ہی وزیر مملکت و امور خارجہ عزیز احمد رائیں قادیانی کے ساتھ ہی محمد علی بوگرہ کی جگہ پر وزیر داخلہ مقرر کر رکھا تھا کے مدبرانہ مشوروں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے روس کے دباؤ میں آ کر شکست خوردہ اور مکار ہندوستان کی شرائط پر صلح کر کے مسئلہ کشمیر کو نہ صرف مزید الجھنوں میں ڈال دیا بلکہ پوری قوم بمعہ افواج پاکستان کی جگ ہنسائی کرانے میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی اور اس پر طرہ یہ کہ آپ نے ذاتی غرض سے مغلوب ہو کر غیر قانونی طور سے "فیلڈ مارشل" بننے کا شوق بھی پورا کر لیا۔ شومئی قسمت سے اسی دوران آپ سے ایک اور احمقانہ فعل سرزد ہو گیا اور وہ تھا آل پاکستان مسلم لیگ میں پھوٹ ڈلوا کر اس کے متوازی ایک نئی جماعت "کنونشن مسلم لیگ" کا کھڑا کرنا۔ آپ نے بظاہر تو اس "تنظیم" کو عوام کو اپنے قریب تر لانے اور ان کی ہمدردیاں اور تعاون

حاصل کر کے بحرانوں کو دور کرنے کا ایک ذریعہ بتایا مگر درپردہ اس میں یونین کونسلوں اور عوام میں سے بااثر اور اپنے ہم خیال افراد کو مختلف لالچ دے کر شامل کر کے نوکر شاہی کی گرفت کو مضبوط کرنے کی ایک اور مذموم کوشش تھی جس کا عوام کو اس وقت پتہ چلا جب آپ بذریعہ ایک برائے نام ریفرنڈم کے سول حکمران کے روپ میں منظر عام پر آئے۔ اس نئے پاکھنڈ سے ان کے ہچکولے کھاتی ہوئی حکومت کو تو کسی قدر تحفظ کی ضمانت مل گئی مگر ماضی میں کی گئیں کوتاہیوں اور زیادتیوں کے ازالہ میں کوئی پیش رفت نہ ہوئی جس سے عوام میں بے چینی اور بددلی پھیل گئی اور آخرکار وہ گلیوں میں نکل آئے اور جلسے جلوس اور ایجیٹیشنوں کی بھرمار شروع ہو گئی۔

چوہدری محمد علی سابقہ وزیراعظم جو ان دنوں نظام اسلام پارٹی قائم کر کے اسلامی طرز زندگی کو اپنانے اور ملکی اتفاق و یکجہتی کے لئے کام کر رہے تھے بھی "فیلڈ مارشل" صاحب کی گوناگوں آمرانہ حرکات اور ان کے آئندہ ارادوں پر سے پردہ اٹھاتے ہوئے عوام کو چوکنا رہنے کی تلقین کرنے کے لئے میدان میں نکل آئے۔ اس کے ساتھ ہی جناب بھٹو صاحب بھی فیلڈ مارشل کی آمرانہ پالیسیوں سے دلبرداشتہ ہو کر ان کی کابینہ اور کنونشن مسلم لیگ سے مستعفی ہو گئے اور ملک کو نوکر شاہی کے پنجہ سے نجات دلانے اور جمہوریت کے نام پر ایک سیاسی جماعت "پاکستان پیپلز پارٹی" کھڑی کر کے رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے ملک کے وسیع دورے شروع کر دیئے جس کے نتیجہ میں تھوڑے ہی عرصہ میں مغربی پاکستان کے عوام کی اکثریت کو انہوں نے اپنا ہمنوا بنانے میں کامیابی حاصل کر لی۔

فیلڈ مارشل نے جب اپنی فوجی طاقت اور یونین کونسلوں کی وفاداری کے باوجود حالات کو قابو سے باہر ہوتے دیکھا تو آپ خوفزدہ ہو کر میدان سے راہ فرار ڈھونڈنے لگے۔ چنانچہ اپنے پرسنل سیکرٹری جناب قدرت اللہ شہاب کی تاریخی وارننگ جو آپ نے غلام محمد گورنر جنرل کو اس کی نااہلیت اور کابینہ سے ناروا برتاؤ کی بنا پر مستعفی

ہونے اور بصورت انکار کابینہ کے اسے "گدی" سے کھینچ کر اتارنے کے ارادوں سے خبردار کرنے کے لئے دی تھی کو ذہن میں رکھتے ہوئے فیلڈ مارشل نے اپنے دو عزیز اور بااعتبار دوستوں چوہدری محمد حسین آف مزنگ صدر بلدیہ لاہور اور خاں صاحب عبدالصبور خاں آف مشرقی پاکستان (ایوانی کابینہ میں وزیر) سے مشورہ کرنے کے فوراً بعد گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

جنرل محمد یحییٰ علی خاں کو بحیثیت ایک سپاہی کے اپنے فیلڈ مارشل کے حکم کے تعمیل میں یہ کڑوی گولی نگلنی پڑی تھی ورنہ انہیں نہ تو "بادشاہ" بننے کا کوئی شوق تھا اور نہ ہی وہ اس کی اہلیت رکھتے تھے۔ وہ جلد از جلد امرشل لاء کا خاتمہ چاہتے تھے مگر ملک کے دونوں حصوں میں دن بدن بڑھتی ہوئی بے چینی سے ان کا کام طول پکڑ گیا۔ کچھ دنوں بعد جب بھٹو صاحب اور شیخ مجیب الرحمٰن کی بے پناہ مقبولیت اور سیاسی شعبدہ بازی سے حالات قدرے پر سکون ہوئے تو آپ نے عام انتخابات کا بندوبست کر کے اس جھنجھٹ سے چھٹکارا پانے کا راستہ نکال لیا۔ انتخابات بڑے جوش و خروش سے ہوئے اور مشرقی پاکستان سے شیخ صاحب نے عوامی لیگ کے پلیٹ فارم سے نوکر شاہی کے مظالم اور بے انصافیوں کی یاد دلا کر بھٹو صاحب نے جو مغربی پاکستان سے "جاگیردار کا بیٹا" خادم عوام دلائے گا سب کو روٹی کپڑا اور مکان" کا نعرہ لگا کر ساون کے بادلوں کی طرح آن واحد میں افق مغربی پاکستان پر چھا چکے تھے اپنے ضلع لاڑکانہ اور لاہور کے محلہ دھرمپورہ اور گڑھی شاہو کے غریب عوام کے ووٹوں سے شاندار کامیابی حاصل کر کے پاکستان کا آئندہ غیر متنازعہ کرتا دھرتا بننے کے خواب دیکھنے لگے دونوں لیڈروں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے رسہ کشی شروع ہو گئی اور ان میں سے کوئی بھی اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے یا اس میں لچک پیدا کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ چنانچہ اس دھینگا مشتی میں کدورت اور منافرت کا وہ لاوا جو فیلڈ مارشل کے وقت سے اندر ہی اندر پک رہا تھا دونوں لیڈروں کی ہٹ دھرمی سے پھٹ پڑا اور دنیائے اسلام کی پانچویں بڑی

ریاست جو لاکھوں قربانیوں کے بعد حاصل کی گئی تھی دولخت ہو گئی مشرقی پاکستان کا نام بنگلہ دیش رکھ لیا گیا اور شیخ صاحب کو ان کی "خدمات" کے اعتراف میں ملک کا پہلا سربراہ بنا دیا گیا اور مغربی پاکستان کے علاقہ کو نیا پاکستان کہا جانے لگا جس کی باگ ڈور بھٹو صاحب نے سنبھال لی اور اس طرح یہ دونوں سیاستدان اپنے ارادوں میں کامیاب ہو کر سیاہ و سفید کے مالک بن گئے اور اس خونچکاں اور عظیم قومی ضیاع کی تمام تر ذمہ داری جنرل یحییٰ خاں پر ڈال دی گئی۔

شیخ صاحب نے مغربی پاکستان کے مبینہ "نو آبادیاتی تسلط" سے آزادی حاصل کرنے۔ جمہوریت کا قیام اور آزادانہ ماحول میں منصفانہ بنیادوں پر بنگالی مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو بہتر بنا کر اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کا وعدہ کر کے پاکستان کو دو ٹکڑوں میں توڑنے کے لئے ان کو قربانیاں دینے پر اکسایا تھا مگر اقتدار سنبھالتے ہی انہوں نے (شیخ صاحب) کم ظرفی اور خود غرضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس وعدہ کو بالائے طاق رکھ دیا اور ہندوستان کے اشاروں پر ناچتے ہوئے اپنی ساکھ کی مضبوطی میں لگ گئے جس سے لوگ محسوس کرنے لگے کہ ان کے ساتھ سخت دھوکا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ ان کی جان کے درپے ہو گئے اور آخرکار انہوں نے اس طالع آزما۔ دھوکا باز۔ غدار قوم "نجات دہندہ" کو گولیوں کی بوچھاڑ سے ہمیشہ کی نیند سلا کر اپنی آتش غضب کو ٹھنڈا کیا۔ مگر ان (شیخ صاحب) کو میدان سے ہٹانے کے باوجود اس بد قسمت خطہ سرزمین کو نوکر شاہی اور مارشل لاء کے آہنی پنجوں سے رہائی نہ مل سکی اور اس کے بدنصیب باسی ایک وقت کے کھانے تک کو ترسنے لگے۔ وہ اپنے مغربی پاکستانی بھائیوں کی یاد میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اندرون اور بیرون ملک "دوبارہ ملن" تحریکیں شروع ہو گئیں مگر بے سود۔ پانی سر سے گزر چکا تھا اور آخر کار وہ تھک ہار کر غیروں کے ٹکڑوں پر زندگی کے دن پورے کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس مرحلہ پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر اس سانحہ عظیم کے کلنک کا ٹیکہ کس کے ماتھے پر جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب پاکستان

کی تاریخ کے ایک سیاہ باب میں موجود ہے لہٰذا "داستان راعیان" میں اس کی نشاندہی اور مزید وضاحت کو غیر مناسب خیال کرتے ہوئے ہم اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔

بھٹو کا ہوائی عروج اور عبرتناک انجام

جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے جمہوریت کے نام پر ووٹ حاصل کر کے بطور سول چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر 20 دسمبر 1971ء کو نئے پاکستان کا نظم و نسق سنبھالتے ہی شیخ مجیب الرحمن کو جو اس وقت زیر حراست تھے آزاد کرنے اور ان کے کان میں "ایک بات" کہنے کے بعد انہیں براستہ لندن اور نیو دہلی۔ ڈھاکہ جانے کی سہولت مہیا کر دی۔ شیخ صاحب لندن اور نیو دہلی سے "آشیرباد" لیتے ہوئے ڈھاکہ پہنچ کر پلٹن میدان میں جمع شدہ بنگالیوں کے ایک جم غفیر سے یوں مخاطب ہوئے۔

"میرے بزرگو۔ بھائیو اور دوستو! میں بھٹو صاحب کی مہربانی سے آزاد ہو کر آج آپ کے سامنے حاضر ہو گیا ہوں۔ آتی دفعہ الوداعی علیک سلیک کے بعد بھٹو صاحب نے مجھ سے اسلام آباد کی سڑکوں پر ہمارے پٹ سن سے تیارہ کردہ بچھے ہوئے کارپٹس کی واپسی کے لئے اتفاق کر لیا ہے۔ وہ بڑے اچھے انسان ہیں۔ انہوں نے میری دو دفعہ جان بچائی ہے اور وہ آپ سب کو سلام کہتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ"۔

شیخ صاحب کے اس تمہیدی بیان سے "ایک بات" کا مطلب بالکل واضح اور صاف ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔

بھٹو صاحب موجودہ صدی میں شاید سب سے پہلے کم سن سیاستدان ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی خداداد عقل و ذہانت' فہم و ادراک' بذلہ سنجی اور زبردست قوت فیصلہ سے مشرق و مغرب کے خاص و عام کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ آپ برسر اقتدار آتے ہی وطن کے باہر انٹرنیشنل معاشی' اجتماعی اور سیاسی معاملات میں بھی گہری دلچسپی لینے

لگے۔ ایسا لگتا تھا کہ آپ جلد یا بدیر تھرڈ ورلڈ (مغربی پراپیگنڈا کی رو سے پسماندہ ممالک کو تیسری دنیا کہا جاتا ہے) میں عرصہ سے موجود قائدانہ خلا کو پر کر کے اپنے ملک میں "قائد عوام" کہلوانے کے علاوہ "قائد مشرق" کے طور پر بھی تسلیم کر لئے جائیں گے اور اس سمت آپ نے پاکستان کو کامن ویلتھ سے نکال کر پہلا قدم اٹھاتے ہوئے تیسری دنیا کے تمام ممالک سے اپنی سیاسی بصیرت کا لوہا منوا لیا۔

* * * * *

شیخ مجیب الرحمن کو رہا کرنے کے بعد آپ فوج کی طرف متوجہ ہوئے۔ مارشل لاء کے طویل عرصہ کے دوران "بہتے دریا میں ہاتھ دھو لو" کی بنیادوں پر دی جانے والی غیر ضروری ترقیوں اور فوجی اعزازات و تمغہ جات کی تقسیم کے انگریزی طریقہ کار پر آئندہ کے لئے پابندی لگا کر ایکس فالتو جرنیلوں کو جبری ریٹائرمنٹ پر گھر بھیج دیا گیا۔ سربراہان ہرسہ فوج کو کمانڈر انچیف کی بجائے چیف آف سٹاف کہا جانے لگا اور اس کے ساتھ ہی اپنے وقت کے کمانڈر انچیف جنرل گل حسن کو مستعفی ہو کر نوکری کرنے کی ہدایت کی۔ آپ کے ان جرات مندانہ اقدامات سے عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور وہ اب اپنے قائد کے کئے گئے وعدوں کے مطابق ملک میں مزید انقلابی تبدیلیوں کے بے تابی سے انتظار کرنے لگے۔

اس کے بعد آپ نے دیگر متفرق فوری توجہ طلب امورات سے نمٹنے کے ساتھ ہی انتخابات میں مثالی کامیابی سے ہاتھ بٹانے والوں کو ان کی "خدمات" کا صلہ دینے کے لئے ایک "خصوصی تقسیم انعامات" کی تقریب منعقد کی جس میں امیدواران کا ایک انبوہ کثیر جمع ہو گیا مگر بدقسمتی سے اس ڈھیر میں انعام کے اصل حقداران کے علاوہ کئی بے وفا، خود غرض، طالع آزما اور اوباش قسم کے نوجوان بھی خاصی تعداد میں شامل ہو گئے۔ بھٹو صاحب نے اصل اور نقل میں تمیز کرنے میں مزید کوئی تردد کئے بغیر فتح و نصرت

کے نشہ سے سرشار اپنی خاندانی فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان لوگوں کی پھیلی ہوئی جھولیاں بھر کر انہیں بلا تفریق اپنے "نورتنوں" مشیرکاران" اور "منصبداران" کی صفوں میں شامل کر لیا اور یہی خطرناک بھول اور فاش غلطی اگے چل کر ان کے فوری زوال اور بے وقت تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہو گئی۔

بھٹو صاحب نے 1973ء میں اسمبلی کے تیار شدہ ملکی آئین پر بحیثیت صدر پاکستان دستخط کئے جس میں حسب خواہش عوام ملک و قوم کی سلامتی' خوشحالی' اور بظاہر نظریہ پاکستان کے تحفظ کی ضمانت دی گئی مگر پیشتراس کے کہ اس کو عملی جامہ پہنانے کا آغاز کیا جاتا آپ کے بے ضمیر خوشامدیوں نے آپ کی مداح سرائی کے پل باندھ کر آپ نے مزاج میں جھوٹے غرور و نخوت کا بیج بو دیا اور آپ راہ راست سے ہٹ کر ڈکیٹری کی خطرناک پگڈنڈی پر چل نکلے جس کے نتیجہ میں وہ لوگ جا بظاہر آپ کی وفاداری کا دم بھرتے تھے کو کھلے بندوں شرافت اور شائستگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بھوکے بھیڑیوں کی طرح تازہ زخم خوردہ وطن عزیز کی بوٹیاں نوچنے کا موقعہ مل گیا۔ اس اندوہناک صورت حال سے عوام میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور وہ اپنے قومی وقار اور حقوق کی اس قدر پائیمالی اور عدم تحفظ کی زہریلی فضا قائم کرنے کی تمام تر ذمہ داری بھٹو صاحب پر ڈالنے لگے۔ چنانچہ بھٹو صاحب نے عوام کے احساسات کے احترام میں اپنے "حواریوں" کی خبرلینی شروع کر دی اور ان میں سے کئی "گندے انڈے" نکال باہر پھینکے اور بقایا ٹولے کو براہ راست اپنی نگرانی میں لے کر حالات کو بہتر بنانے کی حتی المقدور کوشش کی۔ چھوٹے ملازموں کی تنخواہوں میں اضافہ' بڑی صنعتوں کو قومیانے اور زرعی اصلاحات جیسی پالیسیاں مرتب کر کے عوام کو تسلی دینے کی کوشش کی مگر آپ کے چیلوں نے آپ کی کوئی پیش نہ جانے دیا اور جہاں کہیں کسی پالیسی کے اجراء سے ان میں سے کسی کے مفاد کو گزند پہنچنے کا احتمال ہوتا وہاں وہ اس کو عملی شکل دینے سے پیشترہی کمال ہوشیاری اور ریاکاری سے اس کی ہیئت بدل کر اپنے لئے لوٹ کھسوٹ

اور دھاندلیاں چھپانے کی کوئی نہ کوئی راہ پیدا کر لیتے اور اس طرح وہ لوگ دنوں میں لاکھوں میں کھیلنے لگے جبکہ بھٹو صاحب کے روٹی، کپڑا اور مکان دلانے والا نعرہ کی بلند آواز مدھم پڑنے لگی اور عوام کی معاشی بدحالی اور اخلاقی گراوٹ میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا۔

بھٹو صاحب کو جب کبھی اپنی مصروفیات سے فرصت ملتی تو وہ ان لوگوں کی خوب خبر لیتے سخت ڈانٹ پلانے کے علاوہ وہ برخاستگی اور قید تنہائی جیسی بھیانک مگر سبق آموز سزائیں دینے سے بھی دریغ نہ کرتے مگر پھر بھی یہ لوگ اپنی خرمستیوں س باز نہ آتے اور آخر کار اپنے محسن آقا کی بار بار ڈانٹ ڈپٹ اور سخت رویہ سے ان میں سے بعض کم ظرف لوگوں نے ضد میں آکر آپ کے خلاف درپردہ محاذ قائم کر لیا اور موقع ملنے پر آپ کی شخصیت اور پالیسیوں پر جھوٹی تنقید کرنے لگے حالانکہ ان پالیسیوں کی روح کو فنا کرنے والے خود وہ لوگ ہوتے تھے۔

حکومت سے باہر پیشہ ور سیاسی حریف ملک میں پھیلی ہوئی بے چینی اور دگرگوں حالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھٹو صاحب کی حکومت قائم ہونے کے پانچ سال بعد عام انتخابات کا مطالبہ کرنے لگے جس کی عوام نے بھرپور تائید کی چنانچہ آپ نے اپنے چیلوں کی خصلت بد سے آگاہ ہونے کے باوجود ملک میں بگڑتے ہوئے حالات کا صحیح اندازہ لگائے بغیر حد سے زیادہ خود اعتمادی کے استعمال سے مارچ 1977ء میں عام انتخابات کرانے کا اعلان کر دیا۔ بھٹو صاحب کی یہ دوسری فاش غلطی تھی جو ان کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی۔

انتخابات طے شدہ پروگرام کے مطابق بروقت شروع ہوئے۔ بپھرے ہوئے عوام کی بھاری اکثریت نے آپ کی پارٹی کے خلاف ووٹ ڈالنے شروع کر دیئے اور ابتداء سے ہی اس کی ذلت آمیز شکست یقینی نظر آنے لگی چنانچہ آپ کے خون چوس

حواریوں نے ہر انسانیت سوز اور شیطانی حربے سے اس طوفان کی روک تھام کے لئے بے دھڑک بے قاعدگیاں اور دھاندلیاں کیں جس سے عوام اور زیادہ مشتعل ہو گئے اور انہوں نے انتخابات کا بائیکاٹ کر کے فوج اور عدلیہ کے زیر نگرانی دوبارہ انتخابات کا مطالبہ کر دیا مگر عوام کی اس مانگ پر کوئی دھیان نہ دیا گیا اور انہیں یہ کہہ کر خاموش کرانے کی کوشش کی گئی کہ "ایسی چھوٹی موٹی بے قاعدگیاں اور دھاندلیاں انتخابات کے موقعوں پر ہر ملک میں ہوتی ہی رہتی ہیں اور یہ کوئی اتنی خطرے والی بات بھی نہیں ہے لہٰذا درگزر سے کام لیتے ہوئے انتخابات کے نتائج کو حتمی قرار دے دیا جائے۔ مگر غضب ناک عوام اس دلیل سے قائل نہ ہوئے اور آپ کی ذات پر کھلے بندوں تنقیدی اور احتجاجی حملوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا اور اس طرح آپ کو اپنے حواریوں کو من مانیاں کرنے کی کھلی چھٹی دینے کا خمیازہ بھگتنا پڑا اور آخر کار ایک عظیم باپ کا قابل فخر اور محب وطن بیٹا اور سندھ کے قدیم سامہ راعین گھرانے کا چشم و چراغ ذوالفقار علی بھٹو اپنے نمک حرام اور رسوائے زمانہ چیلوں کی چیرہ دستیوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔ یہ بے وفا' احسان فراموش اور ننگ قوم وطن اپنے آقا کی تڑپتی ہوئی بے گوروکفن لاش میدان میں چھوڑ کر عوام کے غیض و غضب سے اپنی گردنیں بچاتے ہوئے دور دراز ملکوں کو بھاگ گئے جہاں سے وہ اپنے قائد کے عبرتناک انجام کی تمام تر ذمہ داری فوج پر ڈالتے ہوئے آپ کی معصوم اولاد کو فوج سے "انتقام" لینے کے لئے اکسانے لگے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ یہ بدطینت لوگ راعین شاخ کے ایک عظیم سندھی گھرانہ کو جس کے ٹکڑوں پر وہ پلتے رہے مٹا کر ہی دم لیں گے۔

سات مارچ 1977ء کو ہونے والے انتخابات میں بے پناہ دھاندلیوں سے عوام کے اندر غم و غصہ کی شدید لہر دوڑنے سے ملک گیر عوامی اور احتجاجی تحریک کا آغاز ہو گیا جسے تحریک نفاذ نظام مصطفےٰ بھی کہا جاتا ہے انتظامی مشینری دھڑے بندیوں میں منقسم ہو کر معطل ہو گئی اور اکا دکا واردات سے قتل و غارت کا بازار گرم ہونے لگا۔ بھٹو

صاحب اپنے خوشامدیوں کے جھرمٹ میں بیٹھے ہوئے اپنے حریفوں کی طاقت اور عوام کے غیض و غضب کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے ایک بار پھر غلطی کر گئے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ جن لوگوں کے ووٹوں سے وہ بر سر اقتدار آئے تھے ان کے احساسات کا احترام کرتے ہوئے ملک کے اندر جمہوری طریقوں پر از سرنو سیاسی عمل کا اجراء کرتے مگر اس کے برعکس انہوں نے حب الوطنی اور تدبر کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے خاص چیلوں کو ہر ممکن طریقہ اور ذرائع سے اسلحہ حاصل کر کے اپنی پارٹی کے کارکنوں کو مسلح کرنے کا حکم دے دیا چنانچہ انہوں نے پشاور اور باڑے سے ہتھیار حاصل کر کے ایف ایس ایف (سرکاری خرچ پر قائم کردہ ایک محافظی یونٹ جو بھٹو صاحب کے ذاتی مقاصد کے لئے براہ راست ان کی نگرانی میں تھا) کے علاوہ پارٹی کی طرف سے بھی ایک پرائیویٹ فوج تیار کر لی گئی۔ ادھر دوسری طرف قومی اتحاد کے رہنماؤں نے بھی صورت حال سے نمٹنے کے لئے اپنی تیاری مکمل کر لی اور اس کے ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ اگر اڑتالیس گھنٹوں کے اندر اندر بھٹو صاحب مستعفی ہونے اور عوامی مطالبات تسلیم کرتے ہوئے دوبارہ انتخابات کرانے پر آمدہ نہ ہوئے تو وزیراعظم ہاؤس کا محاصرہ کر لیا جائے گا اور یہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک عوام اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو جاتے۔ بھٹو صاحب نے عوام کے اس الٹی میٹم کو بھی نظر انداز کر دیا اور الٹا اپنے خاص حواریوں کو حکم دیا کہ وہ الٹی میٹم دینے والوں کے "سرغنہ" کو اڑتالیس گھنٹوں کے اندر اندر ختم کرنے کا اہتمام کریں اور ساتھ ہی بپھرے ہوئے عوام کو خبردار کیا کہ اگر وہ خاموشی سے اپنے گھروں کو واپس نہ ہوئے تو اسے ایک باغیانہ فعل تصور کیا جائے گا جس کے سنگین نتائج بھگتنے کے لئے وہ تیار رہیں۔

جنرل محمد ضیاء الحق صدر پاکستان خادم اسلام

چنانچہ تیزی سے بگڑتی ہوئی صورت حال کے پیش نظر اس وقت کے چیف آف

سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق صلاح مشورہ اور ضروری ہدایات لینے کے لئے فوری طور پر بھٹو صاحب کے پاس گئے۔ تھوڑی دیر تبادلہ خیالات کے بعد بھٹو صاحب نے بحیثیت وزیراعظم فوج کے سربراہ کو حکومت کی طرفداری کی تلقین کی اور انہیں ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے مزید کہا کہ "اس گڑبڑ کو فرو کرنے میں فوج کا کوئی کردار نہیں ہے لہٰذا اس کام کو آپ میرے لئے چھوڑ دیں میں اپنی پرائیویٹ فوج (ایف ایس ایف) سے ان شوریدہ سروں کے مزاج درست کر دوں گا اور انہیں بتا دوں گا کہ حکومت کس طرح کی جاتی ہے"۔ جمہوری طریقہ سے برسراقتدار آئے ہوئے وزیراعظم اور ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ سیاستدان کے یہ الفاظ سن کر جنرل صاحب انگشت بدنداں رہ گئے اور مزید کوئی بحث کئے بغیر سیلوٹ کرتے ہوئے آپ وزیراعظم ہاؤس سے باہر نکل آئے۔ واپسی پر جنرل صاحب نے آتے ہی اپنے سینئر اسٹاف اور کمانڈ افسران کو اکٹھا کیا اور شروع سے موجودہ وقت تک نظریہ پاکستان قرار دار پاکستان، ظہور پاکستان، بیوروکریسی کی لوٹ کھسوٹ اور بے قاعدگیاں، پیشہ ور سیاستدانوں کی خود غرضیاں اور نالائق مارشل لاء کے نفاذ سے قومی نقصانات اور اس سے آئندہ ہمیشہ کے لئے گلو خلاصی کرانے اور موجودہ تشدد آمیز لاقانونیت سے کسی لمحہ شروع ہونے والی خانہ جنگی کی آگ پر قابو پانے کے لئے فوج کے فرائض منصبی جیسے اہم امورات پر سیر حاصل بحث ہوئی اور طے پایا کہ اس نازک گھڑی میں ملک کو تباہی سے بچانے کے لئے فوج کو کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر میدان میں نکل آنا چاہئے۔ چنانچہ جنرل صاحب نے نہایت حوصلہ مندی، متانت، یقین محکم اور قادر مطلق کی ذات پر مکمل بھروسہ کرتے ہوئے اپنے فرض کی ادائیگی میں حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس کے فوراً" بعد الٹی میٹم کے اڑتالیس گھنٹے گزرنے سے پہلے پہلے بھٹو صاحب سمیت دونوں پارٹیوں کے سرکردہ رہنماؤں کو حفظ ماتقدم کے طور پر گورنر ہاؤس مری میں نظر بند کر کے ملک کو خانہ جنگی کی آگ سے بچا لیا۔ اسلام سے والہانہ عشق

اور آپ کی دوربین نگاہوں نے یہ جلد ہی بھانپ لیا کہ وطن عزیز میں دنبدن بڑھتی ہوئی مشکلات اور الجھنوں کا حتمی علاج نظریہ پاکستان کے مطابق اسلامی طرز نظام کے اپنانے میں ہی مضمر ہے اور مذہب و اخلاقیات سے خالی مغربی طرز جمہوریت جس میں آدمیوں کو پرکھے بغیر محض وافر گنتی کے بل بوتے پر عوامی نمائندہ سمجھ کر ملک و قوم کی قسمت ان کے حوالے کر دیئے جانے کا مزید تجربہ اس مملکت خداداد میں کرنے کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے۔

چنانچہ پانچ جولائی 1977 کو اقتدار سنبھالتے ہی آپ اسلامی سپرٹ سے مخمور پاکستان میں اسلامی نظام قائم کرنے کی کوششوں میں لگ گئے اور چاروں طرف سے رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود آپ کامیابی سے ہمکنار چلتے گئے اور ان کے پختہ عزم سے ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس عظیم خدمت کو مکمل طور پر سرانجام دے کر ہی دم لیں گے۔ مگر ایک حادثے نے انہیں قوم سے چھین لیا اس مرد مومن پر راعین برادری جس قدر بھی ناز کرے کم ہے۔

یہ تھی عربی قبیلہ بنو عامر کی بطون سامہ کی تیسری شاخ "راعین" کی ایک جھلک جس سے امید ہے قارئین کو ہندوستان میں وارد ہونے والی اس اجنبی برادری کے پس منظر سے کسی حد تک واقفیت ہو گئی ہو گی۔ تاہم مزید معلومات مہیا کرنے کی ضرورت ہنوز موجود ہے تاکہ تصویر پوری طرح اجاگر ہو کے سامنے آ جائے اور ہمارے تاریخ نویس حضرات اور نئی پود کو اپنی الجھنیں دور کرنے سے کما حقہ مدد مل سکے۔ لہٰذا ملاحظہ فرمائیں اگلے باب میں دی ہوئی تفصیلات۔

باب ہشتم

تفصیلات
عرب کے سامہ سندھ میں ابراہمہ اور سرسہ میں راعین کہلائے

جیسا کہ اس کتاب میں "تفصیلا" ذکر آچکا ہے 423ھ بمطابق 1043ء میں عبدالرزاق وزیر سلطان محمود غزنوی اور 604ھ بمطابق 1224ء میں سمراؤں کے مظالم سے تنگ آ کر بالترتیب شیخ سالار ساہو سامہ اور شیخ قدوات الدین قاضی سامہ کی سربراہی میں سلماؤں کی خاصی تعداد شیخ کے لقب سے بطرف روہیل کھنڈ نقل مکانی کرتی رہی اور بعد ازاں 776ھ بمطابق 1396ء سے 906ھ بمطابق 1526ء تک خاندان سامہ کی حکومت کے زوال اور خاتمہ کے درمیانی عرصہ میں جام سنجر اور جام نندو کے مظالم، جام فیروز آخری حکمران کی ارغونوں کے ہاتھوں شکست اور ملتان کے لنگاؤں اور سلماؤں کے باغی اور نمک حرام سابقہ جاگیرداران کے حملوں سے بچتے بچاتے روہیل کھنڈ اور ضلع سرسہ کی طرف نقل مکانی کرنے پر مجبور ہوتے رہے۔ چنانچہ ان ایام میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد دو قافلے جن میں سے ایک بطرف روہیل کھنڈ اور دوسرا ہندوستان کے ضلع سرسہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ سرسہ پہنچ کر سالم گھرانوں پر مشتمل یہ قافلہ ضلع میں قصبہ ہشنار اور ٹوہانہ (Tohana) گاؤں تک کے تمام درمیانی علاقہ میں

پھیل گیا اور جنگلات صاف کر کے وہاں انہوں نے اپنے تین سو ساٹھ (360) گاؤں بسائے اور کاشتکاری شروع کر دی۔ جب علاقہ میں شادابی اور سرسبزی آئی اور ہر قسم کی پیداوار وافر مقدار میں ہونے لگی تو عشتار کے جرائم پیشہ ہندو بھٹیوں نے سماؤں کے دور افتادہ اور قلیل آبادی والے دیہات میں چوری چکاری اور لوٹ مار کا اپنا آبائی دھندہ شروع کر دیا۔ ابتداء میں تو یہ سامہ لوگ اپنے محدود وسائل سے اپنے مال مویشی اور املاک کا تحفظ کرتے رہے مگر بعد میں جب یہ بھٹی لٹیرے منظم جتھوں کی صورت میں باقاعدہ مہلک ہتھیاروں سے لیس ہو کر کھڑی فصلوں پر بھی ہاتھ صاف کرنے لگے تو وہ (سامہ) ان کی آئے دن کی خرمستیوں اور دست درازیوں سے گلو خلاصی کرانے کے لئے اپنی ادھر ادھر پھیلی ہوئی چھوٹی چھوٹی بستیاں خالی کر کے گنجان آبادی والے بڑے دیہاتوں میں اٹھ آئے جس کے نتیجہ میں آہستہ آہستہ لودھیوں کے خاتمہ اقتدار اور بابر کی ہندوستان میں آمد تک تین سو ساٹ گاؤں کی تعداو گھٹتے گھٹتے ایک سو تیرہ (113) کے قریب رہ گئی جن میں بعد ازاں قحط کے دوران 1559ء اور 1783ء میں بریلی اور پیلی بھیت کی طرف نقل مکانی کے سبب ضلع سرسہ میں اس قبیلہ کی آبادی میں مزید کمی واقع ہو گئی حتیٰ کہ انگریزی دور میں اس علاقہ میں سماؤں کے صرف بیس (20) گاؤں باقی رہ گئے جو تقسیم ہندوستان کے وقت تک "بارہ راعیان" کے نام سے مشہور ہے۔

لفظ "راعین" تاریخی حقائق کی روشنی میں

ملک سندھ اور جیسلمیر کے علاقوں سے سماؤں کی یکے بعد دیگرے دو قافلوں کی صورت میں نقل مکانی، بطرف بریلی، پیلی بھیت اور سرسہ اس عربی قبیلہ کی عملی زندگی میں ایک تاریخی موڑ کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ ان مقامات میں انہوں نے پہلی دفعہ اپنے آپ کو "شیخ سامہ" کی بجائے "راعین" کہہ کر متعارف کراا شروع کیا۔ چنانچہ اس تبدیلی کے باعث ہندی تاریخ نویس حضرات نے بغیر کسی گہری تحقیق و جستجو کے سندھ سے ہند میں منتقل ہونے والے اس عربی قبیلہ کہ ہندوسان قبائل کی فہرست میں شامل

کر دیا جس سے عوام الجھنوں کا شکار ہو گئے اور لفظ "راعیں" بھی اسی بنا پر دیوانگری، اردو اور فارسی اصطلاح اور لب و لہجہ کی زد میں آکر "آرائیں" بن گیا جب کہ عربی زبان میں حرف "ر" (R) سے پہلے حرف "الف" لگانا عربی صرف و نحو کے کلیہ کی رو سے ممنوع ہے۔ یہ خاصہ صرف دیوانگری، اردو اور فارسی زبانوں ہی کو حاصل ہے کہ وہ اجنبی الفاظ کے ساتھ حرف "الف" کا استعمال کر کے اسے اپنے دامن میں سمو لیتی ہیں۔ جیسے سکول سے اسکول، سٹیشن سے اسٹیشن، یا استانوں مال سے لال، جی سے اجی وغیرہ ویسے بھی "راعین" لفظ چونکہ راعیوں کے مورث اعلیٰ اور ہیرو جام راعینہ آف خاندان سامہ کے نام پر معرض وجود میں آیا ہے جس سبب سے یہ اسم خاص (Propernoun) کی حیثیت رکھتا ہے لہذا اس کے ہجو اور تلفظ میں تبدیلی کرنا گرائمر کی رو سے ٹھیک نہیں ہے۔ چنانچہ اسی لاعلمی یا غفلت کی بنا پر تاریخ نویسوں اور خاص کر انشاء پردازوں کی نقل کرتے ہوئے سرکاری کاغذات اور دستاویزات میں بھی یہ لفظ بغیر کوئی وجہ تسمیہ سمجھتے ہوئے "ارائیں" لکھا جانے لگا اور آہستہ آہستہ اس نئی اختراع نے ایک رواج کی شکل اختیار کر لی اور اس کے جواز کے ثبوت میں آخر کار سرکاری کاغذات میں اندراجات کو ہی پیش کیا جانے لگا اور دوران بحث کبھی آرائیں" معانی " آراستہ کرنے والا" کہیں ہندی لفظ "ارایک یا آراکھ" سے یا ایک پہاڑی راجپوت قبیلہ "رائی" سے بغیر کسی ٹھوس دلیل کے معانی لئے جانے لگے جب کہ ایک انگریز سیاح، مورخ اور ایڈمنسٹریٹر مسٹر جے ولسن اس عقدہ کو حل کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں یوں رقمطراز ہے کہ:۔

"یہ لوگ (راعین) دشمنوں کے آئے دن کی یلغاروں اور زیادتیوں سے تنگ آکر سندھ اور اس سے ملحقہ ریاست جیسلمیر کے علاقوں سے بھیس بدل کر ضلع سرسہ میں آباد ہوئے اور "راعین" کہلانے لگے اور اس لفظ کو ادا کرتے ہوئے ناک میں سے آواز نکالتے وقت حرف "ع" اور "ن" پر خاص زور دیتے ہیں اور "ارائیں" نہیں کہتے۔

انگریزی زبان میں وہ اس کیفیت کو یوں ظاہر کرتا ہے۔

"Thw word<RAEEN" isExpressed with strong nosel"

(Tribal customs in sarsa)

آگے چل کر وہ اپنی رپورٹ مطبوعہ 1882ء کے صفحہ نمبر19 20 21 پر مزید لکھتا ہے کہ ہندوستان میں یہ قبیلہ قلیل التعداد اور اجنبی ہونے کی وجہ سے ذات پات میں جکڑی ہوئی کثیر التعداد ہندی سوسائٹی کی نظروں سے اوجھل رہا لہٰذا کوئی مزید تحقیق کئے بغیر اس نووارد قبیلہ کو رواجی طور پر راہک (کاشتکار) سے "رائیں" جیسا ہندی نام دے کر اسے پیشہ کی بنا پر ہندی کاشتکار قبیلہ کبوہ کی مسلم شاخ میں شمار کیا جانے لگا۔

لیڈر شپ کے فقدان کے نقصانات اور برادری پر اس کا اثر

ابراہیم لودھی کے زمانہ (1517ء تا 1526ء) تک راعیوں نے انفرادی کوششوں سے بریلی، پلی بھیت، لکھنؤ، بارہ بنکی، سلطان پور، سیتا پور، بجنور اور سرسہ وغیرہ کے ہندوستان علاقوں میں وسیع زمینداریاں قائم کرلیں اور ان کی اکثریت خوشحال زندگی بسر کرنے لگی۔ مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اتنی جائیدادوں اور وسیع اراضیات کے مالک ہوتے ہوئے یہ قبیلہ محض کسی بااعتماد اور قابل لیڈر شپ کے فقدان کی وجہ سے اپنے آپ کو بے یارومددگار محسوس کرتے ہوئے ڈانواں ڈول اور سیاسی ہنگاموں سے دور ہٹ کر خاموش زندگی بسر کرتا رہا۔ لودھیوں کے اقتدار کے آخری ایام میں جب ابراہیم لودھی کی قسمت کا ستارہ ڈوب رہا تھا اور اس کے خاندان میں اقتدار کی جنگ شروع ہو چکی تھی۔ محلاتی سازشیں زوروں پر تھیں اور آپس میں ان کا سر پھٹول ہو رہا تھا اس وقت راعیوں کے لئے ہند کی سیاست میں کودنے کا سنہری موقعہ تھا۔ راعیوں کی خاصی تعداد ابراہیم کی فوج میں اہم عہدوں کے علاوہ کلیدی پوزیشنوں پر فائز تھی مگر قومی لیڈر شپ نہ تھی ورنہ لودھیوں کے بعد ہندوستان میں مغلوں کی بجائے راعیوں کی حکومت ہوتی۔ صحیح لیڈر شپ کے بغیر کوئی قوم، قبیلہ یا برادری انسانی جلوس میں ایک بے جان

پتھر کے ٹکڑے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ چنانچہ لیڈر شپ کی محرومی سے اس قوم کے وقار اور قومی تشخص کو جو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے اس پر سیر حاصل بحث کے دوران آسٹریلیا کی مشہور قومی یونیورسٹی آف کیبرا کے ایشین سولیزیشن کے پروفیسر اے ایل باشم اپنی شہرہ آفاق تصنیف "ونڈر وٹ واز انڈیا That Was India Wonder" میں رہنماؤں سے محروم قوموں کی حالت زار پر تبصرہ کرتے ہوئے صفحہ نمبر 84 تا 86 پر لکھتا ہے کہ جس قوم قبیلہ یا گروہ کے پاس دولت اور مادی وسائل کی افراط ہو مگر اس کا سربراہ نہ ہو تو اس کے افراد راتوں کو ڈر کے مارے آرام کی نیند نہیں سو سکتے۔ ان کی املاک' دولت اور عزت چھن جاتی ہے۔ ان کے چہرے پژمردہ رہتے ہیں اور ان کے ہاں گرما گرم محفلیں جم نہیں پاتیں۔ بے آب و گیاہ ویرانے میں وہ گڈریا کے بغیر بھیڑ بکریوں کی طرح گم گشتہ راہ ہو کر یا تو جنگلی جانوروں کے ہتھے چڑھ جاتی ہیں یا سسک سسک کر کسمپرسی کی حالت میں جان دے دیتی ہیں۔ دولت اور خوبصورت بیویوں کی تمنا کرنے والوں کو ان کے حصول سے پہلے اپنا سربراہ چن لینا چاہئے۔ جو ان کی حفاظت کا ضامن ہو۔ مہم جو ہو اور اس کے بازوؤں میں فولاد جیسی سختی ہو تاکہ کسی لٹیرے یا ڈاکو کو یہ خبر ہو کہ فلاں نگری میں بسنے والے لوگوں کا محافظ موجود ہے جس کے آہنی پنجوں سے بچ نکلنا محال ہے۔ قوم میں لیڈر کا نہ ہونا ایک ناقابل معافی جرم ہے جس کی سزا ضرور ملے گی۔

رائین برادری اسی جرم کی پاداش میں سب کچھ موجود ہونے کے بوجود جام راعینہ اور نواب آدینہ بیگ رائین' ظفریار جنگ بہادر والئے پنجاب کے بعد تاریخ سندھ اور پنجاب کے صفحات میں اپنے صحیح مقام حاصل کرنے سے قاصر رہی ہے اور آخر کار اس برادی کی تقدیر ہندی اقوام کے ہاتھوں میں چلی گئی جس کی سزا اسے آج تک بھگتنا پڑ رہی ہے۔

اس مرحلہ پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جام فیروز کے بعد جام بازید اور جام ابراہیم

خاندان سامہ کے افراد ہوتے ہوئے اس قبیلہ کے سربراہ تسلیم کئے جانے کے باوجود ان سے خاندانی سطح پر رہنمائی حاصل کر کے اس افراتفری کے زمانہ میں تاریخ پنجاب و سندھ کا دھارا آسانی سے سماؤں کے حق میں موڑا جا سکتا تھا مگر ایسا کیوں نہ ہوا اور لیڈر شپ کے ہوتے ہوئے اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھایا جا سکا۔ اس حجت کا معقول جواب یہ ہے کہ مرزا شاہ بیگ اوغون کے ہاتھوں جام فیروز کی عبرت ناک شکست سے جب خاندان سامہ کی شیرازہ بکھر گیا اور مرکزیت ختم ہو گئی تو مرزا نے جام بازید اور جام ابراہیم جو دونو جام فیروز کے نزدیکی رشتہ داروں میں سے تھے کو اپنے خاندان سے غداری اور ارغونوں سے وفاداری کے صلہ میں بالترتیب شور کوٹ اور اوچ کے علاقے بطور جاگیر عطا کئے۔ جام بازید نے مرزا شاہ بیگ کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے مرزا حسین کے خلاف بغاوت کر کے دولت خاں لودھی، گورنر پنجاب 1518 اور ابراہیم کا نزدیکی رشتہ دار کی مدد سے دریائے راوی کے کنارے تک کا تمام علاقہ اپنی جاگیر میں شامل کر کے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ مگر دولت خان لودھی کے بعد 1528 میں بابر نے جام بازید اور جام ابراہیم کی خودمختارانہ حیثیت کو ختم کر کے اس تمام علاقہ کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا اور چونکہ ان دونوں سماؤں نے اپنے خاندان سے غداری کرتے ہوئے اپنی ذاتی اغراض کے پیش نظر انفرادی حیثیت سے مرزا شاہ بیگ سے یہ جاگیریں عطیہ کے طور پر حاصل کی تھیں لہٰذا وہ نہ تو سماؤں کی طرف سے بطور لیڈر کے شاہ بیگ کے خلاف لڑے اور نہ ہی سرسہ میں مقیم سامہ شاخ "رائین" کا ان جاگیرداران سے کوئی رابطہ یا تعلق تھا اور نہ ہی کبھی ان سرداروں نے اپنے آپ کو سماؤں کا کسی شاخ کا لیڈر ظاہر کر کے دولت خاں لودھی سے مدد حاصل کی تھی۔ لہٰذا یہ اشخاص سامہ خاندان کی کسی شاخ کے لیڈر تسلیم نہیں کئے جا سکتے تھے اور نہ ہی انہوں نے خود کبھی اپنے بطون کی سرفرازی و ترقی میں دلچسپی لی تھی۔

ہندوستان میں مغلیہ حکومت کا بانی مرزا ظہیرالدین بابر ان دنوں کابل میں بیٹھ کر

ہندوستان کے سیاسی اتار چڑھاؤ کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے ہندوستان میں جاسوسی کا جال بچھا رکھا تھا اور عرصہ سے اس کی للچائی ہوئی نظریں اس "سونے کی چڑیا" پر لگی ہوئی تھیں۔ چنانچہ جب ابراہیم لودھی کا نزدیکی رشتہ دار دولت خاں لودھی (1518ء میں گورنر پنجاب) اور دہلی میں ابراہیم کا چچا اور اس کا درباری عالم خاں لودھی اقتدار پر قبضہ کرنے کی سازشوں میں مصروف تھے اور عین ممکن تھا کہ وہ دونوں ابراہیم کی حکومت کا تختہ الٹ دیتے کہ اس کی انٹیلیجنس کی بروقت کاروائی سے یہ سازش ناکام بنا دی گئی مگر عالم خاں ہاتھ نہ لگ سکا۔ وہ دہلی سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور لاہور میں دولت خاں کے ساتھ آن ملا۔ ابراہیم لودھی نے دولت خاں کی جواب طلبی کے لئے اسے دہلی حاضر ہونے کا حکم بھیجا مگر دولت خان ڈر کے مارے خود دہلی نہ گیا بلکہ اپنے بیٹے دلاور خاں کو بھیج دیا۔ بادشاہ ابراہیم دلاور خاں کو دیکھتے ہی طیش میں آ گیا اور اس کی بے عزتی کر کے اسے دربار سے نکال دیا۔ دلاور خاں نے لاہور واپسی پر بادشاہ کی برہمی اور اس سے کئے گئے ہتک آمیز برتاؤ کی تمام روئیداد اپنے والد کے گوش گزار کر دیا اور قرین قیاس ہے کہ اس نے اپنے پاس سے بھی کوئی من گھڑت قصہ سنایا ہو لہٰذا بیٹے کی باتیں سن کر دولت خان بڑا رنجیدہ خاطر ہوا اور اس واقعہ کو بہانہ بناتے ہوئے اس نے بابر کو ہندوستان پر چڑھائی کرنے کی دعوت دے دی بابر پہلے ہی اس خوشخبری کا منتظر بیٹھا تھا۔ چنانچہ دعوت نامہ موصول ہوتے ہی وہ 1519ء میں ہندوستان پر چڑھ آیا اور بھیرہ کا علاقہ ہتھیا لیا۔ بابر نے ابراہیم کو کہلا بھیجا کہ پنجاب کا تمام علاقہ اس کے حوالے کر دیا جائے ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جائے اور اسی دوران ابراہیم کا جواب موصول ہونے سے پیشتر ہی اس نے گکھڑوں کی سرکوبی کر کے شمالی پنجاب کا دریائے چناب تک کا علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا اور مرزا حسین بیگ تگہ کو اس کا گورنر مقرر کر کے خود کابل واپس لوٹ گیا۔ ابراہیم نے بابر کے اس حملہ اور وارننگ کو کوئی خاص اہمیت نہ دی اور بدستور دہلی میں آرام سے پڑا رہا۔ چنانچہ بابر اسی سال کے آخر

میں موقعہ پا کر دوبارہ ہندوستان میں آدھمکا۔ پیشتر اس کے کہ وہ دریائے چناب سے آگے بڑھ کر لاہور کی طرف پیشقدمی کرتا شاہ کاشغر سلطان سعید نے بدخشاں پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے بابر کو فوراً" واپس لوٹنا پڑا۔ سن 1520ء میں تیسری بار بابر ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور سیالکوٹ کو پائمال کرتا ہوا سیدپور منڈی (موجودہ ایمن آباد) پر قبضہ کر لیا جہاں سے وہ لاہور پر چڑھائی کے لئے تیاری کرنے لگا۔ اسی اثناء میں اسے خبر ملی کہ کابل پر قندھار کی فوجوں نے چڑھائی کر دی ہے لہٰذا وہ پھر واپس لوٹ گیا۔ 1524ء میں دولت خاں اور عالم خان لودھی کی مشترکہ دعوت پر بابر کو ہندوستان پر چوتھی بار چڑھائی کرنے کا موقع مل گیا۔ ابراہیم لودھی کو جب دولت خاں اور عالم خاں کی غداری اور شرارتوں کا دوبارہ علم ہوا تو اس نے بہار خان نامی جرنیل کی زیر کمان دولت خاں اور عالم خاں کی گرفتاری کے لئے ایک ٹیم لاہور روانہ کی۔ دولت خان فرار ہو کر بلوچوں اور گکھڑوں کے پاس پناہ گزین ہو گیا۔ بابر اس دوران لاہور کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔ بہار خاں نے بابر کو روکنے کے لئے دریائے راوی کے پار اپنی فوج کو درست کیا اور بابر کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ بابر اچانک نمودار ہوا اور بہار خاں کو بے خبری میں آن دبوچا۔ بہار خاں کی سپاہ سراسیمگی کی حالت میں میدان چھوڑ کر بھاگ نکلی اور بابر فاتحانہ شان سے لاہور شہر میں داخل ہوا اور چار یوم آرام کرنے کے بعد قلعہ دیپالپور پر حملہ آور ہوا اور اس پر بڑی آسانی سے قبضہ کر لیا اور ابراہیم لودھی کے بھائی کے ہاتھوں معزول شدہ قلعہ دار بابا خوشکا (Khoshka) کو اپنے سابقہ عہدہ پر بحال کرنے کے بعد دولت خاں لودھی کے ساتھ رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ بابر نے اسے اس کی "خدمات" کے صلہ میں دوآبہ جالندھر اور پرگنہ سلطان پور کے علاقے بطور جاگیر عطا کئے۔ مگر وہ اس عطیہ سے مطمئن نہ ہوا۔ چنانچہ بابر نے یہ علاقے دولت خاں کی بجائے دلاور خاں کی تحویل میں دے دیئے اور خود لاہور واپس آ کر اور وہاں چند یوم ٹھہرنے کے بعد کابل واپس لوٹ گیا۔ بابر کے جانے کی دیر تھی کہ دولت خاں

نے موقعہ پاتے ہی پہاڑی راجپوتوں اور اپنے بیٹے کی مدد سے شب خون مار کر مغل سرداروں کو سوتے میں موت کے گھاٹ اتار کر لاہور پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

(نوٹ) یاد رہے قلعہ دیپالپور کا قلعہ دار بابا خوشکا (Khushka) کی اولاد میں سے گنجہ کلاں کی رائیں فیملی کی ابتدا ہوئی ہے۔

ابراہیم کا چچا عالم خان جو حصول اقتدار کے لئے محلاتی سازشوں اور خانہ جنگی میں دولت خاں کا برابر کا شریک تھا بالکل تہی دست رہا جس کا اسے سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ وہ غصہ کی حالت میں بابر کے پاس سیدھا کابل پہنچا اور اسے ایک بار پھر ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ بابر اب کے ایک لشکر جرار کے ساتھ ہندوستان میں اندھی کی طرح وارد ہوا اور پنجاب کو روندتا سیدھا پانی پت کے میدان میں بغیر کسی مزاحمت کے پہنچ گیا جہاں سے اس نے ابراہیم کو صلح صفائی سے تخت دہلی اس کے حوالے کرنے کا پیغام بھیجا۔ ابراہیم نے میدان جنگ میں فیصلہ کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی فوجیں پانی پت کے میدان کے جنوبی کنارے پر جمع کرنی شروع کر دیں۔ بابر نے تین دن انتظار کرنے کے بعد ابراہیم سے خاطر خواہ جواب نہ ملنے پر اپنے توپ خانہ کی مدد سے گھوڑ سوار دستوں کے بھرپور حملہ سے لڑائی کا آغاز کر دیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ اس لڑائی میں ابراہیم کی طرف سے ریاست اودھے پور کے راجپوتوں اور سرسہ کے رائیوں نے جی توڑ کر بابر کے خلاف اپنی جنگی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر کے حق نمک ادا کیا مگر بابر کے توپ خانہ کی مسلسل گولہ باری اور گولوں کی گرجدار آواز اور رسالہ کے تیروں اور نیزوں کی لگاتار بارش سے سرسیمہ ہو کر ابراہیم کی فوج کے ہاتھی پیچھے بھاگنے لگے اور اپنی ہی فوج کے روندتے ہوئے تتر بتر ہو گئے اور راجپوت اور رائیں جم کر نہ لڑ سکے اور آخر کار ان کی ناقص ٹریننگ' جدید ہتھیاروں کی کمی اور غلط صف بندی کے باعث ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پسپا ہونا شروع ہو گئے۔ راجپوتوں کی کثیر تعداد کے علاوہ آٹھ ہزار کے قریب رائیں بھی میدان جنگ میں کام آئے۔ ابراہیم کے کئی نمک حرام اور طالع آزما

پٹھان سردار بابر کی فوج کے ساتھ مل گئے۔ ابراہیم بہلوری سے لڑتا ہوا مارا گیا اور بابر بلا شرکت غیر ہندوستان کا مالک بن گیا۔ بابر راعیوں کی بہلوری اور ابراہیم سے ان کی آخری دم تک وفاداری سے بڑا متاثر ہوا چنانچہ اس نے ان کی املاک اور اراضیات بدستور ان کے پاس رہنے دیں بلکہ انہیں مراعات سے بھی نوازا۔

بابر ہندوستان پر یکے بعد دیگرے چار حملوں اور پانی پت کی لڑائی کے دوران مختلف ہندی قبائل کی پست ذہنیت اور لالچی فطرت سے بخوبی آگاہ ہو چکا تھا۔ اس نے اندازہ لگا لیا کہ ان لوگوں کی اکثریت خود غرض ہے اور ان میں قومی شعور کا فقدان ہے اور بدیں وجہ وہ بہتر معاوضے اور مراعات کے لالچ کا شکار ہو کر اپنی وفاداریاں اور ملکی مفاد کو داؤ پر لگانے میں بھی ہرگز کوئی شرم محسوس نہیں کرتے لہٰذا حکومتی معاملات اور خاص کر محکمہ دفاع میں ان پر بھروسہ کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے قدم جماتے ہی "مصلحتاً" جاٹوں، کشمیریوں اور پٹھانوں کی بھرتی اپنی فوج میں بند کر دی۔ راعیوں اور راجپوتانہ کی اصول پرستی اور وفاداری کے پیش نظر سول اور فوجی ملازمتوں کے دروازے ان پر کھول دیئے اور پھر یہ سلسلہ ایک دستور کی شکل اختیار کر گیا جس پر خاندان مغلیہ کے خاتمہ اقتدار تک برابر عمل ہوتا رہا۔

عہد بابری 1526ء اور جنگ آزادی 1857ء کے درمیان لمبے عرصے کے دوران ایک ساتھ خدمات بجا لاتے ہوئے رائین، راجپوت اور مغل آپس میں رشتے ناطے جوڑ کر خلط ملط ہو گئے۔ اکثر رائین خود بخود یا بعض حالتوں میں حکومت مغلیہ کی التفات اور حسن سلوک سے متاثر ہو کر بطور اعزاز اپنے ناموں کے ساتھ لفظ "بیگ" کا استعمال کرنے لگے اور اس طرح لاشعوری طور پر اپنا تشخص کھو بیٹھے جس سے راعیوں اور مغلوں میں امتیاز و شناخت مشکل ہو گئی اس طرح مغلیہ دور میں رائین برادری کی منفرد حیثیت پر کافی ضرب لگی اور اصلی اور نقلی رائین میں تمیز ایک پیچیدہ مسئلہ بن گئی جس سے مورخین کو صحیح نشاندہی کرنے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور بعض

حالتوں میں قیافہ شناسی کا سہارا بھی لینا پڑا۔

حکومت مغلیہ کی خوشنودی حاصل کرنے اور اپنی وفاداری کے ثبوت میں رائیوں کے علاوہ راجپوتوں کے کئی خاندان بھی "مرزا" کا لقب استعمال کرنے لگے چنانچہ ایسے وفادار خاندانوں میں جے پور، اودھے پور اور وجیا گرام کے حکمران گھرانے پیش پیش رہے اور تقسیم ہندوستان تک وہ اپنے ناموں کے ساتھ برابر "مرزا" کا لفظ استعمال کرتے رہے۔ (تفصیلات کے لئے دیکھیں "ہسٹری آف دی سکھ نیشن" از پریتم سنگھ گل صفحہ نمبر 174 احوال آدینہ بیگ اور ایڈوانس ہسٹری آف دی پنجاب جلد اول از جی ایس چھبرا)۔

جنگ آزادی کے دوران (1857ء) اور اس میں ناکامی کے عین بعد حالات یکایک بدلے شکست خوردہ مغل برادری پر جب آفت آئی اور اسے انگریزوں اور سکھوں سے جان بچانے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو ان کی بھاری تعداد بھیس بدل کر زیر زمین چلی گئی اور دہلی و لاہور کے قرب و جوار میں ان کی آبادی کا کثیر حصہ رائین برادری میں شامل ہو گیا۔ صرف چند گنتی کے ان خاندانوں یا افراد کے تشخص برقرار رہ سکا جو یا تو انگریزوں کے پٹھو اور مخبر بن کر اپنے بھائیوں کو گرفتار کرواتے رہے یا جو شہری آبادیوں سے دور دراز علاقوں میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور انگریزوں کو ان کی غیر مشروط وفاوای پر کوئی شک نہ گزرتا تھا۔ راولپنڈی کے ضلع میں 4 تا 5 ہزار کے قریب مغل کھتری سکھوں کی برادری میں شامل ہو گئے اور کاغذات مال میں اپنے آپ کو مغل کی بجائے کھتری سکھ لکھوا کر اپنی جان بچائی۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اسی نوعیت کی ایک اور مثال پیش خدمت ہے جو اہل نظر کو دعوت فکر دیتی ہے۔ ساڑھے تین سو سال کے قریب دبدبہ سے حکومت کرنے والے اس اجنبی اور خونخوار خاندان کی بچی کچی نفری میں سے 90 فیصد لوگ بدحواس ہو کر یا تو لوہاروں ترکھانوں میں مل گئے یا ان کی بے حسی کی وجہ سے لوہار اور ترکھان ان میں گھس آئے اور اپنے آپ کو مغل کہلوانے

لگے اور اس طرح ان اہل حرفہ کے علاوہ کئی مالدار گداگر' فقیر' کشمیری' جولاہے اور بروالے بھی دیکھا دیکھی اپنے آپ کو مغلوں میں شمار کرنے لگے اور پٹھان برادری سے مراسم بڑھا کر ان سے رشتے ناطے جوڑ کر مغل پٹھان بھی کہلانے لگے جس سے اس عظیم قبیلہ کے نسلی وقار کو سخت دھچکا لگا۔ شکست خوردہ اور خستہ حال خاندان مغلیہ پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹنے کا مختصر سے اوپر دیئے گئے بیان کو قوموں کے عروج و زوال کی ایک عبرتناک مثال کے طور پر پیش کرتے ہوئے اب ہم اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔

شہنشاہ بابر جسے نہ تو اس ملک کی آب و ہوا راس آئی اور نہ ہی وہ یہاں کے باشندوں کو دل سے پسند کرتا تھا اپنے چار سالہ قلیل دور حکومت میں سوائے اپنی سلطنت میں توسیع کرنے اور امن و امان کی صورتحال کو بہتر اور مستحکم کرنے کے وہ عوامی فلاح و بہبود کے کاموں میں کوئی خاص دلچسپی نہ لے سکا۔ البتہ شروع سے ہی راجپوتانہ کے راجپوتوں اور سرسہ کے رائیوں کی قرب حضوری کے اعتراف میں اس نے زرعی پیداوار اور مال مویشیوں کے افزائش کے سلسلہ میں کسی حد تک ان لوگوں کو خصوصی گرانٹس اور دیگر مراعات سے ضرور نوازا جس کے نتیجہ میں سرسہ اور راجپوتانہ کے بعض مقامات پر چھوٹی چھوٹی نہریں کھود کر پانی کی قلت کو دور کرنے میں خاصی مدد ملی اور زرعی پیداوار میں چار چاند لگ گئے۔ ہر قسم کے چارہ کی بہتات سے ہل میں اور چھکڑوں کے آگے جوتنے کے لئے اعلیٰ قسم کے قد آور' مضبوط اور خوبصورت مویشی از قسم گائے' بیل اور اونٹ وغیرہ کی آبادی میں خلاف توقع اضافہ ہونے لگا جس سے تغلقوں کے عہد کا قائم کردہ قلعہ حصار اور شہر سرسہ اجناس خوردنی اور مویشیوں کی منڈیاں بن گئے اور علاقہ کی معاشی حالت قابل رشک حد تک بہتر ہو گئی۔ رائیوں نے اپنی روز مرہ کی آمدنی میں مزید اضافہ کرنے کے لئے کاشتکاری کے علاوہ چھکڑے بنا کر باربرداری کا کام بھی شروع کر دیا جس سے سرسہ کے بیلوں کی طاقت کی دھوم مچ گئی

اور وہ بھاری قیمتوں پر بڑی چاہت سے خریدے جانے لگے۔ اس آسودہ حال اور آرام دہ زندگی نے راعیوں کو کسی حد تک ست الوجود تو ضرور بنا دیا تھا مگر اس سے انہیں ایک فائدہ یہ ہوا کہ ان کا اپنا علاقہ سے باہر والے لوگوں سے میل ملاپ بڑھا جس سے وہ ملکی حالات سے باخبر ہو کر دینی اور سیاسی معاملات کی طرف پیش رفت کے لئے اپنے مکتبوں اور مدارس میں جدید خطوط پر دینی اور تعلیمی نصاب میں مناسب تبدیلیاں کر کے برادری کی نئی پود کو نئی راہوں پر ڈالنے میں بنیادی کردار ادا کرنے لگے اور اور ان پیہم کوششوں کا پھل ان کو بابر کی وفات اور ہمایوں کی جلا وطنی اور واپسی کے بعد عہد اکبری سے ملنے لگا۔ چنانچہ عہد اکبری میں صوبہ اودھ سے سامہ شیخوں کی علاوہ پنجاب کے سامہ راعیوں نے مغلیہ سلطنت کی استحکامت میں پر خلوص خدمات سرانجام دیتے ہوئے اکبر اعظم' جہانگیر' شاہجہان اور سب سے بڑھ کر اورنگ زیب عالمگیر کے دل میں گھر کر لیا جس کی ایک جھلک آپ پچھلے اوراق میں سامہ شیخوں کے بیا میں دیکھ آئے ہیں۔ سرسہ میں شیخ اللہ داد ولی اللہ' مولوی شیخ محمد سلیمنا مہر منگو آف کنگن پور اور مہر کمل آف شاہ پور جاگیرداران اور درباری کرسی نشینوں کو تاریخ سرسہ اور ہند میں اعلیٰ مقام حاصل ہے اور برادری ان بزرگوں پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ ترقی و خوشحالی اور امن و سکون کا یہ دور پلک جھپکنے میں گزر گیا چنانچہ گردش ایام سے دریائے سرسوتی (گھاگرہ) کے خشک ہو جانے اور کئی سال بارشیں نہ ہونے کے سبب راعیوں کے تین سو ساٹھ گاؤں ج کا مجموعی رقبہ پندرہ لاکھ ایکڑ کے قریب تھا۔ صرف ایک نالہ "زنگوئی" اور کبھی کبھار مون سون کی چند چھینٹو کے سہارے کچھ سال تو گزارے۔

سرسہ سے راعیوں کی بطرف پیلی بھیت اور دو آبہ جالندھر نقل مکانیاں

مگر جب پانی کی متواتر قلت سے حالات بے قابو ہو گئے تو ان لوگوں میں سے کئی گھرانے جن میں مہر منگو اور مہر محمد ولد ملاں حسن کی نسل سے کئی افراد بھی شامل تھے

پیلی بھیت اور بریلی میں اپنے پہلے سے گئے ہوئے لواحقین کے پاس چلے گئے جن کی اولادوں میں سے انگریزی عہد میں شیخ نور احمد شیخ عبدالعزیز' شیخ نذیر احمد اور شیخ منظور وغیرہ روساڈانگ والے ہوئے ہیں۔

سرسہ سے دوآبہ جالندھر کی طرف راعیوں کے متعد خاندان زیادہ تر 1130ھ بمطابق 1750ء اور 1783ء کے درمیانی عرصہ میں نواب ظفریار جنگ بہادر آدینہ بیگ راعیں کی زندگی میں اور اس کی وفات کے بعد منتقل ہوئے۔ چنانچہ اس نقل مکانی کے بعد آدینہ بیگ کی وفات کے 25 سال بعد تک سکھوں کے بلا بازی کے زمانہ میں بھی سرسہ سے راعیوں کی جزوی نقل مکانی کا سلسلہ جاری رہا اور تقسیم ہند تک ضلع جالندھر کی کل آبادی کا 1/7 حصہ بن کر تحصیل پھلور' نکودر اور جالندھر میں سکھوں کی ابادی کے بیچوں بیچ پروقار اور خوشحال زندگی بسر کرتے رہے اور انھیں مقامات سے ان کی معقول تعداد جزوی شکل میں اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے آخر میں گورداسپور' کلانور' بٹالہ اور کوٹ نیناں تک پھیل گئی۔ یاد رہے کوٹ نیناں راعیوں کی ابتدائی کوت "نین" کا بسایا ہوا ہے) موجودہ صدر میں عہد انگلشیہ کے ابتدائی دور میں جالندھری راعیوں کی بھاری اکثریت لائل پور (موجودہ فیصل آباد) منٹگمری (موجودہ ساہیوال) اور بہاولپور کے علاقوں میں وسیع اراضیات حاصل کر کے نہری کالونیوں میں آباد ہو گئی جس سے ان کا ملتانی راعیوں سے رابطہ قائم ہونا شروع ہو گیا۔

دوآبہ جالندھر کے حالات

پیشتر اس کے کہ قحط سالی یعنی 1750ء تا 1783ء کے دوران دوآبہ جالندھر میں ضلع سرسہ سے نقل مکانی کرنے والے راعیوں کی سماجی' معاشی اور سیاسی سرگرمیوں کا تجزیہ کیا جائے یہ ضروری ہے کہ اصل موضوع سے قدرے ہٹ کر قدیم پنجاب اور اس میں سکونت پذیر ہندی نژاد اقوام و قبائل کے حالات پر خصوصی نظر ڈالی لی جائے تا

کہ قارئین کو یہ سمجھنے میں آسانی ہو کہ کیوں کر راعیوں کی تاریخ' ان کی شاندار ماضی اور پروقار طرز زندگی کی جلی نمونوں کو عملاً" مسخ کر کے ہندو راجپوت جاٹوں اور سکھ جاٹوں نے اپنے وحشیانہ اور غیر مہذب زمانہ میں جب کسی مسلمان کی عزت و آبرو محفوظ نہ تھی سفیر اسلام اور امن و آتشی کے علمبردار اس قلیل التعداد عربی النسل قبیلہ پر بے پناہ مظالم ڈھائے اور انہیں ذہنی طور پر مفلوج کرنے کے ناپاک عزائم سے عہد انگلشیہ میں اپنی کم ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رائین برادری کو ہندو اور سکھ اہلکاروں کی ملی بھگت سے کاغذات مال اور بندوبست اراضی اور رپورٹ ہائے مردم شماری میں ہندو قبیلہ "کمبوہ" (قدیم ہندی نژاد ذات ویش میں سے "کنبی قبیلہ کا بگڑا ہوا نام) کی ایک نو مسلم شاخ کے طور پر ظاہر کروایا گیا جس کے نتیجہ میں اس عربی نژاد برادری کے انساب کی نشاندہی اور شناخت ایک ژولیدہ اور گنجلدار مسئلہ بن گیا اور بدقسمتی کی انتہا یہ رہی کہ موجودہ دور کے تاریخ نویسوں نے بغیر کسی گہری تحقیق و تجسس کے ایسے جاہلانہ اور شرانگیز دستاویزات میں اندراجات کو بنیادی طور پر درست مانتے ہوئے ان کی اتھارٹی پر رائین برادری کی تاریخ لکھنی شروع کر دی جس سے عوام ذہنی انتشار کا شکار ہو گئے۔

جغرافیائی حیثیت کے لحاظ سے پنجاب برصغیر کا ایک اہم جزو ہونے کے باوجود اپنی منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ زمانہ قدیم سے شمال مغرب سے بیرون حملوں کے سیلاب کو روکنے کے لئے یہ خطہ بطور حفاظتی بند کے استعمال ہوتا رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ پانچ دریاؤں کی اس دھرتی کو ہندوستان کا بازوئے شمشیر زن بھی کہا جاتا ہے اس کی قابل رشک آب ہوا اور زرخیز مٹی ہمیشہ سے باعث کشش رہی ہے باہر سے جو کوئی حملہ آور آیا اس نے یہاں کیمپ کیا۔ کیل کانٹے درست کیا اور راشن پانی اکٹھا کرنے کے بعد وہ "سونے کی چڑیا" (ہندوستان) کے شکار پر چل پڑا۔ محلات دہلی کے صدر دروازے (Gateway of India) کی حیثیت سے یہ علاقہ تخت دہلی کی توجہ کا خصوصی

مرکز رہا ہے۔ موجودہ پنجاب بمعہ شمال مغربی سرحدی صوبہ 16 ویں صدی عیسوی تک ملک سندھ کا حصہ رہا۔ 1729ء میں موجودہ بہاولپور کا علاقہ سندھ سے علیحدہ ہو کر ایک آزاد ریاست کی شکل میں معرض وجود میں آچکا تھا۔ ملتان کو لنگاؤں کے غاصبانہ قبضہ سے چھڑا کر غاصب مرزا شاہ حسین بیگ ارغون نے اسے پنجاب سے ملا کر اپنی قلمرو کا حصہ بنا رکھا تھا اور اسی دوران ملتان میں بسنے والے سامہ رائین جزوی طور پر نقل مکانی کر کے لاہور اور سیالکوٹ کے موجودہ اضلاع میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو چکے تھے۔ لودھیوں کے دور اقتدار میں پنجاب کی از سر نو سیاسی و انتظامی تقسیم ہوئی اور اس وقت کے حالات کے مطابق ملتان اور لاہور کے علاقوں کو دو بڑے صوبوں اور سرہند، دیپالپور اور سلطان پور کے پرگنہ جات کو چھوٹے صوبوں کا درجہ دے دیا گیا۔

سلطان محمود غزنوی کے سومنات (گجرات کاٹھیاوار) پر 410ھ بمطابق 990ء کے حملہ اور سلطان قطب الدین ایبک کے زمانہ میں شکست خوردہ "کشتری" (منو آریہ کی ذات پات کے تحت بھارت دیش کی حفاظت کرنے والے آریہ لوگ) جنہوں نے نہ تو اسلام قبول کیا اور نہ ہی جزیہ ادا کرنے کی اسلامی شرط کو ماننے پر تیار ہوئے وہ بھاگ کر موجودہ صوبہ پنجاب کے اضلاع لاہور اور سیالکوٹ میں جان کی سلامتی کی خاطر بھیس بدل کر اور اپنے آپ کو "کشتری" کی بجائے "جاٹ" (ہندوؤں کی ذات پات کے قانون کے تحت ایک برادری جو ویش کہلاتی ہے اور کھیتی باڑی کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہے اور اپنے سے اعلیٰ طبقہ "برہمن" اور "کھشتری" کی اراضیات پر کاشت اور ان کے مال مویشیوں کی حفاظت کی ذمہ دار بھی ہوتی تھی) ظاہر کر کے اور شمال مغربی سرحدوں سے آمدہ غزنوی ار غوری لشکروں کی یلغار کی دست برد سے محفوظ رہنے کے لئے اپنی شناخت کو مخفی رکھتے ہوئے مقامی سندھی جاٹ از قسم چٹھہ، بھٹی، کھوکھر، سیال اور کھرل وغیرہ قبائل میں شامل ہو کر اپنی سابقہ جائے رہائشوں کے نام پر اپنے گھرانوں کے نام رکھ کر لونگوال، گریوال، دھاریوال، برار، گوندل، بھڑایچ، (بگڑا ہوا لفظ وڑایچ)

گھومان (بگڑا ہو لفظ گھمن) وغیرہ جاٹ کہلانے لگے۔ انہیں "کشتریوں" میں ایک قبیلہ جالندھرہ بھی تھا جو گجرات کاٹھیا واڑ کے علاقہ میں جالندھرہ نام کی ایک باجگزار ریاست سے غزنوی یلغار کے زمانہ میں نقل مکانی کر کے پنجاب میں آباد ہوا جس کے نام پر دوآبہ جالندھر کا نام رکھا۔ لدھیانہ' ہوشیارپور اور امرتسر کی بستیاں بالترتیب لودھیوں اور مغلوں کے ادوار میں قائم ہوئیں اور اس تمام علاقہ پر کنٹرول کرنے کے لئے سلطان پور کو بطور صدر مقام منتخب کر کے فوجدار (نئب گورنر اور فوجی کمانڈر) مقرر کئے جانے لگے۔ جو امن و امان کی بحالی اور مالیہ کی وصولی کے ذمہدار ہوا کرتے تھے۔ جیسا کہ پچھلے ابواب میں ذکر آ چکا ہے کہ لاہور اور سیالکوٹ کے علاقے ان ایام میں سندھ اور ہند سے الگ ازاد جغرافیائی یونٹ تھے اور ان میں امیر امداد الدین محمد قاسم بن عقیل ثقفی کی سندھ میں آمد کے دوران سندھی جاٹ جو مشرف بہ اسلام نہ ہو سکے اور نہ ہی وہ جزیہ ادا کرنے کی شرط پر وہاں رہے کو تیار تھے وہ بھاگ کر "کشتری جاٹوں" سے بہت پہلے ان اضلاع میں پناہ لے چکے تھے لہٰذا اسی وقت سے یہ دونوں اضلاع "جاٹوں" سے بہت پہلے ان اضلاع میں پناہ لے چکے تھے لہٰذا اسی وقت سے یہ دونوں اضلاع (جاٹوں) کے گڑھ چلے آ رہے ہیں جہاں سے وہ وقتاً" فوقتاً" موجودہ پنجاب کے مختلف اضلاع میں حصول اراضیات کے لئے نقل مکانیاں کرتے رہے۔ 990ء کے بعد شہاب الدین غوری کے نائب سلطان قطب الدین ایبک کے عہد میں کالنجر' بنارس (قدیم نام پریاگ) متھرا اور میرٹھ اور دہلی کے گرد و نواح میں آباد مبوہ' مالی' بھلی' پکھوارہ' چیمہ اور کئی دیگر قبائل خاصی تعداد میں ایبک کی مبینہ مسلم مواز حکومت سے خوفزدہ ہو کر مگر دراصل پنجاب کی صحت افزاء آب و ہوا اور زرخیز مٹی کی بدولت سیالکوٹ اور لاہور کے علاقوں میں آباد ہو گئے اور اس طرح ہندوستان سے بطرف پنجاب میں ہندی نژاد قبائل کی نقل مکانی کا سلسلہ کم و بیش لودھیوں کے خاتمہ اقتدار اور مغلوں کی آمد تک برابر جاری رہا۔ بنگال اور بہار سے "سین" قبیلہ (ویش) کے کئی کنبے وہاں کے

جاگیرداروں اور زمینداروں کی بے انصافیوں اور مظالم سے تنگ آ کر نقل مکانی کر کے پنجاب میں آباد ہوئے اور "سینی" کہلائے۔ ان کی اکثریت بھگتی تحریک کے سکھ رہنماؤں ہرگوبند اور تیغ بہادر کے ہاتھوں سکھ پنتھ میں شامل ہوئی۔ ان لوگوں کے علاوہ پنجاب کے شمال مغربی علاقہ پوٹھوہار اور سون سیکسر کا پہاڑی اور بے آب و گیاہ علاقہ سے "آوان" قبیلہ کی خاصی تعداد غربت اور غزنویوں اور غوریوں کے پے درپے حملوں سے تنگ آ کر لاہور اور سیالکوٹ کے علاقوں میں اٹھ آئی جہاں سے وہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں دو آبہ جالندھر میں جزوی طور پر منتقل ہوئی۔ اس قلیل التعداد ہندی قبیلے نے ماضی میں اپنے ہمسایہ قبائل گکھڑ اور کھوکھر سے مل کر وقتاً فوقتاً غزنویوں اور غوریوں کی یلغاروں کو روکنے کی کوشش کی مگر یہ لوگ اسلامی طوفان کو تو بھلا کیا روک سکتے تھے البتہ اسلام کی روشن کرنوں سے انہوں نے اپنے قلوب ضرور منور کر لئے۔ چنانچہ گکھڑوں اور کھوکھروں کے علاوہ آوان قبیلہ کی پانچ بنیادی شاخوں، گل شاہی، کالگان، چوہان، باترہ اور کھرانہ میں سے اول الذکر تین شاخیں تو مکمل طور پر حلقہ بگوش اسلام ہو گئیں جن میں سے پنجابی زبان کے مشہور صوفی شاعر سلطان باہو ہوئے ہیں مگر آخرالذکر دو شاخوں کی خاصی تعداد کو مشرف بہ اسلام ہونے کی سعادت ابھی تک نصیب نہ ہو سکی ہے اور وہ بدستور اپنے آباؤ اجداد کے مذہب پر قائم ہیں اور بدیں وجہ تقسیم ہند کے وقت ان شاخوں کے غیر مسلم خاندان پاکستان سے نقل مکانی کر کے مشرقی پنجاب اور صوبہ دہلی کے علاقوں میں آباد ہو گئے (یاد رہے کہ تادم تحریر دہلی کا گورنر مسٹر جی اسی کھرانہ آوانوں کی شاخ کھرانہ سے تعلق رکھتا ہے) ان لگاتار نقل مکانیوں سے دو آبہ جالندھر کے علاقہ میں سرسہ سے سرہ وال راعیوں کی آمد سے قبل یعنی 1750ء تک مندرجہ ذیل زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ برادریاں آباد ہو چکی تھیں۔

زراعت پیشہ برادریاں

برادری	کیفیت
1- ڈوگر راجپوت - ہندو	ان میں سے کھاتے پیتے لوگ "راجپوت"
2- ڈوگرہ راجپوت - مسلم	کے بجائے "رانے" کہلاتے ہیں۔
3- کشتری جاٹ - ہندو	اپنے قدیم آبائی ہندوستانی مقامات کے ناموں
4- کشتری جاٹ - سکھ	سے جانے پہچانے اور پکارے جاتے ہیں جیسا آگرہ سے گریوال
5- کمبوہ ویش - ہندو	
6- کمبوہ ویش - سکھ	
7- لبانہ ویش - ہندو	
8- لبانہ ویش - سکھ	
9- گوجر ویش - ہندو	
10- گوجر ویش - سکھ	
11- آوان - ہندو	یہ لوگ کاغذات مال میں ترامیم کروا کر آج کل اپنے
12- آوان - سکھ	آپ کو کشتری جاٹوں میں شمار کرتے ہیں اور عربی لقب ملک رکھتے ہیں
13- کشتری جاٹ - مسلم	یہ برادریاں زیادہ تر غزنویوں اور
14- کمبوہ ویش - مسلم	غوریوں کے زمانہ میں اسلام لائیں مگر
15- گوجر ویش مسلم	ان کے اکثر رسم و رواج ہنوز
16- آوان - مسلم	ہندوانہ ہیں
17- سندھی جاٹ - مسلم	یہ لوگ سندھ کے قدیم بدھی قبائل کی نسل سے
از قسم چٹھہ، کھوکھر، سیال	ہیں اور اسلام کی سندھ میں آمد کے ابتدائی
اور کھرل وغیرہ	دور میں مسلمان ہوئے۔
18- ملتانی راعین	یہ لوگ بابر، اکبر، جہانگیر اور بعد ازاں نواب

آدینہ بیگ رائین گورنر دوآبہ جالندھر کے زمانہ
میں جزوی طور پر سیالکوٹ اور لاہور سے منتقل ہو کر
دوآبہ جالندھر میں آباد ہوئے۔

غیر زراعت پیشہ برادریاں

(1) برہمن - ہندو (2) کھتری - بنیاء - ہندو (3) اہل حرفہ ہندو - سکھ اور مسلمان (4) چمار اچھوت - سیاسی لحاظ سے ہندوؤں میں شمار ہوتے ہیں۔ (5) چوہڑے ہندو - سکھ (6) پٹھان مسلم - یہ لوگ سرحدی کراہ کے پٹھان سپاہیوں اور روہیلوں کی ہندی بیویوں کے بطن سے ہیں اور قلیل التعداد ہیں۔ (7) سادات مسلم (8) دیندار مسلم شیخ (9) جوگی مسلم (10) بھاٹ ہندو (11) جوگی ہند (12) بھاٹ سکھ (13) سانسی - ہندو (14) سانسی سکھ اور (15) نٹ بازیگر۔

چنانچہ ان حالات میں دوآبہ جالندھر میں ہندی نژاد برادریوں کی اجارہ داری قائم ہو چکی تھی اور وہ زیادہ تر سرسہ وال راعیوں کی آمد سے قبل زرخیز اور وسیع اراضیات کی مالک بن چکی تھیں۔ لہٰذا سرسہ وال راعیوں کو جو سرسہ کے علاقہ میں تغلقوں اور لودھیوں کے قانون بندوبست اراضی کے تحت فی کس فی مربع کے مالکان تھے یہاں مجبوراً انہیں فی گھرانہ چھوٹے چھوٹے ناہموار اور بنجر زمینوں کے بچے کھچے اور نیچے قطعات پر ہی اکتفا کرنا پڑا اور آخر دن رات کی محنت شاقہ سے ان زمینوں کو قابل کاشت بنا کر انہوں نے بڑی فصلوں کے ساتھ ساتھ مقامی کسانوں کی دیکھا دیکھی سبزیوں اور پھل دار درختوں کی کاشت بھی شروع کر دی جس سے ہوش و خیال سے ہمکنار ہونے لگے اور آخر وہ وقت بھی آیا کہ مقروض ہندو اور سکھوں کی زمینیں منہ مانگے داموں خرید کر ان میں سے کئی خانوادے اعلیٰ درجہ کے زمینداروں میں شمار ہونے لگے۔ معاشی ترقی کے علاوہ انہوں نے دینی اور ملی خدمات کی طرف بھی خصوصی توجہ

دینی شروع کر دی اور تھوڑے ہی عرصہ میں دینی کتب، یتیم خانے اور عالیشان مساجد کا جال پھیلا دیا گیا اور اس طرح اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی زراعت پیشہ برادریوں سے ہر شعبہ زندگی میں سبقت حاصل کر لی۔ اتنے تھوڑے عرصہ میں اس قدر ترقی اور خوشحالی اور دینی خدمات سے ہندوؤں اور سکھوں کے دلوں میں حسد، کدورت اور بغض و عناد کی آگ بھڑک اٹھی۔ چنانچہ آئے دن مختلف حیلے بہانے پیدا کر کے اس قلیل التعداد نو وارد برادری کو برہمن کی زناری کے علاوہ کرپان سے بھی مرعوب کیا جانے لگا۔ برہمن جو صدیوں سے اسلام کی برصغیر میں آمد سے ہی اسے نعوذ باللہ مٹانے اور نو مسلم افراد کو ڈرا دھمکا کر ہندو دھرم میں واپس لانے کی مذموم کوششیں کرتا چلا آ رہا تھا۔ اب آخر کار تھک ہار کر اسلام کے پر کشش اور فطری اصولوں کی تاب نہ لاتے ہوئے ہتھیار ڈالنے کی سوچ رہا تھا عین ممکن تھا کہ اس کی مسلم کش پالیسی دم توڑ دیتی کہ موضع تلونڈی ضلع شیخوپورہ کے ایک کھتری کے بیٹے نانک نے اسے سہارا دے کے دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا۔

اس نے اسلام کے خلاف محاذ قائم کرنے کے لئے اسلام کی تقلید میں ذات پات کے بندھن کو توڑ کر ہندوؤں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اور ان کو اسلام کے نام لیواؤں کے خلاف خوب بھڑکایا۔ چنانچہ اس کے پرچار کے زیر اثر اس کی وفات کے بعد پنجاب کی خوشگوار اور پر سکون زندگی میں اس کے چیلوں نے ایک طوفان برپا کر دیا اور خاص کر راعین برادری کو تختہ مشق بنایا گیا۔ پیشتر اس کے کہ بابا نانک کے چیلوں کے لرزہ خیز مظالم اور بربریت کی داستانوں کا تفصیلی ذکر کیا جائے۔ یہ ضروری ہے کہ رسوائے زمانہ بھگتی تحریک اور اس کے اغراض و مقاصد پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے۔

باب نہم

بھگتی تحریک کی ابتدا برہمن کی زناری اور انتہاء سکھ کی کرپان کا پس منظر اور اغراض و مقاصد

چھٹی صدی سے شروع ہونے والا زمانہ سندھ اور ہند کا پست ترین دور تھا۔ بت پرستی پورے عروج پر تھی ہر پسندیدہ اور پرکشش شے اور زندگی کی کوئی ضرورت پوری کرنے والی چیز دیوتا بن گئی تھی جس کی پوجا کی جاتی تھی اور اس طرح بتوں، مجسموں، دیوتاؤں اور دیویوں کا کوئی شمار نہ تھا ان دیوتاؤں اور قابل پرستش اشیاء میں معدنیات، جمادات، اشجار ونباتات، پہاڑ دریا اور حیوانات حتیٰ کہ الات تناسل وغیرہ بھی شامل تھے۔ شہوانی جذبات اور جنسی ہیجان کو ابھارنے والے عناصر کو مذہبی رنگ دے کر بڑے دیوتا شیوا (Shiva) کے آلہ تناسل "لنگم" (Lingam) کی پوجا کا درجہ سب سے اونچا تھا۔ بچے جوان مرد عورت سبھی اس پوجا میں باقاعدگی کے ساتھ شامل ہوتے تھے۔ بلکہ بات یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ مرد برہنہ عورتوں اور عورتیں برہنہ مردوں کی پرستش کرتی تھیں۔ مندروں کے منتظم اور محافظ بداخلاقی کا سرچشمہ تھے اور قریب قریب تمام عبادت گاہیں اخلاقی جرائم کا مرکز تھیں۔

برہمن کی تعلیم کے مطابق ہندو کے لئے پرستش میں ظاہری صورت کا ہونا لازمی

ہے۔ ہر چیز اس کے نزدیک "خدا" ہے جو اس کی سمجھ میں نہ آئے جس کا وہ مقابلہ نہ کر سکے۔ سورج، چاند اور ستارے تو چھپتے خدا سمجھے جاتے تھے۔ عیار برہمن نے مخلوق خدا کو چار حصوں (ذاتوں) (1) برہمن یعنی خود کو بطور مذہبی پیشوا (2) کشتری یعنی ہندو دھرم و ملک اور برہمن کی اکٹھی کی ہوئی دولت کی حفاظت میں لڑنے والا۔ (3) ویش یعنی زراعت اور تجارت پیشہ اور (4) شودر یعنی اوپر والی تینوں ذاتوں کا خدمت گار طبقہ میں بانٹ رکھا تھا۔ منو شاستر کے مطابق برہمن شیوا دیوتا کے منہ سے نکلا ہے، کشتری یعنی چھتری اس کے بازوؤں سے، ویش پیٹ سے اور شودر اس کے پاؤں سے پیدا ہوا ہے۔ برہمن نے اپنے ذمہ صرف ویدوں کی حفاظت اور دوسروں سے دیوتاؤں اور دیویوں کے نام پر چڑھاوے اور دان وصول کرنے کا کام لے رکھا تھا۔ کشتری کو حکم تھا کہ وہ اس (برہمن) کی املاک و جائیداد اور جمع شدہ دولت کی حفاظت کرے۔ ویش کے لئے حکم تھا کہ وہ اس کی اراضیات اور کشتری کی املاک اور مال مویشیوں کی دیکھ بھال اور کاشت کے علاوہ سامان خورد و نوش کا بندوبست کرے۔ شودر کا خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں کوئی حصہ نہ تھا۔ چنانچہ اس قانون تقسیم سے وہ تمام مخلوق کے مقابلہ میں تقدس و امتیاز کا مجسمہ بن کر خود کو دیوتاؤں میں شمار کرنے لگا۔ ہندوؤں کی متبرک کتاب منو شاستر کے مطابق دنیا کی تمام نعمتیں اور سہولتیں برہمن کا مال ہے وہ بوقت ضرورت کسی کا مال جبراً لینے کا بھی مجاز ہے اور اس میں کوئی پاپ (گناہ) نہیں ہے۔ جس برہمن کو "رگ وید" زبانی یاد ہے وہ گناہ سے بالکل پاک ہے۔ اگرچہ وہ تمام مخلوق کو ناش (تباہ) ہی کیوں نہ کر دے۔ برہمن کو قتل کے بدلے سزائے موت نہیں دی جا سکتی اور اس کا صرف سر مونڈا جائے گا لیکن دوسری ذاتوں کو قتل کی سزا موت دی جائے گی۔ برہمن کے تقدس کو ملحوظ رکھتے ہوئے دس سال کی عمر کا برہمن سو سال کی عمر کے کشتری کا باپ سمجھا جاتا ہے۔ بادشاہ یا کوئی حکمران برہمن سے محصول لینے کا مجاز نہیں ہے بلکہ اس کا فرض ہے کہ وہ برہمن کو فاقہ سے مرنے نہ دے اور اگر کوئی شودر کسی

برہمن کو ہاتھ لگا دے یا گالی دے دے تو اس کی زبان تالو سے کھینچ لی جائے گی۔ اگر شودر یہ دعویٰ کرے کہ وہ برہمن کو تعلیم دے سکتا ہے تو کھولتا ہوا تیل اس کو پلایا جائے گا۔ کتے' بلی' مینڈک' چھپکلی' کوے' الو اور شودر کے مارنے کا کفارہ برابر ہے۔

توہمات پر مبنی برہمن کا من گھڑت مذہبی لٹریچر پڑھنا تو درکنار شودر کو اسے چھونے تک کی اجازت نہیں۔ چھوت چھات کا یہ عالم تھا کہ اگر لکڑی کے ایک لمبے تختے کے ایک سرے پر برہمن کھڑا ہے اور دوسرے سرے پر شودر کھڑا ہو جائے تو برہمن بھرشٹ (ناپاک) ہو جاتا ہے۔ برہمن جس ذات کی عورت پسند کرے اسے گھر میں ڈال سکتا تھا مگر دوسری کسی ذات کا مرد برہمن زادی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ غرضیکہ برہمن نے ذات پات کا بندھن اور ان گنت دیوتاؤں اور دیویوں کے تصور کا جال بچھا کر دنیا کے اس حسین ترین' سرسبز و شاداب اور قدرتی وسائل سے مالا مال قطعہ اراضی پر بسنے والی مخلوق خدا کی روح اور جسم دونوں پر غاصبانہ قبضہ جما رکھا تھا۔ خود سری بے راہ روی اور اخلاقی پستی کا دور دورہ تھا۔ مخلوق اس کے بے جان اور بے کیف عقائد' غیر فطری رسومات اور متواتر ظلم و ستم سے تنگ آکر راہ فرار کی متلاشی تھی۔

ظہور اسلام سے قبل زمانہ قدیم سے ملک عرب و ہند کے مابین سمندر راستہ سے تجارتی تعلقات رہے ہیں۔ ظہور اسلام کے بعد خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں تجارت کے ساتھ تبلیغ دین حق کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا اور دنوں میں یہ سلسلہ جنوبی ہند کے ساحلی علاقہ "مالابار" سے لے کر بحرہند میں واقعہ جزائر سراندیپ' لکادیپ اور مالدیپ تک پھیل گیا اور مسلمانوں کی نفری میں دن بدن اضافہ ہونے لگا۔ اسلام کی سیدھی سادی تعلیم اور باوقار زندگی گزارنے کے سنہری اور عام فہم اصولوں سے منوشاستر اور برہمن کے وضع کردہ جنتر منتر کو ضرب کاری لگی۔

اسی دور سے قبل ماضی قریب میں ہندومت اور ہندو تمدن کی گرتی ہوئی عمارات

کو سہارا دینے کے لئے گوتم بدھ نے ایک اصلاحی تحریک چلائی (جس کو ایک ہندو مفکر ڈاکٹر ایشوری پرشاد ہندوؤں کے لارڈ کرشن کی زیر ہدایت ہندوازم کو از سرنو ایک جاندار فلسفہ کی حیثیت سے کھڑا کرنا قرار دیتا ہے) مگر کچھ ہی عرصہ بعد ہندوؤں کو یہ احساس ہونے لگا کہ ہندو مذہب کے تحفظ کی بجائے گوتم بدھ اپنی تحریک کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہوئے ہندوؤں کے دیوتاؤں اور دیویوں کی پوجا پر پابندی لگانے کے ایک ذریعہ بننا چاہتا ہے اور خود خدا کے وجود کا منکر اور اپنے آپ کو سب سے بڑا دیوتا ظاہر کر کے ایک الگ مذہب کی بنیاد رکھ رہا ہے اور ساتھ ہی لوگوں کو تارک الدنیا (جیون تیاگ) ہونے کا سبق بھی دے رہا ہے تو برہمن زخمی شیرنی کی طرح بپھر گیا۔ اس نے اپنے ہزاروں دیوتاؤں اور دیویوں کے تحفظ اور اپنی برادری کو پھر سے داخل کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ چنانچہ آٹھویں اور چودھویں صدی عیسوی کے درمیانی عرصہ میں اس نے بدھ ازم کو دھکے دے کر بھارت دیش سے نکال باہر کیا اور اس طرح بدھی تحریک کو ہندوستان میں ختم کر کے اپنی ساکھ پھر سے بحال کر لی۔ مگر صدیوں سے باعزت اور حسین و رنگین زندگی گزارنے والے برہمن کو ہندوستان کے باسی اب کافی حد تک سمجھ چکے تھے۔ چنانچہ وہ جلد ہی اس کی کھوکھلی اور پرفریب پندو نصیحت سے سخت تنگ آ گئے اور اسے اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ اس کے اقتدار کے محلات میں دراڑیں پڑنی شروع ہو گئیں اور اس کے جھوٹے اور بے دلیل فلسفہ کی قلعی کھل گئی۔

اسلام اور اس کے شیدائیوں کی ہند میں آمد ہوتے ہی اس کے بتکدوں میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ اسلام کے اس امڈتے ہوئے طوفان کو روکنے کے لئے برہمن نے کانچی ورم، سومنات، کالنجر، متھرا، ملتک اور کانگڑہ کے بت کدوں میں جواہرات اور سونے چاندی سے لدے پھندے دیتاؤں کو اپنی "خدمات" اور فرمان برداری کا واسطہ دے کر گڑگڑا کر مدد کے لئے التجا کی مگر وہ دیوتے ٹس سے مس نہ ہوئے ان کے بدڈھب اور ڈراؤنے چہروں پر غیض و غضب کے آثار اور ماتھوں پر گہرے تیوروں سے ایسا ظاہر

ہوتا تھا جیسے کہ وہ برہمن سے کہہ رہے ہوں کہ "دیکھ اے برہمن۔ تیری بربادی کے دن قریب آ رہے ہیں۔ تو صدیوں سے ہمارے نام پر غربا کا خون چوستے ہوئے دولت اکٹھی کرتا چلا آ رہا ہے۔ تو نے مخلوق خدا پر بے پناہ مظالم توڑے ہیں۔ اب اپنے کیے کی سزا بھگتنے کے لئے تیا رہو جاؤ"۔ برہمن اپنے خداؤں کی سردمہری اور بے رخی سے سخت مایوس ہوا اور اس نے غصہ میں آکر ان کے کیرتن کرنے (گن گانے) اور انسانی خون کی مزید قربانی دے کر انہیں خوش کرنے کا عمل عارضی طور پر معطل کر دیا اور اپنے تحفظ اور اسلام کے سیلاب کو روکنے کے لئے خود ہی تدبیریں کرنے لگا۔ ڈاکٹر ایشوری پرشاد کے بیان کے مطابق بدھی تحریک چونکہ ہندو دھرم کے تحفظ میں ناکام رہی تھی لہٰذا اسے دیس نکالا دے کر برہمن نے بھگوت گیتا میں دیئے گئے۔ بھگوان شری کرشن جی مہاراج کے فرمان کے مطابق دھرم کی رکشا (حفاظت) کا کام پھر سے سنبھال لیا اور اب کے اپنے احکامات میں قدرے لچک پیدا کر کے بدھی تحریک کو بھگتی تحریکاک نام دے کر اسلام کو بھی ہند بدر کرنے کا کام سنبھال لیا۔ برہمن نے نہایت ہنرمندری سے کام لیت ہوئے ہندو دھرم یعنی "سناتن دھرم" (Never Chan Ging Faith) میں بت پرستی کے قواعد میں رد و بدل کیا اور لوگوں کو یہ تاثر دینا شروع کر دیا کہ ہندو مذہب اور اسلام دراصل ایک ہی فلسفہ حیات کے دو مختلف نام ہیں اور ہندو فلسفہ کے مطابق بت اور مجسمے کی پرستش سے خدا کی واحدانیت کی نفی نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس نے نہایت چالاکی سے ہندوازم کو توحید کی چاشنی دیتے ہوئے اسلام کے متوازی مندرجہ ذیل خطوط پر بھگتی تحریک کے لئے ایک منشور تیار کر لیا۔

1- کائنات کی خالق صرف ایک ذات ہے۔

2- وہ ذات ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے اور ہر وقت اس کا نام جپتے رہنا چاہیے۔

3- ہزاروں بتوں کی پرستش کی بجائے ایک ہی ذات کو معبود مانا جائے اور وہ ذات وشنو، رام اور کرشن (بمعہ ان کی بیویوں لکشمی، سیتا اور رادھا) کے روپ میں کائنات میں

موجود ہے اور وہ پھولوں اور خوشبوؤں سے راضی ہوتی ہے۔

4- پرماتما اور آتما ایک ہی ذات کے دو حصے ہیں' آتما متواتر بھگتی سے پرماتما میں سمو جانے کی قدرت رکھتی ہے۔

5- اس ذات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے گورو (استاد) یعنی برہمن کی ہدایات پر چلنا ضروری ہے۔

6- روح لافانی اور جسم فانی ہے۔

بھگتی تحریک کا مقصد چونکہ ہندو دھرم کا تحفظ اور اسلام کے پھیلاؤ کو روکنا تھا اور چونکہ اسلام ابتداء میں ساحل مالا بار سے ہند میں داخل ہوا تھا جہاں اسے خاصی کامیابی ہوئی تھی لہٰذا برہمن نے بھگتی تحریک کو چلانے کا آغاز بھی اسی علاقہ سے کیا۔ اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے پیش نظر اس نے نہایت زیرک اور ماہر نفسیات لوگوں کو اس کی روک تھام کے کام پر مامور کیا۔ ان لوگوں نے ہندو دھرم کے لگاتار پرچار' نفسیاتی ہتھکنڈے اور مالی امداد کا جھانسہ دے کر بہت سے غریب کسانوں' اہل حرفہ اور اچھوتوں کی اکثریت کو اپنے باپ دادا کے مذہب پر قائم رہنے پر رضامند کر لیا۔ شروع شروع میں یہ تحریک محدود پیانہ پر چلتی رہی مگر جب اسلامی تعلیم سے متاثر ہو کر ایک ہندو راجہ سرامن پیرول بمعہ اپنی رعایا کی اکثریت کے مسلمان ہو گیا تو برہمن چونکنا ہوا۔ اس نے تحریک کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے اس کی نگرانی سخت کر دی جس کے نتیجہ میں نو مسلم ہندو' پراپیگنڈا کا شکار ہو کر الجھن میں پھنس گئے۔ کئی مرتد ہو گئے اور کئی لاشعوری طور پر منافقت کی طرف جھک گئے۔ چنانچہ اسلام سے برہمن کے انتقام کی یہ پہلی کڑی تھی تاہم اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور ہردلعزیزی کو پوری طرح روکنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ برہمن کے خوابوں کے قلعے مسمار کرتا ہوا اسلامی سیلاب آخر صوبہ بنگال' مدھیہ پردیش' اتر پردیش اور مہاراشٹر سے ہوتا ہوا براستہ سندھ پنجاب تک پہنچ گیا مگر بھگتی تحریک کی کالی ناگن برابر اس کا پیچھا کرتی رہی اور پنجاب تک آنے میں

ہزار سالہ پرانی اور تھکی ہاری یہ تحریک نحیف اور تقریباً" بے جان ہو چکی تھی۔ چنانچہ نئے ماحول میں اس میں نئی روح پھونکنے اور اسے پھر سے زندہ کرنے کے لئے اس کے قوائد و ضوابط اور طریقہ کار پر نظر ثانی کی گئی جس کے تحت اسلام کی موثر روک تھام کے لئے اس کے نام لیواؤں سے سختی سے نمٹنے کے لئے ایک نیا محاذ کھولا گیا اور بدلتے ہوئے حالات (مغل دور اقتدار کا زوال اور خاتمہ) سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کی مخالفت میں زبانی جمع خرچ اور نفسیاتی ہتھکنڈوں کے استعمال کے علاوہ کرپان کا استعمال لازمی قرار دیتے ہوئے بھگتی تحریک کو "سکھ ازم" کا نام دے کر اسے ایک خانخوار جتھہ میں تبدیل کر دیا گیا۔

جس طرح پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ بدھ ازم کو جس طرح جنوبی ہند کے طرف سے ہی ملک سے باہر دھکیلا گیا تھا اسی طرح اسلام کے خلاف مہم بھی اسی علاقہ سے شروع کی گئی۔ چنانچہ 800ء میں جبکہ ملک سندھ میں عباسی برسراقتدار تھے موجودہ مدراس کے علاقہ میں قدیم شہر کانجی ورم (شیو دیوتا (Shiva) اور اس کے "لنگم" (آلہ تناسل) کی پوجا کا سب سے بڑا مرکز تھا) سے ایک ماہر نفسیات برہمن شنکرا چاریہ نے بھگتی تحریک کا آغاز کیا۔

پنڈت شنکراچاریہ بانی بھگتی تحریک

پنڈت شنکراچاریہ صوبہ مدراس میں 788ء بمطابق 168ھ میں پیدا ہوا۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ پیدائشی بھگتو یعنی ریفارمر تھا۔ چنانچہ 12 سال کی صغیر سنی میں ہی وہ کانجی ورم میں اس وقت کے مشہور ہندو لیڈر سوامی بھگوت پادھ کے شاگردوں میں شامل ہو گیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ویدوں کی تعلیم امتیازی حیثیت میں مکمل کر لی۔ سوامی مذکور نے اس کی غیر معمولی ذہانت اور دھرم سیوا جذبے سے اندازہ لگاتے ہوئے اسے 18 سال کی عمر میں "بھگتی تحریک کا گورو اول" کا خطاب دیا اور آشیرباد (دعا) دیتے

ہوئے ہندو دھرم کی حفاظت اور خدمت کے لئے اپنے آشرم سے رخصت کر دیا۔

شنکرا چاریہ نے بھگوان (شیو دیوتا) اور کائنات یعنی پرماتما اور آتما کو ایک ہی طاقت کے دو نام دیتے ہوئے یہ پرچار شروع کر دیا کہ آتما یعنی روح انسانی بذریعہ بھگتی پرماتما کے روپ میں ظاہر ہو کر ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ اس فلسفہ نے جس طرح برہمن کو بدھ ازم کو ہند بدر کرنے میں مدد دی تھی چنانچہ اسی کامیابی کی بنا ہی پر اس نے شوا (Shiva) دیوتا کی پرستش پر زور دیتے ہوئے مسلمانوں کے خدا کو ایک وہ محض اور سراب قرار دیا۔ اس نے نو مسلم ہندوؤں کے سوشل بائیکاٹ کر کے انہیں ہندو جاتی میں واپس آنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے بدھ ازم کی تعلیم کے مطابق ہندو دھرم میں برہمن جوگ سسٹم (Institution fo Brah man/Monks) رائج کیا اور لوگوں کو تلقین کی کہ وہ دنیاوی مصائب سے چھٹکارہ پانے کے لئے بیاہ شادی کے جھنجھٹ میں نہ پڑیں بلکہ جوگی کٹیاؤں (Monasteries) اور مندروں میں بیٹھ کر زندگی کے مزے لوٹیں۔ چنانچہ اوباش اور جرائم پیشہ نوجوانوں کی بھاری اکثریت اس پرچار کے زیر اثر دھڑا دھڑ اس کے چیلوں میں شامل ہونا شروع ہو گئی اور آہستہ آہستہ جائز اور ناجائز اولاد کی پہچان مشکل ہو گئی۔ جس سے تقسیم وراثت کے قانون کے خلاف غیر منصفانہ فیصلے ہونے لگے۔ سناتن دھرم (Never Changing Faith) اور ہندو تمدن کا یہ محافظ اول آخر کار 32 سال کی عمر میں 820ء میں مر گیا اس کی موت کے بعد اس کے بے شمار لائے چیلوں میں سے ایک لائق ترین چیلہ رامنوج (Ramnauj) اپنے گورو کے ادھورے کام کی تکمیل کے لئے میدان میں نکل آیا۔

رامنوج

پنڈت رامنوج 792ء میں کانچی ورم میں پیدا ہوا۔ اس نے ویدوں اور ہندو فلسفہ کی تعلیم سوامی یادھو پراکا سلیہ دوا کی زیر نگرانی کانچی ورم کی ویدک یونیورسٹی سے

تکمیل کرنے کے بعد مشہور مندر جمنا چاری کا انچارج بنا اور جلد ہی ہندو دھرم کا محافظ اعلیٰ تسلیم کر لیا گیا مگر علاقہ کے راجہ کلوتنگلا نے اس کی بڑھتی ہوئی شہرت اور دولت سے حسد کی بنا پر اسے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ پنڈت رامنوج ڈر کے مارے بھاگ کر ہوئے سالہ (Hoy Sala) یادوا کے علاقہ میں وہاں کے راج وٹھل دیو کے پاس چلا گیا جس نے اس کی خوب آؤ بھگت کی اور اس کا چیلہ بن کر اپنا نام اپنے گورو کے فرمان کے مطابق وشنو وردھان رکھ لیا۔ وشنو رامنوج نے لوگوں کو دائمی زندگی پانے کے لئے وشنو دیوتا اور اس کی پتنی (بیوی) لکشمی کا ہر وقت نام جپنے اور دلی مرادیں پانے کے لئے پھولوں اور خوشبوؤں سے اس کی پوجا کرتے رہنے کی تلقین کی۔ دائمی زندگی پانے اور دولت کے حصول کا یہ آسان سا نسخہ لوگوں کو بہت پسند آیا چنانچہ ہر گھر وشنو مندر بن گیا جہاں دن رات کیرتن کئے جانے لگے۔ تل بجنے لگے' رامنوج نے بھگتی تحریک پر کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے شری منوج بھاشیا' ودانتا بھاشیا' اور گیتا بھاشیا ہندوؤں میں بہت مقبول ہیں۔ اس نے دس ہزار کے قریب چیلے اپنے پیچھے چھوڑے جن میں سے 75 کے قریب چیلوں نے اس کی تعلیم کا اپنے اپنے مفاد مین مطلب نکال کر الگ الگ گروہ بنا لئے جن سے بھگتی تحریک کا خاصا دھچکا لگا مگر اسلام کا راستہ صاف ہو گیا۔ پنڈت رامنوراج 120 سال کی لمبی عمر پا کر 912ء میں سری رنگا ناتھ کے مقام پر فوت ہوا اور اسی جگہ اس کا کریا کرم (جلانا) کیا گیا۔ اسلام کے خلاف برہمن کی یہ دوسری کوشش تھی۔

پنڈت رامنوج کی موت کے بعد اس کے چیلوں میں آپس کے اختلاف شدت اختیار کر گئے اور تقریباً" ڈیڑھ سو سال تک یہی صورت حال رہی۔ اس عرصہ میں بھگتی تحریک کے منتشر اجزاء کو پھر سے اکٹھا کر کے اسے از سر نو موثر بنانے کے لئے رامنوج کا کوئی موزوں جانشین پیدا نہ ہوا۔ چنانچہ اس عرصہ دراز کے دوران بھگتی تحریک کی اسلام دشمن سرگرمیاں تقریباً" خاتمہ کی حد تک پہنچ چکی تھیں۔ لہٰذا یہ دور اسلام کے

پھلنے پھولنے کے لئے بڑا سازگار رہا۔ حتیٰ کہ 1299ء میں یو پی کے صدر مقام الٰہ آباد میں کامیاکبجا (Kamia Kubja) برہمن فیملی میں رامانند نامی ایک شخص پیدا ہوا جس نے بھگتی تحریک کو از سر نو زندہ کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اس کے طریقہ کار اور پرچار پالیسی میں اہم تبدیلیاں کیں۔ ان تبدیلیوں سے یہ تحریک نہ صرف دوبارہ زندہ ہو گئی بلکہ پہلے سے زیادہ منظم اور طاقتور بن کر اسلام کے خلاف زور آزمائی کے لئے میدان میں کود پڑی۔

پنڈت رامانند نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی پائی اور اعلیٰ تعلیم بنارس کی ویدک یونیورسٹی سے مکمل کی۔ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی اس نے سب سے پہلے سلام کی روز افزوں ترقی اور اس کے پیچھے کار فرما محرکات کا مطالعہ شروع کیا،جس کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ توہمات سے پاک مذہب اسلام ذات پات اور چھوت چھات کی سختی سے مذمت کرتا ہے اور مساواتی بنیادوں پر انسان کو آپس میں بھائی چارے کا سبق دیتا ہے اور یہی خواص اس کی ترقی اور ہر دلعزیزی کا بنیادی راز ہیں۔ چنانچہ اس نے اندازہ لگا لیا کہ جب تک ہندو دھرم اور ہندو سماج سے برہمن کی خود ساختہ' غیرفطری اور ناقابل عمل رسومات' ذات پات کے بندھن اور چھوت چھات جیسی قباحتیں موجود ہیں تب تک اسلام کے پھیلاؤ کی روک تھام اور اس کو ہند بدر کرنے کا کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس کٹر برہمن نے اپنے دھرم کو داؤ پر لگا کر ذات پات اور چھوت چھات کے بندھن توڑنے کے لئے ایک بھرپور مہم کا آغاز کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ مہم سوئے منزل تیزی سے بڑھنے لگی۔ ہندو فلسفہ کے ستائے ہوئے چھوٹی ذاتوں کے لوگوں کی بھاری تعداد اس کے پیروکاروں میں شامل ہو گئی۔ اونچی ذاتوں والے لوگ شروع شروع میں تو ہندو دھرم اور ہندو جاتی کے لئے مجموعی طور پر کوئی خاص خطرہ محسوس نہ کرتے ہوئے خاموش رہے مگر جب برہمن کیمونٹی نے زیادہ ہی محسوس کیا کہ ان میں سے ان کا اپنا بھائی ہی اپنے آباو اجداد کے قائم کردہ قدیم قانون پر دیدہ دلیری سے برابر

تنقیدی حملے کر رہا ہے اور ممکن ہے اس خطرناک پراپیگنڈے سے برہمن قوم کی ہندو عوام پر سے گرفت کمزور پڑ جائے تو وہ آگ بگولہ ہو کر اس دھرم دشمن راکشس (غیر ہندو) کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

پنڈت رامانند نے اپنی جان اور تحریک کو خطرہ میں پڑتے دیکھ کر اونچی ذات والوں کے غیظ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ایک انوکھی چال چلی۔ وہ بلا کا ذہین اور چوٹی کا ماہر نفسیات تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے ایک خاص رازدار اور آزد خیال فلاسفر دوست سوامی رگھوونده کے تعاون سے ہندو دھرم سے الگ مندرجہ ذیل نکات پر مبنی ایک مکتبہ فکر کی بنیاد رکھی۔

1- وشنو دیوتا اور اس کی پتنی (بیوی) لکشمی دیوی اب مہا کشتری رام چندر جی اور اس کی پتنی سیتا جی کے روپ میں ظاہر ہو گئے ہیں لہٰذا اب ان کو بھگوان مانتے ہوئے ان کی پرستش کی جائے۔

2- ان تک رسائی حاصل کرنے کے لئے گورو کی رہنمائی از بس ضروری ہے۔

3- گورو کی زیر ہدایت بھگوار کا ہر وقت نام جپتے رہنا چاہیے۔

4- ذات پات اور چھوت چھات کا تصور پاپ (گناہ) ہے بھگوارن نے تمام انسانوں کو ایک جیسا پیدا کیا اور وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

پنڈت رامانند کی یہ سکیم بڑی کامیاب رہی۔ عوامی حلقوں میں اس کی قدر و قیمت بڑھ گئی اور وہ ہندو دھرم کی اس ذیلی شاخ کا بانی گروہ مانا جانے لگا۔ کشتریوں نے جب دیکھا کہ بھگوار اور اس کی پتنی اب اکی اپنی برادری میں سے ایک جوڑے (رام چندر جی اور سیتا دیوی) کے روپ میں ظاہر ہو گیا ہے اور اب وہ خود ہی ہندو دھرم کی حفاظت کی ذمہ داری سنبھالنے کے حق دار ہو گئے ہیں تو انہوں نے پنڈت رامانند کی مخالفت ترک کر دی مگر برہمن برادری رامانند کی برہمن کش اقدامات سے بدستور نالاں رہنے لگی۔ چنانچہ وہ اندر ہی اندر اس کی بیخ کنی کی تدبیریں کرنے لگی۔ پنڈت رامانند

کے بے شمار چیلوں میں مندرجہ ذیل 12 مشہور چیلے ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے گورو کی موت کے بعد بھگتی تحریک کو متحرک رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

1- کبیر جولاہا 2- پیپا (Pipa) 3- سکھا 4- اننت نندہ 5- بھلوانندا 6- پرمارتی 7- نرہاری 8- رائے داس 9- دھنا 10- سینا (Saina) 11- سرسرا (Surara) 12- سرسرا کی پتنی (بیوی)

پنڈت رامانند نے ہندو دھرم سناتن دھرم جیسے ہندو (Unc Hanbik Faith) کہتے ہیں میں تبدیلیاں کر کے اسلام کے بحر بیکراں پر بند باندھنے میں اپنی ساری عمر صرف کر دی مگر صرف ایک خدا کو سجدہ کرنے کا سبق دینے والا' جاہلیت کے جراثیم مارنے والا' انسانی پاکیزگی اور شرافت کا علمبردار دین برحق کا چراغ رامانند کی ناپاک پھونکوں سے بجھایا نہ جا سکا۔

رامانند کی موت کے بعد برہمن برادری کے ہاتھ موقعہ لگ گیا۔ اس نے بھگتی تحریک میں پھوٹ کے بیج بو کر اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ مشہور فلسفی ہندو شاعر تلسی داس کی سربراہی میں اور دوسرا حصہ کبیر جولاہا آف بنارس کی زیر نگرانی کام کرنے لگا اور اس طرح اس تحریک کی براہ راست اسلام دشمن سرگرمیوں نے نیا رخ اختیار کر لیا جس سے وہ زیادہ خطرناک جماعت بن گئی چنانچہ اسلامی سرگرمیوں کو روکنے کی برہمن کی یہ تیسری چال تھی۔

رامانند بھگتی تحریک کو نیا روپ دے کر اپنے چیلوں کے لئے اسلام دشمن سرگرمیوں کو جاری رکھنے کا ایک آسان رستہ متعین کر کے لقمہ اجل بن گیا۔ اس کی موت کے بعد اس کے منظور نظر چیلے کبیر جولاہا جو تاریخ میں بھگت کبیر کے نام سے جانا جاتا ہے نے تحریک کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس نے اپنے گورو کے نقش قدم پر چل کر سب سے پہلے ذات پات کی تفریق مٹانے کا کام ہاتھ میں لیا۔ چنانچہ اس نے نئے بھگوان رام چندر اور سیتا کا پیغام عام کرنے کے لئے اپنے ساتھیوں کو ہدایات

دے کر دیہاتوں میں پھیلا دیا۔ جہاں سے تھوڑے ہی عرصہ بعد چھوٹی ذاتوں کے لوگ جوق در جوق اس کی مجلس میں شرکت کے لئے بنارس آنا شروع ہو گئے۔

دیہاتوں میں برہمن پروہتوں اور مندر کے محافظ راجپوت زمینداروں نے کبیر کے اس تبلیغی مشن کی سخت مخالفت کی۔ انہوں نے اچھوتوں' اہل حرفہ اور جاٹوں پر پہلے سے بھی زیادہ سختی کرنی شروع کر دی اور ان کی بنارس یاترا پر پابندی لگا دی مگر چھوتی ذات والوں نے بھی بدل میں اونچی ذات والوں نے بھی بدل میں اونچی ذات والوں کی آئے دن کی بیگاروں اور روز مرہ کے قلیل معاوضہ پر لئے جانے والے کاموں کی انجام دہی میں لیت و لعل اور انحراف کرنا شروع کر دیا۔ اونچی ذات والوں کے روز بروز بڑھتے ہوئے مظالم اور بدسلوکی سے تنگ آ کر اخر ان مظلوموں کی اکثریت بھیس بدل کر شہروں پر منتقل ہونے پر مجبور ہو گئی جس سے دیہی معیشت کو سخت خطرہ لاحق ہو گیا اور کشتریوں اور برہمنوں کو اپنے روزمرہ کے کاموں کی تکمیل میں دقتوں کا سامنا کرنا پڑنے لگا۔

بھگت کبیر اپنے گورو کا چہیتا اور فرماں بردار چیلہ تھا۔ دھن کا پکا تھا۔ اس نے ان رکاوٹوں کی پرواہ کئے بغیر گورو کے مشن کو جاری کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا چنانچہ صورت حال کے بغور جائزہ لینے کے بعد اس نے برہمنوں اور کشتریوں کے دھرم میں ترمیم کر کے اسلام سے فلسفہ "تصوف" اور ہندو فلسفہ "آواگون" میں سے چیدہ چیدہ اصولوں پر مبنی اپنے نام پر ایک نیا فرقہ کبیر پنتھی قائم کر لیا جس سے مسلمانوں کو پھانسنے کا ایک آسان راستہ نکل آیا۔

مشہور مورخین برنز (Burns) فرخار (Furqhar) اور ویسٹ کوٹ (Vest cott) کا کہنا ہے کہ کبیر 1440ء میں پیدا ہوا مگر ڈاکٹر تارا چند کا کہنا ہے کہ کبیر 1425ء میں پیدا ہوا مگر وہ اس کی جائے پیدائش اور تاریخ وفات کے متعلق خاموش ہے۔ پروفیسر بھنڈارکر اپنی تصنیف سانتا بانی سنگراہ (Santa Bani Sangra) میں رقمطراز ہے کہ کبیر 1358ء میں پیدا ہوا جس کی تائید مورخ میکالیف (Macauliffe) نے کی ہے مگر اس کی موت 1492ء یا 1518ء میں واقعہ ہوئی اگر اس نظریہ کو مان لیا جائے تو اس کی عمر 67 یا 93 سال بنتی ہے مگر ڈاکٹر جی ایس چھبرا 1518ء میں موت واقعہ ہونے والے نظریہ کو زیادہ معتبر سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس کی تحقیق کے مطابق سکھوں کے گورونانک نے اپنے سفر کے دوران 1500ء اور 1517ء کے درمیان بنارس میں کبیر سے ملاقات کی تھی بہرحال تاریخی ریکارڈ اس سے زیادہ کچھ اور کہنے سے قاصر ہے۔ اس کی جائے پیدائش کی نشاندہی کرنا بھی ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ چنانچہ یہی محقق اپنی تحقیق کو بڑھاتا ہوا ایک نوٹ لکھتا ہے کہ کبیر بنارس کے ایک غریب مسلم جولاہا نیرو (Neroo) کے ہاں اس کی بیوی نیماں (Niman) کے بطن سے پیدا ہوا مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ایک روایت کے مطابق کبیر ایک برہمن زادی کا ناجائز بچہ تھا۔ وہ روایت یوں بیان کرتا ہے کہ ایک برہمنی بیوہ اپنا گناہ چھپانے کے لئے رات کے اندھیرے میں اس بچہ کو کپڑے میں لپیٹ کر بنارس کے قریب لاہار نام کے تالاب کے کنارے پھینک گئی تھی۔ صبح کو ایک مسلمان جولاہا نیرو اور اس کی بیوی نیماں کا ادھر سے گزر ہوا تو انہوں نے اس بچہ کو اٹھا لیا۔ ان کے ہاں چونکہ کوئی اولاد نہ تھی لہٰذا انہوں نے اسے اپنا بچہ بنا کر اس کی پرورش شروع کر دی۔ گھر پہنچنے پر قاضی کو بلایا گیا۔ جس نے بچہ کے کان میں اذان پڑھی اور اس کا اسلامی نام کبیر رکھا گیا۔ یہی بچہ جوان ہو کر تاریخ میں بھگت کبیر مشہور ہوا۔ ڈاکٹر چھبرا اس واقعہ کے متعلق معقول تحقیقاتی مواد پیش کرنے سے

قاصر ہے اور وہ یہ وضاحت کرنے میں ناکام رہا کہ بچہ چھوڑ کر جانے والی عورت کس بنا پر برہمنی بیوہ کہی جا سکتی ہے اور پھر سے عورت سے اختلاط کرنے والا بھی آیا کوئی برہمن ہی تھا یا کسی اور ذات سے تعلق رکھتا تھا۔ بہرحال یہ امر مسلمہ ہے کہ یہ بچہ مسلم ماحول میں ایک مسلم جولاہے کے ہاں پروان چڑھا جس نے ہوش سنبھالتے ہی کھڈی کا کام سیکھ کر اپنے باپ کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے محض اسے برہمن زادہ ثابت کرنے کے لئے یہ کہانی گھڑی ہے۔

بھگت کبیر ان پڑھ تھا مگر اس خامی کے باوجود وہ لڑکپن سے ہی کھڈی پر کام کرتے ہوئے ہندی زبان میں لگاتار فی البدیہہ اشعار کہا کرتا تھا۔ اس کی درد بھری اور پرسوز آوز سامعین پر جادو کا سا اثر کرتی تھی۔ مسلمان اسے "ولی" اور ہندو اسے " بھگوان کا اوتار" مانتے ہوئے دن رات اس کے چرنوں میں بیٹھے اسکے مدھ بھرے ہندی دوہے سنتے اور سر دھنتے رہتے۔ مسلم ماحول میں مسلم گھرانے میں پروان چڑھنے کے باوجود اسے اسلام سے کوئی رغبت نہ تھی۔ چنانچہ رامانند نے اس کی ذہانت اور ہندو دھرم کی طرف زبردست جھکاؤ کی پیش نظر اسے اسلام کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کرنے کے لئے چن لیا۔ رامانند نے اسے "اواگون" کا مسئلہ خاص طور پر ہندو فلسفہ کے بنیادی عناصر سے روشناس کرانے کے بعد اسے مسلم صوفیوں کے گروہ میں شمولیت کرنے کا حکم دیا جہاں سے اس نے تصوف میں پیدا شدہ کمزوریوں کا بغور مطالعہ شروع کر دیا تاکہ اسے اسلام کے خلاف استعمال کر کے دین کی تبلیغی سرگرمیوں کو روکا جا سکے۔ کبیر اپنے گورو رامانند پر بری طرح فریفتہ تھا۔ چنانچہ وہ اپنی مشہور تصنیف "بیجک (Beejak) " میں کہتا ہے کہ میں بنارس میں بھگوار اور دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا کہ رامانند نے مجھے جھنجھوڑ کر بیدار کیا۔ اگر ہری (خدا) مجھ سے ناراض ہے تو کوئی فکر والی بات نہیں ہے۔ میں اپنے گورو کو کسی حالت میں ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ ان پڑھ ہونے کے باوجود صوفی ازم کے بارے میں اپنی تصنیف متذکرہ میں فنشی

سے لکھوائے ہوئے اس نے 200 زائد عربی اور فارسی الفاظ اپنے شعروں میں استعمل کئے ہیں۔

وہ شریعت اسلام کا مطالعہ کرنے کے باوجود اس سے پوری طرح مستفید نہ ہو سکا اور اپنے گورو کے حسب منشاء اسے توڑ مروڑ کر پیش کرتا جس سے نو مسلم یا ان پڑھ ہندو متاثر ہو کر اسلامی تعلیم اور طرز زندگی کی ناپسند کرنے لگے۔ چنانچہ جاہلیت کا یہ پتلا کہتا ہے۔

ختنہ کے بغیر کوئی مرد دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا اور عورت کے لئے تو مسلمان ہونے کا کوئی چانس ہی نہیں ہے کیونکہ اس کا ختنہ ممکن نہیں۔ ختنہ تو محض نفسانی خواہش کو ابھارنے اور دوران اختلاط خط پیدا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے" قاضی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے "تم نے کون سی کتاب پڑھی ہے جس نے بجائے فائدہ کے تمہیں گھاٹے میں ڈال رکھا ہے تو مکہ میں خدا کو ڈھونڈتا ہے اور بہشت کے لالچ میں کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔ خدا اور بہشت کو اپنے من میں ٹٹول"۔ خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہوئے کہتا ہے۔ "اے ہری (خدا) تو ہر جگہ موجود ہے مگر میں یہ نہیں بتا سکتا کہ آخر تو ہے کیا چیز۔ جو تیری پہچان نہیں کر پایا اسے تو دکھوں بھری دنیا میں نت نئے روپ میں سزا بھگتنے کے لئے بار بار بھیجتا رہتا ہے۔ میں نے ایسے کئی چکر کلٹ کروائی جیون پایا ہے"۔ سادہ لوح عوام اور خاص کر نو مسلم طبقہ جو اسے "ولی" ماننے لگا تھا اس کے فلسفہ تصوف کے جھانسے میں آکر دین سے روگردانی کرنے لگے انہوں نے یہ تاثر لیا کہ بغیر ختنہ کے مرد نا مکمل مسلمان رہتا ہے اور عورت کا مسلمان ہونے کا تو کوئی امکان ہی نہیں ہے لہٰذا یہ ہو سکتا ہے کہ مسلم سوسائٹی میں انہیں وہ مقام حاصل نہ ہو جس کے لئے وہ بت پرستی سے تائب ہو کر اپنے آباؤ اجداد کا قدیم مذہب چھوڑ رہے ہیں عوام کی اس جاہلانہ سوچ سے تبلیغ اسلام کو خاصا دھچکا لگا۔ ہندوستان کے وسطی علاقوں میں کبیر کی شعبدہ بازیوں نے نو مسلموں

کو مرتد اور منافق بنانے میں برہمن کی زناری اور سکھ کی کرپان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ کام کیا۔ ہندو اور سکھ اسے 15 ویں اور 16 ویں صدی کا مہارشی قرار دیتے ہیں۔ گورونانک نے اس کے فلسفہ کی بنیاد پر پنجاب میں سکھی پنتھ کی بنیادی رکھی۔ چنانچہ سکھوں کی مذہبی کتاب "گرنتھ صاحب" میں کبیر کے بھجن جا بجا نظر آتے ہیں جن کو سکھ ازم کا ستون سمجھتے ہوئے ان پر عمل در آمد کرنا ہر سکھ پر لازم آتا ہے۔

اسلام پر پر رکیک حملوں اور مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے کے علاوہ اس نے اپنے چیلوں کو خوش کرنے کے لئے ہندو مذہب کا بھی خوب مذاق اڑایا اور برہمن کی تذلیل میں کوئی کسر نہ چھوڑی جس سے کبیر پنتھی کو بڑا فروغ ملا۔ چنانچہ اپنی کتاب بیجک (Beejak) میں برہمن کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے "اے برہمن تو ننگ دھڑنگ جنگل میں بھگوان کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔ اگر بھوان جنگلوں میں رہتا ہوتا تو ہرن کا شکار کرنے والے وہاں جانے کی کبھی جرات نہ کرتے' اگر گنگا میں صبح و شام ڈبکی لگانے سے پاپ (گناہ) جھڑتے ہوں تو مینڈک جو ہمیشہ پانی میں رہتا ہے سب سے پہلے سورگ (بہشت) میں جانے کا حق دار ہے"۔

کبیر کا ان طعنوں بھرے پرچار سے کٹر قسم کے ہندوؤں کو بڑا دکھ ہوا اور وہ اس کی جان کے دشمن ہو گئے۔ ممکن تھا کہ وہ اسے ختم کر دیتے مگر بادشاہ وقت سکندر لودھی کی بروقت مداخلت سے نقصان کا یہ خطرہ ٹل گیا اور کبیر کی جان بچ گئی۔ سلطان نے اسے لوگوں کے مذہبی عقائد و جذبات کو ٹھیس نہ پہنچانے کی کئی بار تلقین کی مگر وہ باز نہ آیا۔ آخر کار سلطان نے اسے فاتر العقل قرار دیتے ہوئے۔ مبلغین اسلام کو اپنا کام جاری رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ کبیر 93 سال کی لمبی عمر پا کر مگدھ (maghad) کے مقام پر فوت ہوا۔ ہندو مورخین اور اس کے چیلے اس کی موت کا واقعہ انتہائی دلچسپ اور حیران کن انداز میں بیان کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مرنے سے پہلے کبیر نے اپنے پاس موجود چیلوں کو حکم دیا کہ اسے بنارس سے

نکال کر مگدھ کے مقام پر لے جائیں۔ کیونکہ ہندو عقیدہ کے مطابق بنارس میں مرنے والا ہندو سورگی (بہشتی) ہے مگر کبیر اپنے آپ کو سورگ کے لائق نہیں سمجھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بنارس سے باہر مرنے کا خواہاں تھا۔ کبیر اس طریقہ سے ہندو اور مسلمانوں کو چکمہ دے کر اپنے گورو کے فرمان کے مطابق اسلام میں تصوف کو غلط سوچ کے رنگ میں رنگ کر اپنے مشن کو پورا کر گیا۔ مرنے کے بعد اس کی نعش پر ہندو مسلم فساد ہو گیا۔ مسلمان اسے ولی سمجھتے ہوئے دفن کرنا چاہتے تھے۔ ہندو اسے بھگوان کا اوتار مانتے ہوئے ہندو رسومات کے مطابق جلانا چاہتے تھے۔ اس کے چیلوں کا کہنا ہے کہ دونوں گروپ اس کی نعش حاصل کرنے میں ناکام رہے مردہ جسم پر سے جب چادر اٹھائی گئی تو وہاں سوائے گلاب کے پھولوں کے ڈھیر کے اور کچھ باقی نہ تھا۔

کبیر نے بھگتی تحریک کے بوسیدہ اور بے اثر ڈگر میں تبدیلی کر کے اپنے خطوط پر اس کی شاخیں ہندوستان کے چاروں طرف پھیلا دیں۔ بنگال میں پنڈت چیتانیہ' مہاراشٹر میں نام دیو اور پنجاب میں نانک کھتری کی سربراہی میں تحریک کی شاخیں تو اس کی زندگی میں ہی پروان چڑھنے لگی تھیں۔

بھگتی تحریک بنگال میں

جب بنگال میں منو شاستر کے ذات پات کے جال میں جکڑے ہوئے چھوٹی ذاتوں کے ہندو جوق در جوق مشرف بہ اسلام ہونے لگے تو کبیر کا چیلہ چیتانیہ جو اس وقت برہمن کے فلسفہ "اواگون" اور بھگوت گیتا کا چوٹی کا ماہر سمجھا جاتا تھا پوری کے مقام پر اپنے آشرم میں شری کرشن کی کبیر کے بھیس میں اس دنیا میں دوبارہ آمد کی خوشخبری اور اس کا پیغام ہندو کو پہنچا رہا تھا۔ وہاں اسے اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے ہندو دھرم کو درپیش خطرے کا احساس ہوا۔ چنانچہ اس نے آشرم چھوڑ کر پورے بنگال کا دورہ کیا اور ہندوؤں سے کہا کہ وہ ہندو دھرم کی حفاظت کے لئے راکشسوں (مسلمانوں)

کے خلاف مہا بھارت جنگ کی بنیادوں پر بھگوت گیتا اور کبیر کی تعلیم کے مطابق دھرم یدھ (مذہبی جنگ) کیا جائے۔ چنانچہ عوام پر اس پیغام کا خاطر خواہ اثر ہوا اور وہ پنڈت چیتانیہ کی سربراہی میں اسلام کی پیش رفت کو روکنے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔

پنڈت چیتانیہ

پنڈت چیتانہ 1885 میں ندیہ کے مقام پر ایک برہمن کے گھر پیدا ہوا۔ وہ بچپن سے ہی باپ کے سایہ سے محروم ہو چکا تھا اس نے 18 سال کی عمر میں شادی کر لی مگر کچھ ہی عرصہ بعد گھر بار چھوڑ چھاڑ اپنے آپ کو دھرم سیوا کے لئے وقف کر دیا۔ اس نے رام چندر اور سیتا کے علاوہ کرشن کو بھی بھگوان مانتے ہوئے عوام کو یہ تاثر دیا کہ بھگوان کا قرب صرف بھگتی تحریک میں مضمر ہے اس نے ہندو قوم کی مکتی (نجات) اور ہند سے پاپ (اسلام) کی بیخ کنی کرنے کے لئے مندرجہ ذیل پانچ نکات پر ایک نئے مکتبہ فکر کی بنیاد ڈال کر بھگتی تحریک کو مضبوط بنا دیا۔

1- بھگوت گیتا کا روزانہ پاٹھ (پڑھنا) کرنا۔
2- گورو کے جھنڈے تلے جمع ہونا۔
3- شری کرشن کی جائے پیدائش متھرا اور کبیر کی جائے پیدائش کا سفر کرنا۔
4- ہری کرشنا۔ ہری کرشنا کا صبح و شام ورد کرنا۔
5- ذات پات اور چھوت چھات کا انسداد کرنا۔

پنڈت چیتانیہ کو یقین تھا کہ جس طرح شری رام چندر نے سری لنکا کے پاپی راجہ راون کو سیتا جی کے اغوا کی پاداش میں تباہ کیا تھا اسی طرح شری کرشن بھی دور دیش سے آنے والے راکشوں (مسلمانوں) کو نشٹ (تباہ) کر دے گا۔ ابتداء میں چیتانیہ کے فلسفہ نے کافی مقبولیت حاصل کر لی تھی اور نیچ ذات کی بھاری اکثریت اس کے پیروکاروں میں شامل ہو کر مسلمانوں کے درپے آزاد ہوتی رہی مگر کچھ ہی عرصہ بعد

عوام نے شری کرشن اور رادھا کے آپس میں تعلقات جو جذباتی رنگ دے کر چیتانیہ کی تعلیم سے انحراف کرنا شروع کر دیا جس کا اسے سخت صدمہ ہوا اور وہ بددل ہو کر جلد ہی دماغی توازن کھو بیٹھا۔ چنانچہ وہ پاگل پن کی حالت میں ہی شری کرشن بھگوان کو پاس چلا گیا۔ بنگال میں بھگتی تحریک کے راہنما کا عبرتناک انجام بجا طور پر اسلام کی فتح قرار دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس کی موت کے بعد صوبہ بنگال میں اسلام کو پھلنے پھولنے کا خوب موقعہ ملا۔

گذشتہ اوراق میں برہمن کی عیاری' پاکھنڈا اور اسلام دشمن سرگرمیوں پر غور کرنے سے واضح طور پر محسوس ہو گا کہ باوجود ان رکاوٹوں کے کفرستان ہند میں اسلام معجزانہ طور پر برابر مقبولیت اور ترقی کی منازل طے کرتا چلا گیا ہاں بعض علاقوں میں اس کی تبلیغی رفتار میں کسی قدر کمی ضرور واقعہ ہوئی مگر اس کے دھارے کو مکمل طور پر موڑنے کے لئے برہمن کی کوئی ناپاک چال کارگر ثابت نہ ہوئی۔ اسے اور اس کے دھرم کو ہر مرحلہ اور ہر جگہ ہزیمت اٹھانی پڑی اور برہمن کی نظروں میں ذلیل اور حقیر مخلوق اپنے خالق کے پیغامبرؐ کی پیروی اختیار کر کے اپنی پیدائشی حق کو پہچاننے اور حاصل کرنے کے لئے برابر آمادہ رہی اور برہمن کو لاشعوری طور پر اپنی ہٹ دھرمی اور قادر مطلق کی بے آواز لاٹھی ضربیں لگاتی رہی۔ ماضی میں اس نے اسلام کے متوازی خطوط پر ذات پات اور چھوت چھات کے خلاف نام نہاد اور منافقانہ مہم چلا کر چھتی ذاتوں کے لوگوں کو اعلیٰ ہندو سوسائٹی میں مدغم کرنے کا جھانسہ دیا اور کسی قدر انہیں ویدوں کے مطالعہ اور چھونے کی اجازت بھی دی گئی مگر ہندو مذہب میں اس قدر اہم ترمیمات کے باوجود انہیں اپنے اعتماد میں لینے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ خدا کا حکم ایسا ہی تھا اور آخر وہ ذلیل و خوار ہوا اور اسلام کا بول بولا ہوا۔

بھگتی تحریک مہاراشٹر میں

ان ناگزیر حالات میں اس نے اپنے رویہ میں مزید لچک پیدا کرنے کی کوشش کی

اور پنڈت رامانند کے روپ میں ہندو دھرم کی حفاظت میں ہندو عقائد و رسومات میں مزید ردو بدل کرنے کی ٹھانی چنانچہ چھوتی ذات کے ہندوؤں کو اعتماد میں لینے کی خاطر اور اپنی نیک نیتی اور خلوص کے ثبوت میں اس نے ان میں سے اپنے خاص چیلوں اور کارکنون کو صف اول میں جگہ دے کر بھگتی تحریک میں نئی روح بھونکنے کے لئے اس نے چھوتی ذاتوں میں سے دس افراد کو منتخب کر کے انہیں اپنے خاص معاونین میں شامل کر لیا جن میں سے مرہتی زبان اور بھگوت گیتا کے دو مشہور ماہرین نرہاری (Narhari) اور سینا (Saina) کو مہاراشٹر کے علاقہ میں بھگتی تحریک کے پرچار پر مامور کیا انہوں نے مہاراشٹر جیسے الگ تھلگ اور وادی ویران سے مشابہ علاقہ میں اشاعت اسلام کی روک تھام کے لئے مرہتی زبان میں چھوت چھات اور ذات پات کے خلاف لٹریچر شائع کر کے بھگوت گیتا اور بھگتی تحریک کے اغراض و مقاصد سے کسانوں ار شودروں کو آگاہ کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں اونچی ذات کے زمینداروں کے ستائے ہوئے یہ لوگ جوق در جوق اس تحریک میں شامل ہونے لگے۔ کچھ عرصہ بعد اسی گروپ میں سے ایک ذہین اور لائق شودر نام دیوتے مہاراشٹر میں بھگتی تحریک کو چلانے کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس نے اپنے دو معتمد ساتھیوں ایکناتھ اور جنانیشود کے تعاون سے کسانوں اور شودروں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر لیا اور اس طرح ایک طرف اونچی ذلت کے ہندوؤں اور دوسری طرف اسلام کی تبلیغی سرگرمیوں کے خلاف دو علیحدہ علیحدہ محاذ قائم کر لئے۔ بھگتی تحریک کا ہی نتیجہ تھا کہ مرہٹوں جیسی بزدل اور گمنام قوم مغلیہ عہد کے زوال و خاتمہ کے درمیانی عرصہ میں شیوا جی شودر مرہٹہ کی سربراہی میں ہندوستان کے سیاسی پلیٹ فارم پر ابھی اور امن و امان درہم برہم کرنے میں سکھوں سے کسی طور پر کم ثابت نہ ہوئی۔

مہاراشٹر کا علاقہ کٹر سناتن دھرمیوں کا گڑھ ہے جہاں ہندو دھرم کو دنیا کے افضل ترین مذہب کا درجہ حاصل ہے اور وہاں کے باشندے (مرہٹے) ذات پات کے بندھن

میں بری طرح سے جکڑے ہوئے ہیں ان کی متعصبانہ ذہنیت اور سناتن دھرمی جنون کی ایک تازہ مثال یہ ہے کہ 1948ء میں ان کے ہاتھوں ان کا "مہاتما" مسٹر گاندھی محض اس لئے قتل ہوا کہ وہ چھوت چھات اور ذات پات کے خلاف مہم چلا کر اچھوتوں کو ہندو سماج میں اونچی ذات کے برابر حقوق دینے کا خواہشمند تھا۔ اس بدنصیب علاقہ میں مسلمان بالکل بے بس ہیں اور وہ آج تک ایک مظلوم اور سہمی ہوئی اقلیت کے طور پر زندگی گزار رہے ہیں۔

بھگتی تحریک کا پنجاب میں داخلہ

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مختلف ناموں سے یہ کالی ناگن اسلام کا پیچھا کرتے ہوئے آخر پنجاب میں بھی داخل ہو گئی مگر یہاں پہنچتے پہنچتے اس ہزار سالہ بوڑھی تھکی ماندی اور نیم جان تحریک میں اسلام سے مزید ٹکر لینے کی قوت تقریباً" ختم ہو چکی تھی عین ممکن تھا کہ یہ دم توڑ دیتی کہ بھگ نانک کھتری نے اس میں نئی روح ڈال کر اسے پھر سے اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کے قابل بنا دیا۔ بھگت نانک نے تحریک کی ماضی میں سرگرمیوں کے نتائج اور خامیوں کے علاوہ ہندو تہذیب و تمدن کے سرعت سے روبہ زوال ہونے کے اسباب پر گہری تحقیق کے بعد اسلامی تعلیم سے بہرہ ور ہونے کے لئے اندرون اور بیرون ملک اس نے کم و بیش پانچ سفر کئے جن کے دوران اس نے مکہ معظمہ میں متعدد علمائے دین اور ہندوستان میں اپنے کئی ہمعصر بھگتوں سے تبادلہ خیال کرنے کے علاوہ پاک پتن میں بابا فرید گنج شکر سے بھی ملاقات کی۔ دوران سفر وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اسلامی سیلاب کو روکنے اور ہندو تمدن کے تحفظ و بقا کی خاطر ہندوازم کے گنجلدار اور توہمات آلودہ پہلو مزید کانٹ چھانٹ اور صفائی کے محتاج ہیں جس کے بغیر ہندو قوم میں اونچ نیچ کے فرق کو مٹا کر اتفاق و یکجہتی کی فضا قائم کر کے اسے اسلامی یلغار کو روکنے کے قابل بنانا ممکن نہیں۔ چنانچہ اس نے ایک لائحہ عمل تیار کیا جس کے تحت بھگتی تحریک کو "سکھ پنتھ" کا ام دے کر اسلام اور اس کے نام

لیواؤں کے خلاف ایک نیا محاذ کھول دیا اور یہی وہ محاذ ہے جس پر سے اس کی وفات کے بعد اس کے یکے بعد دیگرے نوجانشینوں (تفصیلات جن کی آگے آئیں گی نے سکھ پنتھ کے نام پر سردھڑ کی بازی لگا کر انتقامی جذبہ سے مغلوب ہو کر عرصہ تک پانچ دریاؤں کی جنت نظری سرزمین میں دہشت گردی' بربریت اور ظلم و ستم کا طوفان برپا کئے رکھا اور نہتے اور امن پسند مسلمانوں خصوصاً" اسلام کے ہراول دستہ بنو سامہ کی شاخ "راعین" کو اپنے غیض و غضب کا نشانہ بنائے رکھا۔

سکھ پنتھ کے بنیادی عقائد

1- بت پرستی سے پرہیز۔

2- ذات پات اور چھوت چھات کا تدارک کرنا۔

3- خدائے واحد کی ہستی پر یقین اور گورو کے توسل سے اس تک رسائی حاصل کرنا۔

4- ہندو سوسائٹی میں اتفاق کی فضا پیدا کرنے کے لئے مختلف مقامات پر مراکز کھولنا جہاں آنے والے ہندوؤں کے لئے قیام و طعام کا مفت بندوبست کرنا۔

5- بھگتی کے علاوہ سیاسی اور فوجی تعلیم و تربیت حاصل کرنا۔

6- مسلمانوں کو ذبح گائے سے روکنا اور ہندوؤں کے متبرک مقامات کی حفاظت کرنا۔

7- پانچ ککوں (لفظ ک) یعنی کیس (سر پر بال رکھنا) کنگھا کا استعمال' داہنے ہاتھ میں آہنی کڑا پہننا' کمر میں کاچھا (Under Wear) پہننا' کرپان کا استعمال کرنا۔

8- سر پر پگڑی پہننا۔

9- اسلام میں ہندوآنہ رسومات کو رائج کر کے اسلام کی طاقت کو کمزور کرنا۔

10- ہندوؤں میں گوشت کے استعمال کو بطور خوراک جائز قرار دیتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی کرنا۔

11- اشاعت اسلام میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کے لئے مسلمان حکمرانوں اور مبلغین دین کے خلاف نفرت انگیز اور توہین آمیز پراپیگنڈا کرنا۔

12- نو مسلموں کو ہراساں کر کے انہیں ہندو دھرم میں واپس آنے پر مجبور کرنا اور مسلمانوں کو جبراً" سکھ پنتھ میں شامل کرنا۔

13- مسلمانوں کو دینی فرائض کی ادائیگی سے روکنے کے لئے مختلف حربوں کا استعمال کرنا۔

14- "راکھی" کی وصولی یعنی مسلمانوں سے مالیہ اور آمدنی ٹیکس کی وصولی کے علاوہ ان کی پیداوار اور آمدنی کا 1/5 حصہ ان کی حفاظت کے معاوضہ کے طور پر وصول کرنا۔

15- بھگتی تحریک کے تمام گذشتہ اور پیوستہ راہنماؤں کے بھجن اور اشلوکوں کو گرنتھ صاحب کی شکل میں کتابی مجموعہ کا تیار کرنا اور ان پر عمل کرنا۔

16- "گورو ماتا" کا قیام جس میں سکھ لیڈروں کے ششماہی اور سالانہ اجتماع میں حکمرانوں اور عوام کے خلاف کاروائیاں کرنے کا خفیہ پروگرام تیار کرنا۔

17- سکھوں کو "خالصہ" کا خطاب دے کر ان کے ناموں کے ساتھ لفظ "سنگھ" (شیر) کا لگانا۔

18- مسلمانوں کو ہندوستان بدر کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہنا۔

19- پنجاب میں "خالصہ راج" کا قیام۔

چنانچہ ان اصولوں پر مشتمل سکھ پنتھ کی صورت میں بھگتی تحریک نہایت کامیاب رہی۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ تحریک جاٹوں' چوہڑوں' چماروں' ساہنسیوں' اہل حرفہ' ڈاکوؤں اور لٹیروں کی ایک پسندیدہ جماعت بن گئی۔ ان لوگوں کو ماضی میں عربوں' غزنویوں اور غوریوں کے ہندوستان پر حملوں اور بت پرستی کے خلاف اقدمات کی یاد دلا کر اور گجرات کاٹھیا واڑ اور وسطی ہند سے کشتریوں کو ان کے آبائی گھروں سے نکل کر پنجاب میں دھکیلنے جیسے واقعات کو بڑھا چڑھا کر مشتعل کیا گیا اور انتقامی جذبہ کے تحت مسلمانوں کے خلاف از سر نو نفرت کے بیج بو کر کم آبادی والے مسلم علاقوں میں قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کرنے کے لئے انہیں ٹریننگ دے کر منظم جتھوں میں تبدیل کر

دیا گیا۔ شکل و صورت میں یہ "خالصہ بہادر" سادھو سنت مگر خلعت و کردار میں ظالم اور خونخوار بھیڑیئے گھوڑوں پر سوار بے گناہ اور پرامن مسلم آبادیوں پر اچانک پل پڑتے اور قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ کے بعد گھروں کو آگ لگا کر سرکاری فوج کی آمد سے قبل اس کی گرفت سے بچنے کے لئے "فتا" "فتا" جنگلوں میں غائب ہو جاتے اور فوج کے چلے جانے کے بعد دوبارہ اپنی کاروائیاں جاری رکھنے کے لئے آدھمکتے غرضیکہ ان کافروں کی سنگدلی اور بے رحمی اس حد تک بڑھ گئی کہ بوڑھوں اور بچوں کو بے دریغ قتل کر کے جوان عورتوں کو جبری اغوا کر کے لے جاتے اور جوان مردوں کی تلاش میں قتل و غارت کے رسیا "سنگھوں" شیروں) کے غول کے غول دن رات دندناتے پھرتے اور خدا کی بے گناہ مخلوق کو نیست و نابود کرنے کے سوا ان شیروں کا اور کوئی مشغلہ ہی نہ رہا۔

بھگت گورو نانک کے مختصر حالات زندگی

مشہور انگریز مورخ ولیم آرچر مصنف "تاریخ خالصہ" (The Sikhs) کا کہنا ہے کہ باوجود انتہائی کوشش و جستجو کے پنجاب میں بھگتی تحریک کے علمبردار کے صحیح اور شکوک و شبہات سے بالا تر تاریخی حقائق پر مبنی حالات زندگی کسی مستند اور غیر جانبدار تاریخی ریکارڈ سے دستیاب نہیں ہو سکے۔

دور حاضرہ کا ہندو محقق مسٹر اندو بھوشن بینرجی اپنی تصنیف "ایولیوشن آف دی خالصہ" (Evoluton of the Khalsa) کے صفحہ نمبر 52 پر لکھتا ہے کہ "انقلابی شخصیات اور ریفارمرز کے پیروکاروں کے اپنے رہنماؤں پر جذباتی حد یقین و اعتماد اور ان سے والہانہ عقیدت و محبت تاریخی حقائق پر غالب آکر اصل صورت حال کو اس قدر خلط ملط کر دیتے ہیں کہ محققین کو اصل و نقل میں تمیز کرنے میں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ بھگت نانک کے اصل واقعات زندگی اس کے پیروکاروں اور عقیدت مند چیلوں کے من گھڑت قصے کہانیوں کے ڈھیر تلے دب کر رہ گئے ہیں جہاں سے ان کا

کھوج لگانا ممکن نہیں ہے چنانچہ ایسے میں اس کے حالات زندگی اور کارنامے قلمبند کرتے وقت ایسے قصے کہانیوں پر اکتفا کرنے کے سوا اور کوئی چارا نہیں ہے۔

مسٹر گورکھ سنگھ سابق پروفیسر اورینٹل کالج لاہور کی تحقیق کے مطابق صرف مندرجہ ذیل گیارہ تصانیف ہی ایسی معتبر خیال کی جا سکتی ہیں جن سے نانک کے حالات زندگی کسی نہ کسی صورت میں دستیاب ہو سکتے ہیں۔

1- جنم ساکھی از بھائی سیوا فاسق جو 1588 یعنی گورو نانک کی پیدائش کے 119 سال بعد لکھی گئی۔

2- بھجن یعنی "وار" کا مجموعہ از بھائی گورداس جو 1604 میں ترتیب دیا گیا۔

3- ایک جنم ساکھی (مصنف نا معلوم) جو 1733ء میں لاہور میں لکھی گئی۔

4- تصنیف "نانک پرکاش" از بھائی سنتوکھ سنگھ جو 1823 میں تحریر کی گئی۔

5- ایک جنم راکھی (مصنف نا معلوم) جو صرف بابا ہندل کے چیلوں کے لئے لکھی گئی۔

6- جنم ساکزی از پیارا موکھہ۔

7- تصنیف گیان رتنا ولی از بھائی مانی سنگھ۔

8- تصنیف "نانک چندر ودیا" (بزبان سنسکرت) از پنڈت گنڈا رام۔

9- جنم ساکھی از دیوان بوٹا سنگھ۔

10- جنم ساکھی از سادھو انند گھان۔

11- جنم ساکھی اس بھائی بالا۔

مندرجہ بالا تصانیف کے علاوہ بھگت نانک کے گرنتھ صاحب میں درد شدہ اشلوک اور شبدھ اور فارسی زبان میں محس فانی کی لکھی ہوئی تاریخ دلستان (Debistan) سے بھی مدد لی جا سکتی ہے مگر اکثر مورخین محسن فانی کی تصنیف کو تاریخی لحاظ سے غیر معتبر تصور کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محسن فانی نے سکھوں کے چھٹے گورو ہرگوبند کے دباؤ کے تحت گورو کی رضاجوئی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اصل

حقائق کو توڑ مروڑ کر اپنی تصنیف میں جگہ دی ہے۔ بھگت نانک دیو کی تاریخ پیدائش کا مسئلہ بھی کافی عرصہ تک تاریخ نویسوں کے لئے ایک اچھا خاصہ بحث طلب مسئلہ بنا رہا۔ آخر کار ایک سکھ مورخ کرم سنگھ اور انگریز سیرت نگار مسٹر میکالیف نے اس مسئلہ کو کسی حد تک حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق گورونانک دیو سلطان بہلول لودھی کے عہد حکومت میں 15 اپریل 1469 بمطابق 3 بیساکھ کے پیروکار رنجیت سنگھ چکو سکھیہ کے زمانہ اقتدار تک ہر سال 15 اپریل کو اس کا جنم دن مناتے رہے مگر رنجیت سنگھ نے اس میں تبدیلی کر کے 3 کاتک کو یوم پیدائش منانے کا حکم جاری کر دیا۔

بھگت نانک کی پیدائش

گورونانک کے پیروکاروں کی روایات کے مطابق وہ ایک نومسلم جاگیردار رائے بلاڑ کی جاگیر میں واقعہ موضع تلونڈی (لاہور سے 35 میل دور بجانب مغرب موجودہ ڈیرہ بابا نانک ضلع شیخوپورہ کے ایک کھتری کالو کے گھر مساۃ ترپتا (Tripta) کے بطن سے رات ایک بجے جبکہ چاند اپنے پورے جوبن پر تھا پیدا ہوا۔ حسب روایت بوقت پیدائش 33 کروڑ دیوتاؤں نے استقبال کیا اور کورنس بجا لائے۔ پر نور چہرہ جس کے گرد ہالہ تھا کہ چمک سے دایا کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ خاندانی پروہت ہردیال نے بچہ کا نام نانک رکھا اور پیشن گوئی کی کہ یہ بھارت ماتا میں امن و آشتی کا سندیش لایا ہے۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ گورو نانک موضع کاہنہ کاچھا (لاہور سے 15 میل دور بجانب جنوب ایک گاؤں) میں پیدا ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ضلع امرتسر میں واتھڈیرہ صاحب جو اس وقت علاقہ بٹالہ میں واقعہ تھا میں اپنے ننھیال کے ہاں پیدا ہوا اور اسی طرح مسٹر ایف ییٹس براؤن (F. Yates Brown) اپنی تصنیف انڈین پیجنٹ (Indian Pageant) کے صفحہ نمبر 80 پر یہاں تک لکھتا ہے کہ وہ لاہور کے کسی جولاہے کا بیٹا تھا اور اس کا نام نانک چند تھا۔

ہندوؤں میں صغیر سنی میں شادی کے رواج کے مطابق ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد چودہ سال کی عمر میں اس کی شادی مسماۃ سولکھنی (Sulakhani) دختر مول چند سکنہ بٹالہ کے ساتھ ہوئی جس کے بطن سے ایک بیٹی اور دو بیٹے سمیاں سری چند اور لکھمیداس پیدا ہوئے۔ شادی کے بعد باپ کی کوشش سے وہ رائے بلاڑ کے مال مویشی چرانے پر ملازم ہو گیا مگر کچھ ہی عرصہ بعد اس نے یہ کام چھوڑ دیا۔ باپ نے پہلے تو کھیتی باڑی کا کام پر لگانے کا پروگرام بنایا مگر بعد میں اسے اپنے ساتھ دکانداری میں ہاتھ بٹنے کے لئے رکھ لیا مگر یہاں بھی وہ باپ کی امنگوں پر پورا نہ اترا۔ اٹھارہ سال کی عمر ہونے کو آئی تھی عیالداری اور محدود ذرائع آمدنی کے پیش نظر باپ کی خواہش تھی کہ وہ کسی دھندے پر لگ جائے چنانچہ اس نے اپنے داماد جے رام جو پرگنہ سلطانپور کے گورنر دولت خاں لودھی کی سرکار میں سول آفیسر تھا سے مشورہ کیا۔ اس کے مشورہ پر نانک کو سلطانپور بھیج دیا گیا جہاں جے رام نے اسے نواب صاحب کے توشہ خانہ میں بطور سٹور کیپر ملازم رکھوا دیا۔ گورو نانک نے متواتر دس سال تک یہ ملازمت کی اور دوران ملازمت اس کو نواب دولت خاں کی پر عشرت زندگی کو قریب سے دیکھنے کا خوب موقعہ ملا۔

محسن فانی اپنی تصنیف دبستان کی جلد دوم کے صفحہ نمبر 247 پر لکھتا ہے کہ ایک دن حسب معمول گورو نانک بین نالہ (Bein Nala) پر اشنان کے لئے جا رہا تھا کہ راستہ میں اس کی ایک درویش سے ملاقات ہو گئی جس نے اسے ملازمت ترک کرنے کی تلقین کی۔ چنانچہ درویش کے مشورہ پر نانک نے ملازمت چھوڑ دی اور وجدانہ حالت میں "ہندو مسلم ایک ہیں" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے جنگل کو چل دیا۔ سکھوں کی مذہبی کتاب گرنت صاحب کے صفحہ نمبر 947 پر دیئے گئے ایک نوٹ کے مطابق ملازمت چھوڑنے کے بعد گورو نے دنیا کو تیاگ (کنارہ کشی) دیا اس کا دوسرا نعرہ تھا "وہ نہ ہندو ہے اور نہ مسلمان۔ کئی لوگ مجھے دیوانہ کہتے ہیں مگر میں تو اپنے خدا بادشاہ کا

متوالا ہوں اور کائنات میں سوائے اس کی ذات کے مجھے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے"۔

بھائی بالا کی جنم ساکھی کے صفحہ نمبر 55 اور بعض دوسری روایات کے مطابق بھگت نانک دیو کو نواب دولت خاں نے اپنے دربار میں بلا کر دریافت کیا کہ اگر ہندو مسلم میں کوئی فرق نہیں ہے تو پھر مسجد میں نماز ادا کرنے میں بھی اسے کوئی عذر نہیں ہونا چاہئے اس پر بھگت نانک نواب صاحب کے ہمراہ مسجد میں حاضر ہوا مگر بوقت نماز وہ جماعت سے الگ تھلگ ایک طرف کھڑا رہا۔ بعد نماز نواب نے اس سے نماز میں شرکت نہ کرنے کی وجہ دریافت کی جس پر گورو نے جواب دیا کہ تیری اور تیرے قاضی امام کی نماز جھوٹی ہے۔ تو قندھار میں گھوڑے خرید رہا تھا اور تیار مام یہ خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی گائے کا نوزائیدہ بچھڑا کہیں کنویں میں چھلانگ نہ لگا دے۔ گورو کے اس جواب سے نواب بڑا متاثر ہوا اور اس کا چیلہ بن گیا۔

اپنے گرو سے والہانہ محبت اور دلی عقیدت کی بنا پر سکھوں کے اس وقف کو مانا جا سکتا ہے مگر یہاں تک تاریخی حقائق کا تعلق ہے اس واقعہ کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ (نوٹ) مقام استعجاب ہے کہ گورونانک یہ کیوں نہ سمجھا کہ نماز کی ادائیگی نواب صاحب یا امام مسجد کے حکم پر نہیں ہوتی تھی اور اگر ان دونوں کی نماز جھوٹی تھی تو کاش آپ نے اس خدا کے حکم کی تعمیل میں جس کو وہ کائنات میں ہر سو دیکھتا ہے اور اس کی پوجا کرتا ہے کبھی نماز پڑھ کر ان دونوں کے لئے نمونہ پیش کیا ہوتا وہ اس سے متاثر ہو کر آپ کی عظمت اور بزرگی کا اعتراف کر لیتے۔

نواب صاحب کی ملازمت ترک کرنے کے بعد گورو نانک "وجد و کیف" کی حالت میں "ہندو مسلم ایک ہیں" کا نعرہ لگاتے ہوئے قریہ قریہ شہر شہر گھومتا رہتا۔ کوئی اسے دیوتا کہتا' کوئی اوتار اور کوئی دیوانہ۔ پھرتے پھراتے وہ ایک دن لاہور پہنچا جہاں

اس وقت کے متمول دو کھتری لالہ دونی چند اور لالہ کروڑی مل اس کے چیلے بن گئے انہوں نے اپنے گورو کی حسب خواہش دریائے راوی کے داہنے کنارے پر جالندھر کے قریب کرتارپور نام کی ایک بستی تعمیر کرائی۔ یہی وہ بستی ہو جہاں بھگتی تحریک سکھ ازم کے روپ میں پروان چڑھی۔ اس بستی میں کچھ عرصہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ گزارنے کے بعد گرو نے اندرون اور بیرون ہند سفر کرنے کا پروگرام بنایا چنانچہ حسب پروگرام اس نے 1500ء میں اپنے پہلے سفر کا کیا۔ سید پور (موجودہ ایمن آباد ضلع گوجرانوالہ) سے ہوتا وہ تلمبہ ضلع ملتان پہنچا جہاں اس نے رسوائے زمانہ ڈاکو سجن (Sajjan) کو اپنا چیلہ بنایا (یاد رہے یہ وہ) سجن ڈاکو ہے جس کو ملتان کے علاقہ میں "منجھی" (Manji) یعنی چارپائی کے فرائض سونپے گئے تھے اور اس نے مسلمانو کو جبرا" سکھ پنتھ میں شامل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس ڈاکو کی تباہ کاریاں بیان کرنے کی یہاں چنداں ضرورت نہیں ہے) ضلع ملتان سے واپسی پر گورو نانک نے اجودھن (موجودہ پاکپتن) میں شیخ بابا فرید گنج شکر سے ملاقات کی۔

بھگت نانک دیو نے اپنی زندگی کے درمیانی 25 سالہ میں پانچ بڑے سفر کئے جن میں بغداد اور مکہ معظمہ کا سفر بھی شامل ہے جہاں اسے اسلامی شریعت اور مسلمانوں کی عملی زندگی کے جلی نمونے دیکھنے کا موقع ملا۔ ہندوستان میں بھگتی تحریک کے رہنماؤں سے جو اس وقت زندہ تھے طویل ملاقاتیں کیں اور ہر صوبہ میں سرکردہ ہندوؤں سے بھی تبادلہ خیالات کیا۔ ان ملاقاتوں کا بنیادی مقصد ہندوؤں کے روزمرہ کے حالات زندگی اور مسلمان حکمرانوں اور اہلکاروں کا ان سے سلوک کے متعلق معلومات حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اسے مختلف مقامات پر ناقص انتظام سلطنت اور ہندوؤں سے ناروا سلوک کے من گھڑت قصے سنا کر مسلمانوں کے خلاف نفرت کا بیج بونے کا کھیل کھیلا گیا۔ ہندو ذہنیت کو اصلی روپ میں ظاہر کرتے ہوئے مشہور ہندو تاریخ دان اور مورخ ڈاکٹر جی ایس چھبرا اپنی تصنیف "ایڈوانس ہسٹری آف دی پنجاب" کی جلد اول میں

سندھ میں اسلام کی آمد کے وقت سے لے کر ابراہیم لودھی کے زمانہ تک کے من گھڑت قصے کہانیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "ہندوستان میں مسلمانوں کا زمانہ اقتدار ظلم و بربریت اور بے انصافیوں کی بد ترین مثال تھا۔ ہندو تہذیب و تمدن کو مٹانے کے لئے اسلامی شریعت کے مطابق قوانین وضع کئے جاتے تھے اور ہندوؤں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جاتا تھا اور ان کے اپنے وطن کو ان کے لئے دوزخ بنا دیا گیا تھا۔ ہندوؤں کی جان بخشی اور سلامتی صرف قبول اسلام یا ادائیگی جزیہ پر ہی ممکن تھی۔ ان دونوں شرائط میں سے کسی ایک کا انکار قابل پھانسی جرم تھا۔ چنانچہ چھٹی صدری عیسوی سے لے کر سندھ اور ہند میں مسلمانوں نے اپنے مختلف ادوار اقتدار میں منظم طور پر ہندوؤں اور ان کے دیوتاؤں کو ختم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل انسانیت سوز اقدامات کئے۔

1- 712-13ء میں مسلمانوں نے سرزمین سندھ پر قدم رکھتے ہی ہندوؤں کے قتل و غارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اسلامی فوج نے مندروں کو مسمار کرنے کے علاوہ صرف شہر" اروڑ" میں چھ ہزار ہندوؤں کو محض اس لئے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا کہ وہ اسلام قبول کرنے سے انکاری تھے۔

2- 1206-10ء میں قطب الدین ایبک نے شہر میرٹھ میں 700 مندروں کو مسمار کر کے ان کی جگہوں پر مساجد تعمیر کر دیں اور اسی طرح بنارس پر قبضہ کرنے کے بعد ایک ہزار ہندوؤں کو اسلام قبول کرنے سے انکار پر قتل کر دیا گیا اور پچاس ہندو عورتوں اور مردوں کو غلام بنا کر غزنی بھیج دیا گیا۔

3- 1290-1320ء میں سلطان علاؤ الدین خلجی نے قلعہ چتوڑ (موجودہ اودھے پور) کو فتح کرنے کے بعد تمام مندروں پر پیوند زمین کر کے تیس ہزار ہندوؤں کو اسلام قبول نہ کرنے کی پاداش میں نہایت بے دردی سے قتل کر دیا۔

4- 1352ء میں محمد تغلق اور 1351-88ء میں فیروز تغلق نے اشاعت اسلام کے نام پر

بے شمار ہندوؤں کو قتل کیا۔

5- 1398ء میں امیر تیمور نے ساتھ لاکھ باون ہزار ہندوؤں کو اسلام قبول نہ کرنے کی پاداش میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس نے صرف ایک دن میں ایک لاکھ ہندوؤں کو موت کی نیند سلا دیا۔ جبکہ اس کے مذہبی مشیر کار مولانا ناصرالدین عمر جس نے اپنی ساری زندگی میں ایک چڑیا بھی نہ ماری تھی اس کی حراست میں دیئے گئے اسلام قبول کرنے سے انکاری پندرہ سو سرکردہ ہندو لیڈروں کی گردنیں اپنی تلوار سے اڑا دی تھیں۔

6- 1489-1517ء میں سکندر لودھی نے مندرال اور ہنومان گڑھ میں تمام مندروں کو مسمار کر دیا۔ متھرا کے مندروں کو گرا کر وہاں مسجدیں تعمیر کر دیں گئیں۔ ہندوؤں کے شہری حقوق غصب کر لئے گئے۔ یہاں تک کہ ان کو دریائے جمنا کے پوتر پانی میں اشنان تک کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اس نیستھر کے بنے ہوئے دیوتاؤں کے بت توڑ کر مسلمان قصابوں میں بطور باٹ استعمال کرنے کے لئے تقسیم کر دیئے حتیٰ کہ حجاموں کو ہندوؤں کی حجامت بنانے سے بھی منع کر دیا گیا۔ ایک برہمن نے جب سکندر لودھی سے کہ ہندو دھرم اور اسلام میں کوئی فرق نہیں ہے تو سلطان نے اس سے کہا کہ اگر ایسا ہی ہے تو اسلام اور موت میں سے تم کسے بہتر سمجھتے ہو۔ برہمن نے جواب میں کہا ''موت کو''

7- 1512-1525ء میں سلطان ابراہیم لودھی ظلم و ستم، قتل و غارت اور بے انصافیوں میں سکندر لودھی سے بھی سبقت لے گیا تھا۔ رشوت کا دور دورہ تھا۔ اس نے ہندو رعایا کو تحفظ دینے کی بجائے ان کا قتل عام کیا۔

جھوٹ کا پتلا اور سنگدل ڈاکٹر ھبرا مزید لکھتا ہے کہ مسلمان حکمرانوں اور مبلغین اسلام کا واحد مقصد ہندوستان سے بت پرستی کا خاتمہ کرنا تھا چنانچہ اپنی اسی کتاب کے صفحہ نمبر 3 پر وہ لکھتا ہے کہ ایک دفعہ سلطان علاؤ الدین خلجی نے مولانا قاضی

مغیث الدین آف بیانہ (Bayana) سے مسئلہ پوچھا کہ کیا ہندوؤں سے ناروا سلوک کرنا قانونی لحاظ سے درست ہے تو قاضی نے جواب میں کہا کہ قانون کے مطابق اگر کوئی مسلمان افسر کسی ہندو کے منہ میں خاک ڈالنی چاہے تو ہندو پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنے منہ کھول دے۔ کیونکہ اسلامی شریعت کے مطابق کافروں اور بت پرستوں کو قتل کرنا' غلام بنانا اور ان کا قلع قمع کرنا عین جائز ہے۔

بھگت گرو نانک دروغ گوئی پر مبنی ایسے ہی بھیانک اور خونیں واقعات کی داستانیں لے کر پنجاب واپس ہوا۔ یہاں پہنچنے پر اس نے پاکپتن کا دوبارہ سفر کیا اور بابا شیخ ابراہیم سے طویل ملاقات کی۔ اس ملاقات کے بعد وہ راعیوں کی جاگیر اور کثیر آبادی والے علاقہ کنگن پور' دیپالپور اور سرسہ کے دیہات میں گیا۔ ان مقامات پر کچھ دن قیام کرنے کے بعد وہ لداخ' ریاسی' جموں' پسرور' سیالکوٹ' سید پور (موجودہ ایمن آباد) بٹالہ' ڈیرہ دواں' جلال اباد' کیریا اور مٹھن کوٹ سے ہوتا ہوا واپس کرتار پور اپنے اہل و عیال کے پاس آگیا جہاں وہ تاحیات مستقل طور پر اقامت پذیر رہا۔ کرتار پور میں گورو نانک وسیع اراضیات کا مالک تھا اور وہاں اس کی باقی ماندہ زندگی بڑے آرام و سکون سے گزری۔ اسی بستی میں بیٹھ کر اس نے اپنے انقلاب آفرین منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی بنیادی رکھی اور گورمکھی (سکھوں کی مذہبی زبان) میں 974 مختلف شبدھ' اشلوک اور پھوریاں لکیں جنہیں بھگت ارجن دیو نے بنیادی حیثیت دیتے ہوئے گرنتھ صاحب (سکھوں کی مقدس کتاب) ترتیب دی' ان شبدوں' اشلوکوں اور پھوڑیوں کے علاوہ گرنتھ صاحب میں 62 شبدھ بھگت امگد' 907 شبدھ بھگت امرداس' 679 شبد بھگت رام داس اور 2216 شبد بھگت ارجن دیو کے تخلیق کردہ ہیں سکھوں کے اعتقاد کے مطابق گورو نانک چونکہ اپنے نو (9) جانشینوں میں روحانی طور پر یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا رہا ہے اس لئے ان بھگتوں (جن کو سکھ اپنے گورو مانتے ہیں) کے شبد اور اشلوک بھی گورو نانک کے اقوال احکامات ہی سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ

اس کے جانشین اپنے شبدوں اور اشلوکوں میں اپنے آپ کو "نانک" ہی کہتے اور لکھتے آئے ہیں۔ ان اوال و احکامات کے علاوہ گرنتھ صاحب میں بھگتی تحریک کے سابقہ رہنماؤں بھگت کبیر، پنڈت رامانند، رام دیو، دھنا جے دیو، ترلوچن، بنی رام داس، پرمانند، سادنا، سورداس، بھیکن، سیم، پیپا اور بابا فرید کے بھجن شبد اور اشلوک بھی شامل ہیں۔ بعد میں گورو تیغ بہادر کے 117 شبد اور 2 اشلوک اور گورو گوبند سنگھ کا ایک شبد بھی گرنتھ صاحب میں شامل کر دیا گیا۔

بھگت گورو نانک کی تعلیم کا نچوڑ یہ ہے کہ ہندو قوم، ہندو تہذیب و تمدن، ہندو دھرم اور ہند کی سلامتی اور بقا کا راز اسلامک فلسفہ توحید، خدا کی واحدانیت اور اس کی ہر جگہ اور ہر وقت موجودگی کا اقرار کرتے ہوء چھوت چھات کو مٹانے اور آپس میں اتفاق و ایکتا کی فضا پیدا کر کے بھگتی تحریک کے جھنڈے تلے جمع ہونے میں مضمر ہے چنانچہ ان مقاصد کے حصور کے لئے اس نے سب سے پہلے لنگر اور سنگت سسٹم کا اجرا کیا جس میں ہندو قوم کا ہر فرد بلا لحاظ ذات برادری شرکت کرنے کا مجاز ہے اور کسی سے کوئی امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جات اور تمام حاضرین سنگت (گورو دوارہ میں اجتماع) میں زمین پر بیٹھ کر اکٹھا کھانا کھاتے ہیں اور کیرتن کیا جاتا ہے اور بھگتی تحریک کو کامیاب و کامران بنانے کے لئے آپس میں صلاح مشورہ کیا جاتا ہے۔ گورو نانک نے اپنے سفر کے دوران حاصل کردہ تجربات اور مشاہدات سے اندازہ لگا لیا کہ جب تک مبلغین اسلام اور عام مسلمانوں کو مسلمان حکمرانوں کی سرپرستی اور تحفظ ملتا رہے گا تب تک ہندوستان سے اسلام کی بیخ کنی خارج از مکان ہے اور ہندوؤں کا برابر استحصال ہوتا رہے گا۔ چنانچہ لنگر اور سنگت کے اجرا کے بعد اس نے ہندو رائے عامہ کو بیدار و استوار کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہندوؤں کو اسلامی حکومتوں سے متنفر کرنے کے لئے اس نے شبدوں، اشلوکوں اور پھوڑیوں کی شکل میں ایک بھرپور مہم کا آغاز کرتے ہوئے مسلمان حکمرانوں، علمائے دین اور قاضیوں کی سخت مذمت اور ان کی ذات پر بے جا تنقید کرنے

کے علاوہ اسلام پر رکیک حملے کئے۔ گورو ارجن دیو نے ان شبدوں' اشلوکوں اور پہاڑیوں اور باتیوں کو سکھ پنتھ کی بنیاد قرار دیتے ہوئے انہیں عبادت کا ایک مستقل حصہ بنا دیا تاکہ سکھوں کے اذہان میں یہ مقاصد ہمیشہ قائم رہیں اور وہ اسلام دشمن سرگرمیوں کو ہر دم جاری رکھیں۔ چنانچہ اسی تعلیم کے زیر اثر اس وقت سے لے کر پاکستان کے معرض وجود میں آنے تک سکھوں کی یلغار گریا ور بربریت سے مسلمان مردوں کی جان' مسلمان عورتوں کی عزت و آبرو' مسلمان دولت مندوں کی دولت' مسلمان سرداروں کی سرداریاں اور مسلمان عوام کی حمیت ایمانی غرضیکہ کوئی چیز بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ امرتسر جالندھر' لدھیانہ' ہوشیار پور' گورداسپور' فیروز پور اور سکھ ریاستوں میں آباد مسلمان عام طور پر اور اور رائیں برادری جو زیادہ تر سکھوں کے شانہ بشانہ ان کی آبادیوں کے بیچوں بیچ رہ گی تھی خاص طور پر اس ظالم ٹولہ کے اچانک اور منظم حملوں کا شکار ہوتی رہی۔ ہجرت کے وقت نہتے قافلوں کو لوٹا گیا۔ ہزاروں کی تعداد میں عورتوں کا اغوا کیا گیا اور انہیں جبراً" سکھی پنتھ میں شامل کر لیا گیا اور آخر کار اپنے گورو کی تعلیم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے مسلمانوں کو ہند بدر کر کے ہی دم لیا۔

پنجاب میں امن و آشتی اور توحید کے علمبردار بھگت نانک جی کی "تعلیمات" و "خدمات" کا ایک ہلکا سا خاکہ قارئین کی معلومات میں اضافہ کے لئے درج ذیل ہے۔

1- گرنتھ صاحب کی وارمالا کی محلہ نمبر1 میں درج ہے کہ سلطان سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی خونخوار اور ظالم بھیڑیئے ہیں اور ان کے اہلکار کتوں کی مانند عوام کا خون پیتے اور گوشت کھاتے ہیں۔ وہ تعصب کی بد ترین مثال ہیں اور ہندوؤں کو ان سے انصاف کی کوئی توقع نہیں کرنی چاہیے۔

2- گرنتھ صاحب ماجھے اور وار رام کلی۔ مہم نمبر1 صفحہ نمبر17 میں درج ہے کہ ان مسلمان حکمرانوں کے عہد میں بھیانک اور سنگین جرائم از قسم قتل اور ڈاکہ زنی کی وارداتوں کی بھرمار تھی اور وہ بجائے رعایا کے تحفظ کے الٹا انہیں بلا جواز بے دریغ قتل

کرتے تھے۔ قاضی جا مسند انصاف پر بیٹھے تھے وہ خود ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب کرتے تھے اور اس قدر راشی تھے کہ بغیر کچھ لئے دیئے فیصلہ نہ کرتے تھے یہاں تک کہ بادشاہ بھی مٹھی گرم ہوئے بغیر کوئی انصاف نہ کرتا تھا۔

3- گرنتھ صاحب راگ آسا۔ مہم نمبر1 صفحہ نمبر360 میں درج ہے کہ مغل بادشاہ بابر نے 1520ء میں سیدپور (موجودہ ایمن آباد) کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور مردوں کو قتل کر کے ان کی عورتوں کی عصمت دری کی گئی اور ان کی کثیر تعداد کو لونڈیاں بنا لیا گیا۔

4- گرنتھ صاحب۔ آسا مہم نمبر1 صفحہ نمبر160 اور نمبر417 پر درج ہے کہ بابر کی فوجیں پنجاب میں سیلاب کی طرح پھیل گئیں۔ ملک میں کوئی بستی صحیح سلامت نہ چھوڑی۔ عالیشان عمارتیں' محلات' عظیم الشان حویلیاں اور عبادت خانے آن واحد میں پیوند خاک کر دیئے گئے۔ کوئی جانور زندہ نہ چھوڑا گیا۔ خوبصورت عورتوں کو اٹھا لیا گیا۔ بیوقوف اور بزدل پنڈت اور مندروں کے پجاری گڑگڑا کے اپنے دیوتاؤں سے اس ظلم و تعدی کے طوفان سے نجات پانے کے لئے پرارتھنا کرتے مگر پتھر کی کسی مورت نے ان کی کوئی شنوائی نہ کی اور نہ ہی لودھی کتوں نے ان کی حفاظت کا کوئی سامان کیا۔

5- گرنتھ صاحب آسا نمبر1 مہم اور راگ تلنگ مہم 1-(1) میں درج ہے کہ 1526ء میں بابر بن بلائے دلہا بن کر اپنے سفا براتیوں کے ساتھ دلہن (ہندوستان) کو اس کی مرضی کے خلاف زبردستی بیاہنے چڑھ دوڑا۔ اس ظالم دلہا نے ایسا قتل عام مچایا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے عورتوں کو ذیل و خوار کیا اور ان کی عصمتیں لوٹی گئیں۔

6- گرنتھ صاحب صفحہ نمبر360' نمبر417 میں درج ہے کہ بابر کا کسی طاقتور گروہ یا جماعت سے اگر مقابلہ ہوتا اور نقصان ہوتا تو مجھے ہرگز کوئی ملال نہ ہوتا مگر جب میں دیکھتا ہوں کہ وہ کمزور اور نہتے عوام کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر رہا ہے تو میرا دل خون کے آنسو روتا۔ اب وقت آگیا ہے کہ کوئی مائی کا لال مردانگی کے جوہر دکھائے اور

اس ظالم کو اس ظلم کا مزہ چکھائے۔

7- گرنتھ صاحب راگ گوری صفحہ نمبر 255 میں درج ہے کہ مسلمانوں میں تین بڑے طبقات ہیں۔ پہلا طبقہ امراء اور علمائے دین کا ہے۔ وہ زمانہ جنگ میں فوجوں کی قیادت کر کے ان کے حوصلے بڑھاتے ہیں اور زمانہ امن میں متعدد عورتوں کو گھروں میں ڈال کر عیاشی کرتے ہیں۔ دوسرا طبقہ کسانوں اور چھوٹے اہلکاروں کا ہے وہ ہندوؤں کے مقابلہ میں خدا کے چہیتے سمجھے جاتے ہیں اور تیسرا طبقہ غلامون کا ہے اور اسی طبقہ میں ہندوؤں کا شمار ہوتا ہے ان سے بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔ مجموعی طور پر مسلمان مذہبی جنون میں مبتلا ہیں۔ وہ نظم و ضبط کو چھوڑ چکے ہیں۔

8- گرنتھ صاحب آسا مہم نمبر 1 صفحہ نمبر 360 میں درج ہے کہ خدا خود تو خراسان میں آرام کر رہا ہے اور جلاد مسلمانوں کو ہندوستان پر ظلم ڈھانے کے لئے کھلا چھوڑ دیا ہے وہ اتنا پتھر دل ہے کہ اپنی مخلوق پر اتنے مظالم ہوتے دیکھ کر بھی اس نے ہندوستانیوں پر کوئی ترس نہ کھایا۔

9- میکالیف کی تصنیف جلد چہارم (سکھ پنتھ) کے صفحہ نمبر 309 اور نمبر 310 اور ایڈوانس دی پنجاب جلد اول از ڈاکٹر جی ایس چھبرا کے صفحہ نمبر 233 میں درج ہے کہ اسلامی عقائد کے مطابق موت کے بعد مسلمان کی روح جسم سے جدا نہیں ہوتی اور بدیں وجہ جب مسلمان کی قبر سے مٹی لے کر کمہار برتن بنا کر انہیں جلتی ہوئی بھٹی میں ڈالتا ہے تو مسلمان کی روح چیخ و پکار شروع کر دیتی ہے۔

ان چند مثالوں سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بھگتی تحریک نے مسلمان حکمرانوں' علمائے دین اور اسلام پر رکیک حملوں اور عام مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے اور اختراع بازی سے کام لیتے ہوئے انہیں ہندوؤں کی نظروں سے گرانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی' اس خطرناک اور زہریلے پراپیگنڈا نے ہندوؤں کے اندر مسلمانوں کے خلاف حد درجہ تک منافرت اور حقارت کا بیج بو دیا۔

بھگت نانک دیو بیک وقت پنجابی شاعر اور اعلیٰ درجہ کا موسیقار تھا۔ اس کے چیلوں کا کہنا ہے کہ رباب اسی کی ایجاد ہے۔ اس کی آواز پرسوز اور سریلی تھی اور وہ مسحور کن انداز میں شبد اور پھوڑیاں گا کر سامعین کا دل موہ لیتا تھا۔ وہ 1538ء میں فوت ہوا۔ انتقال سے پہلے اس نے اپنے خاص چیلے اور وفادار گھریلو ملازم بھائی لہنا (Lehna) کو اپنا جانشین مقرر کیا اور خود گوروگدی (منجی Manji) سے نیچے اتر کرا سے پانچ پیسے اور ایک سالنا ریل بطور نذرانہ پیش کیا اور بعد ازاں اس کے گرد پانچ چکر لگائے اور بھائی بڈھاناہی چیلے کو ہدایت کی کہ وہ بھائی لہنا کے ماتھے پر سندھور (Safrom) کا ٹکا ثبت کرے۔ اس رسم کی ادائیگی کے بعد گورو نانک نے اسے سکھوں کا گورو تسلیم کرتے ہوئے زمیں بوس ہو کر سجدہ کیا اور اس طرح اپنی روح اس میں منتقل کر دی۔

گورو نمبر2 انگد (بھائی لہنا)

گورو انگد سکھوں کا دوسرا گورو ہوا ہے وہ 31 مارچ 1504 کو موضع ہریکے (harikey) ضلع فیروزپور میں مسی پھیرو قوم بنیا کے گھر مساۃ سبھرائی کے بطن سے پید اہوا۔ اس کی شادی موضع "متے دی سرائے" کی رہنے والی ایک خاتون مساۃ کھیوی (Khivi) سے ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ بھائی لہنا اپنی والدہ کی زیر نگرانی بچپن سے ہی اپنے مذہب سے خاص لگاؤ رکھتا تھا اور اگر جوگیوں اور سادھوؤں کے ساتھ پھرتا رہتا تھا جوان ہوے پر وہ ہر سال کالی دیوی کے درشن کرنے جوالا مکھی کانگڑہ کے ساتھ یاترا کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ جوالا مکھی جاتے ہوئے راستہ میں اتفاق سے اسے ایک بھگت مسی جودھا کی زبانی گورونانک کے اشلوک سننے کا موقعہ ملا جس سے اسے گورو کے درشن کرنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ چنانچہ جوالا مکھی جانے کی بجائے وہ سیدھا گورو نانک کی جائے رہائش کرتار پور پہنچا اور وہاں اس کو دیکھتے ہی اس کا چیلہ بن گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ اپنی پرخلوص اور بے لوث خدمت سے نانک کا خاص منظور نظر بن گیا چنانچہ اس کی

انہیں خدمات کے صلہ میں گورونانک نے اپنے مشن کی تکمیل کے لئے اسے اپنے تمام چیلوں میں سے موزوں ترین قرار دیتے ہوئے اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ انگد نے جونی گورو گدی سنبھالی گورو نانک کے دونوں بیٹے ہر چند ار لکھمیداس اس کے جانی دشمن بن گئے۔ انہیں قلق تھا کہ ان کو جائز حق سے محروم کرتے ہوئے ایک معمولی گھریلو ملازم کو سکھوں کا رہنما تسلیم کرتے ہوئے باپ نے گورو گدی اس کے حوالے کر دی ہے۔ انگدان لڑکوں کے خوف سے کرتار پور چھوڑ کر "کھادر" (ایک قصبہ موجودہ ضلع امرتسر" میں سکونت پذیر ہو گیا جہاں وہ ایک جاٹ لڑکی مسماۃ نہالی (Nihali) کے گھر چھ ماہ تک چھپا رہا۔ آخر بھائی بڑھا (نانک کا ایک چیلہ) کے سمجھانے بجھانے پر نانک کے دونوں لڑکے اپنے "حق" سے دستبردار ہو گئے اور گورو انگد کو پناہ گاہ سے نکالا گیا مگر چند دنوں بعد نانک کے بڑے بیٹے ہر چند کے اندر حسد کی آگ پھر بھڑک اٹھی چنانچہ اس نے اپنی آتما ٹھنڈی کرنے کے لئے متوازی خطوط پر ایک نئے فرقہ "اوداسی" (Udasi) کی بنیاد رکھی مگر سکھ ازم کے روپ میں بھگتی تحریک کی تند اور تیز لہروں کے آگے یہ زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا۔

انگد نے اپنے ماسٹر کے احکامات کی تعمیل میں سب سے پہلے پنجابی زبان کو عام فہم بنانے کے لئے اس میں سے سنسکرت کے ثقیل اور غیر مانوس الفاظ نکال دیئے اور ان کی جگہ دیوانگری (برج بھاشا) کے آسان الفاظ شامل گئے اور اس طرح ترمیم شدہ پنجابی زبان کو گورمکھی کا نام دے کر اس میں سکھ پنتھ کا پرچار شروع کیا۔ اس زبان کو گورمکھی یعنی "گورو کی زبان" کا نام دینے سے اسے وہ تقدیس مل گیا جو مذہبی پراپیگنڈا کے لئے بڑا سود مند ثابت ہوا اور لوگ جوق در جوق اس کے گرد جمع ہو کر اس کی باتیں سننے لگے۔

انگد نے اپنے گورو کے جابجا بکھرے ہوئے اشلوک، شبد اور پھوریاں یکجا کر کے انہیں خاص ترتیب دی اور بھگتی کے دوران انہیں گانے کے لئے دو کہنہ مشق

کے انہیں خاص ترتیب دی اور بھگتی کے دوران انہیں گانے کے لئے دو کہنہ مشق فنکار مسیان سابتہ اور بلونت کی خدمات حاصل کر لیں۔ یہ دونوں اپنے وقت کے مانے ہوئے گویئے اور موسیقار تھے اور وہ برملا کہا کرتے تھے کہ گورو انگد کی گدی ان کی مرہون منت ہے۔ لوگ تو ہماری دلکش اور مدبھری آواز سننے کے لئے سنگت میں حاضر ہوتے ہیں نہ کہ انگد کے الفاظ سننے کے لئے۔ انگد کو ان فنکاروں کی اس شرارت کا کسی نہ کسی طرح علم ہو گیا جس سے وہ سخت برہم ہوا اور انہیں اپنے "دربار" سے نکال دیا مگر بعد میں لاہور کے رہنے والے اس کے ایک چیلے بھائی "لدھا" نے ان میں صلح صفائی کرا دی اور وہ دونوں پھر سے گورو کے پاس آ گئے۔ پرچار کے ساتھ ساتھ گورو انگد نے اب اپنے ماسٹر کے مشن کے بنیادی مقصد کی تکمیل کی طرف دھیان دینا شروع کیا اس نے اپنے چیلوں کو گوریلہ ٹریننگ دینے اور سخت جان اور چست و چالاک بنانے کے لئے ٹریننگ کیمپوں اور اکھاڑوں کا بندوبست کیا جس کی ابتداء کھادور کے گاؤں سے کی گئی جہاں گورو کا ہر چیلہ بہ لحاظ عمر صبح بھگتی سے فارغ ہو کر کھیل کرتب اور کشتیوں میں بطور مذہبی فریضہ شامل ہونے لگا۔ اس پروگرام پر عمل کرنے سے گورو کے چیلوں میں نظم و ضبط اور ان کے بھاری بھرکم اور ڈھیلے ڈھالے جسموں میں پھرتیلا پن ظاہر ہونے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ لمبی لمبی داڑھیوں اور کیسوں (سر کے بال) والے سادھو نما چیلے چاق و چوبند نیم فوجی طاقت بن گئے۔ ان دنوں میں مغل سلطنت کی بنیاد رکھی جا چکی تھی مگر بابر کی موت کے بعد ہمایوں اور اس کے بھائیوں میں اقتدار کی رسہ کشی اور آپس میں آئے دن سرپھٹول، گجرات کاٹھیاواڑ بہار اور بنگال میں افغان سرداروں کی خودمختاری اور ان کے خلاف ہمایوں ی جنگی مہمات شیر شاہ سوری کی قسمت آزمائی اور آخر میں ہمایوں کا کسمپرسی اور مجبوری کی حالت میں ہندوستان سے فرار جیسے واقعات سے ہر سو ایک افراتفری کا سا سماں برپا تھا۔ پنجاب میں گو ہمایوں کے بھائی کامران نے اپنا تسلط جما رکھا تھا مگر اسے ہوس اقتدار نے س قدر

اندھا کر رکھا تھا کہ اسے ہمایوں سے الجھنے اور تخت ہند پر قبضہ کرنے کے سوا اور کسی چیز سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ایسے ماحول میں بھلا اسلام کی نشوونما' تحفظ اور خیروعافیت کی کسے فکر ہو سکتی تھی۔ گورو انگد نے اس صورت حال سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے اسلام دشمن مشن کو نہایت اطمینان سے جاری رکھا اور کسی مسلمان حکمران یا عالم دین کو اس خطرناک تحریک کی طرف دھیان دینے کی فرصت ہی نہ ملی۔ اگر کبھی کبھار کسی نہ کسی طرح مقامی طور پر اس خفیہ فتنہ کی کارستانیوں کی بھنک کان میں پر بھی جاتی تو اسے معمولی بات قرار دیتے ہوئے نظر انداز کر دیا جاتا اور اس طرح اس خونخوار ٹولہ کو من مانیاں کرنے کی کھلی چھٹی مل گئی۔ چنانچہ یہ آغاز تھا اس طوفان خونچکاں کا جس کی بنیاد پر بھگت گورو ارجن سنگھ' بھگت گورو ہرگوبند' بھگت گورو تیغ بہادر' بھگت گورو گوبند سنگھ اور اس کے سفاک چیلے بندہ بیراگی نے ہند اور خصوصاً" پنجاب سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے چیلوں کو ظالم "خالصہ دل" میں تبدیل کر دیا۔ اگر بھگت نانک کی موت کے بعد فوری طور پر اس تحریک کو کچل دیا جاتا تو آج کفرستان ہند میں لاکھوں بتوں کی پوجا کرنے کی بجائے صرف ایک خدا کی بندگی ہوتی اور انسانیت کو نیا ایمان' نیا یقین اور نیا معاشرہ بابرکات نصیب ہوتا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ راعیوں کی بھاری اکثریت سندھ کی ریاست ملتان سے نقل مکانی کر کے پنجاب میں لاہور اور سیالکوٹ کے علاقوں میں رہائش پذیر ہو چکی تھی اور وہاں سے وہ بتدریج اکے دکے کنبوں کی صورت میں دوآبہ جالندھر میں منتقل ہو کر بس چکے تھے اور اپنی کئی گوتوں کے نام پر نئی گاؤں اباد کر چکے تھے۔ چنانچہ 1755ء میں سرسہ سے سرسہ وال راعیوں کی دوآبہ جالندھر میں آمد سے پیشتر یہ کنبے اچھی طرح سے اپنی پوزیشن مضبوط کر چکے تھے چنانچہ انہیں کنبوں میں سے اکبر اعظم کے زمانہ میں مہر اعظم' شیخ کرم داد ولد اللہ بخش او چوہدری قطب الدین کے خانوادوں نے بالترتیب

وضع منڈکو ہیراں' باھنیانوالی' ٹکونڈی' نواح پنڈ' سانده کلاں اور سانده خورد آباد کئے۔
ان ملتانی اور سرسہ وال رائیوں پر دو آبہ جالندھر میں سکھوں کی بلا بازی کے زمانہ میں کیا گزری اسے آپ آئندہ اوراق میں پڑھیں گے۔

بھگت انگد نے اپنی زندگی میں مندرجہ ذیل تین کارنامے سرانجام دیئے اور اپنے پیچھے دو بیٹے دیسو (Desoo) اور دتو (Ditoo) چھوڑ کر مورخہ 29 مارچ 1555ء کو اگلے جہاں سدھار گیا۔

1- پنجابی زبان میں ردو بدل کر کے اسے گورمکھی کا نام دے کے سکھوں کی قومی زبان قرار دیا گیا۔
2- اپنے ماسٹر کے اشلوک' شبد اور پھوریوں کو یک جا کیا۔
3- اپنے چیلوں کو گوریلا ٹریننگ دینے کے لئے ٹریننگ سنٹروں کا قیام۔

مرنے سے پیشتر اس نے اپنے ایک چیلے امرو (Amroo) کو اپنا جانشین مقرر کیا جو سکھ ہسٹری میں بھگت گورو امرداس کے نام سے مشہور ہے۔

گورو نمبر 3 امرداس (بھائی امرو)

یہ بھگت موضع باصرکے (Baserkey) ضلع فیروزپور کے ایک کھتی تیج بان کے گھر 8 اپریل 1479ء کو پیدا ہوا۔ اس کی والدہ کا نام بخت کور تھا اور 24 سال کی عمر میں اس کی شادی مسماۃ منسا دیوی (Mansa Devi) سے ہوئی جس کے بطن سے اس کے ہاں دو بیٹے موہری اور موہن پیدا ہوئے۔ امرداس کٹر ہندو تھا اور ہندو رسومات کا سختی سے پابند تھا چنانچہ وہ ہر سال گنگا اشنان کے لئے بنارس کا سفر کیا کرتا تھا۔ ایک سال گنگا یاترہ سے واپسی پر اس کی ایک سادھو سے اتفاقیہ ملاقات ہو گئی کھانے کے وقت دونوں نے اکٹھے مل کر ایک برتن میں کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد باتوں باتوں میں سادھو نے امرو سے دریافت کیا کہ آیا اس کا کوئی استاد یا گورو ہے۔ امرو نے نفی میں جواب دیا

جس پر سادھو سخت برہم ہوا اور کہنے لگا کہ تم بغیر گورو کے ہو۔ میرے ساتھ کھانا کھا کر تم نے مجھے بھرشٹ (ناپاک) کر دیا ہے اب مجھے پوتر (پاک) ہونے کے لئے دوبارہ گنگا اشنان کرنا ہو گا۔ سادھو کے یہ الفاظ سن کر امرداس بڑا ملول ہوا اور اسی وقت سے گورو کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگا۔ ایک دن اس نے اس بارے میں اپنی بھاوجہ مساۃ بی بی امرو دختر گورو انگد سے بات کی جو اسے اپنے باپ کے پاس لے گئی۔ گورو انگد نے اسے آشیرباد دیتے ہوئے اپنے چیلوں میں شامل کر لیا۔ امرداس نے گورو انگد کی متواتر گیارہ سال تک خدمت کی اور اس کا معتمد خاص اور منظور نظر بن گیا گورو انگد نے اپنے دونوں بیٹوں میں سے کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنے کی بجائے امرداس کو اس کی خدمات اور وفاداری کے صلہ میں گورو گدی کا وارث بنا دیا۔ اس فیصلہ سے اس کے بیٹے ناراض ہو گئے اور وہ امرداس سے حسد کرنے لگے اور س کی جان لینے کی ٹوہ میں رہنے لگے۔ امرداس ان لڑکوں کے ڈر سے گوند وال قصبہ نزد موجودہ امرتسر کو چھوڑ کر اپنے آبائی گاؤں باصرکے میں چلا آیا مگر کچھ ہی عرصہ بعد جب حالات قدرے پرسکون ہوئے تو اس کے چیلے اس کے تحفظ کی ضمانت دیتے ہوئے اسے واپس گوندوال لے آئے۔ وہاں اس نے گورو گدی پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے یہ ہدایات جاری کیں کہ کوئی ملاقاتی لنگر سے کھانا کھائے بغیر اس سے ملاقات کرنے کا مجاز نہ ہو گا۔ اس حکم کے نتیجے میں لوگ دن رات اور وقت بے وقت قیام و طعام کی فکر سے بے نیاز گوندوال میں اس کے درشنوں کے لئے جوق در جوق حاضر ہونا شروع ہو گئے اور چند ماہ میں اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی جس سے اس کے پیروکاروں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ اپنے چیلوں میں روز بروز اضافہ سے اپنی کیمونٹی پر کنٹرول کرنے اور اپنے پروگرام کے مطابق کام لینے کے لئے اس نے اپنے ہیڈ کوارٹر گوندوال کے علاوہ منجی/ پیڑی (Manji & Peehri) سسٹم کا اجرا کر کے پنجاب کو بائیس مختلف "روحانی" (Spiritual) صوبوں میں تقسیم کر دیا اور ہر ایک یونٹ میں ایک ایک بااعتبار نائب

مقرر کر دیا جس کو مندرجہ ذیل فرائض سونپے گئے۔

1- اپنے اپنے علاقہ کا مکمل اور اپ ٹو ڈیٹ ریکارڈ اور چیلوں کی ڈائریکٹری تیار کرنا۔

2- چیلوں کے ایام و طعام کا معقول بندوبست کرنا۔

3- چیلوں سے نزرانہ' تحائف اور چندہ کی باقاعدہ وصولی اور گورو گدی کے اخراجات پورے کرنے کے لئے رقومات کی فراہمی اور ترسیل میں باقاعدگی پیدا کرنا۔

4- بھگتی تحریک یعنی سکھ ازم کا باقاعدہ پرچار کرنا اور مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز پراپیگنڈا کی مہم تیز کرنا۔

5- بوقت ضرورت افرادی قوت کا مظاہرہ کرنا اور ان کے لئے اسلحہ کا مناسب بندوبست کرنا۔

اس سسٹم کو مزید مربوط بنانے کے لئے مسندوں میں منجھے ہوئے راز دار چیلوں کو متعین کیا گیا۔ لنگر کے انتظام کو بہتر بنانے اور منجی مسندی سسٹم کے اجراء سے دور دور بکھرے ہوئے دیہات میں باہمی میل جول پیدا ہو گیا اور گورو کے احکامات بغیر کسی تردد اور دیر کے ہر گھر میں پہنچنا شروع ہو گئے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے منتشر اور بے لگام چیلے ایک اکائی کی صورت میں منظم قوت بننا شروع ہو گئے۔ چنانچہ ایسی ابھرتی ہوئی قوت پر گرفت مضبوط کرنے کے لئے اس نے اپنے چیلوں کے لئے گنگا اشنان اور بنارس یاترہ پر پابندی لگا دی اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس نے گوندوال میں ایک باؤلی تعمیر کرائی جہاں اشنان کے لئے اس کے چیلے ہر سال جمع ہونے لگے علاوہ ازیں اس نے بیساکھ اور ماگھ کے مہینوں کی یکم تاریخ اور دیوالی والے روز کو بھگتوں کے لئے مذہبی تہوار قرار دیتے ہوئے انہیں ہر سال شامل ہونے کے احکامات جاری کئے گئے جس سے ایکتا اور نظم و ضبط کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

حکومت وقت کی بے حسی اور مسلمانوں کی بد قسمتی ملاحظہ ہو کہ اکبر بادشاہ گورو امرداس کے "دربار" میں حاضر ہوتا اور لنگر سے پرشاد (تبرک) کھا کر گورو سے اپنی

کامیابی کے لئے دعا کا طالب ہوتا ہے اور اس کے "مشن" میں ترقی ار استقامت پیدا کرنے کے لئے امرداس کو بھاری جاگیر کی پیشکش کرتا ہے۔ گورو امرداس نے سیاست سے کام لیتے ہوئے جاگیر کو اپنی بیٹی بی بی بانی زوجہ بھائی جیٹھا (جو امرداس کے بعد بھگتی تحریک کا چوتھا راہنما ہوا ہے) کے نام کروا دی اور اپنے خاص چیلہ بھائی بڈھا کو اس کا منیجر مقرر کر دیا۔

گوندوال دراصل (گورو کا ہیڈ کوارٹر) گورو امرداس کے ایک چیلہ بھائی گونڈا مرواہا کا بسایا ہوا موجودہ امرتسر کے نزدیک ایک گاؤں تھا جہاں گورو نے "کھادر" سے نقل مکانی کر کے مستقل سکونت اختیار کر کے گونڈا مرواہا کی جدی جائیداد غیر منقولہ اور اراضیات پر بھی قبضہ جما رکھا تھا۔ مرواہا کی موت کے بعد اس کے بیٹوں نے اپنی جائیداد کی واگزاری کے لئے اکبر بادشاہ کو ایک عرضداشت پیش کی جسے مسترد کرتے ہوئے بادشاہ نے تمام اراضیات گورو کی تحویل میں رکھنے کے احکام جاری کر دیئے۔ ان دونوں واقعات سے گورو امرداس کی پورے پنجاب میں دھاک بیٹھ گئی اور کسی شخص کو اس کے خلاف آواز اٹھانے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ اس کے چیلوں میں بے پناہ اضافہ ہونے لگا۔

اکبر بادشاہ نے اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے ذلیل سے ذلیل حربہ استعمال کرنے میں کوئی عار نہ سمجھی وہ جلال الدین سے اکبر' اکبر سے بادشاہ اکبر' باشاہ سے شہنشاہ اکبر اور آخر کار اکبر اعظم اور ہندوؤں کا "مہابلی" بننے کے لئے اس نے اپنے مذہب تک کو داؤ پر لگانے سے بھی کوئی دریغ نہ کیا۔ کافروں نے اکبر کو زوجیت میں اپنی بیٹیاں دے کر اسے اندھا بنا دیا اور اسلام کا نام مٹانے کے لئے اس کے ایجاد کردہ مذہب "دین الہٰی " کی تبلیغ میں اپنی اپنی عملداریوں میں مقیم مسلمان زمیندار اور کاشتکاروں کو اسلام سے انحراف کرانے اور دین الہٰی میں شامل ہونے کے لئے بے پناہ مظالم ڈھائے مگر "ظل سبحانی" کہلوانے والا بھگتی تحریک کے راہنما کا یہ چیلہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس نے

اپنی ہندو بیویوں کو خوش کرنے کے لئے ان کے لواحقین کو بڑے عہدے' خطابات اور جاگیریں دے کر انہیں مسلمانوں پر حاوی کر دیا۔ اکبر کی ان بے پناہ نوازشات سے کافروں کے حوصلے بڑھ گئے اور یہی وجہ ہے کہ اس مغل بادشاہ کی موت کے بعد اس کے جانشینوں کا کافروں نے ایک پل بھی چین نہ لینے دیا جس سے اسلام اور اس کے نام لیواؤں کو ہندبدری کا سخت خطرہ محسوس ہونے لگا۔ امرداس نہایت زیرک اور چالاک ار ماہر نفسیات گورو ہو گزرا ہے چنانچہ ڈاکٹر بینرجی بنگالی کا کہنا ہے کہ گورو امرداس نے اپنے گورونانک کے غیر منظم چیلوں کو ہندوؤں سے الگ پلیٹ فارم مہیا کر کے انہیں ایک پختہ اور جنگجو گرو میں تبدیل کرنے کی بنیادی رکھی۔ ڈاکٹر ایس جی چھبرا اپنی تصنیف ایڈوانس ہسٹری آف دی پنجاب جلد اول کے صفحہ نمبر 142 پر رقمطراز ہے کہ گورو نانک کے لگائے ہوئے پودا کی حفاظت کے لئے امرداس نے ایک مضبوط باڑ (Fence) کا بندوبست کر کے اسے بڑھنے اور پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کئے۔ انگریز مورخ مسٹر پائین (Payne) اپنی تحریر کردہ "شارٹ ہسٹری آف دی سکھ" کے صفحہ نمبر 31 پر لکھتا ہے کہ گورو امرداس سکھوں کا ایک بلند پایہ اور سلجھا ہوا گورو تھا ایک اور انگریز مورخ مسٹر ایم گریگر (M. Gregor) نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ غرضیکہ امرداس نے سکھوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے انہیں ایک فعال قوت میں ڈھالنے کی بنیاد رکھ دی جس نے آگے چل کر ایک طوفان بدتمیزی برپا کر کے وقتی طور پر پنجاب کی تاریخ کا دھارا موڑ کر رکھ دیا۔ یہ گورو 1574ء میں فوت ہوا اور مرنے سے پہلے اپنے چہیتے اور داماد جیٹھا کو گورو گدی پر بٹھا دیا جو گورو رام داس کے نام سے سکھوں کا چوتھا گورو مشہور ہوا۔

گورو نمبر 4 رام داس سابق جیٹھا

بھائی جیٹھا لاہور شہر کے ایک غریب سوڈھی کھتری ہری داس کے گھر مسماۃ انوپ کور کے بطن سے اکتوبر کی کسی تاریخ کو 1534ء میں پیدا ہوا بچپن میں ہی اس کے والد

کا انتقال ہو گیا اور اس کی والدہ نے گزر اوقات کے لئے خود تو دایا کا پیشہ اختیار کر لیا اور جیٹھا کو دال چنے کی چاٹ بیچنے کے لئے ایک چھابڑی کا بندوبست کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ جیٹھا بجائے اس کے کہ دال چنے بیچ کر گھر کے اخراجات چلانے کے لئے اپنی ماں کی کچھ امداد کرتا وہ چھابڑی کا سارا مال دریائے راوی کے کنارے لیٹے ہوئے سادھوؤں میں مفت بانٹ دیا کرتا۔ آخر اس کی والدہ نے تنگ آکر یہ کام خود سنبھال لیا اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ جیٹھا بغیر کسی کام کاج کے ڈانواں ڈول لاہور کے بازاروں میں دن بھر گھومتا رہتا۔ ایک دن اس نے سکھوں کے ایک جتھہ کو دیکھا تو گورونانک کے بھجن گاتا ہوا بازار سے گزر رہا تھا۔ دریافت کرنے پر اسے پتہ چلا کہ وہ جتھہ گورو امرداس کے درشنوں کے لئے موضع گوندوال جا رہا تھا۔ چنانچہ وہ بھی اس جتھہ کے ساتھ ہو لیا۔ گوندوال پہنچ کر اس نے گورو کے چرن چھوئے۔ جیٹھا اب ایک وجیہہ و شکیل گبھرو نوجوان بن چکا تھا۔ گورو امرداس نے اسے دیکھتے ہی آشیربادی اور اپنے چیلوں میں شامل کر کے اسے گھر کے کام کاج کے لئے رکھ لیا۔ کچھ عرصہ بعد گورو کی بیٹی بی بی بابنی جب سن بلوغت کو پہنچی تو گورو نے اس کی شادی جیٹھا کے ساتھ کر دی جیٹھا اب گورو کا صرف چیلہ ہی نہ تھا بلکہ وہ اس کا داماد بھی بن چکا تھا۔ گورو امرداس نے اپنے بیٹوں کی نالائقی اور عدم دلچسپی کی بنا پر جیٹھا کو گھر کے تمام نجی معاملات سونپ دیئے اور اسے مختار کل بنا دیا گیا۔ جیٹھا نے اپنے حسن انتظام اور بے لوث خدمت سے گورو کا دل موہ لیا۔ چنانچہ وہ امرداس کی موت کے بعد سکھوں کو گورو چن لیا گیا۔ گدی پر بیٹھتے ہی جیٹھا نے گوندوال سے اپنے ہیڈکوارٹر اپنی بیوی بابنی دختر گورو امرداس کی جاگیر پر منتقل کر دیا اور اسی جاگیر پر اس نے اپنے نام پر ایک گاؤں رام داس پور بسایا اور یہی گاؤں بعد میں امرتسر کے نام سے مشہور ہوا (یاد رہے یہ وہی جاگیر ہے جو اکبر بادشاہ نے گورو رام داس کو عطا کی تھی مگر گورو نے وہ اپنی بیٹی بی بی بابنی زوجہ جیٹھا کے نام لگوا رکھی تھی)۔

گورو رام داس نے اس گاؤں میں ایک تالاب بنوایا اور اس کے درمیانہری مندر کی عمارت کی بنیاد رکھی۔ مندر کی تعمیر کے بعد گورو کے سب سے چھوٹے بیٹے ارجن دیو نے اپنے گورو شپ کے زمانہ میں گرنتھ صاحب کو ترتیب دے کر اس میں رکھ دیا اور جب سے ہی امرتسر کو ایک مذہبی اور تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی۔ تالاب اور مندر کو علاوہ کشادہ کرنے کے لئے بعد میں ملحقہ گاؤں تنگ (Tung) کے جاٹوں سے 500 بیگہ مزید اراضی بعوض مبلغ -/700 روپیہ اکبری حاصل کر کے ساتھ ملا دی گی جس پر موجودہ گولڈن ٹیمپل کی تمام عمارتیں کھڑی ہیں۔ یہی وہ گردوارہ ہے جہاں سے سکھوں کی سیاسی اور فوجی زندگی کا آغاز ہوتا ہے بقول ڈاکٹر جے ایس ہمبرا اس گردوارا کے اندر واقع تالاب میں ڈبکی لگانے والا گورونانک کا ہر چیلہ "شیر" بن کر باہر نکلتا ہے اور یہی وہ "شیر" ہیں جنھوں نے آگے چل کر پنجاب میں وہ تباہی مچائی کہ تاریخ پنجاب کا ہر ورق خون کے دھبوں سے آلودہ ہے۔ گورو رام داس کے زمانہ تک ان "شیروں" کے گھروں میں بیاہ شادیوں اور خوشی کے موقعوں پر ان کی "شیرنیاں" (مستورات) بہت غلط اور اخلاق سوز گیت گایا کرتی تھیں اور شرم و حیا جیسی ان کے نزدیک کوئی شے نہ تھی۔ گورو رام داس نے ان گندے گیتوں کی جگہ گھوڑیاں (Ghorian) گانے کے لئے ترتیب دیں جن کو ارجن دیو نے گرنتھ صاحب میں درج کر کے ان کو مقدس مذہبی درجہ دے دیا مگر جہاں تک مشاہدے میں آیا ہے سکھ عورتیں اپنی پرانی روایات کو زندہ رکھتے ہوئے تقسیم ہند تک بدستور گندے اور اخلاق سوز گیت گاتی رہیں ہیں جنہیں سوائے سکھ مردوں کے اور کوئی شریف انسان سننے کا کبھی متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ گورو رام داس کے زمانہ میں اس کے چیلے مکمل طور پر ایک مضبوط اور منظم فوجی گروہ میں تبدیل ہو چکے تھے چنانچہ اس طاقت کے بل بوتے پر اس نے اپنے آپ کو گورو کہلوانے کے ساتھ ساتھ "سچا بادشاہ" بھی کہلوانا شروع کر دیا اور گورو شپ کا پہلے والا طریقہ انتخاب چھوڑ کر اب اس نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے ارجن دیو کو اپنا جانشین مقرر

کر دیا جس سے گورو گدی خاندانی وراثت بن گئی۔ اس نے اپنے چیلوں کو یہ تاثر بھی دینا شروع کر دیا کہ زمانہ قدیم میں خاندان سوڈھی کے سربراہ سوڈھی راؤ نے عارضی طور پر کلجگ (Dark Period) کے خاتمہ تک لاہور کا تخت اپنے چچا کلپت راؤ بیدی کے حوالے کر دیا تھا لہٰذا اب اس کلجگ میں پنجاب پر حکمرانی کا حق سوڈھی خاندان میں واپس لانے کا وقت آ گیا ہے۔

اس ذہنی اور انقلابی کیفیت سے اس کے چیلوں میں یہ عقیدہ گھر کرنے لگا کہ ان کا گورو واقعی بشریت سے بالاتر ایک اوتار ہے اور یہ کہ صرف سوڈھی خاندان کے افراد ہی ملک و سلطنت کے مالک اور اصل وارث ہو سکتے ہیں اور یہ حق وراثت بیٹے کو باپ سے نسلاً" بعد نسل منتقل ہوتا رہے گا اور اس استحقاق کا تحفظ گورو کے ہر سکھ پر لازم ہے۔ چنانچہ یہی وہ عقیدہ ہے جس کی بنا پر آگے چل کر پہلے سے کہیں زیادہ گورو کے یہ چیلے ہندو قوم کے محافظ اور اسلام کے مخالف بن کر اپنی بربریت کا مظاہرہ کرتے رہے اور اس کا سب سے زیادہ نشانہ دیہاتوں میں بسنے والی قلیل التعداد اجنبی راعین برادری ہی بنی رہی تقسیم ہند سے قبل شائد ہی کوئی ایسی مثال سامنے آئے گی جس سے یہ ظاہر ہو کہ سوائے اس برادری کے سکھوں اور ہندوؤں نے دیہاتوں میں بسنے والی دوسری نو مسلم ہندی اقوام از قسم جاٹ، راجپوت، کمبوہ، سینی وغیرہ سے بھی کبھی اس قدر انسانیت سوز مظالم روا رکھے ہوں یا ناروا سلوک کیا ہو جس سے یہ برادریاں راعیوں کی طرح زیر عتاب رہی ہوں۔

گورو رام داس نے اپنے گورو کی حسب خواہش اسلام اور ہندوستان میں اس کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے اپنے جانشینوں کو ایک جامعہ پروگرام مہیا کر دیا جس پر اس کے بیٹے ارجن دیو کے زمانہ سے باقاعدہ طور پر عمل درآمد ہونے لگا۔

گورو نمبر 5 ارجن دیو

گورو ارجن دیو کے زمانہ سے پانجب میں اسلام دشمن بھگتی تحریک اب کرپان نکال کر اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہونے لگی۔ اپنے باپ کا بیٹا وارث تخت پنجاب گورو گدی پر بیٹھتے ہی بیک وقت روحانی' سیاسی اور فوجی رہنما بن گیا۔ فوجی جتھوں کو تیار کرنے کے لئے بڑھتے ہوئے اخراجات کے پیش نظر اس نے منجی پیری سسٹم کے ذریعہ سے حاصل ہونے والی تحائف اور نزرانوں میں مزید اضافہ کے لئے ایک خصوصی گورو فنڈ قائم کیا جس کو چلانے کے لئے مسانڈ (Masand) یعنی خاص نمائندے مقرر کئے گئے جو سارا سال تحائف اور نذرانے جمع کرنے کے علاوہ تمام چیلوں سے مقرر شدہ چندہ کی رقم اکٹھی کر کے اختتام سال کے بعد بیساکھی کے تہوار کے موقع پر امرتسر دربار میں خود حاضر ہو کر گورو فنڈ میں جمع کرانے کے پابند تھے۔ اس فنڈ سے ہر سال لاکھوں روپے جمع ہونے لگا اور چند برسوں میں گورو کی مالی پوزیشن حیرت انگیز طور پر مستحکم ہو گئی۔ چنانچہ اس نے اپنے باپ کے نام پر بسائے ہوئے شہر رام داس پور کا نام تبدیل کر کے امرتسر کر رکھ دیا اور اس میں زیر تعمیر ہری مندر کی تکمیل کے بعد اپنا ہیڈ کوارٹر یہیں منتقل کر لیا جہاں سے اس نے "مسانڈ" کو اپنی طرف عدالتی اختیارات دیئے گئے اور انہیں ہدایات جاری کیں کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں سرکاری عدالتوں کی طرف رجوع کرنے کی بجائے آئندہ سے سکھوں کے ہر نوعیت کے مقدمات اور نجی مسائل کی چھان بین کرنے کے بعد وہ خود فیصلے صادر کیا کریں جو سکھی پنتھ میں حتمی فیصلے تصور کئے جائیں گے اور اس طرح مندرجہ بالا احکامات جاری کر کے گورو ارجن دیو نے نہایت چالاکی و ہوشمندی سے بھگتی تحریک کو حکومت وقت کی نگرانی اور گرفت سے آزاد کر لیا۔

سکھوں کا یہ پانچواں گورو 15 اپریل 1563ء میں گوندوال کے مقام پر پیدا ہوا۔ گورو رام داس کے تین بیٹوں پرتھیا (Parithia) مہادیو (Mahadev) اور ارجن دیو (dev

(Urjan) میں سے اخر الذکر باپ کا چہیتا تھا اور سب بھائیوں سے زیادہ ذہین' دلیر اور ماں باپ کا فرماں بردار مانا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ باپ کی جگہ 18 سال کی عمر میں ہی 1581ء میں گورو گدی پر بٹھا دیا گیا۔ ارجن دیو کا گدی کے لئے منتخب ہونا پرتھیا (اس کا بڑا بھائی) کے نزدیک ایک غیر منصفانہ اقدام تھا اور قانون وراثت کی صریحاً" خلاف ورزی سمجھتے ہوئے وہ محسوس کرنے لگا کہ اس کو اس کے جائز حق سے عملاً" محروم رکھا گیا ہے جس کا اسے سخت صدمہ ہوا چنانچہ وہ اس کی بیوی کرموں دونوں گورو ارجن دیو کی مخالفت پر اتر آئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے ارجن کے اکلوتے بیٹے ہرگوبند کو زہر دینے کی کوشش کی علاوہ ازیں پرتھیا نے ارجن دیو کو چیلوں کی نظر سے گرانے کے لئے اپنی طرف سے ایک کتاب لکھ کر سکھوں کو یہ تاثر دینے کا پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ گورو ارجن دیو جو گرنتھ صاحب ترتیب دے رہا ہے وہ بالکل جھوٹ ہے اور اصلی گرنتھ صاحب وہ ہے جو پرتھیا لکھ رہا ہے۔ پرتھیا کو اپنے عزائم میں ناکام رہا مگر حسد کی آگ اس کے دل میں برابر سلگتی رہی۔

گورو ارجم دیو نے جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے تالاب اور ہری مندر کی عمارت مکمل ہوتے ہی گوندوال سے امرتسر میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی مگر پرتھیا اور اس کی بیوی کرموں نے اس کا وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور آئے دن اس کے لئے کوئی نہ کوئی مصیبت کھڑی کئے رکھتے۔ چنانچہ ارجن دیو نے ان کی شرارتوں سے تنگ آ کر امرتسر سے ماجہا (Majah) (دریائے راوی اور دریائے بیاس تک کا درمیانی علاقہ) کا دورہ شروع کیا۔ یہ دورہ بڑا کامیاب رہا۔ مقامی جاٹوں' چوہڑوں اور چماروں کی بھاری تعداد کے علاوہ دیگر کئی جرائم پیشہ قبائل کے لوگ اس کے پیروکاروں میں شامل ہو گئے جن سے پرتھیا اور اس کی بیوی کے اثر رسوخ کو کم کرنے میں خاصی مدد ملی۔

پرتھیا گورو رام داس کے وقت میں گدی کے نام پر موصول ہونے والے چڑھاوے اور نذرانوں کے حساب کتاب کا نگران اعلیٰ ہونے کے علاوہ گورو کی لاہور

والی جائیداد غیر منقولہ کی دیکھ بھال کا بھی ذمہ دار تھا چنانچہ اس نے جعل سازی سے لاہور کے افسر مال صلاحی خاں سے ساز باز کر کے گورو کی تمام جائیداد اپنے نام منتقل کرا لی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس کا شمار صوبہ لاہور کے چوٹی کے رؤسا میں ہونے لگا۔ امرتسر میں اس نے اپنی بیوی کے نام پر ایک عالیشان محل بنوایا جا کا نام کرمیوں ڈیوڑھی رکھا گیا جس میں وہ نہایت کروفر سے رہنے لگا اور گورو کا بڑا بیٹا ہونے کی وجہ سے وہ عوام میں احترام کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔

گورو ارجن دیون نے ماںجا کے سرسبز و شاداب علاقہ کے عین وسط میں ترن تارن نام کا ایک قصبہ کی بنیادی رکھی اور اس میں ایک تالاب بنوایا جس میں بقول سکھ تاریخ نویساں اشنان کرنے سے کوڑھی بھلے چنگے ہو جاتے تھے۔ یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ تقسیم ہند تک اس شہر کی آبادی کا کثیر حصہ کوڑھیوں پر مشتمل تھا جو محض اسی اعتقاد کی بنا پر وہاں رہائش رکھے ہوئے تھے حالانکہ اس کے مرض میں کوئی افاقہ نہیں ہوتا تھا اور یہ موذی مرض ان کی جان لے کر ہی ان کا پیچھا چھوڑتا تھا۔

دورہ ماںجا سے واپسی پر بدلتے ہوئے حالات کے تحت گورو کو تھوڑے دنوں تک قدرے چین نصیب ہوا اور اس نے گرنتھ صاحب کو ترتیب دینے کا کام پھر سنبھال لیا۔ اس نے اپنے سے پہلے چار گوروں اور ان سے پہلے گزرنے والے بھگتوں کے شبد اور اشلوکوں کے علاوہ اپنے تیار کردہ 2216 شبد بھی اس کتاب میں درج کر دیئے اور اس طرح "گرنتھ صاحب" کا پہلا ایڈیشن مکمل کر کے اسے ہری مندر کی زینت بنا دیا اس کتاب میں گورو گوبند سنگھ (آخری سکھ گورو) کے زمانہ تک برابر اضافہ ہوتا رہا ہے اور آخر میں اس کے تین ایڈیشن مکمل ہوئے۔ یہ کتاب سکھوں کے اعتقاد کے مطابق گورو کا درجہ رکھتی ہے اور اسی عقیدہ کی روشنی میں گورو نانک کے ہر چیلہ گورو گوبند سنگھ کی وفات کے بعد اس میں درج شدہ اسباق و ہدایات پر عمل کرنے کا پابند ہے۔ مشہور انگریز مورخ مسٹر آرچر اپنی تصنیف "دی سکھ" کے صفحہ نمبر 150 پر لکھتا ہے کہ

یہ کتاب سکھوں کی نظروں میں وہی عظمت و وقعت رکھتی ہے جو عیسائیوں کی نظروں میں بائبل اور مسلمانوں کی نظروں میں قرآن کریم کو حاصل ہے۔ سکھوں کی اس متبرک کتاب کا ضمنی طور پر پیچھے ذکر آ چکا ہے لہذا یہاں اصل موضوع سے ہٹ کر اس کا مزید تعارف غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

"مساند سسٹم" کے تحت گورو کا ہر سکھ اپنی آمدنی کا 1/10 حصہ گورو فنڈ میں جمع کرانے لگا۔ دولت کی ریل پیل ہو گئی۔ سواری کے لئے عراق اور ترکستان سے عمدہ نسل کے گھوڑے منگوائے جانے لگے۔ رذیل نشہ کے عادی اور سخت دل لوگوں کی شمولیت سے گورو کی نیم فوجی خالصہ تحریک اب صحیح معنوں میں ارجن دیو "سچے بادشاہ" کی فوج تھی جو "جھوٹے بادشاہوں" (مسلمانوں) سے کسی وقت بھی ٹکر لے سکتی تھی۔ چنانچہ یہ "سچا بادشاہ" ملکی سیاست کے اتار چڑھاؤ کے بغور جائزہ لینے لگا اور کسی مناسب وقت پر پنجاب کے کسی علاقہ پر چھاپا مار کر اپنی قلمرو کی بنیاد کھڑی کرنے کی فکر میں لگ گیا۔ موجود صدی کا مشہور ہندو ماہر تعلیم اور مصنف ڈاکٹر سر گوکل چند نارنگ اور انگریز مورخ آرچر دونوں گورو کی خفیہ پالیسی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سکھوں کو بیرون ہند بھیجنے کے مندرجہ ذیل اہم مقاصد تھے۔

1- خالصوں کے لئے عمدہ نسل کے گھوڑے خریدنا۔

2- گھوڑوں کی خرید کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی جنگی تربیت گاہوں کا مطالعہ کرنا تاکہ انہیں خطوط پر سکھوں کو جدید فوجی ٹریننگ دینے کا انتظام کیا جا سکے۔

3- سکھوں کا گھوڑوں کی خرید و فروخت میں فنی مہارت حاصل کرنا اور آئندہ مسلمان سوداگران اسپاں سے گھوڑوں کی خرید بند کر کے اس تجارت کو ہند میں "خالصوں" کے ہاتھوں منتقل کرنا۔

4- ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر بسنے والے مسلمان جنگجو قبائل کی بستیوں میں سے گزرنا تاکہ "خالصوں" کے دل سے مسلمانوں کا خوف اور دہشت دور ہو اور ان میں

حملہ کرنے اور حملہ سے بچاؤ کے لئے جنگی صلاحیت پیدا ہو۔
5- بھگتی تحریک (سکھ پنتھ) کا تبلیغی پراپیگنڈا۔

یہ حکمت عملی رنگ لائی اور اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہونا شروع ہو گئے۔ بہترین نسل کے تازہ گھوڑے جمع ہو گئے۔ لوٹ مار کے رسیا' نظم و ضبط اور ضابطہ اخلاق سے عاری ان جرائم پیشہ "خالصہ" لوگوں کو گورو کے سٹاک سے اسپان تازی مہیا کئے جانے لگے اور سنگتوں (گورو دواروں) میں گھوڑ سواری اور فنون جنگ میں ٹریننگ کے مراکز کھول دیئے گئے۔

اس وقت مغل بادشاہ اکبر ابھی زندہ تھا۔ یہ مغل کلفذی مسلمان صرف اپنے سلطنت کا استحکام چاہتا تھا اور اس کے لئے وہ صرف یکطرفہ کفر نواز پالیسی کو ہی کلید کامیابی سمجھتا تھا۔ گورو ارجن دیو کے گرنتھ صاحب میں مسلم آزار اشلوک اور شبد درج کرنے پر جب مسلمانوں نے احتجاجاً" اکبر کے پاس شکایت کی تو اس نے چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے اس شکایت پر کوئی دھیان نہ دیا بلکہ الٹا گورو کے مشن کی تعریف کرتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی کی اور گوندوال میں بنفس نفیس حاضر ہو کر گورو کو خلعت فاخرہ سے نوازا اور ماجھا (Majah) کے علاقہ کا ایک سال کا مالیہ معاف کر دیا اور اس طرح اس کے التفات سے "سچے بادشاہ" کا پنجاب میں خاصا رعب قائم ہو گیا اور جب تک اکبر زندہ رہا کسی مسلمان کو گورو کی زیادتیوں کے خلاف آواز اٹھانے کی جرات پیدا نہ ہوئی۔

اکبر بادشاہ کا اکتوبر 1605ء کی 25 26 تاریخ کی درمیانی شب کو 62 سال اور گیارہ ماہ کی عمر میں انتقال ہوا۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا شہزادہ سلیم (جہانگیر) تخت ہند پر بیٹھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے سب سے پہلے "دین الٰہی" کے مکروہ پراپیگنڈہ کو سختی کچل کر رکھ دیا۔ گو اکبر نے اس کی شادی ایک ہندو راجپوت راجہ مان سنگھ کی ہمشیرہ

سے رک رکھی تھی اور اس کے بطن سے جہانگیر کا ایک بیٹا (خسرو Khusro) نامی تھا مگر بحیثیت ایک مسلمان کے جہانگیر نے شاہی محلات اور خاص کر اپنے خاندان کو ہندوانہ اثرات سے پاک کر کے جلد ہی اسلامی ماحول قائم کر دیا یاد رہے کہ یہ وہی جہانگیر ہے جس کے اسلامی انصاف کی جھلکیاں تاریخ ہند میں جابجا ملتی ہیں۔

راجہ مان سنگھ اکبر کا چہیتا تھا اور امور سلطنت میں اس کا مشورہ بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اس نے اکبر کو اس بات پر قائل کر لیا تھا کہ مغلیہ سلطنت کی بقا اور وسیع تر مفاد کے پیش نظر جہانگیر جیسے اسلام پسند فرماں روا کی بجائے خسرو جیسے آزاد خیال شہزدہ کو تخت ہند کا وارث بنایا جائے۔ گو اکبر نے مان سنگھ کی اس بات سے ذاتی طور پر اتفاق کر لیا تھا مگر قانونی طور پر جہانگیر کی موجودگی میں خسرو کو وراثت منتقل کرنے کا مجاز نہ تھا لہٰذا مجبوراً اسے جہانگیر کو ہی وارث تسلیم کرتے ہوئے تخت اس کے حوالے کرنا پڑا۔ راجہ مان سنگھ، اس کی ہمشیرہ، خسرو اور ان کے چند دیگر بہی خواہوں نے جہانگیر کے خلاف الگ محاذ قائم کر لیا اور محلاتی سازشوں کے علاوہ سیاسی جوڑ توڑ میں لگ گئے۔ جہانگیر نے پتہ لگنے پر خسرو کو اس سازش کے خطرناک نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے بطور باپ کے بہت کچھ سمجھایا مگر وہ اپنے ماموں اور والدہ کی پڑھائی ہوئی پٹی کے خلاف باپ کی کوئی بات سننے کو تیار نہ ہوا لہٰذا جہانگیر نے اسے آگرہ کے قلعہ میں نظر بند کر دیا جہاں سے ایک دن موقعہ پا کر وہ اپنے دادا اکبر کے مقبرہ واقعہ سکندرہ پر فاتحہ پڑھنے کے بہانے سے اپنے محافظوں کی ملی بھگت سے آگرہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ مان سنگھ کی سکیم کے مطابق خسرو سیدھا لاہور پہنچا اور وہاں کے وزیر مال میاں عبدالرحیم راہیں کو وزیراعظم مقرر کر کے گورو ارجن دیو کے بارہ ہزار پیادہ اور گھوڑ سوار چیلوں کی مدد سے لاہور کا حکمران بن کر باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ جہانگیر کو جونہی مان سنگھ اور گورو ارجن دیو "سچے بادشاہ" کی اس مشترکہ سازش کا علم ہوا اس نے مان سنگھ کو بنگال کی گورنری سے معزول کر دیا اور پنجاب میں اس کی

جاگیروں کو ضبط کر لیا اور خسرو کے تعاقب میں فوج کا ایک بھاری دستہ زیر کمان شیخ فرید لاہور کی طرف روانہ کر دیا جہاں جہانگیر کا گورنر لاہور اپنی محدود سپاہ کے ساتھ شاہی کمک کے آنے تک خسرو کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہا تھا۔ شاہی فوج بجلی کی طرح لاہور کے قریب موضع بھیروال تک بغیر کسی مزاحمت کے پہنچ گئی۔ اسی مقام پر گورو ارجن کے چیلوں (خسرو کے حمایتی) کی شیخ فرید کے ہراول دستہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ "سچے بادشاہ" کے چیلوں کی ادھوری ٹریننگ اور میدان میں آمنے سامنے آکر لڑنے کے حوصلہ کے فقدان سے "خالصاؤں" کو مسلمان فوج سے میدان جنگ میں مقابلہ کا یہ پہلا تجربہ بڑا منگا پڑا۔ شاید ہی گورو کا کوئی "شیر" بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہو سکا ہو گا۔ خسرو کا وفادار ذاتی ملازم حسین بیگ جو سکھوں کی کمان کر رہا تھا گرفتار ہوا اور عبرتناک انجام کو پہنا میاں عبدالرحیم بھیس بدل کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ خسرو کی بحالت فرار دریائے جہلم کے کنارے سے گرفتار کر کے لاہور لایا گیا جہاں اسے پابہ زنجیر شہر کی گلیوں میں پھرایا گیا۔ اس کے فوراً بعد جہانگیر نے ماہجا (Majah) کے علاقہ میں باغی اور خسرو کی ناجائز مدد میں ملوث پائے جانے والے سکھوں کی سرکوبی کے لئے ایک فوجی دستہ روانہ کر دیا اور اسی مہم کے دوران جہانگیر کو رسوائے زمانہ اسلام دشمن بھگتی تحریک کی طاقت اور اس کے خفیہ عزائم کا پتہ چلا۔

جہانگیر کی لاہور میں آمد پر پنجاب کے مسلمانوں کو گورو ارجن دیو کے خلاف اپنی پرانی شکایات پیش کرنے کا موقعہ مل گیا چنانچہ جہانگیر نے ان معاملات کی چھان بین کرنے کے لئے گورو ارجن کو لاہور طلب کیا۔

گورو نے مسلمانوں کی شکایات کے جواب میں یہ موقف اختیار کیا کہ "گرنتھ صاحب" سکھوں کی ایک متبرک کتاب ہے۔ اس میں مسلمانوں کے خلاف جو کچھ مواد درج کیا گیا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے اور صداقت کو چھپایا نہیں جا سکتا۔

خسرو کی ناجائز مدد کے بارے میں اس نے بیان کیا کہ وہ خسرو کو اس وقت سے

جانتا ہے جب وہ اپنے دادا اکبر کے ساتھ اس کے پاس گوندوال آیا تھا۔ اس پر یہ مصیبت کا وقت تھا لہٰذا اس مصیبت میں اس کی مالی اور افرادی امداد کی گئی تھی۔

گورو کے یہ دونوں جواب جہانگیر کو مطمئن نہ کر سکے اور اسے قصور وار ٹھہراتے ہوئے 2 لاکھ روپیہ جرمانہ کی سزا دی۔ گورو نے جرمانہ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ جسکی پاداش میں اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اب گورو کے بڑے بھائی پرتھیا اور اس کے لاہور کے دوست دیوان چندو لال کو بھی گورو سے بدلہ لینے کا موقعہ مل گیا۔ چنانچہ دیوان چند و لعل نے اپنی گرہ سے جرمانہ کی رقم ادا کر کے گورو کو رہائی دلوائی اور اپنے پاس لے آیا۔ دیوان چند و لعل اور گورو کی آپس میں مخاصمت کی وجہ یہ تھی کہ گورو نے پنے لڑکے ہرگوبند کی منگنی دیوان کی بیٹی سے کر رکھی تھی مگر بعد میں گورو نے اس کی بیٹی کو اپنی بہو بنانے سے انکار کر دیا جسے دیوان چندو لعل نے اپنی بے عزتی خیال کیا۔ چنانچہ اس نے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے گورو کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ آخر ایک دن گورو اردن دیو "سچے بادشاہ" نے دیوان کے مظالم سے تنگ آ کر دریائے راوی میں چھلانگ لگا کر خود کشی کر لی۔

باپ کا پیغام بیٹے کے نام

خود کشی سے قبل گورو ارجن دیو "سچے بادشاہ" نے اپنے بیٹے ہرگوبند کے لئے مندرجہ ذیل پیغام چھوڑا۔

"اے لخت جگر تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اپنی جان کا بلیدان (قربانی) دے کر سکھ پنتھ کے نرم و نازک پودے کی جڑیں مضبوط کر دی ہیں۔ جھوٹے بادشاہوں (مسلمانوں) کے پنجہ استبداد سے اس کیحفاظت اب تمہارا ذمہ ہے۔ میں تاکید کرتا ہوں کہ گورو گدی پر قدیم رسومات کے ساتھ بیٹھو۔ آج سے تم "سچے بادشاہ" ہو۔ لباس اخرہ پہننا اور آہ و زاری نہ کرنا۔ اپنے سکھوں سے محبت اور مہربانی سے پیش آنا اور ہر لمحہ اپنے آپ کو

ایک کی بجائے دو تلواروں سے مسلح رکھنا۔ ایک تلوار سکھ پنتھ کی حفاظت کے لئے اور دوسری تلوار "جھوٹے پادشاہوں" (مسلمانوں) کی گردنیں اڑانے کے لئے استعمال ہو گی۔ اپنی بہترین صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے سادھو سنت سکھوں کو ایک دہشتناک فوجی طاقت میں بدل دو۔ نانک کی روح تمہارے ساتھ ہے" گورو ارجن دیو کے اس پیغام نے دبی ہوئی چنگاری کو ہوا دے کر پھر سے شعلوں میں بدل دیا۔ ماجھا اور مالوہ کے علاقوں سے رذیل قبائل کے بدنام ڈاکو رہزن، ٹھگ اور قاتل بلا معاوضہ صرف دو وقت کے کھانے کے عوض جوق در جوق سکھ دل میں بھرتی ہونا شروع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بھگتی تحریک ایک خونخوار ٹولے میں تبدیل ہو گئی۔ گورو ہرگوبند نے سب سے پہلے انہیں ڈاکوؤں، رہزنوں اور ٹھگوں میں سے 52 افراد (باون) پر مشتمل اپنے لئے ایک خاص حفاظتی دستہ کھڑا کیا۔ بعد ازں پانچسو (500) گھڑسواروں پر مشتمل ایک رجمنٹ گوریلا کاروائیوں کے لئے تیار کی جس کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصے کی علیحدہ علیحدہ کمان رسوائے زمانہ ڈاکوؤں بری چند سانسی، جیٹھ جٹ، پیارا چمار، لنگاہ ٹھگ اور پیرانہ ٹھگ کے سپرد کر دی گئی۔ اس کے علاوہ 2500 کی مجموعی تعداد پر مشتمل پیدل اور گھوڑسوار دستے تیار کئے گئے جوریز رو فورس کی صورت میں ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لئے ہروقت تیار رہتے تھے۔

گورو نمبر6 ہرگوبند

ہرگوبند ولدار جن دیو امرتسر سے سات میل دور ایک گاؤں وڈالی (Wadali) میں 1595ء میں پیدا ہوا اپنے باپ کی خودکشی کے وقت وہ بارہ برس کا تھا۔ ویسے تو یہ عمر بچپن میں ہی شمار ہوتی ہے مگر اس کے چیلوں کا کہنا ہے کہ وہ اپنی عمر کے عام بچوں سے کہیں زیادہ ذہین اور پختہ عقل معلوم ہوتا تھا۔ باپ کی وصیت کو وہ اچھی طرح سے سمجھ گیا تھا اور بھگتی تحریک و انہیں خطوط پر استوار کرنے کے لئے اس کے ذہن میں ایک مکمل خاکہ موجود تھا۔ گدی پر بٹھاتے وقت بھائی بڈھا نے گورو کی وصیت کے

مطابق اس کو اعلیٰ قسم کے لباس میں ملبوس کیا اور اس کے سر پر سیلی (Saili) سے مرصع تاج نما پگڑی رکھی (سیلی بہترین قسم کی اون اور سنہری باریک تاروں سے تیار شدہ ایک قسم کا خوبصورت سا پٹکا ہوتا ہے جس عام طور پر گوروؤں کو گدی پر بٹھاتے وقت پگڑی کے گرد لپیٹا جاتا تھا) گورو ہرگوبند نے سیلی کو پگڑی سے علیحدہ کر کے اسے گورو فنڈ میں جمع کرنے کا حکم دیا اور اعلان کیا کہ آج سے میری تلوار کی پٹی ہی میری سیلی ہو گی اور میری پگڑی پر کلغی لگائی جائے۔ اس کے بعد اس نے اپنے دونوں بازوؤں پر تلواریں لٹکائیں اور رئیسانہ ٹھاٹھ سے گدی پر بیٹھ گیا۔ ان تلواروں میں سے ایک تلوار میری (Miri) یعنی اس کی روحانی طاقت کا مظہر تھی اور دوسری پری (Piri) یعنی سیاسی اور فوجی طاقت کو ظاہر کرتی تھی۔ ان رسومات کی ادائیگی کے بعد اس نے مسانَد کی بیٹھک بنوا کر ہدایت کہ وہ آئندہ دولتمند چیلوں سے نقد روپیہ کی بجائے گھوڑے اور ہتھیار بطور نذرانہ وصول کیا کریں۔ ماجھا اور مالوہ کے علاقوں میں وسیع پیانہ پر سکھوں کی فوجی بھرتی کا کام شروع کر دیا گیا اور جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے تھوڑے ہی عرصہ میں گورو کی اسٹینڈنگ آرمی کی تعداد تین ہزار آل ر-لنکس تک پہنچ گئی "سچے پادشاہ" کی شہرت دور دور تک پھیلنے لگی۔ محسن فانی اپنی تصنیف دبستان (Dabistan) کی جلد دوئم کے صفحہ نمبر 277 پر یوں رقمطراز ہے کہ "جب گورو سے دریافت کیا گیا کہ اتنی فوج کے لئے سامان حرب و ضرب' راشن پانی اور تنخواہوں کے لئے روپیہ کہاں سے آئے گا تو اس نے جواب میں کہا کہ گرنتھ صاحب میں میرے باپ کے ان شبدوں کو ذہن میں رکھا جائے شبد ملاحظہ فرمائیں۔

وائے گورو پتھر کی تہہ میں پیدا ہونے والے کیڑے کو خوراک مہیا کرتا ہے۔ وائے گورو نے اپنی مخلوق کو روزانہ خوراک پہنچانے کا بطریق احسن بندوبست کر رکھا ہے۔

اے نادان تو اس بارے میں دلگیر و فکر مند مت ہو"۔

گورو کا یہ فرمان حرف بحرف درست ثابت ہوا۔ تمام مسائل باآسانی حل ہوئے

لگے "سچے پادشاہ" کے گوریلا دستے حسب ضرورت راعیوں اور دیگر نو مسلم ہندی قبائل کے دیہاتوں پر شبخون مارتے اور غلہ' چارہ اور دیگر مطلوبہ اشیاء اکٹھی کر کے اپنے گوداموں میں ذخیرہ کر لیتے۔ چنانچہ انھیں وقتوں سے پنجاب میں جب تک "سکھا شاہی" کا وحشیانہ دور دورہ رہا ہے "خالصہ دل" اپنی ضروریات اسی طریقہ سے پوری کرتا رہا اور یہ طریقہ بالکل جائز سمجھا جاتا تھا۔ محسن فانی آگے چل کر مزید لکھتا ہے کہ گورو کے انٹیلی جنس شاہی فوج میں گھس کر سپاہیوں کو مغل حکومت کے خلاف اکساتے بہتر تنخواہوں اور بہتر مراعات کا جھانسہ دیا جاتا جس سے بہت سے کرایہ کے سپاہی (Mereenaries) سرحدی پٹھان شاہی فوج سے بھاگ کر گورو کی فوج میں شامل ہونا شروع ہو گئے۔ حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لالچ کا شکر ایک سرحدی پٹھان سردار پینڈا خاں (Painda Khan) بمعہ اپنے پورے پٹھان دستہ کے شاہی فوج سے بھاگ کر گورو کے ساتھ آن ملا۔ گورو نے اسے آشیرباد دیتے ہوئے کمپنی کمانڈر کے عہدہ پر فائز کر دیا اور اس کی والدہ کو بطور دایا (Nurse) اپنے ہاں ملازم رکھ لیا۔ (یاد رہے پٹھان کرایہ کے سپاہی نیپالی گورکھوں کی طرح روزی کی تلاش میں ہندوستان کے طول و عرض میں گھومتے رہتے اور جس کسی حکمران کے ہاں ملازمت ملتی اسے بلا لحاظ مذہب و ملت قبول کر لیتے اور بعد ازاں اگر کسی دوسری جگہ بہتر معاوضہ ملتا تو وہاں چلے جاتے اور اس طرح آئے دن وہ اپنی وفاداریاں بدلتے رہتے اور وہ اس میں کوئی شرم یا بے عزتی محسوس نہ کرتے چنانچہ اسی قباحت کے پیش نظر پٹھانوں کو عام طور پر شاہی فوج میں نہیں لیا جاتا تھا)۔

گورو اب بیک وقت روحانی پیشوا "سچا پادشاہ" اور فوجی کمانڈر تھے۔ اس نے فوجی ٹریننگ کو ابتدائی تعلیم پر ترجیح دیتے ہوئے سکھوں کو زیادہ جفاکش' سخت جان' نڈر اور بے رحم بنانے کے لئے ایک جامعہ پروگرام تیار کیا جس کے مطابق وہ انہیں روزانہ لانگ روٹ مارچ اور جانوروں کے شکار کے لئے امرتسر کے نواحی علاقہ جلو میں پھیلے

ہوئے جنگل میں لے جاتا۔ صبح کی پرارتھنا سے فارغ ہو کر انہیں فنون جنگ پر لیکچر دیتا اور اپنے اسلام کے "بہادرانہ کارنامے" اور ہندو دھرم کے لئے ان کی قربانیوں کے قصے سنا کر ان کے دل گرماتا۔ پچھلے پہر جنگل سے واپسی پر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد ہری مندر میں بھانڈ (Bard) اور گویوں (Singers) سے رزمیہ اشعار اور بولیاں سنتا اور اکھاڑے میں پہلوانوں کی کشتیوں سے لطف اندوز ہوتا۔ رات کے وقت چیلوں کو جلتی شمعیں (Lighting Candle) دے کر وجدانہ انداز میں شبد گاتے ہوئے اپنی قیادت میں ہری مندر کے گرد چکر لگواتا اور آخر میں ان سے بھارت ماتا اور ہندو دھرم کی حفاظت کا عہد لیتا۔

امرتسر میں اس نے اپنی رہائش کے لئے عالیشان حویلی' فوارے' حمام اور باغات تعمیر کرائے۔ ہر وقت شاہانہ ٹھاٹھ اور سواری کے لئے بہترین گھوڑے اصطبل میں موجود' خونخوار اور بھیڑیا صفت چاک و چوبند باڈی گارڈز کا دستہ ڈیوڑھی پر چوبیس گھنٹے حاضر' نہایت عمدہ نسل کے شکاری کتے اور باز۔ یہ سب کچھ اس بات کی غمازی کرتے تھے کہ بھگتی تحریک کا یہ علمبردار جلد یا بدیر سلطنت مغلیہ کے اندر اپنی ایک خودمختار سلطنت (State within a State) قائم کرنے والا ہے۔

چیلوں کی تعداد میں دن بدن اضافے سے انتظامی مسائل میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ چنانچہ گوردوارہ کے احاطہ کے اندر مکانات کی کمی کے باعث انتظامی عملہ کی رہائش اور دفاتر کے لئے ہری مندر کے بالمقابل کھلی جگہ میں ایک کشادہ عمارت اور بارہ فٹ بلند پلیٹ فارم بنوایا گیا جس کا نام اکال تخت (اکال بنگاہ /Throne House of Gos) رکھا گیا۔ جس میں ہری مندر کی عمارت کے بجائے "شاہی دربار" لگنے لگا جہاں سول نوعیت کے معاملات طے کرنے کے علاوہ سکھوں کے مقدمات کے فیصلے اور مسائد کے حسابات کی جانچ پڑتال جیسے روزمرہ کے کام بھی سرانجام دیئے جانے لگے۔ اس تبدیلی اور طریقہ کار سے سکھوں کا حکومت وقت سے رہا سہا تعلق بھی منقطع ہو گیا۔

امرتسر میں گورو کی مستقل رہائش سے اس شہر کی آبادی میں بھی دن بدن اضافہ ہونے لگا۔ بازار' منڈیاں اور نئی نئی آبادیاں نمودار ہونے لگیں۔ شہر کے اندر ایک مخصوص کونے میں ایک اسلحہ خانہ اور قلعہ تعمیر کرایا گیا جس کا نام لوح گڑھ (Gaarn Loh) رکھا گیا اور اس علاقہ کو عوام کے لئے "ممنوعہ علاقہ" قرار دے دیا گیا۔ شہر کے اردگرد ایک فصیل بنوائی گئی جس میں متعدد دروازے رکھوائے گئے۔

گورو ہرگوبند کے اسلام دشمن عزائم اور اس کی حکومت کے خلاف خفیہ جنگی تیاریوں پر اپنے اپنے انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے مورخین ڈاکٹر ٹرمپ (Trump) مسٹر کننگھم جنرل گارڈنا ور ڈاکٹر آرنلڈ ٹائن بی لکھتے ہیں کہ گورو ہرگوبند سکھوں کا روحانی پیشوا کم اور سیاسی اور فوجی لیڈر زیادہ بن گیا تھا۔ وہ بھگتی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر ممکن طریقہ سے مسلمانوں کی بیخ کنی کر کے پنجاب میں "خالصہ راج" کے قیام کا تہیہ کر چکا تھا۔ چنانچہ اس نے جلد ہی یہ اندازہ لگا لیا کہ سکھ تحریک کو مزید محرک اور موثر بنانے کے لئے پورے سکھ سماج کو مسلح کرنے کا وقت اب ان پہنچا ہے۔ چنانچہ اس نے بدنام ڈاکوؤں' ظالم چوہڑوں' بے رحم چماروں' مفلس و قلاش اور جاہل جاٹوں کو لوٹ مار کا لالچ دے کر صرف دو وقت کے کھانے پر بھرتی کر کے تھوڑے ہی عرصہ میں تین ہزار سے زائد گھڑ سوار اور پیدل فوج پر مشتمل ایک زبردست گوریلہ طاقت (گوریلہ خالصہ دل) تیار کر لی (یاد رہے کہ خالصہ دل میں شامل لوگوں کو باقاعدہ تنخواہیں یا ترقیاں دینے کا کوئی رواج و دستور نہ تھا اور سکھوں کی طاقت کے خاتمے تک تمام اخراجات لوٹ مار کے ذریعے پورے کئے جاتے تھے) تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں ایڈوانس ہسٹری آف دی پنجاب جلد اول صفحہ 524 525 مصنف ڈاکٹر جی ایس چھبرا۔ مورخین کا اس نقطہ نظر سے مکمل اتفاق ہے کہ گورو گوبند کو اپنے باپ کی وصیت پر عمل کرنے کے سوا اور کسی کام میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ گو وہ اپنے چیلوں کو مذہبی تعلیم دینے کا پابند تھا مگر اس نے اپنی ہستی کو بادشاہت اور گوریلا لیڈر کے حسین تصور

میں اس قدر سمو دیا تھا کہ اس کو اپنے سکھوں کے لئے کوئی شبد لکھنے کا وقت بھی نہ مل سکا۔ بس ایک ہی دھن تھی کہ وہ جلد از جلد "بادشاہ" بن کر مسلمانوں سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔

اس وقت دہلی دربار ایک اکھاڑے کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ وراثت کے جھگڑے آئے دن کی محلاتی سازشیں، راجپوتانہ، گجرات، اور بنگال میں باغی گورنروں کی خرمستیاں اور پنجاب میں تیزی سے سکھوں کی جنگی تیاریاں ایسے حالات تھے جن پر مغلیہ دربار کڑی نظر رکھنے کے قابل نہ تھا اور اب محض مصلحتوں سے کام لیتے ہوئے وقت کو دھکا دیا جا رہا تھا۔ ہرگوبند کے لئے یہ سنہری موقعہ تھا چنانچہ اب وہ کھل کر اپنی پالیسوں کو عملی جامہ پہنانے لگا۔

گورو ارجن دیو کا آفس سیکرٹری بھائی گورداس (جو گرنتھ صاحب کا کاتب تھا) وار (War) نمبر 26 میں لکھتا ہے کہ "پہلے والے گورو گدی پر بیٹھ کر سکھوں کی بہتری کے لئے کام کرتے تھے اور ان کی ڈھارس بندھاتے تھے مگر یہ گورو ان سے لاپرواہ ہو کر بھجن شبد اور پھوڑیاں لکھنے کی بجائے لوٹ مار کے لئے سکھوں کو تیار کرنا او شکار کھیلنے میں وقت گزارنا ہی اپنا فرض سمجھتا ہے۔ پہلے گوروؤں کے پاس مغل حکمران ملاقات کے لئے چل کر آتے تھے مگر یہ گورو اپنی غلط روی کی پاداش میں گوالیار کے قلعہ میں قید و بند کی صعوبتیں بھگت رہا ہے"۔

فوجی تیاریوں کے بعد گورو طاقت آزمائی اور تجربہ کے طور پر لاہور گورنمنٹ سے موقع پانے پر گاہے بگاہے الجھنے لگا۔ کبھی تو وہ سرکاری اہلکاران جو اس کی مرضی کے مطابق کام نہیں کرتے تھے کے فرائض منصبی میں مداخلت بے جا کرتے ہوئے انہیں امرتسر کے علاقہ میں نکل جانے کا حکم دیتا۔ کبھی سرکاری افسران کو جلو کے جنگل میں شکار کھیلنے سے منع کرنے لگتا اور انہیں ہراساں کرنے کے لئے مسلح گھڑ سوار سکھ بھیج

دیتا جو ان پر اچانک حملہ کر دیتے اور ان کا کیا ہوا شکار اور گھوڑے چھین کر فرار ہو جاتے مگر مغلیہ حکومت کی کمزوری ملاحظہ ہو کہ وہ ان کی ان دیدہ دلیریوں کو معمولی واقعات سے تعبیر کرتے ہوئے گورو سے کوئی باز پرس کرنا مناسب خیال نہ کرتی۔ جس کا نتیجہ بعد میں یہ نکلا کہ سکھ لٹیرے بھیس بدل کر دن دہاڑے شہر لاہور میں داخل ہو جاتے اور لوٹ مار مچا کر رفو چکر ہو جاتے۔ شاہی پولیس اور فوج ان کا منہ دیکھتی رہ جاتی۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک دفعہ لاہور کے چیف قاضی کا عمدہ نسل کا گھوڑا اور اس کی خوبصورت لونڈی مسماۃ "قولاں" جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک ہندو جاٹ کی لڑکی تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا کو دن دہاڑے اٹھا کر لے گئے اور دونوں کو بطور تحفہ گورو کے چرنوں میں پیش کر دیا۔ گورو نے خوش ہو کر دونوں کو قبول کرتے ہوئے اپنے گھر میں ڈال لیا۔ ان گوناگوں شرارتوں کے علاوہ ہرگوبند نے سرکاری رقومات جو اس کو سرکاری خزانہ سے شاہی قیدیوں کی خوراک رہائش اور حفاظت کے لئے دی گئی تھیں خرد برد کر لیں اور حساب دینے میں لیت و لعل سے کام کرنے لگا چنانچہ ان جملہ زیادتیوں اور بے قاعدگیوں کی اطلاع لاہور گورنمنٹ نے شہنشاہ جہانگیر کو کر دی جس نے بعد تحقیق گورو کو قصوروار گردانتے ہوئے اسے بارہ سال تک گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کئے رکھا۔ آخر ایک وقت وہ بھی ایا کہ شہنشاہ نے از راہ ترحم اسے رہا کرتے ہوئے اپنی ملازمت میں بھی لے لیا۔ چنانچہ ایک دفعہ شہنشاہ نے اپنے دورہ پنجاب کے دوران قلعہ لاہور میں اسے ملاقات کے لئے طلب کیا چنانچہ وہ ملاقات کے لئے ایک ہیروں جڑا ہار بطور تحفہ لے کر شہنشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور باتوں باتوں میں اس سے اپنے باپ کی دیوان چندو لعل کے ہاتھوں دردناک موت کے متعلق انصاف کی درخواست کی۔ شہنشاہ نے اس کی درخواست پر غور کرتے ہوئے دیوان کو اس کے حوالے کر دیا اور اسے اپنی حسب منشاء سزا دینے کی اجازت دے دی گئی۔ گورو ہرگوبند نے اپنے باپ کی موت کا بدلہ لینے کے

لئے دیوان چندو لعل کو سخت اذیتیں دے دے کر مارا اور اس کی برہنہ لاش کو رسی سے باندھ کر پورے شہر امرتسر میں پھرایا گیا اور اس طرح "امن و آشتی" کی پیغامبر بھگتی تحریک کے سکھ دھرما نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔ مرنے سے پیشتر اس نے روہیل کھنڈ کے علاقہ میں راعیوں کی قدیم بستی پیلی بھیت جہاں گورو نانک شروع شروع میں سکھی پرچار کے سلسلہ میں جا چکا تھا کا خاص چکر لگایا اور نانک ماتا (Nanak Mata) میں قیام کر کے کئی غریب اور بھولے بھالے راعیوں کو پرشاد چھکا کر اپنے ساتھ امرتسر لے گیا جہاں بیگاریں لینے کے لئے انہیں ہری مندر میں متعین کر دیا گیا ان مظلوموں اور ان کی اولادوں کا کیا حشر ہوا اس کا آج تک کوئی پتہ نہیں چل سکا۔

گورو نمبر7 ہر رائے

ہرگوبند کا پوتا اور گورو دتہ کا بیٹا گورو ہر رائے 1631 میں پیدا ہوا۔ اس کے زمانہ میں بھوکے اور نادار سکھ بذریعہ لوٹ مار کافی دولت مند بن چکے تھے اور اب وہ اپنا زیادہ تر وقت اپنے شجرہ ہائے نسب اور کنبوں کو ہندو سوسائٹی کے اعلیٰ اور معزز لوگوں سے ملانے کی فکر میں صرف کرنے لگے۔ کاغذات میں غلط سلط اور من گھڑت قصے کہانیاں اور مفروضوں پر مبنی اندراجات کروا کر اپنے آپ کو جمعیدار اور چوہدری کہلوانے لگے اور ہر وہ شخص جس کے پاس دس یا اس سے زیادہ گھوڑے اور کم از کم ایک دو مربع اراضی ہوتی وہ اپنی اراضی میں بڑے دروازوں والی حویلی نما عمارت کھڑی کر کے اپنے آپ کو علاقہ کا مختار کل سمجھنے لگتا اور جوں جوں آمدنی میں اضافہ ہونے لگا وہ اپنے گھوڑوں میں بھی اضافہ کرنے لگا۔ چنانچہ اسی تحریک کو آگے چل کر فیوڈل سسٹم کی شکل میں مثلوں (Files) کا نام دیا گیا جن میں سکھ فرقہ 12 مختلف ٹولیوں میں بٹ گیا اور آپس میں سر پھٹول ہونے لگا جس سے ان کی موت کے دن قریب سے قریب تر ہوتے گئے اور آخر کار رسوائے زمانہ بھگتی تحریک کے یہ لوگ اپنے ہاتھوں خود ہی مٹ گئے اور 1865ء کے بعد پنجاب کو سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا۔ اس گورو کے ساتھ اور

اور واقعہ بھی منسوب ہے اور وہ یہ کہ اس کے زمانہ میں مالوہ کے علاقہ میں ایک اچھوت قبیلہ "مرہاج" (Marhaj) آباد تھا جس میں دو بھائی کالا اور کرم چند ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایک دفعہ اپنے ایک ہمسایہ ڈاکو قبیلہ کوڑا (Kaura) کے سربراہ اجیت پیرانہ کے خلاف اس کے لگاتار مظالم کی شکایت گورو سے کی۔ گورو نے ڈاکو اجیت پیرانہ کو قتل کروا کر اس کی وسیع جائیداد پر قبضہ کر لیا اور اس میں سے کچھ اراضی ان دونوں بھائیوں میں تقسیم کر دی جس سے یہ لوگ گورو کے گرویدہ ہو گئے۔ کالا کی موت کے بعد اس کے دو لڑکوں پھول اور سندھیل کو ان کے چچا کرم چند نے پال پوس کر جوان کیا اور ایک دن وہ ان دونوں کو پرشاد چکھانے کے لئے گورو کے پاس لے گیا۔ گورو نے پھول کی شکل و صورت دیکھ کر اس پسند کرتے ہوئے آشیر بادی اور بقول سکھ تاریخ نویسوں کے پیشنگوئی کی کہ پھول کی اولاد بڑی صاحب اقبال ہو گی۔ چنانچہ اسی لڑکے پھول کی نسل سے اس کے بڑے لڑکے تلوگ سنگھ کی اولاد میں سے نابھہ اور جنید کی ریاستوں اور چھوٹے لڑکے رام سنگھ کی اولاد میں سے ریاست پٹیالہ کے حکمران خاندان معرض وجود میں آئے اور ان ریاستوں کا مجموعی نام پھلکیاں مشہور ہو گیا۔

گورو نمبر 8 ہر کرشن

یہ گورو 6 اکتوبر 1661ء میں اکتیس سال کی جوان عمر میں مر گیا اپنی موت سے پیشتر اس نے اپنے بڑے بیٹے رام رائے کی بجائے اپنے چھ سالہ چھوٹے بیٹے ہر کرشن کو گورو گدی پر بٹھا کر اپنے قابل اعتماد چیلے بھگت بھگوان گھیر و گوردوارے کا نگران اعلیٰ مقرر کر دیا اس بچہ کو گدی پر بٹھانے سے اس کا بڑا بھائی رام رائے جل بھن کر کباب ہو گیا اور اورنگ زیب سے انصاف کا خواستگار ہوا۔ شہنشاہ نے اس بچہ کو دہلی منگوانے کا بندوبست کیا مگر وہ اتنی چھوٹی عمر میں دہلی دربار میں جا کر سکھوں کے الجھے ہوئے معاملات کے متعلق کیا وضاحت کر سکتا تھا۔ مگر شہنشاہ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور قبل اس کے کہ وہ دہلی پہنچ کر شہنشاہ کے حضور میں پیش ہوتا راستہ میں ہی چیچک کے مرض

میں جتلا ہو کر 1664ء میں سورگ باش ہو گیا (سورگ یعنی بہشت)

گورو نمبر 9 تیغ بہادر

گورو تیغ بہادر چھٹے گورو ہرگوبند کا چھوٹا بیٹا تھا جس نے اپنے دونوں بیٹوں کو گورو گدی کے لئے نااہل قرار دیتے ہوئے اپنے پوتے ہررائے کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ چنانچہ اسی وقت سے تیغ بہادر اور رام رائے دونوں بھائی گدی حاصل کرنے کی کوششوں میں لگے رہے مگر رام رائے اپنے باپ سے ناراضگی کی وجہ سے سکھوں کو اپنا ہمنوا بنانے میں ناکام رہا اور تیغ بہادر جو بیک وقت روحانی اور سیاسی پیشوا بننے کی اہلیت رکھتا تھا آخر کار گورو ہرکرشن کی بے وقت موت سے گدی پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ حالات کا بغور جائزہ لینے کے بعد سب سے پہلے اس نے آمدنی بڑھانے کے لئے اپنی مرضی کے مساند رکھے جنہوں نے دولت کے انبار لگا دیئے۔ گورو بہترین گھڑ سوار، تلوار کا دھنی اور منجھا ہوا مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ ملکی سیاست اور سکھوں کی روزمرہ زندگی سے پوری پوری واقفیت رکھتا تھا چنانچہ اس نے اپنی ہر دلعزیزی میں اضافہ اور سکھوں کو خوش رکھنے کے لئے لوٹ مار، زمینداروں اور کسانوں سے جبری فصلیں اور رقومات اکٹھی کرنے کی کھلی چھٹی دے دی اور خودشاہانہ ٹھاٹھ سے صحیح معنوں میں بطور "سچا پادشاہ" بن کر حکمرانی کرنے لگا۔ گورو کے اس قدر ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر اس کے سوڈھی خاندان کے لوگ اس سے سخت حسد کرنے لگے اور جلد ہی انہوں نے اس کے خلاف ایک زبردست محاذ قائم کر لیا۔ انہوں نے یہ پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ تیغ بہادر نانک کی گدی کے نام پر سکھوں کو استعمال کرتے ہوئے دراصل اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ عام سکھ کو وہ سوائے اپنی رعیت کے اور کوئی وقعت نہیں دیتا۔ اس پراپیگنڈا نے ماجھا کے علاقہ میں فوری اثرات دکھائے اور سکھ آہستہ آہستہ لوٹ مار کا حصہ گورو فنڈ میں جمع کرانے سے انکاری ہونے لگے۔

گورو نے اس علاقہ میں سکھوں کے بدلتے ہوئے تیور دیکھتے ہوئے مالوہ کا رخ کیا اور

شاہانہ لباس اتار کر فقیرانہ لباس میں سکھی کا پرچار شروع کر دیا۔ چنانچہ وہ سوڈھیوں سے بچتا بچاتا دہلی، آگرہ، متھرا اور بنارس سے ہوتا ہوا پٹنہ پہنچ گیا جہاں اس نے مسلمان شیخوں کی کافی تعداد اپنے حلقہ اثر میں کرلی۔ اسی جگہ اس کا بیٹا گوبند سنگھ (سکھوں کا آخری اور دسواں گورو) پیدا ہوا۔ پٹنہ سے اس نے بہار اور اڑیشہ کے مہاراجہ مرزا راجہ رام سنگھ کے آسام پر حملہ کے لئے بھاری تعداد میں وحی بھرتی کئے اور آسام فتح کرتے ہوئے وہ چٹاگانگ تک جا پہنچے۔ چٹاگانگ میں بنگالیوں کی خاصی تعداد کو سکھ پنتھ میں شامل کیا اور ان میں سے کئی لوگوں کو پٹنہ لے آیا جہاں اس نے سکھ ہیڈ کوارٹر قائم کر رکھا تھا۔ گورو تیغ بہادر پنجاب سے باہر ایک طاقتور "راجہ" بن چکا تھا۔ چنانچہ حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اس نے پنجاب کی طرف رخ کیا اور یہاں پہنچتے ہی وہی لوٹ مار اور زمینداروں اور کسانوں سے جبری فصلیں اور رقومات ہتھیانے کا دھندہ شروع کر دیا جس سے عوام سخت برہم ہو گئے اور شہنشاہ اورنگ زیب کے کانوں تک ان مظلوموں کی آواز پہنچنے لگی۔ شہنشاہ نے گورو کو اپنے دربار میں طلب کیا مگر وہ دربار میں حاضر ہونے کی بجائے اپنے ایک پرانے دوست میاں حفیظ الدین آف بہادر گڑھ جو ظاہر میں تو درویش معلوم ہوتا تھا مگر حقیقت میں اس نے ڈاکوؤں اور ٹھگوں کو پناہ دینے کے لئے اپنا ڈیرہ مخصوص کر رکھا تھا اور اس کے عوض وہ ان سے اپنا خمس حصہ وصول کیا کرتا تھا کے پاس جا کر چھپ گیا۔ شہنشاہ اورنگ زیب نے گورو کو روپوش قرار دیتے ہوئے۔ اس کی تلاش میں سرکاری افسران ادھر ادھر روانہ کر دیئے اور تشہیر کرا دی کہ جو کوئی گورو کو زندہ یا مردہ حالت میں پولیس و فوج کے حوالے کرے گا اسے پچاس روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔ گورو نے ان حالات میں پھر بھید بدلا اور براستہ دہلی متھرا ہوتا ہوا آگرہ شاہی دربار میں خود بخود پہنچ کر شہنشاہ نے اس سے باز پرس کرنے کے دوران اس کو اس کی حکومت کے خلاف سرگرمیوں اور رعایا کو تنگ کرنے کا حوالہ دیتے ہوئے سوال کیا کہ وہ سکھوں کا گورو ہے یا میری سلطنت کے اندر اپنی سلطنت

قائم کر کے حکمران بنا بیٹھا ہے۔ گورو نے جواب دیا کہ وہ سکھوں کا گورو ہے اور اسے ملکی سیاست سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اس پر شہنشاہ نے اسے کہا کہ اگر وہ گورو ہے تو اپنا کوئی معجزہ دکھائے اور اگر معجزہ نہیں دکھائے گا تو یہ سمجھا جائے گا کہ تو نے یہ سب ڈھونگ رچا رکھا ہے اور حقیقت میں تو بادشاہت کے خواب دیکھ رہا ہے۔ گورو خاموش رہا اور شہنشاہ کے سوالوں کا وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا جس سے شہنشاہ نے اسے قصور وار گردانتے ہوئے قانون کے مطابق اس کی گردن مارنے کا حکم صادر کر دیا گورو تیغ بہادر کو آخر کار اس کے جرائم کی پاداش میں 1675 میں دہلی کے موجودہ کوتوالی تھانہ کے قریب قتل کر دیا گیا اور س طرح پنجاب میں کچھ عرصہ کے لئے ایک بار پھر امن و امان قائم ہو گیا۔

گورو نمبر 10 گوبند سنگھ

گورو تیغ بہادر کا بیٹا گوبند سنگھ 19 سال کی کم عمری میں باپ کی جگہ گورو گدی پر بیٹھا۔ اس گورو نے سکھ سادھو سنتوں کے غیر منظم گروہوں کو ایک لڑی میں پرو کر انہیں ایک جنگجو قوم بنا دیا۔

ان ایام میں بھگتی تحریک اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی سکھ پنتھ کی جڑیں ماجھا' مالواہ' سرسہ' سامانہ' سہارنپور' دہلی اور پیلی بھیت تک کے دور دراز علاقوں تک پھیل چکی تھیں اور جابجا گوردوارے قائم ہو چکے تھے۔ مسلمانوں سے ہتھیائی ہوئی دولت سے سکھ جتھیدار خوب عیش اڑا رہے تھے مگر اس کے باوجود منجی' پیڑھی اور مساند سسٹم میں خرابیاں بڑھ رہی تھیں۔ غاصب اور عیار مساند پنتھ کینام پر دولت اکٹھی کر کے خوب گلچھڑے اڑا رہے تھے اور کھلے بندوں بھاری رقومات خرد برد کی جا رہی تھیں۔ اس کے علاوہ ذات پات کی تفریق ہنوز باقی تھی۔ امیر اور اونچی ذات کے سکھ غریب اور نچی ذات کے سکھوں سے اظہار نفرت کے طور پر ملنے سے کتراتے تھے جس کی وجہ سے

مجموعی طور پر سکھ قوم میں یکجہتی کی مطلوبہ صلح گورو گوبند کی نظروں میں بہت نیچی تھی۔ وہ اپنے باپ کی موت کا بدلہ لینے اور پنجاب میں جلد از جلد سکھ راج کے قیام کا متمنی تھا۔ لہٰذا اس کے خیال کے مطابق اس کے چیلے اس کام کے لئے ابھی پوری طرح تیار نہ تھے۔ چنانچہ اس نے مزید معلومات حاصل کرنے اور رائج الوقت سرکاری زبان فارسی اور سنسکرت اور ہندی سیکھنے کے لئے پنجاب کا دورہ شروع کیا۔ لدھیانہ میں مولوی پیر محمد قاضی سے اس نے فارسی زبان سیکھ کر شیخ سعدی کی شہرہ آفاق تصانیف ''گلستان'' اور ''بوستان'' کا گہرا مطالعہ کیا۔ سنسکرت' ہندی اور برج بھاشا اس نے کانگڑہ کے پنڈتوں اور درگا دیوی کے مندر کے پجاریوں داتا نند وغیرہ سے سیکھی اور اس طرح تعلیم حاصل کرنے کے بعد واپس آ کر اس نے آنند پور میں سکھوں کے ایک اجتماع کا 12 اپریل 1699ء کو بندوبست کیا جس میں اس نے بھگتی تحریک کے اغراض و مقاصد سے لے کر اپنے باپ کی موت' مسلمان حکومت کے مبینہ مظالم اور ان سے نجات پانے کے لئے سکھ راج کا قیام جیسے اپنے عزائم کو پردرد اور موثر لہجہ میں بیان کیا جس کا سامعین پر جادو کا سا اثر ہوا اور ان سب نے یک زبان ہو کر اپنے گورو کی اطاعت و فرماں برداری کا عہد باندھا۔ چنانچہ گورو نے اپنی تسلی کے لئے بطور آزمائش مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ درگا دیوی ہم سے سخت ناراض ہے وہ قربانی مانگتی ہے اور اس کا خاص پیغام ہے کہ سکھوں میں سے کم از کم پانچ افراد اپنی جان کی قربانی دیں ورنہ اس کی ناراضگی اور برہمی بدستور قائم رہے گی جو ہندو قوم کو بھسم کر کے رکھ دے گی۔ آج وقت امتحان ہے۔ سکھوں کو دیوی کا یہ فرمان ماننا ہو گا لہٰذا بلیدان (قربانی) دینے کے خواہشمند سکھ ہاتھ اوپر اٹھائیں۔ گورو کے اس بیان سے مجمع پر ایک سکتہ سا طاری ہو گیا اور وہ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ آخر کچھ وقفہ کے بعد شہر لاہور کے ایک تیس 30 سالہ کھتری دیارام نے سب سے پہلے اپنا ہاتھ کھڑا کیا۔ گورو نے جھٹ اس کو پکڑ لیا اور گھسیٹ کر قریب ہی لگے ہوئے خیمہ میں لے گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ خیمہ

سے باہر آیا تو مجمع اس کی خون آلودہ تلوار کو دیکھ کر مبہوت رہ گیا مگر تھوڑی دیر سنبھلنے کے بعد ایک دھوبی سکھ کلن چند آف دوارکا اٹھا اور اسی طرح تین اور سکھ جب سب کے سب نیچ ذات سے تعلق رکھتے تھے باری باری اٹھے اور اپنے آپ کو گورو کے حوالے کرتے گئے۔ گورو ان کو باری باری خیمہ کے اندر لے جاتا رہا اور ہر بار خون آلودہ تلوار ہاتھ میں لئے باہر آتا رہا۔ اس طرح پانچ سکھ یکے بعد دیگرے خیمہ جا چکے تھے۔ اس کے بعد گورو اپنی مسند پر بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر بعد مجمع میں حاضر لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ پانچوں سکھ نیلے رنگ کے لباس میں ملبوس صحیح سلامت خیمہ سے باہر نکل آئے ہیں۔ گورو نے اٹھ کر ان پانچوں کو پکڑ کا اپنے پاس بٹھایا اور لوگوں سے مخاطب ہوا کہ یہ سکھ امتحان میں پورے اترے ہیں۔ درگ دیوی نے خوش ہو کر انہیں معاف کر دیا ہے اور آج سے سکھوں پر سے تمام بلائیں ٹل گئی ہیں اور آج سے ہی یہ پانچوں جانباز "پنج پیارے" (Five Beloved) کہلائے جائیں گے اور ان کے مشورے اور ہدایات گورو کے مشورے اور ہدایات پر حاوی ہوں گے اور میرے مرنے کے بعد سکھ قوم اسی طریقہ کے مطابق اپنے میں سے پانچ سکھوں کو منتخب کر کے ان کے فیصلوں کو حتمی ماننے کی پابند ہو گی۔

اس رسم کی ادائیگی کے بعد اس نے لوہے کا ایک پیالہ پانی سے بھرا اور اس پر کچھ پڑھنے کے بعد اپنی کمر سے دو دھارا خنجر نکال کر اس میں ڈبویا اور تمام حاضرین کو اپنے سامنے سے باری باری گزرنے کا حکم دیا جس کی تعمیل میں تمام سکھ ایک لمبی قطار میں اس کے سامنے سے گزرنے لگے اور وہ ہر ایک کو گیلے خنجر سے چھوتا اور پیالے میں سے ایک قطرہ پانی اس کے منہ میں ٹپکانے کے علاوہ ایک ہلکا سا چھینٹا بھی اس کے منہ پر مارتا جاتا۔ جب تمام حاضرین یہ ڈرل پوری کر چکے تو گورو نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آج تم لوگ "امرت" چکر کا اکال (لافانی یعنی زندہ جاوید" بن گئے ہو اور اب تم کبھی مٹ نہیں سکتے اور آج سے ہی اپنے ناموں سے ساتھ لفظ "سنگھ"

(شیر Lion) کا استعمال بھی تم پر فرض ہو گیا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے اس نے اپنے نام کے ساتھ "سنگھ" کا لفظ لگا کر اپنے آپ کو گوبند کی بجائے گوبند سنگھ کہا اور اس کے ساتھ اس کی تقلید میں اونچ نیچ ذات کے ہر سکھ نے اپنے نام کے ساتھ لفظ "سنگھ" لگا کر اپنے آپکو سنگھ کہا۔ چنانچہ اسی دن سے پنجاب میں بھگتی تحریک کا ہر چیلہ اپنے نام کے ساتھ "سنگھ" کا لفظ لگاتا چلا آ رہا ہے۔

امرت چکھانے اور "شیر" بنانے کے بعد گورو نے مندرجہ ذیل پانچ اشیاء جن کے نام حرف "ک" (کاف) سے شروع ہوتے ہیں ان کا استعمال "سکھوں" پر لازم قرار دے دیا۔

1- "ک" سے کیس۔ یعنی سر کے بالوں کی حفاظت کرنا۔

2- "ک" سے کنگھا۔ یعنی سر کے بالوں (کیسوں) کو سنوارنے کے لئے کنگھا (Comb) کا باقاعدہ استعمال۔

3- "ک" سے کڑا۔ یعنی دائیں کلائی پر لوہے کا کڑا ہر وقت پہنے رکھنا۔

4- "ک" سے کرپان۔ یعنی تلوار کو ہمیشہ اپنے پس رکھنا۔

5- "ک" سے کاچھا۔ یعنی کمر پر گھٹنوں تک لمبا جا گیہ نما پہناوا کا ہمیشہ استعمال کرنا۔

مندرجہ بالا اقدامات سے گورو گوبند سنگھ نے سکھوں میں ایک نئی روح پھونک دی اور وہ جو ماضی میں انفرادی طور پر یا چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ کر لوٹ مار کر کے اپنا گھر بھرا کرتے تھے اب بحیثیت قوم کے طاقت کا پہاڑ بن کر حکومت اور مسلمان عوام کے خلاف کھلم کھلا سفاکنہ کارروائیاں کرنے لگے۔ اس نے ان قوانین کی تشہیر کے لئے چیدہ چیدہ لوگوں کو منتخب کر کے سکھ آبادی والے علاقوں میں بھیج دیا اور اس کے ساتھ ہی کرتار پور میں اس کے سوڈھی خاندان کے افراد جن کی تحویل میں گورو ارجن دیو کی ترتیب دی ہوئی گرنتھ صاحب تھی کو پیغام بھیج دیا کہ وہ یہ کتاب اس کے پاس انند پور لے آئیں تاکہ اس میں ان قوانین کا اندراج کر کے سے گورو نانک کے الفاظ

میں بدل کر سکھ پنتھ کا بنیادی اصول بنا دیا جائے۔ سوڈھیوں نے گورو کے ان اقدامات کو ماننے سے انکار کر دیا اور وہ کتاب اس کے حوالے کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ چنانچہ اس نے اپنے نامپر دسویں گورو کی گرنتھ (دسام گرنتھ) ترتیب دی اور اس کے علاوہ ایک کتاب چتراہ ناٹک اور شاستر نام مالا اور فارسی میں ظفر نامہ لکھی جس میں اس نے اپنے حالات زندگی' ہتھیاروں کے نام اور ان کا استعمال اور ذرائع آمدنی پیدا کرنے کے طریقے درج کئے۔ انکاموں کے ساتھ ساتھ اس نے غاصب اور خود غرض مساند اور منجی پیڑہی کے انچارج لوگوں کی خبرلینی بھی شروع کر دی۔ اس نے چن چن کر انہیں نکالا۔ ان کے گھروں کی تلاشیاں لے کر چھپائی ہوئی دولت کو گورو فنڈ میں جمع کرایا اور آئندہ سے یہ پورا سسٹم ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔ اس نے ہندوؤں کے دیوتاؤں کو خیرباد کہہ کر چھوڑ دیا اور سکھوں کو ایک خدا کی پرستش کا آدرش دینا شروع کر دیا جس سے ان میں اتفاق و یکجہتی کی لہر دوڑ گئی اور وہ اب اپنے گورو کے ادنیٰ سے اشارے پر کٹ مرنے کو تیار تھے۔ اس نے جب فضا کو اس قدر ہموار پایا تو تمام سکھ کنبوں کو حکم دیا کہ وہ بلا لحاظ ذات برادری چار مردوں والے گھر سے کم از کم دو اور دو مردوں والے گھر سے کم از کم ایک تندرست اور جوان سکھ گورو کی سیوا (خدمت) کے لئے آنند پور حاضر ہو جائے اس حکم سے جاری ہوتے ہی سکھ جوق در جوق آنند پور پہنچنا شروع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے دس ہزار سکھوں کا ایک لشکر جرار جمع ہو گیا جسے جنگی ٹریننگ دینے کے فوری اقدامات کئے گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں یہ لوگ اعلیٰ درجہ کے سپاہی بن کر گورو کے "خالصہ دل" کا مستقل حصہ بن گئے اب گورو گوبند سنگھ کے لئے وقت نہایت موزوں تھا چنانچہ سب سے پہلے اس نے اپنی پناہ گاہیں بنانے کے لئے ملحقہ پہاڑی علاقوں کلھار' نالہ گڑھ' سولن' تہار' سکیت اور منڈری وغیرہ کے ہندو راجوں سے نہایت آسانی سے ان کی ریاستیں ہتھیالیں اور وہاں اپنی کمین گاہیں اور بارود خانے قائم کر لئے۔ اس کے بعد اس نے حکومت وقت کو مالیہ اور لگان کی ادائیگی بند کر دی

اور اس کے تمام اہلکاران کو یا تو علاقہ سے نکل جانے کو کہا یا انھیں اپنی اطاعت پر مجبور کر دیا۔ حکومت کے لئے اب دن بدن زیادہ خطرہ پیدا ہونے لگا۔ پنجاب کے گورنر پست ہمت' نااہل اور عیاش قسم کے سکھوں کی طاقت سے مرعوب نظر آنے لگے۔ ان دنوں میں اورنگ زیب دکن کی مہمات میں مصروف تھا بنگال میں گڑبڑ ہو رہی تی اور پنجاب کی ایسی حالت کو دیکھتے ہوئے مرہٹے بھی سر اٹھانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ چنانچہ گورو کے لئے میدان صاف تھا اور ______ وہ طوفان کی طرح اٹھا اور آناً" فاناً" پنجاب کے امن کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ پہاڑی علاقوں اور ضلع ہوشیار پور میں بسنے والے ڈوگرہ راجپوتوں کی بھاری تعداد کو سکھ پنتھ میں شامل کر لیا گیا۔ ہر چھوٹے موٹے زمیندار' جاگیردار یا چوہدری کو جس نے گورو کی جنگی کاروائیوں میں عدم تعاون کا اظہار کیا اسے روند ڈالا گیا اور سرسہ' سلانہ اور سلطانپور کے راعیوں سے گھوڑوں کے لئے چارہ اور "خالصاؤں" کے لئے خوراک جبری طور پر وصول کی جانے لگی۔ غرضیکہ پورے پنجاب اور اردگرد کے پہاڑی علاقوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ لوگ جان کی سلامتی کے لئے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ گورو گوبند سنگھ خالصہ دل کی طاقت پر نازاں اب برملا کہنے لگا کہ وہ ایک پیغامبر کی حیثیت سے اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ وہ خود تو اس دنیا میں آنے پر خوش نہ تھا مگر خدا نے اپنی دھرتی پر بڑھتی ہوئی بے انصافیوں اور شیطانیت کو ختم کرنے کے لئے اسے پیدا کیا اور یہی اس کا مشن ہے۔ وہ "خالصاؤں" کو لے کر جدھر کا رخ کرتا تباہی و بربادی کے طوفان امڈ پڑتے اور بقول اس کے شیطان اس کے آگے آگے بھاگنے لگتا۔ ہر طرف ظلم و ستم کی انتہا تھی۔ گورو گوبند سنگھ کا ستارہ عروج پر تھا اور وقتی طور پر ایسا لگتا تھا کہ شاید خدائے واحد گورو کے بڑھتے ہوئے مظالم ___ کی حمایت میں اس کے ساتھ ہے۔ مگر یہ لوگوں کا وہم محض تھا۔ ہر شے کی ایک حد ہوتی ہے۔ اس کے نام پر اس کی مخلوق پر بے پناہ مظالم آخر کار خدا تعالیٰ کب تک برداشت کر سکتا تھا۔ ان مظالم کی آخر کار تاب نہ لاتے ہوئے سب

سے پہلے راجہ بھیم چند آف ریاست کلہار۔ راجہ بیر سنگھ آف ریاست جسوال اور راجہ مدن پال آف ریاست سرمور نے گورو کے پے در پے مظالم کی فریاد اورنگ زیب سے کی وہ ان دنوں دکن کی مہمات میں مصروف تھا تاہم اس نے پنجاب میں اس وقت اپنے دو معتمد فوجدار پنج ہزاری سردار پینڈا خاں اور سردار دینہ بیگ کو گورو کی سرکوبی کے لئے مامور کیا۔ ان سرداروں نے گورو کے سکھوں کو مارتے مارتے انند پور کے قلعہ تک دھکیل دیا مگر وہاں تک پہنچتے پہنچتے پینڈا خاں مارا گیا اور دینہ بیگ قادر آباد سے پسپا ہونے پر مجبور ہو گیا۔ چنانچہ اس صورت حال کو گورو اپنی فتح قرار دیتے ہوئے اپنی پیشنگوئی کی سچائی سے تعبیر کرنے لگا اور ''خالصاؤں'' کو یقین دلا دیا کہ وہ واقعی ''امر '' اور ''انمٹ'' ہیں۔ اورنگ زیب کو دوبارہ اطلاع دی گئی چنانچہ اب کے اس نے وزیر خاں گورنر آف سرہند کو گورو کے ساتھ نمٹنے کی خاص ہدایت کی۔ وزیر خاں نے گورو کو انند پور سے نکال کر ستلج پار موضع بسالی کی طرف دھکیل دیا اور اس پسپائی میں گورو کے قابل اعتماد جتھیدار صاحب چند مارا گیا کچھ دنوں کے لئے دو آبہ جالندھر میں امن و امان کی صورت حال بہتر ہو گئی مگر یکایک تباہی و بربادی کا طوفان دوبارہ اٹھ آیا۔ گورو رات کے وقت دریا پار کر کے دوبارہ انند پور پہنچ گیا اور اپنی پوزیشن مضبوط کرنا لگا۔ اب کے وزیر خاں گورنر آف سرہند اور زبردست خاں گورنر آف لاہور نے کلہار، کانگڑہ، جسوال، منڈی، کلو، نالا گڑھ، کیتھل، نو پور، چمبہ، جموں، بوشہر، دھڈوال اور بجر وال کے راجگان کے لشکریوں کو جمع کر کے انند پور کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ تین ماہ تک محاصرہ جاری رہا راشن پانی کی کمی کی وجہ سے گورو اب وہاں سے فرار ہونے کی سوچ رہا تھا۔ آخر ایک رات موقعہ پا کر وہ اپنی والدہ مسماۃ ''گوجری''۔ دو بیویوں مسماۃ ''سندری'' اور مسماۃ ''صاحب کور''۔ چار بیٹوں اور ایک دستہ ذاتی باڈی گارڈ کی ہمراہی میں قلعہ نند پور سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ صبح جب شاہی فوج کو گورو کے فرار کا علم ہوا تو وہ اس کے تعاقب میں ضلع سرسہ میں داخل ہو گئی۔ جہاں

سرسہ کے راعیوں نے گورو اور اس کے ساتھیوں کو دریا عبور کرنے سے روک رکھا تھا۔ گورو اب دونوں طرف سے زنغے میں آ چکا تھا۔ اس کے "خالصے شیر" اپنے گورو کی پیشنگوئیوں اور فرمان کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی جان کی سلامتی کی خاطر اکا دکا بھیس بدل کر تتر بتر ہو گئے گورو پر اب گھبراہٹ طاری ہو چکی تھی چنانچہ اس نے عجلت میں اپنی والدہ اور دو کم سن بیٹوں جھجھر سنگھ (دوسرا نام زور آور سنگھ) عمر نو سال اور فتح سنگھ عمر سات سال کو دہلی کی طرف روانہ کر دیا اور خود بمعہ اپنی دونوں بیویوں اور دو بڑے بیٹوں کے چمکور کی طرف نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔ گورو کی والدہ اور اس کے دونوں بیٹے تھکے ماندے اور بھوک سے نڈھال آخر کار سرہند کے قریب موضع کھیڑی (Kheri) میں گورو کے سابقہ خانسامہ گنگاس برہمن کے پاس پہنچ گئے۔ مائی " گوجری" نے برہمن کو جب کل ماجرا بتایا تو برہمن گھبرا گیا لہٰذا اس نے اپنی سلامتی کے لئے فوراً" دوسرے دن سرہند کے گورنر وزیر خاں کے دیوان سچا نند کھتری کو مطلع کر دیا۔ دیوان جو پہلے ہی گورو کے مظالم اور ناروا سلوک سے پھکا بیٹھا تھا نے اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے خانسامہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے تینوں مہمانوں کو فوری طور پر ہمارے سامنے پیش کرے برہمن نے دیوان کے حکم کی تعمیل میں ان تینوں کو اس کے حوالے کر دیا۔ دیوان نے ان میں سے دونوں لڑکوں کو گورنر کے سامنے پیش کر دیا اور مئودبانہ گزارش کی کہ یہ لڑکے اس کے خاندان کے جانی دشمن اور حکومت کے باغی سکھ جو اپنے آپ کو "سچا پادشاہ" کہتا ہے کی اولاد ہیں لہٰذا ان سے نرمی برتنا عام حالت میں قرین مصلحت نہیں ہے لہٰذا ان کو اس کی تحویل میں دے دیا جائے۔ پیشتر اس کے کہ گورنر دیوان کی درخواست پر دھیان دیتا اس نے لڑکوں سے دریافت کیا کہ اگر ان کے ساتھ نرمی برتتے ہوئے انہیں چھوڑ دیا جائے تو وہ کیا کریں گے۔ لڑکوں نے جواب میں کہا کہ وہ اسے اور اس کے دیوان کو ٹھانے لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔ لڑکوں کے اس بابانکہ مگر گستاخانہ جواب سے گورنر غصہ میں آ گیا اور آخر کار اس نے

انہیں دیوان کے حوالے کر دیا اور ________ دیوان نے پانا دیرینہ بدلہ لینے۔ اپنی آتما ٹھنڈی کرنے اور حکومت مغلیہ کے نمک خوار ملازم کی حیثیت سے ان لڑکوں کو زندہ اینٹوں کی دیوار میں چنوا دیا جہاں وہ دم گھٹنے سے مر گئے۔ اسی دیوار کے کھنڈرات کے قریب جو یادگار آج کل کھڑی ہے وہ اسی واقعہ کی یاد میں "گورو مار" کہلاتی ہے اور سکھوں کے لئے ایک مقدس مقام کا درجہ رکھتی ہے۔ گورو کی والدہ گوجری بڑھاپے میں پوتوں کی جدائی کے غم میں دم توڑ گئی۔

ادھر چکور میں گورو نے اپنے بھگوڑے اور بکھرے ہوئے چیلوں کے علاوہ ایک غدار قوم اور ننگ وطن "سید" پیر بدھے شاہ نے بمعہ اپنے چاروں بیٹوں اور پانچسو گھوڑ سواروں کے ایک بار پھر شاہی فوج کی زیر کمان خواجہ محمود کے خلاف محاذ آرائی کی کوشش کی مگر اس کے "شیر" اور حواری شاہی فوج کی یلغار کی تاب نہ لا کر دم دبا کر بھاگے اور گورو کے دونوں جواب بیٹے اس معرکہ میں مارے گئے۔ چنانچہ وہ غم سے نڈھال اپنی دونوں بیویوں کو پیچھے چھوڑ کر راتوں رات بھیس بدل کر بچتے بچاتے دکن میں ناندیڑ کے مقام پر پہنچ گیا۔

اکثر مورخین کا کہنا ہے کہ ناندیڑ جانے سے پیشتر گورو نے شہنشاہ اورنگ زیب کو اپنے خاندان کی مکمل تباہی سے آگاہ کرنے اور اپنی باغیانہ روش کی معافی مانگنے کے لئے نہایت پردرد پیرائے میں ایک عریضہ لکھا تھا جس پر شہنشاہ نے اسے دکن حاضر ہونے کی ہدایت کی تھی۔ چنانچہ دکن جاتے ہوئے راستہ میں ناندیڑ کے مقام پر ماہ مارچ 1707ء میں اسے شہنشاہ کے جانشین بہادر شاہ (اصلی نام معظم) نے گورو کی حالت زار پر ترس کھا کر اس کی ماضی میں کی گئیں حرکتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے منصب پنج ہزاری پر فائز کر دیا مگر غم سے نڈھال اور دھن کے گورو کا ملازمت سے جلد ہی دل اچاٹ ہو گیا اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گوشہ نشینی کی زندگی گزارنے کے لئے ناندیڑ میں ہی مستقل طور پر رہ پڑا۔ بہرحال واقعات خواہ کچھ ہی ہوں وہ اپنے اہل و عیال کی

تباہی کے غم میں مایوسی کے عالم میں اپنے "مشن" کو ادھورا چھوڑنے پر مجبور ہو گیا اور پھر زندگی بھر اس نے پنجاب کا کبھی رخ نہ کیا۔ چنانچہ اسی جگہ اس کی ملاقات تحصیل راجوری۔ ضلع پونچھ ریاست کشمیر کے ایک ڈوگرے کسان کے آوارہ گرد لڑکے لچھمن داس عرف مادھو داس بھروپیہ (بیراگی) جو تاریخ پنجاب میں بندہ بیراگی اور سکھوں کی تصانیف میں "بندہ بہادر سنگھ" لکھا گیا ہے سے ہوئی۔ راجوری کو چھوڑ کر یہ بھروپیہ سادھوؤں کے ساتھ مانگتا کھاتا اور پھرتا پھراتا موجودہ مہاراشٹر کے علاقہ میں دریائے گداوری کے کنارے پر واقعہ ایک مقام ناسک (Nasik) کے مشہور مندر رام چند جی ار سیتا گپھہ (یہ غار وہ جگہ ہے جہاں سے لنکا کے راجہ راون نے رام چندر کی عدم موجودگی میں اس کی بیوی سیتا دیوی کو اغوا کیا تھا) جا پہنچا۔ جہاں وہ مندر کے پجاری اوگر ناتھ کا چیلہ بن گیا جس سے اس نے کچھ منتر اور شعبدہ بزی کے گر سیکھے۔ کچھ عرصہ یہاں قیام کے بعد وہ ناندیڑ چلا گیا جہاں اس نے گورو گوبند سنگھ کی آمد سے قبل ہی ڈیرے لگا رکھے تھے۔ اس بیراگی شعبدہ باز کے متعلق مشہور تھا کہ وہ جنوں اور بھوتوں کا بادشاہ ہے۔ اور وہ جب چاہے دھرتی کو الٹ پلٹ کر کے تباہ کر سکتا ہے اور اگر اس کے سامنے کوئی شخص چارپائی پر بیٹھے تو وہ ایک ہی پھونک سے چارپائی کو اڑا کے بیٹھنے والے کو اوندھے منہ زمین پر پٹخ دیتا ہے اور جب تک اس کے لواحقین اس کے چرنوں کو چھوتے ہوئے اسے خاصی رقم یا جواہرات وغیرہ بطور نذرانہ پیش نہ کریں گرنے والا شخص زمین پر پڑے پڑے سسک سسک کر جان دے دیتا ہے۔ چنانچہ گورو گوبند سنگھ کو جب اس "مہارشی" کا پتہ چلا تو وہ اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے اس کے ڈیرے پر پہنچا اور بغیر اجازت سامنے بچھی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گیا اور بھوتوں کے "بادشاہ" کو اپنا کرتب دکھانے کے لئے کہا۔ کہتے ہیں کہ گورو کا پرنور چہرہ دیکھتے ہی بھروپیہ سہم گیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ گورو نے پوچھا سچ سچ بتا تو کون ہے۔ بیراگی نے جواب دیا کہ وہ اس کا بندہ (غلام) ہے۔ چنانچہ گورو نے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے

اسے چھاتی سے لگا لیا اور اپنے ساتھ اپنی جائے رہائش پر اسے لے آیا۔ کچھ دنوں تک مزید چھان بین کے بعد گورو نے اس شعبدہ باز اور مکار شخص کو اپنی مرضی کے مطابق پایا اور اسے "امرت" چکھا کر اپنے چیلوں میں شامل کر لیا۔ ایک دن گورو نے اسے اپنے دل کی باتیں بتائیں جن سے بندہ بیراگی بڑا متاثر ہوا اور اس نے گورو سے اپنی وفاداری اور فرماں برداری کا عہد باندھا اور مودبانہ کھڑے ہو کر گورو کو اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے اس کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا۔ گورو نے سہارا دے کر اسے اوپر اٹھایا اور آشیرباد دیتے ہوئے اپنے طریقہ کے مطابق مندرجہ ذیل ہدایات دیں۔

1- کوتوال دہلی میاں جلال دین آف سامانہ (Samana) کے ہاتھوں باپو گورو کی موت کا بدلہ لینا ہے۔ یاد رہے "سامانہ" پرگنہ کرنال میں راعیوں کا آباد کردہ وہ مشہور قصبہ تھا جس میں آباد متعدد راعین سامہ گھرانوں کے افراد نسلاً بعد نسل اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے چلے آئے ہیں اور علاقہ بھر میں وہ عزت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتا تھے)

2- دو چھوٹے گورو (اجیت سنگھ اور فتح سنگھ پسران گورو گوبند سنگھ) کو دیوار میں زندہ چنوا کر ہلاک کروانے کے ذمہ دار گورنر وزیر خاں آف سرہند اور اس کے دیوان سچا نند اور گورو کے سابقہ خانسامہ گنگاس برہمن سے بدلہ لینا ہے۔

3- سامانہ، سرہند، سرسہ، تھانیسر اور سلطان پور (یہ شہر راعیوں کے گڑھ تصور کئے جاتے تھے) کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔ (سلطان پور میں اس وقت مستقبل میں پنجاب کا حکمران نواب آدینہ بیگ راعین بطور ضلع دار تعینات تھا جس کو سکھ زمیندار اپنا دشمن سمجھتے تھے اور گورو گوبند سنگھ اس کو دوآبہ جالندھر سے باہر نکلنے کا خواہشمند تھا) سرسہ جو راعیوں کا سندھ کے بعد دوسرا بڑا گڑھ تھا اس میں سے گزر کر گورو فرار ہو کر ہندوستان جانا چاہتا تھا۔ مگر وہاں کے راعیوں نے اس کا راستہ روک کر اس کے منصوبہ کو ناکام بنا دیا تھا)۔ (تھانیسر، سامانہ اور سرہند کے راعین مغل فوج اور سول

محکموں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کی وجہ سے گورو اور خاص طور پر مقامی سکھ جتھیداروں کی نظروں میں خار کی طرح کھٹکتے تھے)

4- پہاڑی ریاستوں کے راجاؤں کی سرکوبی کر کے ان کی ریاستوں اور املاک پر قبضہ کرنا اور دونوں چھوٹے گوروؤں (گوبند سنگھ کے دونوں بیٹے) کی چمکور میں قتل گاہ پر یادگار قائم کرنا۔

5- دہلی میں شاہی حفاظت میں مقیم میری بیوی مساۃ سندری (Sundri) اور اس کے ایک لے پالک بچے کو بحفاظت دہلی سے نکال کر اپنی حفاظت میں رکھنا ہے۔

6- امرتسر، چمکور، نند پور، بٹالہ، کلا نور، جالندھر، کرتارپور، کرت پور اور لاہور کے دیہی علاقوں (ان علاقوں میں رائیوں کی کثیر آبادی تھی) سے مسلمانوں کا مکمل طور پر انخلا اور پنجاب میں "خالصہ راج" (نعوذ باللہ) قائم کرنے کے لئے راہ ہموار کرنا۔

7- "پنج پیاروں" کا آئندہ مستقل طریقہ کے مطابق باقاعدہ انتخاب ہوا کرے گا اور ان کے مشوروں پر سکھ قوم کو چلنا ہو گا۔ تم (بندہ بیراگی) اپنے آپ کو گورو مت سمجھنا اور نہ ہی ایسا ظاہر کرنا اور "گرنتھ صاحب" کو گورو کا درجہ دے کر میرے بعد اس کو گیارہواں گورو مانتے ہوئے اس میں درج شدہ ہدایات و احکامات پر عمل درآمد کرنا ہر سکھ پر لازم ہے۔

8- سکھ پنتھ کی نفری بڑھانے کی کوششوں کو تیز تر کرنا اور "خالصہ شیروں" (سکھوں) کی دیکھ بھال اور فلاح و بہبود میں دلچسپی لینا۔

مندرجہ بالا ہدایات دینے کے بعد گورو نے اپنے ترکش سے پانچ تیر، اپنا جھنڈا، نقارہ، ڈھول، مہر (Stamp) اور اپنا ترتیب دیا ہوا "دسام گرنتھ" اور ایک تحریری حکم نامہ بنام سکھ قوم، بندہ بیراگی کے حوالے کرتے ہوئے "فتح درشن" کا نعرہ لگایا اور اسے آخری بار آشیرباد دیتے ہوئے پنجاب کی طرف روانہ کر دیا۔ بندہ بیراگی ناندیڑ سے دو ماہ کا زاد سفر، پانچ پیاروں کا ایک ٹولہ اور پچاس خالصاؤں پر مشتمل ایک حفاظتی دستہ لے

کر روانہ ہوا اور راتوں رات سفر کرتا ہوا دہلی کے شمال مغرب میں 25 میل کے فاصلہ پر واقعہ ایک قصبہ سرکھنڈہ میں پہنچ گیا۔ جہاں اس نے پہلا پڑاؤ کیا۔ یہاں کچھ دن قیام کے دوران اس نے اپنے گورو کی ہدایات کا ایک بار پھر مطالعہ کیا اور پروگرام کو حتمی شکل دینے سے قبل راستوں سے واقف سکھوں کو مسلمانوں کے بھیس میں دہلی اور اندرون پنجاب تک کے تمام سکھ آبادیوں والے علاقے میں بھیج دیا جنہوں نے کمال ہوشیاری سے خفیہ راستوں سے سکھوں کے جتھے سرکھنڈ میں بھیجنے شروع کر دیئے اور تھوڑے ہی دنوں میں تیس ہزار کے قریب سکھ لٹیرے وہاں جمع ہو گئے۔ بندہ بیراگی نے ان کو گورو کے عطا کردہ ہتھیار اور دیگر اشیاء دکھائیں اور نئی گرنتھ صاحب پر ہاتھ رکھوا کر گورو کے لئے جان قربان کرنے کے عہد لیا اور تنخواہ کی بجائے لوٹ مار سے حاصل شدہ مال میں سے دسویں گورو (گورو گوبند سنگھ) کا دسواں حصہ نکال کر بقایا مال کو درجہ بدرجہ حسب رینک (Rank) تقسیم کرنے کے قوائد وضع کئے گئے اور آخر کار کیل کانٹے سے پوری طرح لیس ہو کر دہلی سے دور ہٹتے ہوئے سرہند کا رخ کیا اور رات کے اندھیرے میں راستہ میں سب سے پہلے سامانہ پر حملہ کیا اور صبح ہونے تک قتل عام جاری رکھتے ہوئے دس ہزار مسلمانوں کو جن میں اکثریت راعیوں کی تھی گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ بے شمار دولت اس کے ہاتھ لگی۔ بہت کم لوگ وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے اور راعین تمدن کا نادر نمونہ یہ قدیم قصبہ آن واحد میں اینٹوں کا ڈھیر بن گیا۔

انگریز مورخ مسٹر میکالیف اپنی تصنیف "دی سکھ ریلیجن (The Sikh Religeon)" کی جلد نمبر 4 کے صفحہ نمبر 329 پر لکھتا ہے کہ گورو ہندو مسلم کو ایک خالق کی مخلوق سمجھتا تھا اور وہ ان کیلئے دنیا میں امن و آشتی کا پیغام لے کر آیا تھا اس انگریز کا یہ تخمینہ کہاں تک درست ہے اس ک اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ گورو نے "بادشاہ" بننے کے خوابوں کی تعبیر میں اور ہوس اقتدار سے مغلوب ہو کر اپنے اہل و

عیال اور وحشی چیلوں تک کو داؤ پر لگا دیا اور اس طرح وہ اپنے اعمال کی وجہ سے اپنے انجام کو پہنچا۔ اس کا وطن اس سے چھن گیا۔ اس کا گھر تباہ ہو گیا۔ بھگتی تحریک کے مراکز کی زیارت سے وہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا اور اس کی المناک موت مخلوق خدا کے لئے ایک نمونہ کے طور پر عبرتناک کہانی بن گئی۔

ظالم بیراگی بندہ نے سامانہ کو تباہ کرنے کے بعد اس کے ارد گرد پھیلے ہوئے دیہات شاہ آباد' مصطفےٰ آباد' تھسکہ' گھورام' اور کپوری کو تہس نہس کیا اور یہاں سے گھوڑوں کی خاصی تعداد حاصل کرنے کے بعد شاہ آباد اور مصطفےٰ اباد کی لوٹ مار کے بعد انہیں آگ لگا دی گئی۔ وہاں سے "فتح کے شادیانے" بجاتا ہوا "امن پسند گورو" کا "امن پسند" چیلہ ساڈھورہ پہنچا۔ سکھوں کے اس گڑھ میں وہ چند دن قیام کرنے اور ایک رجمنٹ کی نفری کے برابر سکھوں کو "خالصہ دل" میں شامل کرنے کے بعد عازم سرہند ہوا۔ 12 مئی 1710ء کو ____ سرہند کے نزدیک چھپر چڑی کے مقام پر وزیر خاں گورنر سرہند کی بیس ہزار کے قریب فوج سے اس کا آمنا سامنا ہوا۔ گورنر کی فوج نے میدانی لڑائی میں سکھوں کو زیادہ دیر تک نہ ٹکنے دیا۔ چنانچہ بیراگی نے "خالصاؤں" کا بھاری نقصان ہوتے دیکھ کر انہیں پسپا کر کے گوریلہ جنگ کرنے کا حکم دیا۔ گورنر کی فوج سکھوں کی اس چال کو نہ سمجھ سکی اور وہ غلطی میں سکھوں کا تعاقب کرنے لگی۔ وزیر خاں خود ہراول گھوڑ سوار دستہ کی قیادت کر رہا تھا۔ ابھی وہ تھوڑی دور ہی گیا تھا کہیں سے سنسناتا ہوا ایک تیر آیا اور اس کے دل کے پار نکل کر اس کا کام تمام کر گیا۔ اپنے قائد کی موت کا نظارہ دیکھ کر مغلیہ فوج کا گھوڑ سوار دستہ انہیں پیروں پر رک گیا۔ یہ دوسری غلطی تھی۔ سکھوں نے اس ہراول دستہ کو جو اپنی فوج سے کٹ کا کافی دور آ چکا تھا چاروں طرف سے گھیرے میں لے کر ان پر تیروں کی بارش شروع کر دی اور آن واحد میں انہیں ختم کر کے غائب ہو گئے۔ بقایا فوج کو ان کی موجودگی کی اس وقت خبر ہوئی جب وہ شہر سرہند کی گلیوں تک پہنچ چکے تھے گلی کوچوں اور مکانوں کی

چھتوں پر لڑائی ہونے لگی۔ سرکاری فوج کا آپس میں رابطہ کٹ چکا تھا مگر سکھ گوریلہ لڑائی میں مشاق نہایت پھرتی سے اپنا کام کر رہے تھے آخر انھوں نے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ دیوان سچا نند کو زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ بوڑھے' بچوں اور عورتوں سمیت جو کوئی سامنے آیا اسے تہ تیغ کر دیا گیا۔ وزیر خاں کے محلات سے لاکھوں روپے کی مالیت کا مال ہاتھ لگا۔ بارود خانہ پر قبضہ کیا گیا اور دیوان کی املاک غیر منقولہ کے علاوہ گورنر کے محلات کو پیوند خاک کیا گیا اور تین دن متواتر قتل و غارت کا بازار گرم کئے رکھا۔ خاندان تیموریہ کی رگوں میں خون منجمند ہو چکا تھا۔ کوئی پرسان حال نہ رہا۔ وفادار اور نمک خوار ملازمان اپنی اپنی جان کی سلامتی کی خاطر ادھر ادھر بھاگ گئے۔ بہادر شاہ دکن کی فتح میں مصروف تھا مگر پنجاب میں سکھوں کی وحشیت و بربریت کا نوٹس لینے کی اسے کوئی ہوش نہ تھی۔ سرہند کی بستی میں مسلمانوں پر مظالم' مسجدوں کی شہادت اور ہر وہ جگہ جہاں اسلام یا کلمہ حق لکھا ہوا نظر آیا اس کی حرف غلط کی طرف "صفائی" تاریخ پنجاب کا ایک خونچکاں باب ہے جسے پڑھ کر مسلمان تو کیا کوئی بھی صاحب دل اور انصاف پسند انسان اسے آسانی سے فراموش نہیں کر سکتا۔بندہ بیراگی نے اس کار منصبی کی انجام دہی کے بعد سرہند میں بھائی بھاج سنگھ کو کرنال تا لدھیانہ کے تمام علاقے پر گورنر مقرر کیا اور خود آرام کرنے کے لئے ساڈھورہ کے نزدیک مخلص پور کے پہاڑی صحت افزا مقام پر چلا گیا۔

مسلمان زمیندران کی اراضیات ضبط کرلی گئیں

مخلص پور میں بندہ بیراگی کے قیام کے دوران ادھر ادھر سے سکھ مزارے اور کھیت مزدور زمینداران کے خلاف شکایات لے کر س کے پاس آنے لگے۔ انہوں نے مسلمان زمینداران پر الزام لگایا کہ وہ انہیں سخت تنگ کرتے ہیں۔ نہایت قلیل معاوضہ دیتے ہیں اور اکثر اوقات ان سے مفت بیگاریں بھی لیتے رہتے ہیں۔ وہ لوگ گائے ذبح کر کے اس کی انتڑیاں اور سر ان کے گھروں کے سامنے پھینک دیتے ہیں اور گوردواروں اور مندروں میں سورج چھپنے کے بعد گانے بجانے سے منع کرتے ہیں۔ لہٰذا انہیں ان کے پنجہ سے نجات دلائی جائے۔ بندہ بیراگی ان لوگوں کی شکایات سن کر سخت برہم ہوا اور کہنے لگا کہ ایسی معمولی قسم کی شکایات لے کر آنے والے بزدل لوگ گورو کے سکھ نہیں ہو سکتے۔ ان کو چاہئے تھا کہ ایسے زمینداران کو قتل کر کے ان کی اراضیات پر قبضہ کر لیتے۔ چنانچہ اس نے گورنر بھاج سنگھ کو حکم دیا کہ تمام علاقہ میں اس قسم کی مشتہری کرا دی جائے اور شکایت کنندگان کی مشکیں کس کر انہیں باہر دھوپ میں لٹا دیا جائے اور جب تک وہ سچے گورو کے سچے چیلے بننے کا عہد نہ کریں انہیں مت چھوڑا جائے۔ گورنر نے حکم کی تعمیل کی مگر چلچلاتی دھوپ میں جب سکھوں کی حالت غیر ہونے لگی تو وہ معافی مانگ کر گورو کے سچے چیلے بننے کا عہد کرنے لگے جس پر انہیں رہائی مل گئی۔ یہ لوگ اسی وقت اپنے گھروں کو واپس ہوئے اور جتھوں کی شکل میں مسلمان زمینداروں پر حملے کرنے لگے اور تھوڑے ہی دنوں کے اندر اندر کرنال' سہارنپور' جلال آباد' سرہند' سرسہ اور لدھیانہ تک کے تمام علاقہ میں آباد مسلمانوں کی اراضیات چھین کر انہیں تہی دست کر دیا گیا مزاحمت کرنے والوں کو بے دریغ قتل کر دیا گیا۔ چنانچہ اسی وقت سے ان علاقوں میں مسلمان زمینداران اور خاص کر راعیوں کے پاس اراضیات مقابلتاً" کم ہونے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے۔ سرسہ سے راعیوں کی وسیع پیمانہ پر نقل مکانی بطرف بریلی' پیلی بھیت بھی انہیں ایام میں عمل میں آئی۔ بندہ

بیراگی نے اپنے قیام کے دوران اور بوقت روانگی بطرف لدھیانہ' دہلی' روہتک' گوہگانواں اور کرنال کے دیہاتی علاقوں سے ہندو رما جاٹ' گوجر' آہیر' مینہ' مینو' اور رانگھڑ لوگوں کے علاوہ ملحقہ پہاڑی علاقوں سے گورکھوں کی خاصی تعداد کو بھی خالصہ دل میں شامل کر لیا۔ کٹر ہندو اور مسلمانوں کے جانی دشمن یہ بھوکے لوگ لوٹ مار کر لالچ میں آ کر کشاں کشاں "خالصہ دل" میں شامل ہو گئے۔ جس سے سکھوں کے لشکر کی نفری 75 ہزار کے قریب پہنچ گئی۔ چنانچہ درندہ صفت بندہ بیراگی اس لشکر جرار کو کیل کانٹے سے لیس کر کے قلعہ پور سے یکم اکتوبر 1710ء کو بطرف لدھیانہ روانہ ہوا۔ لیفٹیننٹ کرنل سر جان میلکم اپنی تصنیف "سکیچ آف دی سکھ of the Sikh Skekh" مطبوعہ 1812ء میں وحشی سکھوں کے کریکٹر کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتا ہے کہ بندہ بیراگی جدھر سے گزرتا راستہ میں مسلمانوں کو جبراً" سکھ پنتھ میں شامل کرتا جاتا۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مسلمان مرد اس کے خوف سے داڑھی اور سر کے بال منڈوانے بند کر دیئے تاکہ دور سے وہ سکھ دکھائی دیں اور خالصہ دل کی نظروں میں نہ کھٹکیں۔ جلال آباد پرگنہ کے ایک گاؤں انارسہ Anarsa) کی تمام کی تمام مسلم آبادی کو سکھ پنتھ میں شامل کر لیا گیا لدھیانہ پہنچ کر اس نے دریائے ستلج کے کنارے ڈیرے ڈال دیئے اور دوآبہ جالندھر میں اس وقت کے فوجدا شمس خاں کو اطاعت قبول کرنے اور سرکاری خزانہ اس کے حوالے کرنے کا حکم بھیجا اور ساتھ ہی خبردار کیا کہ بصورت انکار سلطان پور (صدر مقام فوجدار) کے علاوہ پورے دوآبہ جالندھر کو بھسم کر کے رکھ دیا جائے گا۔ شمس خاں کے پاس محدود سی فوج تھی وہ بندہ بیراگی کا پروانہ پڑھ کر بڑا گھبرایا اور چند یوم کی مہلت طلب کی مگر ظالم بیراگی نے اس کی درخواست پر کوئی دھیان نہ دیا اور دریا پر کشتیوں کا پل بنوا کر فوجدار کے صدر مقام پر یلغار کرنے کی تیار کرنے لگا۔ شمس خاں نے مقابلہ کے لئے جالندھر' بٹالہ' کلانور اور لاہور پرگنوں میں آباد مسلمانوں کو تحفظ اسلام کا واسطہ دے کر کافروں کے خلاف جہاد میں شامل ہونے کی

درد مندانہ اپیل کی جس کے جواب میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت سر پر کفن باندھ کر جوق در جوق سلطان پور پہنچنا شروع ہو گئی۔ لاہور میں راعیوں کا قائم کردہ تبلیغی ادارہ "حیدری جتھہ" کے منتظمین میاں محمد تقی، ملاں پیر محمد، موسیٰ بیگ، محمد زبان اور حاجی سید محمد اسماعیل کی سربراہی میں بیگم کوٹ، باغبانپورہ، موچی دروازہ اور فتح گڑھ کے مسلمان جن میں اکثریت راعیوں کی تھی اٹاری اور قصور کے راستہ میں دو آبہ جالندھر میں داخل ہو گئے۔ ڈاکٹر جی ایس چھبرا کا کہنا ہے کہ اس جہاد میں حصہ لینے والے سوائے جذبہ ایمان کے اور کوئی قابل ذکر مہلک ہتھیار نہ رکھتے تھے۔ مگر سکھ گوریلہ لڑائی میں ماہر ہر قسم کے ہتھیاروں سے پوری طرح سے لیس تھے چنانچہ مسلمانوں کا اس خونخوار لشکر کے ساتھ مقابلہ خود کشی کے مترادف تھا۔ بندہ بیراگی بغیر کسی خاص مزاحمت کے سانی سے دریا پار کر کے دو آبہ میں داخل ہو گیا۔ سلطان پور کو تہ و بالا کیا اور ایک کمک فوج پہاڑی راجاؤں کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دی۔ راجگان سے گن گن کر بدلے لئے گئے انند پور پر خالصہ جھنڈا لہرا دیا گیا اور اس کے بعد یہ لشکر پورے دو آبہ میں پھیل گیا اور لوٹ مار اور قتل و غارت سے قیامت کا سا سماں پیدا کر دیا۔ کلا نور اور بٹالہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی اور وہاں کے چیف قاضی میاں محمد عبداللہ کو بمعہ اس کے اہل و عیال کے نہایت بے دردی سے قتل کر دیا گیا اور پرگنہ پٹھان کوٹ پر خالصہ جھنڈا گاڑ دیا گیا۔ امرتسر سے سکھ لشکر پھر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک حصہ براستہ نارووال اور رعیہ بطرف سیالکوٹ اور ایمن آباد اور دوسرا براستہ اٹاری لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت لاہور کا گورنر سید اسلام خان تھا۔ اس نے جب سنا کہ سکھ لاہور کی طرف بڑھ رہے ہیں تو وہ ڈر کے مارے بے ہوش ہو گیا۔ اس بزدل شخص کو مسلمانوں نے قلعہ لاہور میں بند کر دیا اور "حیدری جتھہ" نے لاہور کے نواح میں موضع بھڑتھ کے مقام پر بھگونت رائے کے قلعہ میں پوزیشنیں لے کر لاہور کے دفاع کے لئے سکھوں کا بے جگری سے مقابلہ کیا مگر آخر میں ان مجاہدین کی

اتنی بڑی درندہ صفت فوج کے سامنے کوئی پیش نہ گئی۔ ہزاروں نے جام شہادت نوش کیا۔ سکھ نقارہ بجاتے ہوئے باغبانپورہ اور کوٹ بیگم میں داخل ہو گئے اور دو دن تک راعیوں کی ان آبادیوں میں لوٹ مار اور قتل کا بازار گرم کئے رکھا۔ اس کاروائی کے بعد ان درندوں نے آگے بڑھ کر قلعہ لاہور پر قبضہ کر لیا وہ اب پورے ماجھا اور مالواہ کے مالک بن چکے تھے۔

گورو گوبند سنگھ کی عبرتناک موت

گورو گوبند سنگھ نے انند پور کے مقام پر اپنی 28 سالہ اور گیارہ ماہ کی "پادشاہی" کے دوران ایک دفعہ ایک سرحدی پٹھان سوداگر اسپاں سے عمدہ نسل کے کچھ گھوڑے خرید کئے۔ قیمت کی یکمشت ادائیگی کی بجائے گورو نے آدھی قیمت موقع پر دینے اور بقایا رقم کی ادائیگی کو وعدہ فردا پر ڈالنے پر اصرار کیا مگر پٹھان اس پر رضامند نہ ہوا اور وہ برابر پوری قیمت کا تقاضا کرتا رہا۔ بات آخر تکرار تک پہنچ گئی۔ گورو نے پٹھان کی اکھڑ اور کھردری گفتگو کو اپنی بے عزتی خیال کرتے ہوئے غصہ میں آکر اپنی تلوار سے اس کا سر قلم کر کے اس کی لاش اس کے دو بیٹوں کی آنکھوں کے سامنے "دربار" سے باہر پھنکوا دی۔ پٹھان بچوں کو اپنے بے گناہ باپ کی اس سفاکانہ موت کا بے حد قلق ہوا اور انہوں نے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ آخر گورو جب بحالت فرار ناندیڑ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تو ان بچوں نے اس کا وہاں تک پیچھا کیا اور ایک دن موقعہ پا کر انہوں نے گورو کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا۔ چھرا اگرچہ اپنے کام پوری طرح سے نہ کر سکا مگر پھر بھی گورو کے پیٹ سے انتڑیاں باہر نکل آئیں اور وہ چیخنے لگا جس پر اس کے کچھ چیلے وہاں جمع ہو گئے اور انہوں نے فوری طور پر پٹی کر کے پیٹ کو ٹانکے لگا کر سی دیا جس سے وقتی طور پر تو وہ موت کے منہ سے بچ گیا مگر چند ماہ بعد ایک دن ایک نئی قسم کی کمان کو ٹیسٹ کرتے ہوئے اس کے پیٹ کے ٹانکے ٹوٹ گئے اور انتڑیاں دوبارہ باہر نکل آئیں۔ سرجری کا عمل دوبارہ ہوا مگر سپٹک (Septic) ہو گیا اور اس کے زخموں میں

کیڑے پڑنے لگے۔ وہ درد و کرب سے دن رات کراہتا رہتا۔ کسی کروٹ چین نہ ملتا۔ کافی علاج معالجہ ہوا مگر صحت یابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ اخر ایک دن مایوسی کی حالت میں اس نے جلتی چتا میں چھلانگ لگا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا وہ اس دار فانی میں اڑتالیس سال تک زندہ رہا جس کے دوران اس نے ہر جائز ناجائز ممکن العمل طریقہ سے اپنی ساکھ بنانے کی کوشش کی مگر قسمت نے یاوری نہ کی اور بالاخر بھگتی تحریک کا علمبردار سکھوں کا یہ آخری اور دسواں گورو 18 اکتوبر 1708ء بروز جمعرات دل کی دل ہی میں لئے اس دنیا سے دوسری دنیا میں چلا گیا۔

آخری بات

بقول سائنسدانوں کے زمین کی قوت کشش میں کمی واقعہ ہوتی جا رہی ہے اور آج انسانی ذہنوں میں یہ سوچ ابھر رہی ہے کہ اگر ایسا ہی ہے تو بہتر ہے کہ عذاب عظیم کی آمد سے پیشتر ہی وہ اس کرہ ارض سے اٹھا لئے جائیں تاکہ ان کی آنکھیں سورج کے عظیم الاؤ سے تباہی والا نظارہ نہ دیکھ سکیں۔ ماہرین اعداد و شمار کی یہ خبر ہے کہ ہر ایک منٹ میں ساری دنیا کے اندر ایک سو کے قریب انسان لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے لئے یہ اس سے بھی زیادہ گھبرا دینے والی بات ہے۔ کوئی شخص یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں جن انسانوں کی موت کی فہرست تیار ہو رہی ہے اس میں ان کا نام شامل ہے یا نہیں۔ گویا ہر شخص ہر آن اس خطرے سے دوچار ہے کہ قضا و قدر کا فیصلہ اس کے حق میں موت کا فرشتہ بن کر ابھی پہنچا کہ پہنچا۔

اس دنیا میں بسنے والوں پر موت اس لئے آتی ہے کہ دوسری دنیا میں ان کی اس مستقل زندگی کا آغاز ہو سکے جس کی بنیاد اس دنیا میں کئے گئے اعمال پر قائم ہے۔ یہ زندگی اعمال کے مطابق یا تو بڑی آرام دہ ہو گی یا بے حد تکلیف دہ۔ یہ گھڑی ہر حال آ کر رہے گی اور کوئی بشر اس کی دست برد سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔ کیا انسان کو ہوشیار

کرنے کے لئے یہ قانون کافی نہیں ہے؟ کیا اسے زندگی بدلنے کے لئے مہلت نہیں دی گئی؟ کیا وہ اس سے کسی بڑے محرک کے انتظار میں ہے؟ وہ انسان جس نے اس دنیا میں اپنی زندگی صرف مخلوق خدا پر ظلم ڈھانے کے لئے وقف کر رکھی ہو اور اسے کسی دوسرے کام پر خرچ کرنے کا تیار ہی نہ ہو وہ کس طرح یہ توقع کر سکتا ہے کہ اس کی باغیانہ روش کو پس پشت ڈال کر قادر مطلق اس کو عذاب عظیم میں ہمیشہ کے لئے مبتلا نہ کرے۔ قدرت کا فیصلہ اٹل ہے اور سکھوں کو اپنے گورو اور اس کے اہل و عیال کی دردناک موت سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

بہادر شاہ پر سناٹا چھا گیا

بہادر شاہ (معظم پسر اورنگ زیب) جو اس وقت اجمیر میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھا کو جب یہ اندوہناک اطلاع ملی کہ گنگا جمنا کا میدانی علاقہ ______ کرنال تا لدھیانہ اور ستلج پار دوآبہ جالندھر' بٹالہ' کلانور' پٹھانکوٹ اور پہاڑی ریاستوں کے علاوہ صوبہ لاہور کو بھی سکھ درندوں نے تاخت و تاراج کر دیا ہے اور سرکاری خزانے لوٹ لئے گئے ہیں۔ وزیر خاں گورنر سرہند' شمس خاں گورنر دوآبہ جالندھر اور سید اسلام خاں گورنر لاہور بھی قتل ہو گئے ہیں۔ علاوہ ازیں سینکڑوں مسلمانوں کو جبراً "سکھ" بنا لیا گیا ہے تو وہ سناٹے میں آگیا۔ چنانچہ وہ ماہ جون کی چلچلاتی دھوپ میں 1710ء کو اجمیر سے روانہ ہوا اور راستہ میں اودھ کے سامنہ شیخوں' الہ آباد اور مراد آباد کے فوجداروں اور دہلی کے گورنر کے فوجی دستوں کو شاہی فوج میں شامل کرتے ہوئے محمد امین خاں منصب دار ہفت ہزاری کی زیر کمان ایک لشکر جرار لے کر پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ شاہی فوج کے ہراول دستوں نے دریائے ستلج کو پار کر کے ساڈھورہ کے مقام پر سکھوں کے جنرل ہیڈ کوارٹر کو تباہ کر کے وہاں پر "خالصہ دل" کے گھوڑ سوار دستوں کو تہ تیغ کیا۔ ان میں سے جو بچ گئے وہ بندہ بیراگی کے ساتھ فرار ہو کر لوح گڑھ کے قلعہ میں پناہ گزین ہو گئے۔ سکھوں کے جنرل ہیڈ کوارٹر کی تباہی اور ان کے بہترین گھوڑ سوار

گوریلوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد بہادر شاہ نے حکم عام جاری کیا کہ جہاں کہیں کوئی سکھ نظر آئے اس کے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور جو کوئی انہیں پناہ دے اس کی املاک جلا دیجائیں۔ چنانچہ اس شاہی فرمان سے بچے کچے اور سہمے ہوئے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور وہ جتھوں کی صورت میں قریہ قریہ گاؤں گاؤں اور جنگلوں میں چھپے ہوئے سکھوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کرنے لگے اور چند ہی ماہ میں ایسا لگنے لگے تھا کہ ماجھا میں جیسے کبھی کوئی سکھ تھا ہی نہیں۔ مسلمان ان کی املاک کو اسی طرح لوٹنے لگے جس طرح ماضی میں سکھ لٹیرے انہیں لوٹتے رہے تھے۔

لیفٹیننٹ کرنل سرجان میلکم "سکیچ آف دی سکھ" میں لکھتا ہے کہ "بہادر شاہ کی بروقت اور موثر کاروائی سے پنجاب اور اس میں آباد مسلم آبادی کا تحفظ ہو گیا ورنہ مزید تاخیر اور غفلت برتنے سے سکھ درندے کل ہندوستان پر چھا جاتے" (یاد رہے کہ سکھ میدان جنگ میں جم کر کبھی نہ لڑتے وہ ہمیشہ گوریلہ طرز پر شاہی فوج کے عقب میں چھپ چھپا کر اچانک حملے کرتے اور لوٹ مار کر کے بھاگ کر جنگلوں میں چھپ جاتے)

سکھوں کی تباہی

محمد امین خاں نے سکھوں کا تعاقب کرتے ہوئے لوح گڑھ کا محاصرہ کر لیا جو دو ماہ تک جاری رہا اور جس کے دوران سکھوں کا راشن پانی ختم ہو گیا اور وہ فاقوں مرنے لگے۔ بندہ بیراگی کی جگہ اس کا ایک اسسٹنٹ کمانڈر گلاب سنگھ اس کے بھیس میں قلعہ میں موجود رہا اور ایک دن موقعہ پا کر بندہ بیراگی مسلمانوں کے بھیس میں شاہی فوج کے بیچوں بیچ ہوتا ہوا صاف بچ کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا اور پہاڑی ریاست "منڈی" کے راجہ سدھ سین (Sid Sain) کے ہاں چند روز مقیم رہنے کے بعد جموں کی طرف فرار ہونے کے لئے ادھر ادھر بکھرے ہوئے گوریلہ سکھوں کو اکٹھا کرنے لگا۔

ادھر محمد امین خاں نے قلعہ لوح گڑھ پر قبضہ کر کے قلعہ میں محصور سکھوں کو ٹھکانے لگایا اور امرتسر میں بیٹھ کر صوبہ لاہور کا آزاد کرانے اور سکھوں کا مکمل طور پر صفایا کرنے کے لئے شاہی لشکر کو تین حصوں بانٹا۔ ایک کالم براستہ کھیم کرن اور قصور' دوسرا کالم سلطان پور سے براستہ کوٹ کپورہ' فرید کوٹ' بٹھنڈہ' فیروز پور اور گنڈا سنگھ والا سے بطرف لاہور اور کرنال تا لدھیانہ کے علاقہ کی حفاظت اور وہاں سے بچے کچے سکھوں کے صفایا کے لئے انبالہ کے گورنر شیخ محمد دین کے نام حکم نامہ جاری کرتے ہوئے وہ خود براستہ واہگہ لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں سکھوں کے گڑھ موضع اٹاری کی تاخت و تاراج کیا او واہگہ کے نزدیک موجود "حیدری جتھہ" کے مجاہدین کے ایک جیش زیر کمان محمد زمان کو اپنے ہمراہ لے کر باغبانپورہ فتح گڑھ اور بدھو کے آوا میں سکھوں کے کیمپوں کو تباہ کرتے ہوئے قلعہ لاہور میں داخل ہوا۔ دوسرے دونوں کالم بھی چند دن کے بعد اپنے اپنے راستوں سے سکھوں کی سرکوبی کرتے ہوئے لاہور میں شاہی فوج کے ہیڈ کوارٹر کے ساتھ آن ملے۔ لاہور اور اس کے گرد و نواح میں چھپے ہوئے سکھوں کو حیدری جتھہ کے مجاہدین نے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالا اور دریائے راوی کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا۔ محمود بوٹی' شاہدرہ اور شرق پور کے راعیوں کی بھاری تعداد حیدری جتھہ میں شامل ہو گئی اور سکھوں کو دریا پار کرنے سے روک دیا۔ سینکڑوں سکھ چوہوں کی طرح دریا میں ڈوب ڈوب کر مرے اور کسی نہ کسی طرح جو کوئی بچ نکلا وہ چھپتے چھپاتے ایم اباد اور وہاں سے پسرور ہوتے ہوئے اپنے ظالم کمانڈر بندہ بیراگی کے پاس جموں کی طرف بھاگنے لگے۔ جموں تک پہنچتے پہنچتے راستہ میں مسلمان دیہاتیوں نے ان کی خاصی تعداد کو تہ تیغ کیا اور کئی ایک مسلمان ہو گئے صرف چند گنتی کے سکھ ہی اپنے سفاک لیڈر کے ساتھ ملنے میں کامیاب ہوئے۔

بندہ بیراگی لوح گڑھ سے بھیس بدل کر جب پہاڑی ریاست منڈی میں پہنچا تو وہاں اس نے تیس ہزار کے قریب سکھ گوریلوں کو جمع کر لیا اور ریاست چمبہ اور پٹھان

کوٹ کے دیہاتوں کو روندتا ہوا وہ آخر کار جموں پہنچ گیا جہاں اس نے دوسری شادی کی اور اپنے نام پر "ڈیرہ بابا بندہ سنگھ" کا ایک گاؤں بسلیا جہاں وہ ایک سال تک مقیم رہا اور گوریلوں کو ٹریننگ دیتا رہا۔ اسی دوران 18 فروری 1712ء کو قلعہ لاہور میں مقیم بہادر شاہ کا اچانک انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا جہاندار شاہ تخت دہلی پر بیٹھا۔ یہ شخص پرلے درجے کا عیاش اور ست الوجود واقع ہوا۔ ایک دن دہلی شہر کی سیر کے دوران اس نے چاوڑی بازار (بازار حسن) میں ایک سکھ بیسوا مسماۃ لال کور کو دیکھ لیا اور دیکھتے ہی اس پر بری طرح سے فریفتہ ہو گیا اور اسے فوری طور پر داخل حرم کر لیا۔ وہ دن رات اس خوبصورت ناگن سے دل بہلاتا رہتا اور شام کو اسے بغل میں دبائے باغوں کی سیر کرتا پھرتا۔ آخر کار ایک دن اس کے بھتیجے فرخ سیر نے موقعہ پا کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اور خود عنان حکومت سنبھال کر تخت دہلی کا مالک بن بیٹھا۔ اس نے دکن سے توجہ ہٹا کر پنجاب میں سکھوں کے طوفان کو روکنے کے لئے اپنے تمام ذرائع بروئے کار لانے شروع کر دیئے۔

بندہ بیراگی کی گرفتاری اور عبرتناک سزا

اس نے سب سے پہلے عبدالصمد گورنر کشمیر کو گورنر لاہور مقرر کر کے اسے سکھوں کی سرکوبی پر مامور کیا۔ یہ شخص نہ صرف ایک کہنا مشق سٹیٹسمین ہی تھا بلکہ بڑا بہادر اور تجربہ کار جرنیل بھی تھا۔ اس نے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتے ہوئے بندہ بیراگی کو جموں کے پہاڑی علاقہ سے میدان میں اترنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ بیراگی پٹھان کوٹ کے راستہ کلانور اور بٹالہ کے میدان علاقہ میں اپنے گوریلوں کے ساتھ مورچے قائم کر کے شاہی فوج سے مقابلہ کی تیاری کرنے لگا۔ عبدالصمد خاں نے جب دیکھا کہ بندہ بیراگی پہاڑوں سے نیچے اتر آیا ہے تو اس نے ایک کالم فوج بھیج کر کلانور کے علاقہ کو گھیرے میں لے لیا جہاں سے یہ چالاک بہروپیہ بھیس بدل کر ایک دفعہ پھر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب کے اس نے کھلے میدان میں نکل کے مقابلہ کرنے کی

بجائے شہر گورداسپور کے قریب گڑھی گورداس ننگل میں ایک قلعہ نما پختہ حویلی جس کے گرد خندق کھدی ہوئی تھی اور اس میں پانی بھرا ہوا تھا میں ڈیڑھ ہزار گوریلوں سمیت مورچہ قائم کر کے اپنا دفاع کرنے لگا۔ شاہی فوج اس کے تعاقب میں وہاں پہنچی اور حویلی کا باہر سے رابطہ کاٹ کر اسے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا۔ حویلی کی مضبوط دفاعی پوزیشن اور خوراک وغیرہ کے تسلی بخش انتظام کے پیش نظر بندہ بیراگی نے شاہی فوج کے حکم کے مطلق کوئی پرواہ نہ کی اور آٹھ ماہ تک ڈٹ کر برابر مقابلہ کرتا رہا۔ آخر ایک دن اپنے نائب کمانڈر بنود سنگھ سے دفاعی پالیسی سے اختلاف رائے کی بنا پر بے بس ہو کر بمعہ اپنے ساتھیوں کے اپنے آپ کو شاہی فوج کے حوالے کر دیا۔ ڈیڑھ ہزار کی نفری میں سے کئی لوگ فاقوں اور بیماری سے ہلاک ہو چکے تھے مگر پھر بھی تیرہ سو کے قریب نفری زندہ اور درست حالت میں تھی جسے حراست میں لے لیا گیا۔ بندہ کو لوہے کے ایک خاص پنجرہ میں بحفاظت بند کر دیا گیا اور ان تمام اسیران کو بحفاظت تمام لاہور لایا گیا۔ راستہ میں اس گروہ میں سے چار سو کے قریب منہ پھٹ قسم کے حد سے زیادہ جذباتی قیدیوں کو ان کے گستاخانہ اور باغیانہ رویہ کی پاداش میں دریائے راوی میں ڈبو دیا گیا اور باقی نفری کو گورنر عبدالصمد خاں نے اپنے بیٹے ذکریا خاں کی زیر نگرانی دہلی بھیج دیا۔ دہلی پہنچنے پر بندہ بیراگی کو پنجرہ سے نکال کر اس کا منہ کالا کیا گیا اور پابہ زنجیر موجودہ تھانہ کوتوالی کے بالمقابل باغ میں پہلے سے موجود ایک بھاری مجمع کے سامنے اسے اوندھے منہ (پیٹ کے بل) زمین پر لٹا دیا گیا اور سب سے پہلے اس کا دایاں بازو اور بائیں ٹانگ کاٹی گئی اور تھوڑی دیر بعد دوسرے بازو اور ٹانگ کو قلم کیا گیا او ربقایا جسم کو ہاتھی کی دم سے باندھ کو جلوس کی شکل میں پورے شہر میں گھمایا گیا۔ اس جلوس کے آگے آگے شاہ نقاری اس ظالم شخص کے پنجاب میں بے پناہ مظالم و بربریت کے لرزہ خیز واقعات سناتا جاتا تھا۔

اپنے گورو کا چیلہ گورو کے فرمان کی بجا آوری میں اپنے کئے کی سزا پا کر اس

جہان سے بے دست و پا کوچ کر گیا اور بے گناہ مسلمانوں پر توڑے گئے مظالم کی ناقابل فراموش داستانیں پیچھے چھوڑ گیا جنہیں تاریخ پنجاب اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہر خاص و عام کو دعوت عبرت دے رہی ہے۔

بیراگی کی موت کے بعد سکھوں میں پھوٹ اور دوآبہ جالندھر میں آباد کاری سکیم کا اجراء

سفاک بیراگی کی 9 جون 1716ء کو سزا یابی کے بعد سکھوں کی ہلڑ بازی اور لوٹ مار کا طوفان قدرے تھم گیا اور پنجاب میں پھر سے امن و امان کی فضا قائم ہونی شروع ہو گئی۔ مسلمانوں نے یوم تشکر منایا اور حکومت نے بچے کھچے وحشی سکھوں کو قابو میں رکھنے کے لئے کئی موثر اقدامات کئے جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

1- سکھوں کی کثیر آبادی والے علاقوں میں موزوں مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں اور سوائے چھوٹی کرپان کے باقی تمام مہلک قسم کے ہتھیاروں پر پابندی لگا دی گئی۔ شک پڑنے پر فوج کو خانہ تلاشی اور کسی سکھ کو روک کر اس کی جامہ تلاشی لینے کے اختیارات تفویض کئے گئے اور قصور وار افراد کو موقعہ پر ہی کڑی سزا دی جانے لگی۔

2- حکومت کے وفادار اور خیر خواہ سکھوں کے علاوہ اور کوئی سکھ گھوڑا رکھنے یا خریدنے کا مجاز نہ رہا۔

3- امرتسر' انندپور اور چمکور میں گوردواروں میں سکھوں کی سرگرمیوں پر کڑی نگرانی کے لئے خاص افسران مقرر کئے گئے جو امن عامہ برقرار رکھنے کے لئے فوری اور موثر اقدامات کرنے کے مجاز تھے۔

4- بے زمین سکھ کسان اور خاص طور پر خانہ بدوش اور جرائم پیشہ سانسی قبیلہ اور قیدیوں کو جنگلات صاف کرنے کے کاموں پر لگا کر ان کے لئے روزگار کے مواقع مہیا کئے گئے اور وہاں سے حاصل شدہ اراضی کو قابل کاشت بنانے اور نیک چال چلن سکھوں میں بلا معاوضہ تقسیم کرنے کے احکامات جاری کئے گئے۔

5- دوآبہ جالندھر میں آبادی کے تناسب میں توازن قائم رکھنے کے لئے ملتان' لاہور اور سیالکوٹ کے علاقوں سے ملتانی راعیوں کو اور وادی سون سکیسر سے نو مسلم اعوانوں اور ضلع گجرات سے مسلم جاٹوں اور گوجروں کے متعدد خاندان یہاں منتقل کئے گئے۔

6- دیہاتوں میں بسنے والے مسلمان کاشتکاران کو حفاظت خود کے لئے تلوار ار بندوق رکھنے کی عام اجازت دے دی گئی۔

مندرجہ ذیل اقدامات سے امن و امان اور علاقہ کی اقتصادی صورت حال میں نمایاں پیش رفت ہوئی اور ملتانی راعیوں نے اپنے سابقہ دیہاتوں کے نام پر مندرجہ ذیل نئے دیہات آباد کئے۔

1- سانده کلاں 2- سانده خورد 3- باھنیانوالی 4- سندھیانوالی سانگی 5- منڈھ گوہیراں 6- میلسیاں 7- کنگرہ اور 8- تکوتڈی

ان دیہات پر مشتمل ایک عملداری معرض وجود میں آئی جس کے پہلے عامل اور جاگیردار مہر قادر بخش ہوا جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں علاقہ کی زرعی پیداوار میں اضافہ کر کے دربار لاہور کے خزانہ میں خراج کی رقم کی باقاعدہ ترسیل کا بندوبست کیا اور نواب ذکر خاں سے خراج تحسین حاصل کیا۔

نادر شاہ ایرانی کا حملہ 1739ء میں

پنجاب میں امن و امان کی یہ خوشگوار فضا کم و بیش پچیس سال تک قائم رہی جب کہ 1739ء میں طالع گڈریا نادر شاہ ایرانی ہندوستان کو لوٹنے کے لئے اپنی پچاس ہزار فوج کے ساتھ اچانک نمودار ہوا۔ وہ کابل سے براستہ درہ خیبر پشاور پہنچا اور اسے تہ و بالا کرتے ہوئے دریائے اٹک کو پار کر کے مرکزی پنجاب میں داخل ہو گیا اور گجرات تک کے تمام علاقہ کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے سوہدرہ کے مقام سے دریائے چناب کو عبور کیا اور سورج غروب ہونے سے قبل اس وقت کے امیر ترین اور اہم

تجارتی مرکز ایمن آباد (قدیم نام سید پور) میں داخل ہو گیا۔ اس کی بھوکی فوج نے درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شب بھر لوٹ مار جاری رکھی ہزاروں بے گناہ لوگوں کو تہ تیغ کیا اور اس قدیم بستی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ دوسرے روز مارچ کر کے شاہدرہ کے قریب پہنچا جہاں جواب ذکریا خاں گورنر پنجاب کی قائم کردہ دفاعی لائن کو پاش پاش کیا اور محمود بوٹی گاؤں کے بالمقابل دریائے راوی کو پار کرتے ہوئے شالیمار باغ میں ڈیرے جما لئے۔ دوسرے دن نواب ذکریا کو کہلوا بھیجا کہ وہ بیس لاکھ روپیہ نقد معہ دس نفیس ہاتھیوں کے حاضر ہو ورنہ شہر لاہور کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی شکست خوردہ اور بے بس نواب نے کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر خزانہ میں موجود سرکاری رقم دس لاکھ روپیہ اور بقایا نصف رقم مقامی روسا اور متمول لوگوں سے اکٹھی کر کے فیل خانہ سے دس ہاتھی لے کر باغ میں حاضر ہو گیا۔ نادر شاہ ان تحائف کو وصول کر کے بڑا خوش ہوا اور اس طرح لاہور تباہی سے بچ گیا۔ ذکریا خان کو بدستور گورنر کے عہدہ پر رہنے دیا گیا اور اس کے چھوٹے بیٹے حیات اللہ خاں کو منصب پنج ہزاری پر فائز کر کے بطور گائیڈ اپنی فوج میں شامل کر لیا گیا۔ لاہور میں چند یوم جشن منانے کے بعد نادر شاہ لٹیرا عازم دہلی ہوا۔ وہاں پہنچنے پر اس یکتائے زمانہ بستی کو جی بھر کر لوٹا۔ تین دن تک قتل عام جاری رکھا۔ بے شمار دولت اکٹھی کرنے کے بعد تخت طاؤس اور ہیرا کوہ نور اپنے قبضہ میں کیا اور واپس لاہور چلا گیا۔ چند یوم یہاں قیام کے بعد نواب ذکریا کو اپنے ساتھ لیا اور سیالکوٹ کی طرف کوچ کیا۔ راعیوں کی اس قدیم بستی کو خوب لوٹا' بزدل مغل عامل اور اس کا کردار کشمیرا سنگھ ڈوگرہ شہر چھوڑ کا بھاگ گئے۔ وہاں سے براستہ کلو وال پتن دریائے چناب کو عبور کر کے وہ گجرات پہنچا۔ ایک دن تک اس بستی کی امیر ترین ""نخاس منڈی"" کو لوٹنے میں لگا رہا۔ نہایت عمدہ نسل کے گھوڑے قبضہ میں کئے اور جلال پور جٹاں اور کھاریاں کو روندتا ہوا دریائے جہلم کے کنارے پہنچ کر دریا میں طغیانی کی سطح کے گرنے کا انتظار کرنے لگا۔ اسی قیام کے دوران اس نے نواب ذکریا

خاں کو بذریعہ فرمان خاص دس لاکھ روپیہ سالانہ خراج کے عوض گجرات' سیالکوٹ اور پسرور کے اضلاع تفویض کئے اور کسی موزوں وقت پر پنجاب دوبارہ آنے کے متعلق نواب کو خبردار کرتے ہوئے اسے بھاری خلعت دے کر رخصت کیا اور خود دریا پار کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ اس نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور خود بمعہ ہیرا کوہ نور اور تخت تاؤس اور دیگر ذاتی استعمال کے قیمتی سامان کے پہلے حصہ میں شامل ہو کر دریا پار کر گیا۔ اس کے بعد لشکر کا دوسرا حصہ دریا پار کرنے کے کام میں لگ گیا جبکہ اسی اثنا میں اچانک کھاریاں کی بیلوں میں چھپے ہوئے گھوڑسوار' سکھ جتھے نمودار ہوئے اور تیاریوں میں مصروف اس لشکر پر ٹوٹ پڑے لشکریوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ سکھوں نے نہایت خاموشی اور چابکدستی سے مزاحمت کرنے والے ہر فرد کو ٹھکانے لگاتے ہوئے دولت سے بھرے ہوئے صندوق' سامان حرب و ضرب اور راشن وغیرہ اکٹھا کیا اور "آناً فاناً" واپس بیلوں میں غائب ہو گئے اور نادر شاہ لٹیرا دریا کے دوسرے کنارے کھڑا بے بسی کی حالت میں سکھوں کے ہاتھوں اپنی سپاہ کی درگت بنتے دیکھتا رہ گیا۔ چنانچہ اسی بے بسی اور پریشانی کی حالت میں یہ بڑا ڈاکو راستہ میں چھوٹے ڈاکوؤں سے بچتا بچاتا کابل واپس پہنچ گیا۔

نواب ذکریا خاں ابھی لاہور پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ سکھوں نے ایک اور واردات کر دی۔ پرگنہ شیخوپورہ کے موضع کالیکے کے رہنے والے ایک سکھ ڈاکو کپور سنگھ ورک نے اپنے دو صد مسلح لٹیروں کو لے کر رات کی تاریکی میں امرتسر کے نزدیک واقعہ میاں فیض اللہ کی جاگیر "فیض اللہ پور" پر ڈاکہ ڈالا۔ میاں صاحب کو بمعہ ان کے اہل و عیال اور باڈی گارڈ کے نہایت بے دردی سے قتل کر دیا اور ان کی حویلی کو لوٹ کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی اور گاؤں پر قبضہ کر کے اس کا نام "سنگھ پورہ" رکھ لیا گیا۔ کپور سنگھ ڈاکو دراصل بندہ بیراگی کا دست راست تھا اور اس کی موت کے بعد خفیہ طور پر پنجاب میں ہلڑ بازی کا پروگرام بنائے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس نے اس

رائین جاگیر پر قبضہ کرنے کو اسلام کے خلاف سکھوں کی فتح قرار دیتے ہوئے اس جاگیر کے نام پر "فیض اللہ پوریہ" مثل کی بنیاد رکھی اور خود اس کا مثلدار بن بیٹھا۔ چنانچہ اس مقام کو اس نے اپنا صدر مقام مقرر کرتے ہوئے یہاں سے پنجاب میں "خالصہ راج" قائم کرنے کی تدبیریں اور منصوبے بنانے لگا۔ رائیوں سمیت کئی دیگر مسلمانوں کو جبراً سکھ بنا لیا گیا اور انہیں سر کے بال کٹوانے اور داڑھی منڈوانے کی سخت ممانعت کر دی گئی۔ بزدل اور بے حس نواب ذکریا خاں کو اس سانحہ عظیم کا ملال تک نہ ہوا اور وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ امرتسر اور اس کے نواح میں تعینات اہلکاروں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی بلکہ ذلالت کی حد یہ کہ شہر امرتسر کا رانگھڑ کوتوال موسیٰ شہر چھوڑ کر بھاگ گیا جس پر کپور سنگھ ڈاکو نے نہایت آسانی سے قبضہ کر لیا۔ غرضیکہ دربار دہلی اور دربار لاہور کی تاریخ میں عیاش اور بے حس پٹھان اہلکاران کی زندگی کا یہ ذلیل ترین دور تھا۔

سکھ "گورماٹا" کا انعقاد

نادر شاہ ایرانی کے جانے کے بعد اور نواب ذکریا خاں وائسرائے پنجاب کی خاموشی اور بے حسی سے سکھوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور وہ کسی فرمان شاہی کو خاطر میں نہ لاتے۔ چنانچہ اس صورت حال کے پیش نظر کپور سنگھ نے پنجاب کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے سکھ لٹیروں کے تمام جتھیداروں کو "سنگھ پورہ" (اصلی نام فیض اللہ پور) میں جمع کیا اور ایک بڑے اجتماع (گور ماٹا) کا اہتمام کیا جس میں مندرجہ ذیل بڑے بڑے سکھ ڈاکوؤں نے شرکت کی۔

1- مسمیان بھیم سنگھ اور مالا سنگھ جاٹ آف قصور، جگت سنگھ ساہنسی جاٹ آف موضع پنجوار ضلع امرتسر (بانیان مثل بھنگی)

2- مسمیاں جسہ سنگھ ترکھان، مالا سنگھ، تارا سنگھ کلال آف سارنگ ضلع لاہور، بودھ سنگھ آف امرتسر (بانیین مثل را مگڑھیہ)

3- مسمیان جے سنگھ' جھنڈا سنگھ جاٹ آف کاہنہ کاچھا ضلع لاہور (بانیان مثل کاہنیہ)

4- مسمی ہیرا سنگھ ولد ہمراج سندھو جاٹ آف بھروال' پرگنہ فیرو آباد ضلع چونیاں (بانی مثل نکائی)

5- مسمی سادھو سنگھ کلا جاٹ آف موضع آہلو ضلع لاہور (بانی مثل آہلووالیہ)

6- مسمی گلابا جاٹ سنگھ آف موضع ڈالیوال نزد ڈیرہ بابا نانک (بانی مثل ڈالیوالیہ)

7- مسمی مہر سنگھ جاٹ آف انبالہ (بانی مثل نشان والا)

8- مسمیان کروڑا سنگھ' مستان سنگھ و کرم سنگھ جاٹ آف بجگرائیں۔ ضلع کرنال۔ (بانی مثل کروڑا سنگھی)

9- مسمی پھول سنگھ راجپوت جاٹ آف پٹیالہ (بانی مثل پھلکیاں)

10- مسمی نودھ سنگھ ولد بڈھا سنگھ۔ سانسی جاٹ آف سکھو چک پرگنہ شیخوپورہ (بانی مثل سکھو چک)

(نوٹ) نودھ سنگھ پردادا رنجیت سنگھ تھا۔

سات دن تک گورماتا کی تقریبات جاری رہیں جن میں مندرجہ ذیل امور بالاتفاق رائے منظور کر کے گورو گرنتھ صاحب (سکھوں کی مذہبی کتاب) پر ہاتھ رکھ کر ان پر شق وار عمل در آمد کرنے کا عہد باندھا گیا۔ "پانچ پیاروں" نے بھی آخری منظوری دے دی۔

1- اپنے اپنے علاقوں میں مسلح جتھوں کی نفری بڑھائی جائے۔

2- خراج و لگان اور لوٹ مار سے حاصل شدہ آمدنی کا 1/10 حصہ ہر سال بیساکھی کے موقعہ پر ہر جتھیدار خود حاضر ہو کر گوردوارہ امرتسر اپنے کھاتہ میں جمع کروانے کا پابند ہو گا اور اس کے علاوہ اپنی تمام جنگی اور لوٹ مار کی کاروائیوں کی مکمل روئیدار کا ریکارڈ ایک مثل (File) کی صورت میں گوردوارہ میں مستقل طور پر بحفاظت رکھنے کا بندوبست کرے گا۔

3- ہر جتھیدار اپنے اپنے علاقہ میں اپنی حسب منشا کاروائیاں کرنے میں قطعی طور پر آزاد ہو گا مگر حکومت وقت یا کسی بیرونی حملہ کی صورت میں گورو کے سکھوں اور سکھ پنتھ کے دفاع کے لئے سب مثلیں گورماتا کے منشور کے عین مطابق مل کر اجتماعی کاروائی کریں گی۔

4- اپنی مجموعی آمدنی میں سے ایک معقول رقم اپنے اپنے علاقوں میں گوردواروں کی تعمیر اور دیکھ بھال کے لئے وقف کی جائے گی۔

5- مسلم اقتدار کو یکسر ختم کرنے اور پنجاب کی دھرتی پر "خالصہ راج" کے قیام میں جان و مال کی قربانی کی حد تک کوششیں جاری رکھی جائیں گی۔

تقریبات کے خاتمہ کے بعد یہ درندے اپنے اپنے علاقوں کو واپس ہوئے اور جاتے ہی پورے پنجاب میں ایک طوفان بدتمیزی برپا کر دیا۔ عوام نے شناخت سے بچنے کے لئے ڈر کے مارے سر اور داڑھی کے بال منڈوانے بند کر دیئے اور راتوں کو گھربار چھوڑ کر جنگلوں کھیتوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے کیونکہ یہ درندے اپنی زیادہ تر وارداتیں رات کے اندھیرے ہی میں کرتے تھے اور سوتے میں لوگوں کے گلے کاٹتے تھے۔ اس قوم کے مظالم اور وحشیانہ کاروائیوں کا تفصیلی جائزہ لینے کے لئے ایک دفتر درکار ہے لہٰذا اس کتاب میں عدم گنجائش کے پیش نظر صرف چند مندرجہ ذیل تمثیلات پیش کی جاتی ہیں تاکہ اس وقت کی مغل (اسلامی) سلطنت کی بے بسی اور پنجاب کے عوام خصوصاً مسلمانوں کی حالت زار کا دھندلا سا خاکہ نظروں کے سامنے آ جائے۔

1- قاضی عبدالرحمٰن لاہور نگران اعلیٰ گوردوارہ امرتسر کو بمعہ اس کے حفاظتی دستہ کے کرموں ڈیوڑھی کے پاس دن دہاڑے قتل کر کے گوردوارہ پر اپنا مکمل کنٹرول کر لیا۔

2- پرگنہ پٹی صوبہ لاہور کے قلعہ دار مرزا جعفر بیگ کو بمعہ اس کے دو بھتیجوں اور قلعہ میں موجودہ سپاہ کو قتل کر کے پٹی پر قبضہ کر لیا گیا۔

3- گجرا تکا مشہور سوداگر اسپاں مرتضیٰ خان چار ہزار گھوڑے لے کر دہلی جا رہا تھا کہ راستہ میں اس کے قافلہ کو جنڈیالہ کے قریب روک لیا گیا اور اسے قتل کر کے تمام گھوڑے بمعہ دیگر سامان کے قبضہ میں کر لئے گئے۔

4- سیالکوٹ کا مشہور شاہی قالین تاجر (Royal Carpet Merchant) لالہ پرتاب چند قیمتی شال اور قالین لے کر اپنے قافلہ کے ساتھ دہلی جا رہا تھا۔ کہ راستہ میں نظامت کھڈیاں کے قریب اس کے قافلہ کو دن دیہاڑے لوٹ لیا گیا اور ایک بھاری رقم کے عوض میں اس کی جان بخشی کی گئی۔

5- پشاور سے محمد جعفر خاں افسر خزانہ 14 لاکھ روپیہ کی خطیر رقم لے کر دربار دہلی جا رہا تھا کہ راستہ میں دریائے بیاس کے کنارے اسے روک کر حفاظتی دستہ کو تہ تیغ کر کے خزانہ لوٹ لیا گیا۔

6- قصور سے لاہور جاتے ہوئے خزانہ افسر مکند لال سے پانچ لاکھ روپے چھین کر اسے قتل کر دیا گیا۔

7- کپور سنگھ ڈاکو مثلدار فیض اللہ پوریہ مثل کے بھتیجے اور جانشین خوشحال سنگھ نے موضع نور پور' بہرام پور اور بھرت گڑھ پر قبضہ کر کے خراج اور لگان کی وصولی شروع کر دیا ور پرگنہ پٹی میں اپنا ناظم مقرر کر دیا۔

8- نواب ذکریا خاں پر قاتلہ حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا مگر بروقت پتہ چل جانے سے اس کی جان بچ گئی جس کے بعد ڈر کے مارے اس نے ادائیگی نماز جمعہ کے لئے شاہی مسجد میں جانا تک چھوڑ دیا۔

9- سکھ کسان جب مثلدار کے حکم کی تعمیل میں لوٹ مار یا کسی یلغار پر جاتے تو ان کی عدم موجودگی میں مسلمان کسانوں کو جبریہ بیگار کے طور پر ان کی زمینوں اور مال مویشیوں کی دیکھ بھال کے کاموں پر لگا دیا جاتا تھا اور کسی کو انکار کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

10- مسجدوں میں اونچی آواز سے اذان دینے کی ممانعت کر دی گئی اور کسی تقریب پر گائے ذبح کرنے کی پاداش میں مسلمانوں کی پوری بستی کو آگ لگا دی جاتی تھی۔

11- اس خوف و ہراس سے مسلمان قوم کی یکجہتی ٹوٹ گئی اور ان کی اکثریت جان کی سلامتی کی خاطر اپنے بھائیوں کے خلاف متشدداروں کی مخبری کرنے لگی۔

12- سکھوں کی خرمستیوں سے پنجاب کا سکھ چین اور نظام حکومت درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ عوام میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ تجارتی قافلوں کی نقل و حرکت رک گئی۔ منڈیوں اور بازاروں کی گہما گہمی مفقود ہو گئی۔

آدینہ بیگ راعین شرقپوری میدان سیاست میں اور سکھ ڈاکوؤں کی سرکوبی کے سامان

ان ایام میں آدینہ بیگ سلطانپور پرگنہ کا ضلعدار تھا۔ وہ بلا کا ذہین اور زبردست قوت مشاہدہ اور فیصلہ کا مالک تھا۔ اس نے اس قدر بگڑتی ہوئی صورت حال سے اندازہ لگا لیا کہ سلطنت مغلیہ کا ٹمٹماتا چراغ عنقریب بجھنے کو ہے۔ ہر صوبہ کو وائسرائے خود مختاری کے لئے پر تول رہا تھا۔ دربار دہلی (محمد شاہ کہ تجلی فرماں روا) کی حیثیت ایک بے جان مہرے سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ کابل اور قندھار کے حکمران پنجاب اور سندھ کو اپنی میراث سمجھے بیٹھے تھے وہ ہر دوسرے تیسرے سال اس خطہ بے نظیر کا چکر لگاتے۔ لوٹ کھسوٹ کرتے۔ خراج وصول کرتے اور جس کسی طالع آزما نے خراج کی رقم میں اضافہ کی پیش کش کی اسی کو سربراہ کھڑا کر کے واپس لوٹ جاتے۔ انہیں عوام یا ان کے مسائل سے ہرگز کوئی دلچسپی نہ تھی۔

چنانچہ حکومت کی بے بسی، سکھ ڈاکوؤں کی بربریت اور بلوہ بازی میں دن بدن اضافہ اور آئے دن کے بیرونی حملوں سے پنجاب کی قابل رحم حالت کے پیش نظر اس نے محکمہ مال کو خیر باد کہتے ہوئے میدان سیاست میں قسمت آزمائی کا فیصلہ کر لیا۔

محکمہ مال میں اپنی بیس سالہ ملازمت کے دوران وہ سکھوں کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق' سکھ قوم سیاست سے قطعی نابلد اور حکمرانی کی صلاحیت و اہلیت سے یکسر محروم تھی۔ اس قوم کی اکثریت منشیات کی عادی اور بھکی ننگی تھی اور اسے ضروری سامان زیست مہیا کر کے اس کا جرائم سے رخ آسانی سے موڑا جا سکتا تھا اور اپنے حصول مقاصد کے لئے بھروسہ کے ساتھ اسے بطور حربہ استعمال کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے زین خاں گورنر سرہند کی وساطت سے نواب ذکریہ خاں وائسرائے پنجاب سے ملاقات کی اور پنجاب کی صورت حال کے پیش نظر محکمہ مال سے محکمہ انتظامیہ میں تبدیلی کی خواہش کا اظہار کیا۔

نواب ذکریا خاں جو پہلے ہی گھبرایا بیٹھا تھا اور اپنی مدد کے لئے کسی موزوں معاون کی تلاش میں تھا نے زین خاں کی سفارش پر آدینہ بیگ کو فوری طور پر جالندھر کا فوجدار مقرر کر دیا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد اسے دوآبہ کی گورنری کے عہدہ جلیلہ پر فائز کر دیا۔

گورنری کا چارج سنبھالتے ہی آدینہ بیگ نے وائسرائے کو امن و امان کی صورت حال کا جائزہ لینے اور حالات کو بہتر بنانے کی تجاویز پر غور کرنے کے لئے ایک میٹنگ کے انعقاد کا مشورہ دیا۔ جس سے وائسرئے نے اتفاق کرتے ہوئے پنجاب کے تمام گورنروں کو لاہور میں مدعو کیا میٹنگ میں مندرجہ ذیل امور طے پائے۔

1- امرتسر کے گوردوارہ پر نگرانی سخت کر دی جائے اور بیساکھی یا دوسرے تہواروں پر سکھوں کے اجتماعات پر مستقل طور پر پابندی لگا دی جائے۔

2- اپنے اپنے علاقوں میں بچے ہوئے جنگلات بمعہ سکھوں کی کمینگاہوں کے ان کا جلد از جلد صفایا کر دیا جائے۔

3- سکھوں کو زندہ پکڑنے پر عوام کو فراخدلانہ طور پر انعامات سے نوازا جائے۔

4- سرحدی کرایہ کے پٹھان سپاہیوں اور روہیلوں کا فوج میں تناسب کم کر کے پہاڑی

گورکھوں اور ڈوگروں کی بھرتی میں اضافہ کیا جائے۔

(یاد رہے کہ سرحدی پٹھان اور روہیلے لالچ میں آ کر آئے دن اپنی وفاداریاں بدلتے رہتے تھے اور شاہی فوج کے راز سکھ مثلداروں کو پہنچاتے رہتے تھے)

5- زرعی پیداوار میں اضافہ کے لئے کاشتکاروں اور زمینداروں کو مزید سہولتیں مہیا کی جائیں اور فوج سے سبکدوشی پر سرحدی پٹھانوں کو دو آبہ جالندھر میں آباد کاری کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔

6- کپور سنگھ کو مثلدار فیض اللہ پوریہ مثل کو قابو میں کرنے کے لئے اسے مناسب مراعات دی جائیں اور جاٹ سکھوں میں پھوٹ ڈلوانے کے لئے غریب طبقہ کو ترجیحی بنیادوں پر امداد دی جائے۔

کانفرنس کے خاتمہ کے بعد آدینہ بیگ دو آبہ واپس ہوا اور آتے ہی سب سے پہلے اس نے فوج کو از سرنو ترتیب دینے کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس نے شیخ سامہ عزیز میر بخشی کو اودھ سے بلوایا اور اسے کمانڈر انچیف کے عہدہ پر مقرر کر کے مذہبی سکھوں اور ڈوگروں کی بھرتی شروع کر دی۔ زین خان گورنر سرہند کے فوجدار ملاں احمد داد سامہ کو منصب دس ہزاری پر ترقی دے کر اپنی فوج میں لے لیا۔ لاہور سے میاں عبدالرزاق کو تبدیل کروا کے اسے امرتسر کے گوردوارہ کا نگران اعلیٰ مقرر کیا۔ ان کاموں سے فراغت کے بعد وہ اپنے علاقہ کے دورے پر چل نکلا۔ وہ ہر اہم مقام پر دربار منعقد کرتا اور لوگوں کی شکایتیں سنتا۔ کلانور' میکریاں قادیاں اور پٹھان کوٹ کے عوام کو اکٹھا کر کے مقامی حالت سے آگاہی حاصل کی۔ بٹالہ کے ناظم (چوہدری) میاں غوث محمد سے بھنگی مثل کے مثلدار ہری سنگھ کے ناروا سلوک۔ لوٹ کھسوٹ اور مظالم کی لرزہ خیز کہانی سنی۔ غرضیکہ وہ جہاں جہاں گیا لوگوں نے سکھوں کے خلاف شکایات کے انبار لگا دیئے۔ حالات کا مفصل جائزہ لینے کے بعد اس نے دو آبہ جالندھر کو سکھوں سے پاک کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ چنانچہ اس نے علاقہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور عزیز

میر بخشی کو امرتسر جلو کے پھلاہیوں سے اٹے ہوئے علاقہ کو صاف کرنے اور اس میں قائم کردہ سکھوں کے خفیہ اڈا رام راؤنی (Ramrauni) کو مسمار کرنے اور خوشحال سنگھ کے ہتھیائے ہوئے علاقوں کی واگزاری کے علاوہ بھنگی مثل کے مثلدار ہری سنگھ کو زندہ پکڑنے جیسے کاموں پر مامور کیا گیا۔ ملاں احمد داد کو سرسہ' ہانسی اور حصار تک کے تمام علاقہ کو سکھوں سے پاک کرنے کا حکم دیا اور خود ایک خاص دستہ کی جو پرگنہ کھیم کرن' فرید کوٹ' سلطانپور' کوٹ کپورہ اور سکھو وال کے علاقوں میں تادیبی کاروائیوں میں مصروف تھا نگرانی کرنے لگا۔ اس نے دوآبہ میں بسنے والے تمام لوہاروں اور ترکھانوں کے نام ایک خاص حکم جاری کیا کہ وہ لوہے یا لوہے کی بنی ہوئی ہر شے کو تیز دھار کلہاڑیوں' بھالوں اور آریوں میں ڈھال دیں تاکہ جنگلات کو صاف کرنے کے لئے ان اوزاروں کو دیہاتوں میں تقسیم کیا جائے۔ حکم کی فوری تعمیل ہوئی۔ فوج کی زیر نگرانی دیہاتوں نے اپنے اپنے دیہات کے نزدیک پھیلے ہوئے جنگلات کو دنوں میں صاف کر کر رکھ دیا۔ عزیز میر بخشی نے قلعہ رام راؤنی کا محاصرہ کر کے اس میں موجودہ پانچسو کے قریب سکھ لٹیروں کو موت کے گھاٹ اتار کر اس خفیہ کمینگاہ کو پیوند خاک کر دیا۔ جسہ سنگھ مثلدار را مگڑھیہ مثل کو گرفتار کر کے آدینہ بیگ کے سامنے پیش کیا گیا جس نے مصلحت سے کام لیتے ہوئے اسے رہا کرنے کے بعد حلف وفاداری لینے کے بمعہ اس کے ہمراہیوں کے اپنی ملازمت میں لے لیا اور اس طرح اپنی فوجی طاقت میں مزید اضافہ کر لیا۔ جے سنگھ مثلدار کی گرفتاری کے لئے دس ہزار روپے انعام رکھ گیا۔ ملاں احمد داد نے سکھوں کی سرکوبی کرتے ہوئے انہیں سرسہ' ہانسی اور حصار کے علاقوں سے باہر دھکیل دیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس راؤنڈ اپ (Round up) میں بارہ ہزار کے قریب سکھ درندے کیفر کردار کو پہنچے۔

گورنر آدینہ بیگ رائین شرقپوری کی کامیابی کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور سکھوں پر اس کی دھاک بیٹھ گئی۔ وہ پنجاب میں اب ایک مسلمہ سپر طاقت بن چکا

تھا اور ذکریا خاں کو باور ہونے لگا کہ دو آبہ میں امن و امان قائم رکھنا سوائے آدینہ بیگ کے اور کسی اور کے بس کی بات نہیں ہے۔

ایک دفعہ ذکریا خاں نے آدینہ بیگ کو دو سال کے خراج و لگان کی بقایا رقم کی وائیگی کے احکامات جاری کئے مگر آدینہ بیگ نے ان احکامات کو یہ کہہ کر ٹرخا دیا کہ سکھوں کے خلاف متواتر تادیبی کاروائیوں کے سلسلہ میں اخراجات میں غیر معمولی اضافہ سے بقایا جات کی ادائیگی فی الحال ممکن نہیں۔ جونہی حالات سازگار ہوں گے بقایا جات چکا دیئے جائیں گے۔ نواب نے آدینہ بیگ کو ناراض نہ کرنا چاہا چنانچہ اس نے یہ روکھا پھیکا سا جواب سن کر خاموشی اختیار کر لی۔

نواب ذکریا خاں کا آخر یکم جولائی 1745ء کو انتقال ہو گیا جس کے ساتھ ہی اس کے دونوں بیٹوں یحیٰ خاں اور شاہنواز خاں (اصلی نام حیات اللہ خاں) کے درمیان حصول اقتدار کے لئے رسہ کشی شروع ہو گئی۔ آدینہ بیگ نے جھٹ مداخلت کر کے یحیٰ خاں سے چھ لاکھ روپیہ نقد شاہنواز کو دلوا کر دونوں بھائیوں میں مصالحت کر دی اور یحیٰ خاں کو بطور وائسرائے پنجاب تسلیم کر لیا گیا۔ اس معاملہ کے تصفیہ کے بعد یحیٰ خاں کے بطور وائسرائے چارج لینے کے ساتھ ہی پہاڑی علاقہ کے راجوں نے اس کی برتری ماننے سے انکار کرتے ہوئے خراج و لگان کی ادائیگی بند کر دی۔ آدین بیگ نے فوری اقدامات کرتے ہوئے ان کی سرکوبی کر کے ان سے دوبارہ حلف وفاداری لیا اور بقایا جات کی وصولی کر کے آئندہ کے لئے باقاعدہ خراج کی ادائیگی کا مستقل بنیادوں پر بندوبست کیا۔ اسی اثنا میں نواب آف مالیر کوٹلہ جمال خاں نے قطب شاہ روہیلہ سے مل کر بغاوت کر دی۔ آدینہ بیگ نے لشکر جرار لے کر اس کو عبرتناک سزا دی اور ریاست کو شامل قلمرو کر لیا۔ اس مہم سے فارغ ہوتے ہی خوشحال سنگھ مثلدار فیض اللہ پوریا سے فیض اللہ پور گاؤں واپس لیتے ہوئے اس کے ہتھیائے ہوئے دیگر تمام علاقے واگزار کرا لئے اور خوشحال سنگھ کو قتل کر کے فیض اللہ پوریا مثل کا خاتمہ کر دیا۔ سکھ

کرن، فرید کوٹ، سلطان پور اور کھو وال کے علاقے فتح کر کے دوآبہ میں شامل کر لئے گئے۔ ان معرکوں میں لاتعداد سکھوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور جبرا" سکھ بنائے گئے مسلمانوں کو نجات دلائی اور انہیں واپس دائرہ اسلام میں آنے کی سہولتیں مہیا کی گئیں۔ ان کی اکثریت واپس دائرہ اسلام میں آ گئی مگر کئی گھرانے مختلف وجوہات کی بنا پر سکھوں میں ہی مدغم ہو گئے۔

ان تمام کامیاب کاروائیوں کے اعتراف میں دربار دہلی نے اسے "نواب" اور " ظفریار جنگ بہادر" کے بلند مرتبہ خطابات سے نوازا اور وہ اب نواب آدینہ بیگ ظفر یار جنگ بہادر کہلوانے لگا۔ اسی خوشی میں بٹالہ کے مقام پر ایک عظیم الشان تقریب منعقد ہوئی جس میں تمام پہاڑی راجے اور علاقہ کے بڑے بڑے زمیندار جن میں نو مسلم راجپوت راجہ سیف علی بھی شامل تھا۔ مبارک باد دینے اور کورنش بجا لانے کے لئے حاضر ہوئے۔ سات دن تک جشن جاری رہا اور بعد اختتام تقریبات سب کو درجہ بدرجہ خلعتیں دے کر رخصت کیا گیا۔ پٹھان کوٹ کے نزدیک اپنے نام پر ایک شہر آدینہ نگر آباد کیا۔ نواب آدینہ بیگ رائین ظفریار جنگ بہادر نے اب دوآبہ میں اپنے پاؤں خوب مضبوطی سے جما لئے اور وہ خودمختاری کی راہ ہموار کرنے کی تدابیر کرنے لگا۔ نالائق یحیٰی خاں اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن گیا اور نواب جب چاہتا دونوں بھائیوں کو آپس میں الجھا دیتا۔

یحیٰی خاں اور نواب آدینہ بیگ کی آپس میں ناچاقی اور اس کا نتیجہ

1746ء کے اوائل میں یحیٰی خاں کے دیوان لکھپت رائے کے بھائی جسپت رائے فوجدار ایمن آباد کو ڈرپ کے سکھوں نے قتل کر کے شہر کو لوٹ لیا۔ لکھپت رائے نے بھائی کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے۔ سکھوں پر چڑھائی کر دی۔ سکھون نے بھاگ کر امرتسر میں پناہ لے لی۔ نواب آدین بیگ نے اپنے دیوان شمبر داس کو حکم دیا

کہ تمام وڑپی سکھوں کو گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کیا جائے چنانچہ دیوان نے فوری کاروائی کرتے ہوئے چھ سو کے قریب سکھوں کو گرفتار کر کے بٹالہ میں نواب کے سامنے پیش کر دیا۔ نواب نے سکریننگ (Screening) کرنے کے بعد ان سب کی جان بخشی کر دیا ور انہیں دوآبہ چھوڑ کر ستلج پار مالواہ کے علاقہ میں چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ لوگ جان کی امان پانے کے ساتھ ہی دریا پار کر گئے۔ لاہور میں لکھپت رائے کو جب پتہ چلا کہ اس کے بھائی کے قاتلوں اور امیمن آباد جیسے اہم تجارتی شہر میں لوٹ مار مچانے والے لٹیروں کو بغیر دربار لاہور کی منظوری کے عام معافی دے کر انہیں مالواہ کی طرف بھیج دیا گیا ہے تو وہ بہت برہم ہوا اور یحیٰی خاں کو کل ماجرا بیان کرتے ہوئے اسے نواب آدینہ بیگ کی جواب طلبی کے لئے مشورہ دیا۔ یحییٰ خاں نے اپنے دیوان کے مشورہ سے اتفاق کرتے ہوئے آدینہ بیگ کو ایک سخت قسم کا حکم نامہ جاری کیا جس میں اسے فوری طور پر مکمل وجوہات بیان کرنے کی تلقین کرتے ہوئے اپنی صفائی پیش کرنے کی ہدایت کی۔ آدینہ بیگ کو جب یہ خط ملا تو اس نے نہایت موزوں الفاظ میں یحیٰی خاں کو جواب میں لکھا کہ "کپور سنگھ ڈاکو جس نے راعیوں کی جاگیر فیض اللہ پور کے جاگیردار میاں فیض اللہ کو بمعہ اس کی فیملی اور دیگر باشندگان دیہہ کو رات کے وقت سوتے میں نہایت بیدردی سے قتل کر کے گاؤں پر قبضہ کر کے اس کا نام سنگھ پورہ رکھ لیا تھا کو آپ کے والد مرحوم نے نوابی کا خطاب دلوا کر فیض اللہ پور کے علاوہ بھاری جاگیر سے نوازا تو اس وقت دربار لاہور کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی بلکہ الٹا کپور سنگھ سے صلح کر کے خوشی کے شادیانے بجائے گئے۔ اب دیوان لکھپت رائے کے بھائی کے قتل پر دربار لاہور کو گہری تشویش ہے اور وہ اپنے ایک خیر خواہ معاون سے سکھوں کے ساتھ مراسم بڑھانے کی وجہ سے ناراضگی کا اظہار کر رہا ہے جس سے مجھے دلی صدمہ پہنچا ہے۔ میں آپ کے ایک وفادار اسسٹنٹ کی حیثیت سے یہ عرض کروں گا کہ امن و امان کی صورت حال کو بہتر اور مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے

لئے موجودہ حالات کا یہ تقاضا ہے کہ ہماری حکومت بپھرے ہوئے سکھوں سے نہایت محتاط انداز سے نمٹے اور ذاتی نوعیت کے معاملات کو بنائے مخاصمت بنا کر خواہ مخواہ ان پر سختی کرنے سے اجتناب کرے۔ اگر آپ کی خواہش ہے کہ دوآبہ میں آباد پرامن سکھوں کا قتل عام شروع کر دیا جائے تو بندہ اس حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہے مگر اس کے نتائج کی تمام تر ذمہ داری دربار لاہور پر ہو گی"۔ نواب یحییٰ خاں وائسرائے پنجاب یہ جواب سن کر غصہ میں آگیا اور اس نے آدینہ بیگ کو لاہور حاضر ہو کر اپنی صفائی پیش کرنے کا حکم بھیجا۔ نواب آدینہ بیگ نے وائسرائے کی نیت کو بھانپ لیا چنانچہ اس نے لاہور جانے کی بجائے شاہنواز خاں سے رابطہ قائم کیا اور اسے اپنے پورے تعاون کا یقین دلاتے ہوئے لاہور پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ شاہنواز جو پہلے ہی اپنے بھائی کے سخت خلاف تھا نے اس پیشکش کو قبول کرتے ہوئے 17 مارچ 1747ء کو آدینہ بیگ کے ایک فوجدار حشمت اللہ کی مدد سے لاہور پر اچانک ہلہ بول دیا اور یحییٰ خاں کو بے خبری میں جا لیا اور اسے گرفتار کر کے بندی خانے میں ڈال دیا۔ قلعہ پر قبضہ کر کے دیوان لکھپت رائے کو دیوانی کے عہدے سے برخاست کر دیا اور اپنے پرانے معتمد خاص کوڑا مل کھتری آف ملتان کو اپنا دیوان مقرر کر کے وائسرائے پنجاب بن گیا۔

نواب آدینہ بیگ نے سختی اور نرمی کے دونوں حربے استعمال کر کے سکھوں کو اپنا مطیع و فرماں بردار بنا لیا اور اب وہ اس پوزیشن میں تھا کہ جب وہ چاہتا انہیں مشتعل کر کے طوفان برپا کرا دیتا اور جب چاہتا انہیں آپس میں لڑوا دیتا اور پھر خود ہی ان میں مصالحت کرا دیتا۔

وہ اب دربار دہلی میں مغل اور تورانی امراء اور درباریوں میں آپس میں روزانہ کی مخاصمت اور محلاتی سازشوں سے ملک کی تیزی سے بگڑتی ہوئی صورت حال اور کابل و قندھار کی آئے دن کی یلغاروں کے اثرات کا بغور جائزہ لینے لگا اور پنجاب کا بلا شرکت غیر مالک بننے کے اپنے بنیادی منصوبہ کو عملی شکل دینے کے لئے موزوں موقعہ

کا انتظار کرنے لگا اور اس کے ساتھ ہی اس نے خفیہ طور پر اپنی فوج میں اودھ کے سامہ شیخوں اور جے پور کے راجپوتوں کو بھرتی کر کے خاصہ اضافہ کر لیا اور کوہ شوالک کی پہاڑیوں کے بیچ میں "خالی بلوان" کے محفوظ مقام پر اپنے لئے ایک قلعہ نما محل اور فوجی ہیڈ کوارٹر اور ریزرو فوج کے مستقل قیام کے لئے عمارات تعمیر کرائیں۔ آدینہ نگر، بٹالہ اور جالندھر شہر میں بالترتیب حشمت اللہ، دل آرام اور شمبرداس دوگرہ کو فوجدار مقرر کر کے ایک ایک ڈویژن کی نفری کے برابر وہاں فوج تعینات کر دی۔ یہ سب کام ابھی بتدائی مراحل میں ہی تھی کہ احمد شاہ ابدالی نے خراج و لگان کی وصولی اور عام لوٹ مار پنجاب میں 1748ء جنوری میں حملہ کر دیا۔ اس نے اپنی پچاس ہزار گھوڑ سوار فوج سے لاہور تک پورے پنجاب کو روند ڈالا شاہنواز قلعہ چھوڑ کر دہلی فرار ہو گیا اور شہر لاہور اور اس کے مضافات افغانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیئے گئے۔ بھوکے سپاہیوں نے خوب لوٹ مار مچائی۔ اسی دوران شالیمار باغ کے نزدیک واقعہ ایک بستی مغلپورہ میں تعینات ایک جونیئر افسر نے احمد شاہ ابدالی کے پاس شکایت کی کہ اس بستی کے لوگوں نے ہمارے ایک گشتی فوجی دستہ پر اچانک حملہ کر کے کئی سپاہیوں کو مار ڈالا ہے۔ احمد شاہ ابدالی نے طیش میں آ کر مغلپورہ کو تہس نہس کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ پوری بستی کو لوٹنے کے بعد تباہ کر دیا گیا اور سینکڑوں بے گناہ باشندوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے دہلی کا رخ کی اور راستہ میں دو آبہ جالندھر میں لوٹ مار مچاتے ہوئے دریائے ستلج کے کنارے پہنچ گیا۔ نواب آدینہ بیگ احمد شاہ ابدالی کے دو آبہ پہنچنے سے پہلے ہی اپنے پہاڑی قلعہ میں جا چکا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کے اس حملہ کی اطلاع جب محمد شاہ رنگیلا کو دہلی میں موصول ہوئی تو وہ خواب غفلت سے بیدار ہوا اور عجلت میں اپنے وزیر قمرالدین خاں کی زیر کمان دو لاکھ ملی جلی فوج احمد شاہ ابدالی کی یلغار کو روکنے کے لئے بطرف پنجاب روانہ کر دی۔ یہ فوج نہایت تیزی سے مارچ کرتے ہوئے دریائے ستلج کے کنارے ماچھی

واڑہ کے مقام پر پہنچ گئی اور احمد شاہ ابدالی کو دریا پار کرنے سے روک دیا۔ شاہی فوج نے ایک ہفتہ کے اندر اندر دریا پار کر کے افغانوں کو سرہند کے مقام پر گھیرے میں لے لیا۔ مگر انہوں نے گھیرا توڑ کر دونوں طرف سے شاہی فوج پر بھرپور حملہ کر دیا۔ چنانچہ اس حملہ کی زد میں آ کر قمر الدین خاں کمانڈر مارا گیا جس سے باقی فوج میں بددلی پھیل گئی اور قریب تھا کہ وہ پسپا ہو جاتی کہ اچانک خوش قسمتی سے ابدالی کے بارود خانہ میں کسی وجہ سے آگ لگ گئی۔ قمر الدین خاں کے بیٹے معین الملک المعروف میر منوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی فوج کے حوصلے بندھائے اور جوابی حملہ کر دیا جس سے افغانوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ ہزاروں کی تعداد میں تہ تیغ ہوئے۔ آخر احمد شاہ کو میدان چھوڑ کر بھگنا پڑا۔ میر منوں نے بھاگتے ہوئے افغانوں کا سرہند اور سلطان پور تک تعاقب کیا مگر اس کے آگے نہ جا سکے۔ چنانچہ احمد شاہ ابدالی کو واپس لوٹنے کی کچھ مہلت مل گئی مگر یہ مہلت دیرپا نہ تھی۔ نواب آدینہ بیگ ریزورو فوج لے کر جھٹ اپنے پہاڑی قلعہ سے نکل آیا اور جسہ سنگھ اہلو والیہ مثلدار کو اپنے ساتھ لے کر ابدالیوں کے عقب پر یکے بعد دیگرے بھرپور حملے کرنا لگا۔ احمد شاہ ابدالی کے دریائے چناب کو عبور کرنے تک آدینہ بیگ نے اس کا تعاقب کیا اور اس کے آگے را مگڑھ مثل کے مثلدار جسہ سنگھ را مگڑھیہ اور دیگر سکھوں کو افغانوں کے پیچھے لگا دیا۔ ان سکھوں نے افغانوں کی سرکوبی کرتے ہوئے انہیں دریائے اٹک کے پار دھکیل دیا۔ شکست خوردہ ابدالی آخر کار اپنی بچی کچی سپاہ کے ساتھ نہایت خستہ حالت میں کابل واپس پہنچا۔ اس کے جانے کے بعد محمد شاہ رنگیلا نے اس فتح کی خوشی میں 17 اپریل 1748ء کو دہلی میں ایک دربار خاص منعقد کر کے معین الملک عرف میر منو پسر وزیر قمر الدین خاں کو "رستم ہند" کا خطاب دیتے ہوئے اسے پنجاب کا وائسرائے مقرر کر دیا۔

احمد شاہ ابدالی کو پنجاب بدر کرنے میں نواب آدینہ بیگ کا خاصہ ہاتھ تھا اور وہ

اپنی گرانقدر خدمات کے صلہ میں دربار دہلی سے بڑی امیدیں لگائے بیٹھا تھا مگر جب اس نے دیکھا کہ اسے بالکل ہی نظر انداز کر دیا گیا ہے اور ترقی یا انعام تو کجا ایک معمولی سا تعریفی خط تک بھی اسے موصول نہیں ہوا تو وہ بڑا ملول ہوا۔ میر منوں پر اسے شک گزرنے لگا کہ اس بارے میں اس کی شرارت کار فرما ہے۔ چنانچہ اس نے اس ناتجربہ کار نوجوان کو سبق سکھانے کے لئے ایک چال چلی۔ اس نے امرتسر میں مقیم سکھوں کے چیف مثلدار جسہ سنگھ اہلو والیہ کو آمادہ کیا کہ وہ رچنا باری دو آب (صوبہ لاہور کا علاقہ) میں آباد سکھوں کو بدامنی پھیلا کر وائسرائے کی حکومت کو ناکارہ اور معطل کرنے کے لئے استعمال کرے اور اس کام کی انجام دہی کے بعد وہ دوآبہ جالندھر میں پناہ حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اہلو والیہ نے بذریعہ اپنے خاص ایلچی کے بھنگی اور کاہنائیہ مثلوں کے مثلداروں کو خفیہ پروگرام کے تحت تخریبی کاروائیاں شروع کرنے کی ہدایات جاری کر دیں یہ لوگ تو حسب معمول پہلے سے ہی ایسے "مشاغل" کے لئے موقعہ کے منتظر تھے چنانچہ انہوں نے اپنے چیف سے ہدایات پاتے ہی وزیر آباد' علی پور چٹھہ' ایمن آباد اور نور الدین جہانگیر پسر اکبر اعظم کی قدیم شکار گاہ (موجودہ ضلع شیخوپورہ کا علاقہ) میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا اور وہاں پر تعینات سرکاری اہلکاروں کو مار بھگا کر تمام علاقہ پر قبضہ جما لیا۔ اس کے بعد وہ لاہور کی طرف بڑھنے لگے۔ میر منوں اچانک یہ صورتحال دیکھ کر بڑا سٹ پٹایا۔ چنانچہ اس نے لاہور پر سکھوں کی یلغار کو روکنے کے لئے قلعہ سے توپوں کی گولہ باری شروع کر دی۔ اس گولہ باری سے سکھوں کا خاصا جانی نقصان ہوا۔ اور ان کی لاہور کی طرف پیش قدمی رک گئی۔ وہ دریائے راوی پار کرنے کی بجائے پسپا ہونے شروع ہو گئے۔ بھاگتے ہوئے سکھوں پر دریا کے کنارے سے گولے برسائے جانے لگے۔ آخر کار وہ سراسیمگی کی حالت میں تتر بتر ہو کر ٹولیوں کی شکل میں امرتسر کی طرف بھاگنے لگے۔ میر منوں نے آدینہ بیگ کو سکھوں کی اس حرکت سے مطلع کرتے ہوئے حکم بھیجا کہ رچنا باری دو آب میں سکھ مثلداروں نے

لوٹ مار مچا کر کئی سرکاری اہلکاروں کو قتل کر دیا ہے اور اب وہ جالندھر میں چوری چھپے گھس رہے ہیں لہٰذا آپ فوری کاروائی کر کے انہیں گرفتار کریں اور لاہور بھیجنے کا بندوبست کریں۔ آدینہ بیگ نے حکمنامہ موصول ہوتے ہی میر منوں کو جواباً" لکھا کہ اس کی اطلاع کے مطابق صوبہ لاہور کے علاقہ سے سکھوں کے کچھ جتھے امرتسر میں اپنا مذہبی تہوار "دیوالی" منانے کے لئے ضرور آئے ہیں اور وہ سوائے چھوٹی کرپان کے اور کسی قسم کے بڑے ہتھیار سے مسلح نہیں ہیں جس سے ان کی نیت پر کوئی شک کیا جائے۔ تاہم مزید چھان بین کی جائے گی اور اگر یہ ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ واقعی لٹیرے اور ڈاکو تھے اور لوٹ مار کر کے میرے علاقے میں گھس آئے ہیں تو ان کے خلاف سخت تادیبی کاروائی کی جائے گی۔ میر منوں اس جواب سے مطمئن نہ ہوا۔ لہٰذا اس نے آدینہ بیگ کو دوبارہ ایک سخت حکمنامہ ارسال کیا کہ وہ بجائے کسی چھان بین کے کسی تاخیر کے بغیر سکھوں کے خلاف سخت کاروائی کرے اور ان کو گرفتار کر کے فوری طور پر لاہور بھیجنے کا بندوبست کیا جائے۔ سکھوں کی تخریبی کاروائیاں چونکہ آدینہ بیگ کی اپنی سکیم کے تحت ہوئی تھیں لہٰذا اس نے لاہور سے آنے والے سکھوں کے راؤنڈ اپ (Round up) میں دانستہ تساہل سے کام لیتے ہوئے بغیر کسی ٹھوس نتیجہ کے دربار لاہور سے چھ ماہ تک خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا۔

نواب آدینہ بیگ کی پنجاب میں قبضہ کرنے کی پہلی کوشش

اسی اثناء میں 1751ء دسمبر میں احمد شاہ ابدالی نے پرانا بدلہ چکانے کے لئے پنجاب پر دوبارہ چڑھائی کر دی۔ میر منوں کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ بہت گھبرایا اور مجبوراً" اسے سکھوں کے بارے میں آدینہ بیگ سے خط و کتابت بند کرنی پڑی اور اسے مدد کے لئے دو ڈویژن فوج مہیا کرنے کو کہا۔ آدینہ بیگ نے فوراً" آمادگی کا اظہار کر کے اسے تسلی دی اور دوسری طرف احمد شاہ ابدالی کے دو خاص سرداروں عبدل خاں اور جہان خاں جو حالات کا پتہ لگانے معہ اپنی ایڈوانس پارٹی کے سوہدرہ کوپرہ کے پتن پر موجودہ

تھے سے خفیہ ملاقات کر کے انہیں بتایا کہ اگر بادشاہ اسے پنجاب کا وائسرائے بنا دے تو وہ پچھلی لڑائی میں نقصانات کی تلافی کے علاوہ پچاس لاکھ روپیہ نقد اور بعد ازاں ہر سال باقاعدہ اتنی ہی رقم بطور خراج ادا کرتا رہے گا۔ سرداروں نے اسے بتایا کہ اگر میر منوں نے ان کی شرائط نہ مانیں تو بادشاہ سلامت اس پیشکش پر غور فرمائیں گے۔ نواب آدینہ یہ جواب لے کر دو آبہ واپس ہوا اور دو ڈویژن فوج کی بجائے صرف ایک بریگیڈ نفری کے برابر فوج لے کر میر منوں کے پاس لاہور پہنچ گیا اور اسے حسب الحکم پوری فوج نہ لانے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے مطمئن کر دیا اور دریائے راوی کے کنارے محمود بوٹی گاؤں کے پاس جہاں میر منوں کا دیوان کوڑا مل اپنی فوج کے ساتھ دفاعی پوزیشن لئے بیٹھا تھا سے جا ملا۔ جہاں یہ دونوں کمانڈر اب احمد شاہ کی امد کا انتظار کرنے لگے۔ احمد شاہ ابدالی اب کے پوری تیاری کے ساتھ ایک لشکر جرار لے کر آیا تھا۔ چنانچہ اس نے 5 مارچ 1752ء کو لاہور پر بھرپور حملہ کیا جس میں دیوان کوڑا مل اپنے ہاتھی سے گر کر مارا گیا اور اس کی فوج نے کوئی خاص مزاحمت کئے بغیر ہتھیار ڈال دیئے۔ نواب آدینہ بیگ اپنے بریگیڈ لے کر صاف نکل آیا۔ افغان فوجیں لاہور پر قابض ہو گئیں اور میر منوں کو گرفتار کر لیا گیا اور اسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے اس سے دریافت کیا کہ وہ بتائے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے میر منوں نے نہایت برجستہ جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر آپ دکاندار ہیں تو مجھے فروخت کر کے اپنے نقصانات کی تلافی کر لیں۔ اگر آپ قصاب ہیں تو مجھے ذبح کر دیں اور اگر آپ واقعی بادشاہ ہیں تو عنایت خسروانہ کرتے ہوئے مجھے معاف کر دیں کیونکہ پچھلی لڑائی دربار دہلی اور آپ کے درمیان تھی۔ میرے والد اور میں نے تو صرف بطور خادمان سلطنت کے اس میں حصہ لیا تھا۔ بادشاہ نے نوجوان اور خوبصورت میر منوں سے یہ جواب سن کر اسے معاف کر دیا اور اپنے حکم سے اسے دوبارہ پورے اعزازات کے ساتھ وائسرائے پنجاب مقرر کر دیا اور اس طرح صوبہ پنجاب پر احمد شاہ کا دوبارہ

عمل دخل ہو گیا۔ میر منوں نے اس عہدہ پر ابھی ایک سال تک ہی کام کیا تھا کہ 1753ء کے ماہ نومبر میں اس کا جوانی میں ہی انتقال ہو گیا جس کے بعد اس کی بیوہ مغلانی بیگم نے انتظامات سنبھال لئے۔

دو آبہ میں سکھوں کی دوبارہ شورش اور نواب آدینہ بیگ رائین کی تادیبی کاروائیاں

نواب آدینہ بیگ کی دربار لاہور کی فوجی امداد کے سلسلہ میں لاہور آمد سے دو آبہ میں اس کی غیر حاضری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سکھوں نے پھر سے طوفان بدتمیزی برپا کر دیا اور لوٹ مار کا بازار گرم کر کے متعدد بے گناہ مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آدینہ بیگ نے واپس لوٹتے ہی فوری اقدامات کرتے ہوئے ان نمک حرام اور احسان فراموش سکھوں کو سبق سکھانے کے لئے اپنے سالے (Brother in Law) صادق بیگ کو ساتھ لے کر کھو وال کے مقام پر دس ہزار کے قریب سکھوں کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا اور چن چن کر ان کے لیڈروں کو تہ تیغ کیا۔ متعدد گرفتار کر لئے گئے اور آخر کار امن و امان بحال کر کے اور صادق بیگ کو گورنر سرہند مقرر کر کے آدینہ بیگ خود آرام کرنے بٹالہ روانہ ہو گیا۔ مغلانی بیگم نے اپنے ماموں عبداللہ خاں کو دہلی سے بلوا کر اپنے کم سن بیٹے کی بجائے اسے وائسرائے کے فرائض سونپ دیئے۔

نواب آدینہ بیگ کی پنجاب پر قبضہ کرنے کی دوسری کوشش

نواب آدینہ بیگ نے مغلانی بیگم کی جب یہ حرکت دیکھی تو اس نے صادق بیگ اور اپنے داماد خواجہ مرزا خاں کو لے کر ایک لشکر جرار کے ساتھ لاہور پر حملہ کر کے عبداللہ خاں کو بھگا دیا اور قلعہ میں داخل ہو کر اپنے داماد کو گورنر لاہور اور معتمد خاص درباری جمیل الدین کو ڈپٹی گورنر مقرر کر کے خود بٹالہ واپس چلا گیا۔

مغلانی بیگم نے خفیہ طور پر احمد شاہ ابدالی کو ایک خاص ایلچی کے ذریعہ سے نواب آدینہ بیگ کی اس اچانک کاروائی سے آگاہ کرتے ہوئے اس سے امداد کی درخواست کی۔ چنانچہ شاہ نے کابل سے اپنے جرنیل جہان خاں کو ایک ڈویژن فوج دے کر لاہور کی طرف روانہ کیا۔ اس نے آتے ہی خواجہ مرزا خاں اور اس کے ڈپٹی جمیل الدین کو مار بھگایا اور مغلانی بیگم کے ماموں کو دوبارہ وائسرائے پنجاب مقرر کر دیا۔ جہان خاں یہ کام کرنے کے بعد کابل واپس چلا گیا۔ عبداللہ خاں ایک کمزور طبیعت وائسرائے ثابت ہوا چنانچہ اس کے زمانہ میں رچنا باری دو آب میں بڑے بڑے زمینداروں نے بغاوت کر کے اپنی اپنی جاگیروں کو عملداریوں (Principalaties) میں تبدیل کر کے خود مختار بن بیٹھے جن میں سے رستم خان نے سیالکوٹ، گجرات، اورنگ آباد اور پسرور کے علاقے سنبھال لئے۔ ملتان کے فوجدار نے اپنی وفاداریاں والئے قندھار کے سپرد کر کے دربار لاہور اور دہلی سے آزاد ہو کر اپنی عملداری الگ قائم کر لی جبکہ نواب آدینہ بیگ جو پہلے ہی دربار لاہور اور دہلی کا خاطر میں نہ لاتا تھا اور نہ ہی خراج دیتا تھا مکمل طور پر خود مختار بن بیٹھا۔ ادھر ٹوانوں اور گکھڑوں نے سندھ ساگر میں اپنا تسلط قائم کر لیا۔ رچنا اور چج کے علاقوں میں وڑائچ اور چٹھوں نے اپنی اپنی عملداریاں قائم کر لیں۔ لاہور کے علاقہ میں راعیوں نے نواں کوٹ، بیگم کوٹ، نیاز بیگ، چوہنگ، اچھرہ، میاں میر، کوٹ خوجہ سعید، مغلپورہ، فتح گڑھ، باغبانپورہ، جلو موڑ، محمود بوٹی، بدو کا آوا، سانده خورد و کلاں اور دریائے راوی کے کنارے کے ساتھ ساتھ شاہدرہ، شرقپور، بادشاہی مسجد تا داتا گنج بخش دربار سے بھاٹی گیٹ، دہلی گیٹ، لنڈا، نولکھا جاگیر اور مصری شاہ بشمولہ علاقہ چاہ میراں پر علیحدہ علیحدہ اپنی تین بڑی عملداریاں قائم کر لیں جن کا تفصیل ذکر آگے آئے گا بٹالہ کے چوہدری میاں غلام غوث نے بمعہ اپنے چچا ایزد بخش کے بٹالہ تا پٹھان کوٹ پر اپنا قبضہ جما لیا۔

1756ء تک یہ عملداریاں دربار لاہور کو برائے نام خراج ادا کرتی رہیں۔ ادھر

سکھوں نے ہاتھ مار کر ستلج پار کے علاقہ مالواہ پر الہ سنگھ اہلو والیہ شلدار پھلکیاں مثل کی سربراہی میں پٹیالہ، جنید اور نابھہ، ہانسی، حصار، سرسہ، گوڑ گاؤں وغیرہ مقاملت پر اپنا "راج" قائم کر لی۔ غرضیکہ پنجاب میں یہ ایک چھینا جھپٹی اور افراتفری کا دور تھا اور کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا۔ صوبہ لاہور میں بھنگی اور سکھو پکیہ مثلوں کو نواب آدینہ بیگ نے خاصی ڈھیل دے کر انہیں "راکھی سسٹم" کے اجراء کی اجازت دے رکھی تھی۔ وہ جب موقعہ پاتے ان عملداریوں پر پل پڑتے اور لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کر کے رفو چکر ہو جاتے۔ "راکھی سسٹم" کے تحت وہ کمزور اور چھوٹی عملداریوں کو طاقتوار اور بڑی عملداریوں سے تحفظ کی ضمانت دیتے ہوئے دونوں طرف سے خراج اور لگان وصول کرنے لگے۔ اس طرح انہوں نے سوائے دو آبہ جالندھر کے باقی تمام پنجاب پر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ بد انتظامی کا یہ عالم تھا کہ میر منوں کی 1753ء میں وفات کے بعد 1757ء تک پنجاب میں یکے بعد دیگرے دس وائسرائے تبدیل ہوئے۔ خزانہ خالی ہو چکا تھا اور جرائم کی بھرمار تھی۔

آدینہ بیگ نے جب مغلانی بیگم کے ماموں سے لاہور چھین لیا تو اسے (مغلانی بیگم) حراست میں لیکر دہلی بھجوا دیا گیا جہاں وہ قید خانہ میں ڈال دی گئی ایک دن اس نے موقعہ پا کر احمد شاہ ابدالی کو خط لکھا کہ اسے آدینہ بیگ نے لاہور سے دہلی منتقل کر کے بندی خانے میں ڈلوا رکھا ہے۔ اگر آپ ایک بار تشریف لائیں تو مجھے رہائی نصیب ہو سکتی ہے اور دوسرے میرے سسر قمرالدین خاں کا جواہرات اور اشرفیوں کا دفینہ جس کا علم صرف مجھے ہی ہے وہ بھی آپ کے ہاتھ لگ سکتا ہے۔ ابدالی کو جونہی یہ خط ملا وہ فوراً عازم ہند ہوا اور بغیر کسی خاص مزاحمت کے وہ 26 نومبر 1756ء کو لاہور پہنچ گیا۔ وہاں دو یوم قیام کرنے کے بعد راستہ دو آبہ جالندھر عازم دہلی ہوا۔ دو آبہ کے سکھ اس کی آمد کی خبر پاتے ہی مالواہ کے جنگلوں میں چھپ گئے اور آدینہ بیگ بٹالہ سے آدینہ نگر منتقل ہو گیا۔ ابدالی نے دہلی پہنچتے ہی مغلانی بیگم کو بندی خانے سے آزاد کرایا اور

دفینہ جس میں کئی لاکھ روپے کی مالیت کے جواہرات اور اشرفیاں تھیں قبضہ میں کر لیا۔ محمد شاہ رنگیلا کی 17 سالہ نوجوان خوبصورت بیٹی حضرت بیگم کو اپنے نکاح میں لیا اور عالمگیر ثانی کی بیٹی سے اپنے بیٹے تیمور کا نکاح کر دیا۔ مغلانی بیگم کے نزدیکی رشتہ دار امداد الملک کو وزیر مقرر کیا اور خود دہلی میں پھوٹی ہوئی ہیضے کی وبا کے ڈر سے جلد ہی لاہور روانہ ہو گیا۔ لاہور واپسی پر پہلے تو اس نے مغلانی بیگم کو پنجاب کی سربراہ مقرر کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر اس خاتون کی بے راہ روی اور تعیش پسند زندگی کے پیش نظر اس نے یہ ارادہ بدلتے ہوئے اپنے بیٹے تیمور کو وائسرائے لاہور مقرر کر دیا اور اس کی مدد کے لئے اپنے جرنیل جہان خاں کو بطور ڈپٹی وائسرائے پیچھے چھوڑ کر کابل واپس چلا گیا۔

نواب آدینہ بیگ راعین کی پنجاب پر قبضہ کرنے کی تیسری کوشش اور کامیابی

احمد شاہ ابدالی کے جانے کے ساتھ ہی آدینہ بیگ نے افغانوں کو پنجاب بدر کرنے اور اس سرزمین پر قبضہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ چنانچہ اس نے جستہ سنگھ ایلو والیہ چیف آف "خالصہ دل" کو اعتماد میں لیتے ہوئے رگھونا رائے مرہٹہ کو دہلی میں بذریعہ ایک خاص ایلچی کے پیغام بھجوایا کہ اب وطن عزیز کو "کابلیوں" کی دست برد سے ہمیشہ کے لئے چھڑانے کا وقت آن پہنچا ہے۔ لہٰذا گزارش یہ کہ ہم سب ہندوستانی ایک پلیٹ فرم پر جمع ہو کر اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں جان کی بازی لگا دیں۔ آپ کو اگر مجھ سے اتفاق ہو تو جلد از جلد پنجاب تشریف لانے کی کوشش کریں۔ پنجاب کے سکھ ہمارے ساتھ ہیں۔ آپ خاطر جمع رکھیں۔ پنجاب میں قیام کے دوران آپ کی فوج کے تمام اخراجات برداشت کئے جائیں گے اور باقی معاملات ملاقات ہونے پر طے کر لئے جائیں گے۔ بندہ آپ کے استقبال کے لئے دریائے ستلج کے کنارے موجود ہو گا۔

رگھوناتھ راؤ مرہٹہ کو جب یہ پیغام ملا تو پہلے تو وہ پنجاب کی طرف رخ کرنے

سے کترانے لگا مگر بعد میں جب اس نے اپنی ڈپٹی کمانڈر ملہار راؤ ہلکر سے مشورہ کیا تو اس نے پنجاب میں قسمت آزمائی کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ نواب آدینہ بیگ کو اس نے تسلی کا خط لکھا اور ملہار راؤ کی کمان میں ایک ڈویژن فوج دہلی سے روانہ کر دی۔ تین دن کی مسافت طے کرنے کے بعد یہ مرہٹہ فوج دریائے ستلج کے کنارے پہنچ گئی جہاں آدینہ بیگ نے اس کا استقبال کیا اور جسہ سنگھ اہلو والیہ چلدار کا ملہار راؤ کو نکالنے کا پروگرام تیار کیا گیا اور 75 لاکھ روپیہ سالانہ خراج کی ادائیگی پر آدینہ بیگ کا مرہٹوں سے معاہدہ طے پا گیا۔

دو دن قیام کے بعد یہ فوجیں لاہور کی طرف بڑھنے لگیں۔ راستہ میں ملیر کوٹلہ اور دیگر چھوٹے موٹے قلعوں میں افغان فوجیوں کو چن چن کر تہ تیغ کیا گیا۔ لاہور سے ابھی یہ فوجیں خاصی دور تھیں کہ تیمور شاہ پسر احمد شاہ ابدالی وائسرائے پنجاب اور اس کے نائب جہاں خاں کو ان کی آمد کی خبر مل گئی۔ پہلے تو انہوں نے مقابلہ کرنے کا پروگرام بنایا مگر جب انہیں پتا چلا کہ آدینہ بیگ کی اپنی ایک ڈویژن فوج کے علاوہ دس ہزار سکھ اور ایک ڈویژن تازہ دم مرہٹہ فوج کی نفری لاہور پر چڑھائی کے لئے تین اطراف سے بڑھ رہی ہے تو ان افغان سورماؤں کے چھکے چھوٹ گئے۔ چنانچہ انہوں نے عجلت میں قلعہ گیر سپاہ اور ضروری سامان اکٹھا کیا اور لاہور سے تیس میل دور بجانب شمال مغرب کچی سرائے کے مقام پر قیام کیا جہاں انہوں نے اپنی ادھر ادھر تعینات فوج کو جمع کیا اور براستہ چنیوٹ' پنڈی بھٹیاں اور بھیرہ دریائے جہلم کی طرف رخ کیا۔ آدینہ بیگ کو جب اطلاع ملی کہ افغان وائسرائے قلعہ لاہور چھوڑ کر بھاگ گیا ہے تو اس نے سکھوں کو پسرور اور سیالکوٹ کی طرف رستم خاں افغانی جو خود مختار بن بیٹھا تھا کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا۔ سکھوں نے رستم خاں کو قتل کر کے وہاں پر موجود افغانی دستوں کو قید کر کے آدینہ بیگ کے پاس سوہدرہ کوپرہ کے چمن پر پہنچ گئے۔ مرہٹوں نے تیمور شاہ اور جہاں خاں کا دریائے اٹک تک پیچھا کیا مگر وہ دونوں اپنے

حفاظتی دستوں کے ساتھ صاف بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ افغان عاملان کو پنجاب بدر کرنے کے بعد اب تینوں فوجیں پنجاب کے طول و عرض میں افغانوں کو پکڑنے کے لئے پھیل گئیں چنانچہ اس ماپنگ اپ سکیم (Moping up Scheme) پر عمل درآمد سے ادھر ادھر چھپے ہوئے پانچ ہزار کے قریب افغان ہاتھ لگے جنہیں گرفتار کر کے لاہور لایا گیا اور وہاں سے انہیں احمد شاہ ابدالی کے بار بار حملوں اور لوٹ کھسوٹ سے تباہ شدہ املاک و عمارات کی از سر نو تعمیر و مرمت کے کاموں پر لگانے کے لئے مختلف شہروں خاص کر ایمن آباد' وزیر آباد' سوہدرہ' سیالکوٹ' لاہور سر سرہند میں بانٹ دیا گیا اور کچھ نفری کو سکھوں کے حوالے کر دیا گیا جو ان سے امرتسر کے ہری مندر میں تالاب کی صفائی اور چکور اور انند پور کے گوردواروں کی مرمت کا کام لینے لگے۔ اس کامیاب مہم کے بعد نواب آدینہ بیگ رائین شرقپوری بلا شرکت غیرے پنجاب کا' حکمران بن گیا۔ شہر لاہور میں چراغاں کیا گیا۔ مٹھائیاں تقسیم ہوئیں۔ ملہار راؤ ہلکر کو دس لاکھ روپیہ نقد' پانچ عمدہ نسل کے گھوڑے اور ایک مرصع تلوار اور رگھوناتھ راؤ کے لئے ایک ہاتھی بطور تحفہ بمعہ شکریہ کے ایک خط کے پنجاب میں چار ماہ تک قیام کے بعد مرہٹہ فوج کو باعزت طور پر رخصت کیا گیا۔

پنجاب نئے دور میں

مرہٹوں کے جانے کے بعد لاہور کے شالیمار باغ میں وسیع پیاہ پر ایک جشن منانے کا انتظام کیا گیا۔ باغ کو دلہن کی طرح سجایا گیا جس میں دریائے اٹک تا صوبہ ملتان ماجھا' مالواہ اور پہاڑی علاقوں کے تمام عاملان و سربراہان عملداریاں حاضر آئے اور نئے سرے سے حلف وفاداری اٹھایا۔ سات دن تک جشن ہوتا رہا۔ اس کے بعد ہر عامل و سربراہ کو درجہ بدرجہ خلعتیں عطا کی گئیں اور اس کے علاوہ ایک سال تک کا خراج و لگان معاف کر دیا گیا۔ نوب نے اپنے داماد خواجہ مرزا خاں کو صوبہ لاہور کا گورنر اور اپنے سالے صادق بیگ کو صوبہ سرہند کا گورنر مقرر کیا اور خود بٹالہ کو پنجاب

کا مستقل صدر مقام منتخب کر کے وہاں منتقل ہو گیا۔

اس نے ان کاموں سے فراغت پاتے ہی تباہ حال پنجاب کی معیشت کو پھر سے بحال کرنے اور آمدنی میں اضافہ کے لئے اپنی تمام تر توجہ مرکز کر دی۔ اسی زمانہ میں سرسہ سے سرسہ دوال رائیوں کے اکے دکے گھرانوں کی دو آبہ جالندھر میں آمد شروع ہوئی اور آہستہ آہستہ انہوں نے ملتانی رائیوں کے آباد روہ دیہات سے ہٹ کر اپنے الگ دیہات تنگل انبیا' گڑھا' نواں پنڈ' ہٹ' دوکوہا اور اخلاص پور وغیرہ آباد کئے چنانچہ سرسہ سے ان رائیوں کی دو آبہ میں وقتاً" فوقتاً" نقل مکانی سے ملتانی اور سرہ وال رائیوں کی مجموعی آبادی میں 17 فیصد تک کا اضافہ ہو گیا اور معیشت کے لحاظ سے اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی دیگر برادریوں پر کئی درجہ سبقت لے گئے۔ رائیوں کی اس حیرت انگیز ترقی اور خوشحالی اور مہر قادر بخش آف موضع تکونڈی کی عملداری کے معرض وجود میں آنے سے سکھوں میں رائیوں کے خلاف حسد کی پہلے سے موجود چنگاری ایک شعلہ کی صورت اختیار کرنے لگی مگر آدینہ بیگ جیسے جابر حکمران کے زمانہ میں جب کہ سرہند میں صادق بیگ اور جالندھر میں حشمت اللہ اور شمبرداس ڈوگرہ جیسے کہنہ مشق عاملان متعین تھے۔ سکھوں کو دو آبہ میں کھل کر وسیع پیمانہ پر خرمستیاں کرنے کی کبھی جرات نہ ہوئی۔ البتہ گاہے بگاہے وہ موقعہ پر کا حسب عادت لوٹ مار کا دھندہ ضرور کرتے رہے اور یہ سلسلہ انگریزوں کے پنجاب پر تسلط کے بعد 1860ء تک کم و بیش جاری رہا جس کی تفصیلات سے پنجاب کی تاریخ بھری پڑی ہے۔

عمر نے وفا نہ کی

نواب آدینہ بیگ اولاد نرینہ سے محروم اب بڑھاپے کی منزل میں داخل ہو چکا تھا۔ اس کی مصروف زندگی نے اسے اپنی صحت کا خیال رکھنے کی کبھی مہلت ہی نہ دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی قوت ہاضمہ نے جواب دے دیا۔ کھانا اچھی طرح سے ہضم نہ ہوتا تھا۔ کبھی شدید قبض اور کبھی ڈائریا جیسے امراض نے گھیرا ڈال لیا اور آخر کار وہ 15 ستمبر 1758ء کو درد قولنج میں مبتلا ہو کر بٹالہ میں ہی اس جہان فانی سے 74 سال کی عمر میں کوچ کر گیا۔

سکھ درندوں نے اس محب وطن اور فخر پنجاب کی کوئی نشانی باقی نہ چھوڑی

آدینہ بیگ کی وفات کی خبر سنتے ہی پنجاب کے سکھوں اور افغانوں نے سکھ کا سانس لیا۔ دونوں قوموں نے علیحدہ علیحدہ خوشیاں منائیں بھنگی اور کاہنائیہ مثل کے سکھ جو پہلے بھیگی بلی بن کر کمینگاہوں میں چھپے ہوئے تھے اب کھل کر میدان میں آ گئے اور آتے ہی ایک طوفان برپا کر دیا سب سے پہلے بھنگی مثل کے جتھیداروں لہنا سنگھ، گوجر سنگھ اور سوبھا سنگھ نے اپنے اپنے جتھوں کو لے کر بیک وقت لاہور پر ہلہ بول دیا۔ قلعہ لاہور کے باہر ڈیوٹی گارڈ کو ٹھکانے لگایا اور قلعہ کے اندر گھس کر خواجہ مرزا خاں اور اس کے ڈپٹی جمیل الدین کو نہایت بے دردی سے قتل کیا گیا اور گھوڑ سوار خالصاؤں کو شہر میں لوٹ کھسوٹ کے لئے کھلا چھوڑ دیا گیا۔ رائین عاملان کو بلا کر ان سے عہد وفاداری لے کر ان سے راکھی سسٹم کے تحت حفاظتی معاہدہ کر کے تینوں سے بالترتیب تیس ہزار بیس ہزار اور پندرہ ہزار روپیہ بطور خراج نقد وصول کیا اور قلعہ پر بھنگی مثل کا جھنڈا لہرا دیا گیا دوسری طرف کاہنائیہ مثل کے سکھوں نے بٹالہ اور آدینہ نگر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور ان مقامات میں آدینہ بیگ کی فوج میں ملازم ڈوگرے اور سرحدی پٹھان باغی ہو کر لوٹ مار مچانے لگے اور سکھ فوجی اپنے سکھ بھائیوں کے ساتھ مل گئے۔ بٹالہ کی جامعہ مسجد اور نواب کے محلات کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ آدینہ نگر میں محلات کے علاوہ نوری مسجد اور بارہ داری کا سنگ مرمر اور دوسرے قیمتی پتھر اکھاڑ لئے گئے اور ان دونوں مقامات میں متعین فوجداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ کلانور، سری ہرگوبند پور، قادیان اور گھمان کو لوٹا گیا، جسہ سنگھ رامگڑھیا جو تاب آدینہ بیگ کی ملازمت میں تھا اس نے نواب کی فوج سے اپنی مثل کے دس ہزار سکھوں کو نکال کر امرتسر اور جالندھر کا رخ کیا۔ ملاں احمد داد فوجدار امرتسر اور دیوان شمبر داس ڈوگرہ فوجدار ارمڑ ٹانڈہ کو قتل کیا اور ان دونوں کی فوج میں بچے کچے سامہ

شیخ اور راجپوت سپاہیوں کو چن چن کر قتل کیا، یاد رہے کہ نواب آدینہ بیگ کی فوج میں اودھ کے سامہ شیخ 30 فیصد' بیکانیر جے پور اور جودھ پور کے راجپوت 20 فیصد پنجاب کے پہاڑی علاقہ سے ڈوگرا راجپوت 15 فیصد' سرحدی پٹھان 10 فیصد مذہبی سکھ 15 فیصد اور 10 فیصد جاٹ سکھ شامل تھے) غرضیکہ پورے پنجاب میں ایک آگ سے لگا دی گئی۔ مسلمان دیہات اور خاص کر راعیوں کی عملداریوں اور آبادیوں پر بے پناہ مظالم توڑے گئے۔ مسلمانوں کی خاصی تعداد کو جبراً" سکھ بنا لیا گیا۔ سامہ شیخ عزیز میر بخشی کمانڈر انچیف روپوش ہو کر پنجاب چھوڑ گیا۔ صادق بیگ گورنر سرہند اور اس کی ہمشیرہ سلطانہ شہسوار زوجہ نواب آدینہ بیگ جان بچا کر تہی دست پنجاب سے دہلی بھاگ گئے اور احمد شاہ ابدالی کے چوتھی بار حملہ سے پہلے پہلے نواب آدینہ کی حکومت اور اس کے نشانات حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیئے گئے۔

نواب آدینہ بیگ کے مختصر حالات زندگی

اکبر اعظم کے زمانہ میں حضرت شیخ میانمیر کی خواہش کے مطابق جب ملتان سے راعیوں کا پہلا قافلہ لاہور پہنچا تو اس نے سب سے پہلے موجودہ گڑھی شاہو (قدیم نام خیر پورہ جس میں اکبر نے دین الٰہی پر مباحثہ کرنے کے لئے ایک عالیشان بلڈنگ تعمیر کرا رکھی تھی اور بدیں وجہ اس علاقہ کو خیر پورہ کا نام دیا گیا تھا اور دوسری طرف میاں میر کے ڈیرہ کے نزدیک ہندو پنڈتوں کے لئے ایک شاندان حویلی بنوا رکھی تھی اس جگہ کا نام دھرم پورہ رکھ گیا تھا) یہ دونوں جگہیں نو لکھا جاگیر میں واقعہ تھیں اور یہاں بڑا گھنا جنگل تھا جسے راعیوں نے صاف کیا اور اراضی کو قابل کاشت بنایا۔ چنانچہ اس جگہ مقیم قافلہ میں سے چند گھرانے دریائے راوی کے پار شہزادہ سلیم (نور الدین جہانگیر پسر اکبر اعظم) کی شکار گاہ اور جاگیر (موجودہ شیخوپرہ کا ضلع کا تمام علاقہ) میں موضع شرقپور میں آ کر آباد ہو گئے۔ یہ علاقہ ان ایام میں گھنے جنگلات سے ڈھکا ہوا تھا لہذا یہاں آباد ہونے والے کاشتکاران کو یہ عام اجازت تھی کہ وہ جہاں تک چاہیں جنگلات صاف کر کے

قابل کاشت اراضی حاصل کر کے اس کے مفت حقوق ملکیت حاصل کر لیں۔ چنانچہ راجہ ٹوڈر مل کی اس سکیم کے تحت یہ علاقہ آہستہ آہستہ جنگلات سے صاف ہونے لگا اور زمین کی زرخیری کے باعث یہاں دن بدن آبادی میں اضافہ ہونے لگا۔ انھیں آباد کاروں میں آدینہ بیگ راعین کا گھرانہ بھی شامل تھا۔ اس گھرانے نے بھی حسب استطاعت جنگل صاف کر کے اپنے گزارے کے لئے کچھ اراضی حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ اسی گاؤں شرقپور میں آدینہ نے چنوں راعین کے گھر جنم لیا۔ مولوی محمد دین مورخ بٹالوی اور عبدالکریم علوی مورخ لاہوری جو نواب آدینہ کے ہمعصر ہوئے ہیں اپنی یادداشتوں میں لکھتے ہیں کہ آدینہ جس کی والدہ پیدائش کے آٹھ سال بعد فوت ہو چکی تھی کی پرورش اس کے باپ چنوں کے ذمہ تھی اور وہ اس خوبصورت بچے سے کبھی کوئی محنت طلب کام نہ لیتا تھا۔ جوں جوں بچہ پروان چڑھنے لگا اس کی خوبصورتی میں اضافہ ہونے لگ۔ چنانچہ جب وہ تیرہ سال کا ہوا تو ایک دن مغل افسران کی ایک پارٹی شکار کھیلنے کے لئے اس علاقہ میں آئی تو ان میں سے ایک افسر نے آدینہ کو دیکھ لیا چنانچہ آدینہ کے باپ کی رضامندی سے ساٹھ روپیہ ماہوار پر وہ اسے بطور گھریلو ملازم اپنے ساتھ لاہور لے گیا۔ اس افسر کی بیوی آدینہ کی خوبصورتی اور بھولی بھالی شکل سے بڑی متاثر ہوئی اور وہ اس سے اپنے بچوں کا سا سلوک کرنے لگی۔ کچھ دنوں بعد اس افسر کا تبادلہ بجواڑہ ضلع ہوشیار پور میں ہو گیا اور وہ اسے اپنی فیملی کے ہمراہ وہاں لے گیا۔ آدینہ اس مغل کے پاس تین سال تک رہا۔ اس دوران وہ مغلوں میں گھل مل گیا اور آدینہ سے آدینہ بیگ کہلایا جانے لگا۔ آدینہ بیگ اس ایک قدآور اور خوبصورت جوان بن چکا تھا۔ چنانچہ اس مغل افسر نے اسے فوج میں بھرتی کرنے کے لئے اپنی جان پہچان والے ایک ساہمہ شیخ غلام علی تحلقدار اللہ آباد کے پاس بھیج دیا جہاں ہو میلیا فوج میں بھرتی ہو گیا۔ وہ ڈھائی سال تک اللہ آباد میں رہا مگر اس اس علاقہ کی آب و ہوا راس نہ آئی چنانچہ وہ دل برداشتہ ہو کر پنجاب واپس چلا آیا اور ہوشیار پور

میں جانے کی بجائے لدھیانہ میں قیام کر لیا جہاں اس کی ایک ہندو قانون گو گرد اور سری نواس سے ملاقات ہو گئی جس کی زیر تربیت اس نے پٹوار کا امتحان پاس کیا اور لدھیانہ کینواح میں ایک گاؤں کنگ میں پٹواری لگ گیا۔ اسے اس کام سے قدرتی لگاؤ تھا۔ چنانچہ وہ ترقی کی منازل طے کرتا ہوا جلد ہی ضلعدار کے عہدہ تک جا پہنچا اور سلطانپور پرگنہ میں ایک خالی آسامی پر تعینات ہو گیا۔ اسی عہدہ سے وہ میدان سیاست میں آیا اور آخر کار اپنی ذہانت' محنت شاقہ اور جرات سے پنجاب کا حکمران بن گیا دو آبہ جالندھر کا گورنر بننے کے بعد اس کی شادی دہلی کے رئیس خواجہ رحیم بیگ کشفی منصبدار سہ ہزاری کی دختر نیک اختر سلطانہ شہسوار سے ہوئی جس کے بطن سے ایک لڑکی در شاہوار پیدا ہوئی جس کے جوان ہونے پر اس کا نکاح خواجہ مرزا خاں درباری منصبدار دو ہزاری سے کیا گیا۔ آدینہ بیگ نے اولاد نرینہ کے نہ ہونے سے اپنے سالے (Brother in Law) صادق بیگ کو اپنا بیٹا بنا کر اپنے پاس رکھ لیا جو پنجاب میں مختلف اہم عہدوں پر بطریق احسن فرائض سرانجام دیتا رہا۔

نواب آدینہ بیگ کی سیاسی زندگی کے متعلق آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں لہٰذا یہاں اسے دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ 1758ء میں اس کی وصیت کے مطابق اسے بجواڑہ میں دفن کیا گیا۔

پنجاب میں رائیں تعلداریاں (Principalities)

جیسا کہ قارئین پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ خاندان سامہ کی تیسری اہم اور بڑی شاخ "رائیں" ملک سندھ سے جام راعینہ کی وفات کے بعد قافلوں کی صورت میں جام سنجر' جام نندو اور آخری حکمران شاخ بابینہ جام فیروز کے ادوار میں وقتاً فوقتاً براستہ ملتان اور سرسہ پنجاب میں داخل ہوتی رہی ہے۔ پہلے پہل لاہور' سیالکوٹ اور جالندھر کے موجودہ اضلاع میں اس نے بود و باش اختیار کر کے اپنے نئے نام سے نئی زندگی کا

آغاز کیا۔ قلیل التعداد ہونے کے باوجود اس سخت جان اور صابر قبیلہ نے دن رات محنت کر کے پنجاب کی زرعی پیداوار میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ جیسا کہ تاریخ میں روہیل کھنڈ، اودھ، دہلی اور پنجاب کے تذکروں سے ظاہر ہے کہ مغل فرمانروا ان لوگوں کی ذہانت، وفاداری، جفاکشی اور جذبہ حب الوطنی سے ہمیشہ متاثر رہے ہیں۔ وہ ان لوگوں کو ہر طرح کی سہولتیں مہیا کر کے بڑی چاہت سے اپنی ذاتی جاگیروں اور نئے نئے مفتوحہ علاقوں کو ترقی دینے کے لئے انہیں وہاں آباد کرتے رہے اور ان میں سے بعض افراد کو ان کی غیر معمولی صلاحیت اور خدمات کے اعتراف میں نیم خود مختارانہ سطح پر برائے نام خراج پہ عملداریاں قائم کرنے کی اجازت دیتے رہے جن میں سے بعض بڑی اہمیت کی حامل رہی ہیں مگر حاسد اور دشمن اسلام بھگتی تحریک کے درندوں نے انہیں ختم کر کے ہی دم لیا۔

ایسی عملداریوں میں سے چند ایک کی جھلکیاں پیش خدمت ہیں۔

1۔ **نام عملداری:** راجہ سانسی

نام عامل: مہر گھسیٹا ولد میاں صمدو سانگی

کیفیت: ہندوستان میں اکبر اعظم کے زمانہ میں ملک سندھ سے صوبہ لاہور میں وقتاً فوقتاً منتقل ہونے والے راعیوں کی دوسری متعدد بنیادی گوتوں کے علاوہ سانگی (Sangi) اور لاماں (Lamma) گوتوں کے متعدد گھرانے گروہی شکل میں نواں کوٹ شرقپور، رعیہ، کالا خطائی، بٹالہ اور رام داس پور (موجودہ امرتسر) کے علاقوں میں پھیلنا شروع ہو گئے۔ ان میں سے کئی گھرانے امرتسر کے قرب و جوار میں جرائم پیشہ خانہ بدوش سانسی قبیلہ کا مرکز "راجہ سانسی" میں آباد ہو گئے جہاں انہوں نے جنگلات صاف کر کے وسیع اراضیات تیار کرلیں اور کاشتکاری شروع کر دی۔ اکبر اعظم جب سکھوں کے گورو ارجن دیو سے ملاقات کرنے رام داس پور آیا تو وہ اس علاقہ میں جنگلات کی صفائی اور لہلہاتے کھیت دیکھ کر بہت محظوظ ہوا چنانچہ جہاں اس نے گورو ارجن دیو کو

امرتسر میں "ہری مندر" اور تالاب وغیرہ بنانے کی سہولتیں مہیا کیں وہاں راعیوں کی اعلیٰ کارکردگی کے اعتراف میں ان کی حوصلہ افزائی کے لئے راجہ سانسی کا تمام علاقہ برائے نام خراج و لگان پٹہ پر دے دیا اور پانچ سال بعد وائسرائے لاہور راجہ مان سنگھ کی سفارش پر اس علاقہ کو عملداری کا درجہ دے دیا گیا۔ اسی دور میں گورو ارجن دیو کے دام تزویر میں پھنس کر سہ[illegible]ت کا ایک گھرانہ پرشاد چکھ کر سکھ پنتھ میں شامل ہو گیا اور سکھوں نے اسے سامہ سانگی راعین کی بجائے سندھوالہ (ملک سندھ سے آنے والے) کہہ کر مشہور کر دیا۔ مہر گھسیٹا کے خاندان کو سکھ پنتھ میں شامل کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا گیا مگر یہ لوگ سکھوں کے بے پناہ مظالم و بربریت کا سانسی قبیلہ (جس پر راعیوں کے بے شمار احسانات تھے) کے بھرپور تعاون سے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اپنے آبائی دین پر بدستور قائم رہے۔ انہیں ایام سے راجہ سانسی کی چالیس گاؤں پر مشتمل عملداری سانگی راعیوں اور نو سکھ سندھوالہ سانگی میں بحصہ نصف برابر بٹ گئی۔ 1775ء میں مہر گھسیٹا کے والد میاں صمدو سانگی سے پانچ مزید گاؤں خرید کر اپنی عملداری میں اضافہ کر لیا۔ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں 1832ء کے وسط میں جب کشمیر زبردست قحط کی زد میں آگیا تو کشمیریوں کی کثیر آبادی کشمیر چھوڑ کر امرتسر، لاہور، سیالکوٹ، گجرات، کلانور، بٹالہ اور پٹھانکوٹ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئی تو امرتسر میں فاقوں سے جب کشمیری مرنے لگے تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مہر گھسیٹا کے والد میاں صمدو اور سردار لہنا سنگھ سانگی سندھوالہ کو ان بے سہارا لوگوں کی دیکھ بھال اور سامان خورد و نوش کے بندوبست کرنے پر مامور کیا۔ میاں صمدو نے مسلمان کشمیریوں کے متعدد گھرانے راجہ سانسی میں آبادی کرنے کے علاوہ امرتسر اور ترن تارن کے علاقوں میں مقیم پناہ گزیں کشمیریوں کے نان نفقہ اور رہائش کا آٹھ ماہ تک معقول بندوبست کر کے خدمت انسانیت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا اور رنجیت سنگھ نے ان گرانقدر خدمات کے صلے میں سندھوالہ خاندان کے سربراہ لہنا سنگھ کو تھانیسر کے علاقہ میں دس گاؤں کی اضافی

جاگیر عطا کی اور میاں صمدو کو ترن تارن کے علاقہ سے پانچ ہزار ایکڑ اراضی اور راجہ سانسی میں سند حوالہ سانگیوں کی جاگیر میں سے مزید نصف حصہ کے حقوق مالکانہ تفویض کر دیئے۔ 1835ء میں میاں صمدو کا انتقال ہو گیا اور اس کی وفات کے بعد اس کا اکلوتا بیٹا مہر گھسیٹا سانگی اس کا جانشین بنا۔ یہ مرد مجاہد سکھوں کی بارہ مثلوں کے خلاف ہمیشہ برسرپیکار رہا اور سکھوں کے گڑھ اور متبرک مقام گگے نزدیک اپنی عملداری میں سنگ سرخ کی ایک عالیشان مسجد تعمیر کروائی۔ وہ پہلا شخص ہوا ہے جس نے راجہ سانسی میں اس مسجد کی تعمیر کے بعد بلند آواز سے اذان دی۔

جیسا کہ پچھلے اوراق میں ذکر آ چکا ہے کہ مہر گھسیٹا سانگی سامہ اور سردار لہنا سنگھ سانگی سندھ والہ اور اس کے بھتیجے اجیت سنگھ نے قلعہ لاہور پر اپنی بریگیڈ گوریلہ سے حملہ کر کے اس پر قبضہ جما لیا تو خالصہ فوج نے اس حملہ کی خبر پاتے ہی قلعہ کو چاروں طرف فوج سے گھیرے میں لے لیا۔ مہر گھسیٹا اور اجیت سنگھ قلعہ سے بچ کر نکلنے کی کوشش میں بھیس بدل کر قلعہ کی جنوبی دیوار سے بذریعہ رسہ نیچے اتر رہے تھے کہ سکھ فوج میں ملازم کرایہ کے ایک سرحدی پٹھان نے دونوں کو اپنی بندوق کا نشانہ بنا کر وہیں ڈھیر کر دیا۔ اس سانحہ عظیم کے ساتھ ہی فخر برادری اور آزادی کے علمبردار مہر گھسیٹا کی عملداری پر خالصہ دل بھوکے بھیڑیوں کی طرح پل پڑے شہر راجہ سانسی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ عالیشان عمارتوں کو پیوند زمین کر دیا گیا۔ بے شمار لوگوں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا گیا اور راعیوں کی اس قدیم ترین عملداری کا نشان تک مٹا دیا گیا۔

2۔ نام عملداری: تکونڈی (علاقہ کپور تھلہ)

نام عامل: مہر قادر بخش

کیفیت: یہ عملداری 1756ء میں معرض وجود میں آئی۔ ماجھا میں جب سکھوں اور دوسرے ہندو زمینداروں نے دربار لاہور کو خراج و لگان دینا بند کر دیا تو مہر قادر بخش

زمیندار موضع تکونڈی نے نواب یحییٰ خاں وائسرائے پنجاب کو تمام شرپسند اور باغی زمینداروں کی فہرستیں فراہم کیں اور اس کے دیوان لکھیت رائے کی سکھوں کی سرکوبی میں نمایاں مدد کے اعتراف میں دوہزار روپیہ سالانہ کے عوض تکونڈی اور اس کے ارد گرد راعیوں کے ساتھ گاؤں پر مشتمل پورے علاقہ کے مہر قادر بخش کو حقوق مالکانہ دے کر اسے عملداری کا درجہ دے دیا گیا۔

1801ء میں بھاگ سنگھ مثلدار اہلو والیہ مثل کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا فتح سنگھ مثلدار مقرر ہوا۔ اس نے گدی پر بیٹھتے ہی ریاست کپور تھلہ میں تمام زمینداروں کو جبراً راکھی سسٹم کے تحت اپنی حفاظت میں لے کر ان سے منہ مانگا خراج اور لگان وصول کرنا شروع کر دیا۔ مہر قادر بخش پہلے تو اس سکیم کے نفاذ کی مخالفت کرنے لگا مگر جب فتح سنگھ نے سختی کرنی شروع کر دی تو وہ بظاہر تو اس سے تعاون کرنے لگا مگر اندرونی طور پر اس کے خلاف رہنے لگا۔ چنانچہ اس نے فتح سنگھ سے مراسم بڑھانے شروع کر دیئے اور آخر کار اس نے اس بے وقوف سکھ پر اپنا اعتبار جما لیا۔ فتح سنگھ اس کی عقل و ذہانت کا گرویدہ ہو کر اس کے جھانسہ میں آگیا اور اسے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں اپنا سفیر مقرر کر دیا۔

مہر قادر بخش کو اب بدلہ لینے اور اپنی عملداری کی آزادانہ پوزیشن کو بحال کرنے کا نادر موقعہ ہاتھ آگیا۔ چنانچہ اس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو فتح سنگھ اہلو والیہ کے خلاف بھڑکانہ شروع کر دیا اور اسے یقین دلا دیا کہ فتح سنگھ انگریزوں اور مرہٹوں سے ساز باز کر کے پنجاب پر ان کے حملوں میں ان کی مدد کرنے کا خفیہ پروگرام بنا رہا ہے اور اس کے ثبوت میں اس نے فتح سنگھ کے چیف سیکرٹری شیر علی کے بعض مراسلوں کا حوالہ دے کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کو فتح سنگھ اہلو والیہ کے خلاف کر دیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے فوراً کپور تھلہ پر ہلہ بول دیا اور فتح سنگھ کی برتری اور جھوٹے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ مہر قادر بخش اب رنجیت سنگھ کا معتمد خاص بن چکا تھا اور وہ

مستقل طور پر مہاراجہ کے دربار میں رہنے لگا۔ جس کے 1809ء میں وہ اچانک درد گردہ میں مبتلا ہو کر فوت ہو گیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس کی وفات کے بعد اس کے دونوں بیٹوں کو تکونڈی کی عملداری سونپ دی۔

فتح سنگھ اہلو والیہ نے اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے انگریزوں سے رجوع کیا۔ انگریزوں نے رنجیت سنگھ سے کئے گئے ایک معاہدہ کی رو سے فتح سنگھ کو فوجی امداد دینے سے انکار کرتے ہوئے رنجیت سنگھ سے درخواست کی کہ وہ اہلو والیہ مثل کی ملکیت کپور تھلہ کا علاقہ فتح سنگھ کو واپس کر دے چنانچہ انگریزوں کی اس درخواست پر رنجیت سنگھ نے اپنے دو معتمد درباری نونہال سنگھ اور دلیپ سنگھ کو کپور تھلہ بھیج کر چند نئی شرائط کے تحت فتح سنگھ کو دوبارہ گدی پر بحال کر دیا گیا فتح سنگھ نے اقتدار سنبھالتے ہی سب سے پہلے عملداری تکونڈی میں مہر قادر بخش کے دونوں بیٹوں سے بقایا جات خراج بمعہ بھاری تاوان کے وصول کیا اور چند ماہ کے بعد انہیں عملداری سے بے دخل کر کے اس علاقہ کو اپنی تحویل میں لے کر عملداری تکونڈی کے وجود کو ختم کر دیا۔

3۔ نام عملداری: بٹالہ

نام عامل: میاں غلام غوث

کیفیت: میر منوں وائسرائے پنجاب کی 1753ء میں وفات کے بعد اس کی بیوہ مغلانی بیگم نے اپنے ماموں عبداللہ خاں کو خود کی بجائے وائسرائے کے فرائض سونپ دیئے۔ یہ شخص پرلے درجے کا نالائق اور سخت ڈرپوک اور سیاست سے بالکل بے بہرہ ثابت ہوا چنانچہ اس کے مختصر سے زمانہ اقتدار میں پنجاب میں ہر کسی طالع آزما چھوٹے بڑے زمیندار نے دربار لاہور کو خراج اور لگان کی ادائیگی بند کر کے اپنی اپنی خود مختاری قائم کر لی۔ چنانچہ ایسے حالات میں میاں غلام غوث چوہدری آف بٹالہ نے موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے چچا میاں ایزد بخش چوہدری آف گروٹہ اور کمیریاں کے اعوانوں کی مدد سے بٹالہ سے پٹھان کوٹ تک کے تمام علاقہ پر تسلط جما کر اپنی عملداری قائم کر لی۔

اس عملداری کو قائم ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ لاہور کے نزدیک موضع کاہنا کاچھا کے ایک جاٹ ڈاکو جے سنگھ نے اپنے 200 گھڑ سوار ڈاکو ساتھیوں کی معیت میں بٹالہ پر بلہ بول دیا۔ میں غلام غوث نے را مگڑھیہ مثل کے جسہ سنگھ بڈھ کو بیس ہزار روپیہ کا لالچ دے کر اپنی مدد کے لئے بلا لیا۔ جے سنگھ کو قادیان کے نواح میں گھیر لیا گیا جہاں اس کے ساتھیوں کی اکثریت ماری گئی اور وہ خود بمشکل جان بچا کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس بھگوڑے ڈاکو نے تھوڑے ہی عرصہ بعد سکھو چکیہ مثل کے مثلدار مہا سنگھ سانسی جٹ والا رنجیت سنگھ کو یہ پٹی پڑھائی کہ بٹالہ کا مسلمان چوہدری (میاں غلام غوث) کابل کے حکمران سے خفیہ خط و کتابت کر رہا ہے اور احمد شاہ ابدالی کسی وقت اچانک حملہ کر کے سکھوں کو ختم کرنے والا ہے لہٰذا اس شخص کو اس کی شرارتوں کا مزا چکھانا ضروری ہے چنانچہ ان دونوں ڈاکوؤں نے سکھوں کی بھاری جمیعت اکٹھی کر کے بٹالہ کی ابھرتی ہوئی عملداری کو کچل دیا۔ میاں صاحب کو بمعہ اہل و عیال بے دردی سے قتل کیا گیا ان کے چچا میاں ایزد بخش سے بھاری تاوان وصول کر کے اس کی جان بخشی کر دی گئی اور اسے بدستور گروٹھ کا چوہدری رہنے دیا گیا۔

4- نام عملداری: نواں کوٹ (لاہور)
نام عامل: مہر محکم دین
5- نام عملداری: بیگم پورہ
نام عامل: میاں عاشق محمد
6- نام عملداری: حویلی کابلی مل
نام عامل: مہر شادی

کیفیت: یہ عملداری 1753ء میں قائم ہوئی اور اس میں نواں کوٹ، بیگم کوٹ، نیاز بیگ، چوہنگ، میاں میر، اچھرہ، مغلپورہ اور فتح گڑھ کے علاقے شامل تھے۔ مہر محکم دین

گیارہ سال تک احمد شاہ ابدالی کے ایجنٹ اور لاہور کے وائسرائے کابلی مل اور نواب آدینہ بیگ کو برائے نام خراج و لگان ادا کرتا رہا۔ اس کی اپنی عدالت تھی۔ جہاں مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلے شریعتی قانون کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ رقبہ کے لحاظ سے لاہور کے علاقہ میں یہ سب سے بڑی عملداری تھی۔

1758ء میں نواب آدینہ بیگ کی وفات کے بعد سکھوں نے جب پنجاب میں ایک بار پھر طوفان بدتمیزی برپا کر دیا اور عین ممکن تھا کہ اب کے یہ درندے پورے پنجاب پر تسلط جمانے کے بعد مسلمانوں کو ختم کر دیتے کہ مہر محکم دین نے احمد شاہ ابدالی کے بیٹے اور وائسرائے لاہور کابلی مل (Kabuli Mall) اور جنڈیالہ کے قلعہ دار رحیم خاں کو پنجاب کی بگڑتی ہوئی صورت حال کے پیش نظر انہیں احمد شاہ ابدالی کو سکھوں کے مزاج درست کرنے کے لئے پنجاب پر چڑھائی کرنے کی رائے دی۔ چنانچہ ان دونوں افسران نے احمد شاہ ابدالی کو ساری صورت حال سے مطلع کرتے ہوئے اس سے جدل از جلد پنجاب آنے کی درخواست کی احمد شاہ ابدالی نے یہ اطلاع پاتے ہی 1764ء کے ماہ جون میں پنجاب پر چڑھائی کر دیا ور دریائے جہلم کو پار کرتے ہی اس نے اپنی فوج کو پنجاب کے طول و عرض میں پھیلا دیا جس نے سکھوں کو ڈھونڈ ڈھونڈھ کر قتل کی اگرا تنی زبردست کاروائی کے باوجود ان کی خاصی تعداد لکی کے جنگلوں میں چھپنے میں کامیاب ہو گیا ور وہ افغانوں کے ہاتھ نہ لگ سکی۔ تاہم پنجاب میں امن و امان کی صورت حال بہت حد تک سدھر گئی اور احمد شاہ ابدالی مارچ 1765ء میں کابل واپس چلا گیا۔ اس نے جانے کی دیر تھی کہ لکھی کے جنگل میں چھپے ہوئے سکھوں کے جتھے باہر نکل آئے اور انہوں نے امرتسر میں جمع ہو کر ایک گورماتا منعقد کیا جس میں پورے پنجاب پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا اور اسے عملی شکل دینے کے لئے مختلف مثلوں کو جدا جدا علاقہ بانٹ دیا گیا۔ چنانچہ آدینہ نگر' بٹالہ' امرتسر' جالندھر' سرہند اور ستلج پار سرسہ' ہانسی اور حصار تک کے علاقوں پر چڑھائی کرنے کے لئے اہلووالیہ' را مگڑھیہ

نشان والا نکاھیا ور پھلکیاں مثلوں کو ہدایات دی گئیں۔ بھنگی، سکھو پکیہ، کانہاتیہ، ڈالے وال اور شہیدی مثل کے سکھوں کو جہلم تا فیروز پور اور ملتان تک کے علاقوں میں روانہ کر دیا گیا۔ چنانچہ اسی سکیم کے تحت بھنگی مثل کے ڈاکوؤں لہنا سنگھ، گوجر سنگھ اور کانہاتیہ مثل کے سوبھا سنگھ نے اچانک لاہور پر بلہ بول دیا اور کابلی مل جو خود تو بھاگ کر جموں میں ڈوگرہ راجہ رنجیت دیو کی پناہ میں جا چکا تھا کے بھتیجے امر سنگھ کو قلعہ لاہور میں گرفتار کر کے قتل کر دیا اور یہ تینوں لٹیرے قلعہ اور شہر لاہور اور اس کے مضافاتی علاقہ کو تین حصوں میں بانٹ کر لاہور کے حاکم بن کے قلعہ میں علیحدہ علیحدہ اپنا دربار لگانے لگے۔ لاہور کے علاقہ کے تمام عاملان اور زمینداروں کو حلف وفاداری اٹھانے کے لئے قلعہ میں طلب کیا گیا۔ چنانچہ مہر محکم دین نے سمن بروج میں حاضر ہو کر لہنا سنگھ کے "دربار" میں حلف وفاداری اٹھایا اور تیس ہزار روپیہ بابت راکھی اور سالانہ خراج و لگان کی ادائیگی کا معاہدہ تحریر ہوا۔ لہنا سنگھ کثرت شراب نوشی اور افیم کے استعمال سے 1794ء میں مر گیا تو اس کے جانشین بیٹے چیت سنگھ نے از سر نو حلف وفاداری لیا۔ وہ اپنے باپ سے بڑھ کر عیاش اور شرابی نکلا۔ ہر وقت نشہ میں دھت وہ اپنے "درباریوں " اور اہلکاروں سے بداخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سے ناروا برتاؤ کرتا جس سے تنگ آ کر آخر وہ مہر محکم دین کو اس کی کمزوریوں سے آگاہ کرتے ہوئے اسے اقتدار سے ہٹوانے کے لئے سازشیں کرنے لگے۔ مہر محکم دین کو بھی اب اس مدہوش سکھ کے خلاف کاروائیاں کرنے کا موقعہ مل گیا چنانچہ اس نے خفیہ طور پر مہاراجہ رنجیت سنگھ سے رابطہ قائم کر لیا۔ لہنا سنگھ کے مرنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد گوجر سنگھ بھنگی بھی مر گیا اور اس کے بیٹے صاحب سنگھ نے اس کی جگہ سنبھال لی۔

میاں عاشق محمد اور مہر شادی کی عملداریاں

صاحب سنگھ نے اپنے حصہ کے لاہور کے علاقہ میں واقع میاں عاشق محمد کی عملداری جس میں جلو، محمود بوٹی، باغبانپورہ، بدو کا آوا، بیگم پورہ، دریائے راوی کے

کنارے کے ساتھ والا علاقہ اور بادشاہی مسجد سے نیاز بیگ تک کے علاقے شامل تھے پر راکھی سسٹم اجرا کر کے 20 ہزار روپیہ سالانہ خراج کی ادائیگی کے معاہدہ پر از سرنو دستخط کرائے۔ اسی دوران سوبھا سنگھ بھی مر گیا اور اس کا بیٹا موہر سنگھ اس کا وارث بنا۔ اس نے مہر شادی جس کی عملداری میں باداامی باغ' داتا دربار' سانده خورد کلاں' چاہ برکت والا کا علاقہ' مصری شاہ' دہلی دروازہ اور چاہ میراں کا علاقہ شامل تھا کو حویلی کابلی مل سے قلعہ میں طلب کیا اور نئے سرے سے حلف وفاداری لیا اور پندرہ ہزار روپیہ سالانہ بابت راکھی اور خراج کی ادائیگی کے عہد نامہ پر دستخط لئے۔

1798ء کے وسط میں حالات نے یکایک پلٹا کھایا اور لاہور کی آزادی اور ان تینوں لٹیرے "حاکمان" کی تباہی کے سامان پیدا ہو گئے۔ لاہور کے سوڈھی خاندان کے کھتریوں نے میاں عاشق محمد کے داماد میاں بدر الدین چوہدری آف اچھرہ اور شاہ جمال کے خلاف چیت سنگھ بھنگی کے پاس شکایت کی کہ وہ کابل سے ساز باز کر رہا ہے اور لاہور سے سکھوں کو نکلوانے کے لئے اپنے سسر میاں عاشق محمد سے مل کر خفیہ طور پر اپنی ایک پرائیویٹ فوج تیار کر رہا ہے جو کابلیوں کی لاہور پر یلغار کے دوران ان کی مدد اور رہنمائی کرے گی۔ چنانچہ اس بے بنیاد اور من گھڑت کہانی کی بنا پر چیت سنگھ نے بغیر سوچے سمجھے میاں بدر الدین کو قلعہ لاہور کے بندی خانے میں ڈال دیا۔ میاں عاشق محمد کو بھی قلعہ میں طلب کیا گیا مگر اسے پوچھ گچھ کے بعد چھوڑ دیا گیا۔ میاں بدر الدین کی رہائی کے لئے شہر لاہور کے معززین جن میں چوہدری کوکا' چوہدری اشرف خاں' میاں محمد باقر' میاں محمد طاہر' مفتی محمد مکرم وغیرہ شامل تھے مہر شادی اور ہر محکم دین کی ہمراہی میں چیت سنگھ کے پاس قلعہ میں گئے۔ دلائل اور پختہ شہادتوں سے میاں بدرالدین کی بے گناہی اور سوڈھیوں کی شرارت ثابت کر دی مگر نشے سے مخمور یہ سکھ ٹس سے مس نہ ہوا بلکہ الٹا میاں بدر الدین پر زیادہ سختیاں کرنے لگا اور قید تنہائی میں ڈال کر اس کے لواحقین کو اس سے ملاقات کرنے کی اجازت دینے سے بھی انکار کر دیا۔

یہ تھی وہ بنیاد جس پر مہر محکم دین اور دوسرے دونوں راعین عاملان نے خفیہ طور پر چیت سنگھ کے دیرینہ دشمن لاہور کے ایک لاکھ پتی تاجر گور بخش کو اعتماد میں لے کر رنجیت سنگھ ولد مہاسنگھ سکھو چکیہ مثل کے چلدار کو لاہور پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ نوجوان رنجیت سنگھ آخر مہر محکم دین کی رہنمائی میں 1799ء کے ماہ اپریل میں لوہاری دروازہ کے راستہ سے اپنی پانچ ہزار گھوڑ سوار فوج لئے شہر کے اندر داخل ہو گیا اور قلعہ کو گھیرے میں لے کر چیت سنگھ کو گرفتار کر لیا مگر باقی کے دونوں "حاکمان" موہر سنگھ اور صاحب سنگھ بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح رنجیت سنگھ نے لاہور پر قبضہ کر کے ان خانخوار درندوں سے لاہوریوں کو نجات دلائی۔ راعیوں کی تینوں عملداریاں رنجیت سنگھ کی زندگی تک قائم رہیں جبکہ 1839ء میں اس کی موت کے بعد خالصہ باغی فوج نے ان کا خاتمہ کر دیا۔

7- نام عملداری: کنگن پور (سرسہ)

نام عامل: مہر منگو، مہر کمال

کیفیت: راعیوں کے ابتدائی گڑھ ضلع سرسہ میں دیہات سکندر پور، فتح پور، شہیدانوالہ، چک راعیاں، علی پور، نگرالہ، فیروز آباد، راینہ، کریوالی اور شمس آباد پر مشتمل یہ عملداری اکبر اعظم کے عہد میں معرض وجود میں آئی، اکبر نے اس علاقہ میں اپنی ایک مخصوص شکار گاہ منتخب کر رکھی تھی جہاں وہ ہر سال شکار کے لئے آیا کرتا تھا۔ مہر منگو اور اس کا بھائی مہر کمال جو ان دنوں فیروز آباد کے زمیندار تھے۔ انہوں نے بادشاہ کی شکار پارٹی اور اس کے گھوڑوں کے لئے پانی پینے کا بندوبست کرتے ہوئے میٹھے پانی کا ایک کنواں کھدوایا اور ایک وسیع تالاب بنوایا۔ بادشاہ ان زمینداروں کے اس جذبہ سے بڑا متاثر ہوا اور خوش ہو کر اس نے یہ تمام علاقہ ان دونوں بھائیوں کو برائے نام خراج پر عطا کرنے کے علاوہ مہر منگو کو ایک خلعت فاخرہ اور طلائی کنگنوں کی ایک جوڑی اور مہر کمال کو ایک سفید گھوڑی اور تیر کمان انعام میں دیا۔ ان کنگنوں کے انعام

پر اس عملداری کا نام کنگن پور پڑ گیا۔

مہر منگو اور مہر کمال کو درباری کرسی نشینی کا اعزاز بخشتے ہوئے اکبر نے ان دونوں بھائیوں کو ضلع سرسہ کی عدالت میں اسیسرز (Assesser) بھی مقرر کر دیا۔ عہد جہانگیری میں مہر منگو نے ہندو بھٹیوں سے پانچ مزید گاؤں خرید کر اپنی عملداری میں اضافہ کر لیا۔ ان کی اولادوں میں سے حاجی مہر عیسیٰ، سلطان محمود اور محمد سلیمان ہوئے ہیں جن کی اولادیں تقسیم ہند کے بعد ملتان میں راعیوں کی قدیم عملداری میلسی میں آباد ہوئیں۔ جہاں وہ آج تک کنگن پوری کہلاتی ہیں۔

نام عملداری: 8- میلسی 9- کبیر والہ 10- لودھراں 11- جالہ خورد 12- جالہ کلاں 13- حجرہ شاہ مقیم

کیفیت: ان عملداریوں کے تفصیلی حالات قارئین ریاست ملتان کے حالات کے زیر عنوان اگلے باب میں پڑھیں گے۔

نام عملداری: 14- قادر آباد (ضلع امرتسر) جاگیر 15- کلانور (گورداسپور) جاگیر 16- نور پور نکا (گورداسپور) جاگیر

کیفیت: یہ جاگیرات راعیوں کو ان کی فوجی خدمات کے اعتراف میں مہاراجہ رنجیت سنگھ ولد مہا سنگھ سکھو چکیہ مثل نے دی تھیں جن کے حال قارئین زیر عنوان "رنجیت سنگھ فیملی پر راعیوں کے احسانات" اگلے صفحات میں پڑھیں گے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ فیملی پر راعیں برادری کے احسانات

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جہاں بھگتی تحریک کے گوروؤں کے چیلوں نے راعیوں پر بے پناہ مظالم توڑے۔ ان کی املاک اور مثالی عمل داریوں کو تباہ و برباد کر کے ان کا نام و نشان مٹانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی وہاں ایک گم نام سکھ رنجیت سنگھ کو سکھ مثلوں کی شدید مخالفت اور ہلڑ بازی کے باوجود پنجاب میں بام عروج پر پہنچانے اور اسے

"مہاراجہ" بنا کر حکمرانوں کی صف میں کھڑا کرنے میں رائیں برادری نے کلیدی رول ادا کرتے ہوئے اپنی خداداد ذہانت' سیاسی بصیرت اور اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا ہے جس کا انگریزوں کے علاوہ انصاف پسند اور فراخ دل ہندو اور سکھ مورخین نے بھی کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔

تاریخ پنجاب کے قدیم نسخوں میں رنجیت سنگھ کے آباؤ اجداد کی نشاندہی اور رائیوں کے مثالی کردار کی جھلکیاں جا بجا دکھائی دیتی ہیں چنانچہ یہ باب انہیں جھلکیوں کی روشنی میں ترتیب دیا جا رہا ہے۔

رنجیت سنگھ کا مورث اعلیٰ کالو وڑائچ موضع پنڈی بھٹیاں میں تقسیم جائیداد پر اپنے بھائیوں سے لڑ جھگڑ کر تہی دست او رنہایت تنگی کی حالت میں اپنا آبائی گاؤں چھوڑ کر بمعہ اپنی بیوی کے سکھوں کے متبرک مقام امرتسر کی طرف نقل مکانی پر مجبور ہو گیا۔ امرتسر کے جنگلوں میں داخل ہونے سے پہلے وہ سانگی رائیوں اور سانگی سند حوالہ سکھوں (جیسا کہ پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے کہ رائیوں کا یہ خانوادہ سکھ پنتھ میں شامل ہو چکا تھا) کی مشترکہ عملداری "راجہ سانسی" کے علاقہ سے گزرا تو وہ اس کی شادابی اور لہلہاتے کھیتوں سے بڑا متاثر ہوا چنانچہ اس نے امرتسر میں آباد ہونے کی بجائے اسی علاقہ میں اپنی زندگی کے بقایا دن گزارنے کا ارادہ کر لیا۔ لہٰذا وہ دونوں میاں بیوی امرتسر میں ہرمندر میں اشنان کرنے اور پرشاد چکھنے کے بعد راجہ سانسی واپس لوٹ آئے۔ ان ایام میں راجہ سانسی کے علاقہ سے گو جنگلات صاف کئے جا چکے تھے مگر یہ جاگیر ہنوز آباد کاری اور زرعی ترقی کے ابتدائی مراحل سے گزر رہی تھی اس لئے وہاں افرادی قوت کی سخت ضرورت تھی۔ چنانچہ کالو وڑائچ کو بغیر کسی خاص تگ و دو کے خاصی اراضی دستیاب و گئی جس پر وہ اطمینان سے کاشتکاری کرنے لگا۔ کچھ دنوں بعد اس کی ایک سانسی رہزن "سادھومان" سے اتفاقیہ ملاقات ہو گئی جو بڑھتے بڑھتے دوستی میں تبدیل ہو گئی اور سانسی کا کالو کے گھر میں آنا جانا عام ہو گیا۔ اس طرح اس

کے کالو کی بیوی کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم ہو گئے جس کے نتیجہ میں کالو کی بیوی حاملہ ہو گئی اور اس نے ایک لڑکے کو جنم دیا۔ سانسی نے لڑکے کی پیدائش پر بڑی خوشی منائی اور کالو کی رضامندی سے اپنے رواج کے مطابق اس نے اس ناجائز بچے کا نام " جادومان" رکھا۔ راعیوں کے پتی دار سندھ والا سانگی سکھوں کو جب یہ پتہ چلا کہ ایک سانسی کے نطفے سے ایک سکھ عورت نے لڑکے کو جنم دیا ہے تو انہوں نے اسے اپنی بے عزتی خیال کرتے ہوئے اسے جاگیر راجہ سانسی سے نکال دینے کا فیصلہ کر لیا مگر راعیوں کے سربراہ جاگیردار مہروارث سانگی نے سکھوں کے اس فیصلہ سے اتفاق نہ کیا اور کالو کو پورا پورا تحفظ دیتے ہوئے اسے اپنی مخصوص نجی فارم پر آباد کر دیا۔ جوں ہی جادومان جوان ہوا اردگرد بسنے والے سکھوں نے اسے اصل صورت حال سے آگاہ کر دیا اور کالو وڑائچ پر طعنوں کی بوچھاڑ کر دی۔ آخر دل برداشتہ ہو کر اس نے جاگیر راجہ سانسی کو چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ایک دن موقعہ پا کر اس نے مہروارث سے علاقہ چھوڑنے کی اجازت چاہی۔ پہلے تو مہر نے سمجھا بجھا کر اسے جانے سے روک دیا لیکن اس کے بار بار اصرار پر مہر صاحب نے اسے نقل مکانی کی اجازت دے دی اور وہ راجہ سانسی سے اٹھ کر وزیر آباد کے قریب واقع ایک گاؤں "دھونکل" میں جا کر آباد ہو گیا جہاں چند ہی ماہ بعد اس کا انتقال ہو گیا جادو مان اب اکیلا رہ گیا چنانچہ ایک دن اس نے اپنی ماں کو ساتھ لیا اور راجہ سانسی میں دوبارہ آ کر اپنے سانسی لواحقین کے پاس مقیم ہو گیا اور ان کے ساتھ مل کر ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کا دھندہ کرنے لگا۔ کچھ دنوں بعد اس کی شادی بھی ایک سانسی گھرانے میں ہی ہو گئی اور اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام کدو (Kiddo) رکھا گیا۔ کدو نے اپنے پیچھے ایک لڑکا گلابا نامی چھوڑا۔ گلابا 1549ء کے اوائل میں راجہ سانسی کے علاقہ سے موضع کیالی ضلع امرتسر میں اپنے ننھال کے ہاں منتقل ہو گیا مگر وہاں زیادہ عرصہ تک اس کا دل نہ لگا اور آخرکار وہ ٹھیری سانسی (موجودہ گوجرانولہ) سے بجانب جنوب ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں سکھوچک میں

چلا آیا جہاں اس نے رات دن محنت کر کے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی ملکیتی اراضی میں خاصا اضافہ کر لیا اور خوشحال زندگی بسر کرنے لگا۔ وہ اپنے پیچھے دو بیٹے راجا دب اور پریموں چھوڑ کر 1606ء میں مر گیا۔ راجا دب سانسی نے باپ کی چھوڑی ہوئی جائیداد میں مزید اضافہ کیا اور مزید بر آں گاؤں میں پرچون کی ایک دکان بھی کھولی جہاں وہ بچی وافر اجناس بھی فروخت کرنے لگا اس کے تین بیٹے ہوئے جن میں دو (تاہی اور نیلو) تو بچپن میں ہی فوت ہو گئے مگر تیسرے بیٹے تخت مل نے سکھو چک میں مزید اراضی خرید کر کے اپنی سماجی اور مالی حالت خاصی مضبوط کر لیا ور وہ گاؤں کے معززین میں شمار ہونے لگا۔ تخت مل کی موت کے بعد اس کے بیٹے نودسنگھ نے کاروبار سنبھالا اور گاؤں کے نمبردار بن گیا۔ اس کے لڑکے چڑھت سنگھ سے رنجیت سنگھ فیملی کی ابتداء ہوتی ہے۔ چڑھت سنگھ رنجیت سنگھ کا دادا اور مہاسنگھ اس کا باپ ہوا ہے چڑھت سنگھ نے امرتسر جا کر ہری مندر میں اشنان کیا اور رسم "پہل" ادا کر کے وہ " خالصاؤں" میں شمار ہونے لگا۔ اس نے کھیتی باڑی اور دکانداری کا پیشہ چھوڑ کر ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کا دھندہ اپنا لیا جس سے وہ دنوں میں دولت مند ہو گیا۔ چنانچہ اس نے اس کاروبار کو بڑھانے کے لئے دو صد گھوڑ سواروں کا ایک گروہ قائم کیا اور جرنیلی سڑک پر تجارتی قافلوں کو لوٹنے لگا۔ آخر کار بڑھتے بڑھتے وہ ایمن آباد قدیم نام سید پور) کوٹلی لوہاراں، کلووال اور سیالکوٹ کی بستیوں پر بھی ہاتھ صاف کرنے لگا جس سے دریائے راوی اور چناب کے درمیانی علاقہ میں اس کی دھاک بیٹھ گئی وہ اب ایک دہشتناک اور امیر کبیر ڈاکو بن چکا تھا اور نہایت پھرتی سے گنجان آبادیوں پر اچانک پل پڑتا اور قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کر کے شاہی فوج کی آمد سے قبل ہی اپنے گوریلوں کے ساتھ جنگلوں میں جا چھپتا، کچھ ہی عرصہ بعد اس نے اپنے دو صد گھوڑ سواروں پر مشتمل جتھے کی نفری میں تین ہزار کا مزید اضافہ کیا اور اپنے گاؤں کے نام پر سکھو چک مثل کی بنیاد رکھی اور امرتسر میں ہری مندر کے ریکارڈ آفس میں اسے

رجسٹر کرانے کے بعد رسم "پہل" کی ادائیگی کے بعد وہ چڑھت سنگھ خالصہ مثلدار سکھو چک مثل کہلانے لگا۔ مثلدار بنتے ہی اس نے گوجرانوالہ میں مٹی کا ایک قلعہ تعمیر کرایا اور اس میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا اور اب وہ ڈاکہ زنی کے علاوہ سکھوں کی دیگر گیارہ مثلوں پر برتری حاصل کرنے کے لئے سیاسی داؤ پیچ آزمانے اور چھوٹی موٹی جھڑپیں لینے لگا۔ پنجاب میں مغلوں کی ہچکولے کھاتی ہوئی حکومت کے اہلکاروں کو اس نے دور افتادہ علاقوں سے نکال باہر کیا اور اپنی حسب منشا خراج و لگان اور نذرانے وصول کرنے لگا۔ سترہویں صدی عیسوی کے آخر میں وہ کشمیر اور جموں کے علاقوں پر یلغار کی تیاریاں ہی کر رہا تھا کہ بھنگی مثل کے خلاف ایک معرکہ میں اپنے ہی ایک سپاہی کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا مہا سنگھ سکھو چک مثل کا مثلدار بنا اس نے بھنگی مثل کے خلاف کاروائیاں کرتے ہوئے گجرات' ٹانڈہ موٹا' جلالپور جٹاں کنجاہ اور ریحان (Rihan) پر قبضہ کر لیا۔ اس نے جموں کے ڈوگرہ راجہ رنجیت دیو کو مطیع کر کے اس سے خراج وصول کرنے لگا۔ ایمن آباد کے مغل گورنر کو قتل کر کے شہر کو خوب لوٹا اور وہاں مقیم حفاظتی فوجی دستہ کو نہایت بے دردی سے تہ تیغ کر کے اسلحہ خانہ پر قبضہ کر لیا۔ اس اسلحہ سے اس نے اپنی مثل کو مضبوط تر بنایا اور شاہدرہ پر ہلہ بول دیا مگر شاہی فوج کے ہاتھوں سخت ہزیمت اٹھانے کے بعد جنگلوں میں روپوش ہو گیا۔ اسی روپوشی کے دوران دو نمبر 1780ء کو اسے اپنے بیٹے رنجیت سنگھ کی پیدائش کی خوشخبری ملی۔ مہا سنگھ سانسی جاٹ کا یہ لڑکا شکل و صورت اور قد و قامت کے لحاظ سے خوبصورت بچوں کے زمرے میں نہیں آتا تھا۔ چیچک کے داغوں بھرہ چرہ ایک آنکھ سے محروم تھا مگر سن بلوغت کو پہنچنے پر ان خامیوں کے باوجود وہ خاصا ذہین اور دلیر ثابت ہوا۔ وہ اتنا وسیع القلب نہ تھا تاہم اس کا یہ اندازہ درست تھا کہ پنجاب میں اقتدار پکڑنے کی اگر کوئی گنجائش ہو سکتی ہے تو وہ صوبہ کی مسلمان اکثریتی آبادی کے تعاون و امداد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ سکھوں کی بارہ مثلوں میں شامل مختلف ذاتوں اور قماش

کے غیر مہذب اور لوٹ مار کے رسیا لوگوں میں بحیثیت ایک قوم کے اتفاق و یکجہتی' شرافت' عزت نفس اور سیاسی سوجھ بوجھ جیسی صفات حمیدہ کا فقدان پایا جاتا ہے لہٰذا ان پر بھروسہ کرنا اور وفاداری کی کوئی امید رکھنا اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ چنانچہ اس نے ترجیحاً" مسلمانوں سے مراسم پیدا کر کے ان کو بطور محافظ اپنے ارد گرد اکٹھا کر لیا۔ انہیں سے آداب زندگانی بھی سیکھے۔ اپنی فوجی طاقت بڑھانے اور جنگی صلاحیتوں میں اضافہ کے لئے اس نے انگریزی طرز ٹرینگ کو اپناتے ہوئے توپخانہ جیسے اہم اور کلیدی شعبہ کو تو کلی طور پر راعیوں کی تحویل میں دے رکھا تھا۔ چنانچہ اصل موضوع کو مد نظر رکھتے ہوئے ذیل میں صرف راعین جرنیلوں کی فہرست مہ ان کے فرائض اور کارناموں کے پیش کی جاتی ہے تاکہ قارئین اندازہ کر سکیں کہ رنجیت سنگھ سکھو چکیہ _____ پنجاب میں حکمرانوں کی صف میں کھڑا ہونے میں راعیوں کا کس قدر زیر بار احسان تھا۔

1- **نام منصب دار:** میاں غوث محمد المعروف میاں غوثہ آف پرگنہ پٹی' نظامت لاہور' منصب دار ہفت ہزاری

کارنامے: یہ نہایت دلیر اور زیرک جرنیل ہوا ہے 1807ء میں اس نے ایک مختصر سی فوج دستہ سے رنجیت سنگھ کے باغی تارا سنگھ بھنگی سے پسرور اور چوبارہ کے پرگنہ جات چھین کر اسے قتل کیا اور یہ دنون علاقے رنجیت سنگھ کی عملداری میں شامل کر لئے گئے۔ اسی اثناء میں آربیل سنگھ (Arbel Singh) اور امیر سنگھ بھنگی عاملان نظامت شیخوپورہ نے بھی بغاوت کر دی - میاں غوث نے تارا سنگھ کے خلاف کاروائی کے بعد شیخوپورہ کا رخ کیا اور قلعہ کو گھیرے میں لے لیا۔ دونوں باغی سکھ قتل ہوئے۔ بے بہا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ رنجیت سنگھ نے ان دونوں فتوحات کی خوشی میں میاں غوث کو پنج ہزاری منصب سے ترقی دے کر منصب ہفت ہزاری پر فائز کر دیا۔

1809ء میں کانگڑہ اور نور پور کے وسط میں واقعہ مضبوط پہاڑی قلعہ کو تہ کو سر

کیا اور وہاں کے راجہ دھیان سنگھ کو بمعہ اس کے قلعہ گیر دستوں کے تہ تیغ کیا۔

1813ء کے اوائل میں ستلج پار انگریزی حکومت سے ایک خال معاہدہ امن کے تحت رنجیت سنگھ کے مقبوضہ علاقوں میں انگریزی یلغار کے امکانات کو مسدود کیا۔

اسی سال کے وسط میں سرحدی پٹھانوں نے دریائے اٹک کے کنارے سکھ فوج کو شکست فاش دے کر اپنے علاقہ سے نکال باہر کیا جس سے رنجیت سنگھ کو سخت تشویش لاحق ہوئے۔ چنانچہ میاں صاحب کو پٹھانوں کے خلاف سخت کاروائی کے لئے روانہ کیا گیا "حیدروں" کے مقام پر 13 جولائی 1813ء کو دوست محمد خاں کی زیر کمان پٹھانوں سے گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں دوست محمد خاں کی موت کے علاوہ پٹھانوں کا بھاری جانی نقصان ہوا اور نوشہرہ تا پشاور کے تمام علاقہ پر رنجیت سنگھ کا دوبارہ تسلط قائم ہو گیا۔

1814ء میں کشمیر فتح کرنے کے لئے ہری سنگھ نلواہ اور جمعدار خوشحال سنگھ کی پیدل فوجوں کو میاں صاحب نے اپنی زیر نگرانی توپخانہ کے لگاتار فائر سے بھرپور مدد دی اور پہاڑی قلعوں اور کمین گاہوں کو بھاری گولوں کی بوچھاڑ سے پاش پاش کر کے سرینگر تک سکھ پیدل فوج کے لئے راستہ ہموار کیا۔ 1815ء کے اختتام پر ہری سنگھ نلواہ اور جمعدار خوشحال سنگھ کی عیاشی اور نالائقی کے باعث کشمیر میں شورشوں نے ایک بار پھر سر اٹھایا۔ میاں صاحب نے فوری کاروائی کرتے ہوئے امن و امان بحال کر دیا۔ ہری سنگھ نلواہ اور جمعدار خوشحال سنگھ کو رنجیت سنگھ نے کشمیر واپس بلا لیا اور حالات کے استوار ہونے تک نظم و نسق میاں صاحب کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ پنجاب واپسی پر میاں صاحب ہیضہ کی بیماری میں مبتلا ہو کر راہی ملک عدم ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد رنجیت سنگھ نے ان کی بیوہ کو تھڑاہ کا علاقہ بطور گزارہ جاگیر دیا مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد احسان فراموش بھوکے سانسی جاٹ رنجیت سنگھ نے یہ علاقہ واپس لے کر اپنے چہیتے

دیوان محکم چند کے نام کر دیا۔

2- نام منصب دار: میاں الٰہی بخش گنگہ و بنوٹ باز آف کنڈواہ کبوتراں اندرون دہلی دروزہ لاہور آرٹلری کمانڈر و منصب دار سہ ہزاری پیدل فوج شمالی زون

کارنامے: میاں صاحب اپنے زمانہ کے بہترین گتکہ اور بنوٹ باز ہوئے ہیں۔ آنکھیں بند کر کے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے اور نشانہ کبھی خطا نہ جاتا تھا۔ رنجیت سنگھ ان کی جارحانہ صلاحیتوں سے بڑا متاثر ہوا اور ان کی حسب خواہش انہیں آرٹلری کمانڈر کے عہدہ پر فائز کیا۔ میاں صاحب کی ساری زندگی پٹھانوں کی سرکوبی اور شمال میں پہاڑی راجاؤں کو مطیع کرنے میں گزری۔ آپ نے طور خم' میراں شاہ اور لنڈی کوتل میں سرکش اور جنگجو قبائلیوں کو عبرتناک سزائیں دے کر انہیں حکومت پنجاب (رنجیت سنگھ) کا فرمانبردار بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ آپ نے ناقابل تسخیر قلعہ خیر آباد کو فتح کر کے اس کے حکمران محمد عظیم خان کو 1821ء میں زندہ گرفتار کیا۔ ان جنگی کامیابیوں کے اعتراف میں رنجیت سنگھ نے سیالکوٹ میں اسی سال اکتوبر میں ایک فوجی پریڈ کے ریویو کے موقعہ پر میاں الٰہی بخش کو منصب سہ ہزاری پر فائز کیا۔ منصب دار سہ ہزاری الٰہی بخش نے اپنے فرائض کی بجا آوری میں شمالی علاقوں میں روپوش مجاہدین آزادی جن میں اکثریت راعیوں کی تھی پر ہاتھ ڈالے سے بھی دریغ نہ کیا اور حسب خواہش رنجیت سنگھ ان کا پنجاب میں داخلہ روک دیا۔ آخر کار یہ سپاہی 1822ء میں شمالی سرحدوں کے استحکام و حفاظت میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

3- نام منصب دار: میاں وارث کمانیہ آف ترن تارن (امرتسر) منصبدار پنج ہزاری (رسالہ)

کارنامے: آپ ترن تارن کے ایک مقتدر زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور بہترین گھوڑ سوار اور نیزہ باز ہونے کے علاوہ تیر کمان کے استعمال میں بھی بڑے ماہر تھے ایک سال بیساکھی کا تہوار منانے رنجیت سنگھ گوجرانوالہ سے جب امرتسر کے ہری مندر

میں آیا تو اس نے اس گھوڑ سوار کمانیہ کی شہرت سنی اور اسی وقت اسے منصبدار سہ ہزاری (رسالہ) ایک کیولری بریگیڈ کمانڈر) کا عہدہ پیش کیا جسے میاں صاحب نے قبول کر لیا۔ آپ نے ایک بریگیڈ نفری بھرتی کر کے بنائیہ اور بھنگی مثلوں پر ضرب کاری لگا کر ان کا نظامت امرتسر اور گورداسپور میں زور توڑ کر رنجیت سنگھ کی غیر مشروط اطاعت پر مجبور کر دیا چنانچہ اس کاروائی سے متاثر ہو کر رنجیت سنگھ نے ٹمل سنگھ اٹاری والا کو پھلکیاں فیملی (جنید' نابھہ اور پٹیالہ ہاؤس) کی گوشمالی پر مامور کر کے میاں صاحب کا نظامت لاہور امرتسر اور گورداسپور کا فوجدار مقرر کر دیا۔ آپ نے کڑیانوالہ کے باغی جاگیردار صاحب سنگھ بھنگی کا گھمنڈ توڑ کر اس علاقہ کو رنجیت سنگھ کی قلمرو میں شامل کر دیا۔

آپ نے کیولری یونٹوں کو فرانسیسی طرز پر استوار کرنے کی بجائے انگریزی طریقہ کے مطابق تلوار اور نیزہ کے علاوہ بندوق کا استعمال بھی شروع کروا دیا۔ رنجیت سنگھ نے دو عمدہ قسم کے ہاتھی بمعہ سنہری کجاوا اور قادر آباد (ضلع امرتسر) کی جاگیر دی جو 1850ء تک سالم طور پر ان کی فیملی کے پاس رہی مگر عیار انگریز نے اپنی حکمت عملی کے تحت سکھوں کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے کے لئے اس جاگیر کا بیشتر حصہ سکھوں میں بانٹ دیا۔

میاں صاحب نے انگریزوں سے تعلقات بڑھانے کی کوشش کی مگر خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ تاہم یہ گھرانہ انگریزوں کا وفادار رہا۔

4۔ نام منصب دار: میاں عبدالقادر آف باغبانپورہ لاہور' چیف انسٹرکٹر توپخانہ

کارنامے: میاں غوث کی وفات کے بعد رنجیت سنگھ نے میاں عبدالقادر آف باغبانپورہ کو بطور آرٹلری کمانڈر مقرر کر دیا۔ خواہ یوسف زئی کا سرکشی ہو' پہاڑی راجپوتوں کی بغاوت ہو یا سکھ مثلوں کی ہنگامہ آرائی میاں صاحب ہر فوجی کاروائی کی نگرانی خود کرتے تھے۔ آپ کو پرانی اور نئی توپوں کی ساخت اور ان کی کارکردگی کی

تکنیک کا مطالعہ اور ان میں ترامیم کر کے ان کی کارکردگی کو بہتر بنانے کا ازحد شوق تھا اور انہوں نے رنجیت سنگھ کی امیدوں سے بڑھ کر شعبہ توپخانہ کو بام عروج پر پہنچایا۔ آپ نے رنجیت سنگھ کی رضامندی سے لدھیانہ میں مقیم انگریزوں کے جدید توپخانہ ہیڈ کوارٹر میں چھ ماہ تک ٹریننگ کورس کیا اور توپچیوں کی اصلاح و تربیت کے لئے "مفتوح الابلدان" نامی ایک جامعہ کتاب لکھی جسے رنجیت سنگھ نے اپنی زندگی میں توپ اور اس کی کارکردگی پر قوانین وضع کرنے میں بطور اتھارٹی استعمال کیا اور میاں صاحب کو تاحیات اپنے توپ خانہ کا چیف انسٹرکٹر مقرر کر کے منصب پنج ہزاری پر فائز کیا۔

5- نام منصب دار: میاں فاضل آف پرگنہ پٹی' نظامت لاہور منصبداری سہ ہزاری شعبہ انفنٹری

کارنامے: آپ میاں غوث محمد آف پٹی کے نزدیکی رشتہ داروں میں سے تھے اور توپخانہ میں مہارت حاصل کرنے کے بعد رنجیت سنگھ کی حسب خواہش پیدل فوج کی منصب داری قبول کر لی۔ ضلع سیالکوٹ میں چوبارہ' صدرہ بدرہ وار چونڈہ میں مقامی جاٹ کسانوں نے لگان کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ رنجیت سنگھ نے تادیبی کاروائی اور لگان کی وصولی کے لئے میاں صاحب کو مامور کیا۔ آپ نے ایک ماہ کے قلیل عرصہ میں سرکش کسانوں کو راؤنڈ اپ کر کے انہیں عبرتناک سزائیں دیں اور اراضیات کی مساوی تقسیم کر کے بے زمین کسانوں کی ہمدردیاں حاصل کر کے انہیں سرکش اور بڑے زمینداروں کے مقابلہ کے لئے تیار کر دیا۔ میاں صاحب کی اس حکمت عملی سے علاقہ کو امن دوام نصیب ہوا۔ رنجیت سنگھ نے آپ کو نظامت بٹالہ میں واقعہ نور پور نکا کا علاقہ بطور جاگیر دیا۔

6- نام منصبدار: مولوی نذر حسین شیخ سامہ آف نواب گنج ضلع لکھنؤ صوبہ اودھ منصبدار سہ ہزاری و جاگیردار علاقہ کانور نظامت بٹالہ

کارنامے: صوبہ اودھ سے نقل مکانی کر کے پنجاب میں آباد ہوا اور رنجیت سنگھ کی

فوج میں شامل ہو گیا۔ پٹھانکوٹ کا فوجدار رہا اور جموں کے ڈوگرہ راجپوتوں کی سرکوبی کر کے امن بحال کیا۔ 1821ء ماہ اپریل میں رنجیت سنگھ نے پٹھانوں کی سرکوبی کے لئے شمالی علاقہ میں روانہ کیا۔ کامیابی سے ہمکنار ہو کر واپس لوٹتے وقت دریائے اٹک کو پار کرتے ہوئے ڈوب گیا۔ اس کی موت کے بعد کلانور کی جاگیر واپس لے لی گئی۔

7- نام منصبدار: گنڈا سنگھ لالاں عرف گنگا سنگھ لالاں رائیں آف موضع ڈھیریاں، دوآبہ جالندھر، درباری رنجیت سنگھ منصب دار دو ہزاری

کارنامے: گورو نانک دیو، گورو ارجن دیو، گورو گوبند سنگھ اور ظالم بندہ بیراگی کے ہاتھوں متعدد رائین جبراً" سکھ پنتھ میں شامل کر لئے گئے مگر بعد میں وقتاً" فوقتاً" ان کی اکثریت تائب ہو کر واپس دائرہ اسلام میں آ چکی تھی۔ تاریخ پنجاب میں صرف سندھوالہ (سانگی رائیں) اور لالاں رائین گوتوں کے دو گھرانے ایسے ملتے ہیں جو "خالصاؤں" کی بلڑ بازی کے زمانہ 1848ء تک سکھ مذہب کے پیروکار رہے ہیں سندھوالوں کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ رنجیت سنگھ کے عہد میں گنگا سنگھ لالاں رائیں آخری سکھ تھا جو رنجیت سنگھ کا درباری رہا ہے اور شمالی علاقوں میں پٹھانوں کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا۔

نام منصبدار: 1- مہر محکم دین نواں کوٹ 2- میاں عاشق محمد عامل جلو محمود بوٹی بیگم پورہ وغیرہ

صوبہ لاہور میں واقع رائیوں کی ان عملداریوں کا تفصیلی ذکر پیچھے آ چکا ہے۔

3- نام منصبدار: مہر شادی عامل بادامی باغ علاقہ داتا دربار، سانده خورد و کلاں، چاہ برکت والا وغیرہ کے کارنامے

کارنامے: انہیں عاملان کی کوششوں اور تعاون سے رنجیت سنگھ کو شہر لاہور میں داخل ہونا نصیب ہوا۔ء

1798-99ء میں رنجیت سنگھ نے مثل پھلکیاں سے رشتہ ناطہ جوڑ کر اور بقایا مثلوں کو

ڈنڈے کے زور سے مطیع کر کے پنجاب میں اپنے قدم جما لئے اور وہ اس خطہ سرزمین کا "مہاراجہ" بننے کے خواب دیکھنے لگا۔ مگر اس کے باوجود اسے کسی ایک مرکزی جگہ پر اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کرنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ وہ گوجرانوالہ' بٹالہ' آدینہ نگر اور امرتسر کے مقامات میں بھٹکتا پھرتا اور اسی طرح اس کی فوج بھی مختلف مقامات میں بٹی ہوئی تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ حسب دستور سابق لاہور شہر جو ہمیشہ سے پنجاب کا صدر مقام رہا ہے وہ بھی اسے مل جائے تاکہ وہ اسے اپنا صدر مقام بنا کر صحیح معنوں میں اپنے آپ کو "مہاراجہ پنجاب" کہلوا سکے۔ چنانچہ 1799ء اپریل میں اسے مذکورہ بالا تینوں رائیں عاملان کی کوششوں سے اپنے خوابوں کی تعبیر پوری ہو گئی۔

نوجوان رنجیت سنگھ نے مہر محکم دین' میاں عاشق محمد اور مہر شادی کی رہنمائی میں 1799ء کے ماہ اپریل میں لوہاری دروازہ کے راستہ سے اپنی گھڑ سوار فوج کو شہر کے اندر داخل کیا اور قلعہ کے گرد گھیرا ڈال کر چیت سنگھ کو گرفتار کر لیا اور بقایا دونوں حاکمان بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے۔

نام منصبدار: پہلا قاضی لاہور میاں نظام الدین اور پہلا کوتوال لاہور میاں امام بخش المعروف گدھے والا کوتوال

مہر محکم دین عامل نواں کوٹ کے مشورہ سے رنجیت سنگھ نے میاں نظام الدین مفتی آف پٹی کو پہلا قاضی اور میاں امام بخش آف شاہدرہ کو پہلا کوتوال شہر لاہور مقرر کیا۔ قاضی کے فیصلے حتمی ہوا کرتے تھے اور مسلم اخلاقی مجرمان کی بریت یا سزا میں کمی بیشی کرنے کا رنجیت سنگھ کو کوئی استحقاق نہ تھا۔

میاں امام بخش کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بھیس بدل کر چھوٹے قد کے گدھے پر سوار ہو کر شہر کی گشت پر نکلا کرتا تھا اور گلی کوچوں میں بدقماش اور تخریب کاروں کے خفیہ اڈوں کا کھوج لگا کر ان پر اچانک چھاپے مارتے تھا۔ بدیں وجہ وہ گدھے والا کوتوال مشہور ہو گیا۔

سامہ لوگ رائین کیوں کہلائے

جیسا کہ اس کتاب کے اولین حصے میں دیئے گئے شجرہ نسب خاندان سامہ سے ظاہر ہے سلاؤں کی دو بڑی شاخیں دھریجہ اور ابریجہ ہوئی ہیں۔ دھریجہ شاخ تو ارغونوں کے ہاتھو ہزیمت اٹھانے کے بعد مخلوط النسل ہو کر گوشہ گمنامی میں چلی گئی مگر ابریجہ شاخ مندرجہ ذیل تین مشہور خانوادہ پر مشتمل تاریخ سندھ میں اپنی شاندار دینی خدمات اور منفرد انداز حکمرانی کی بدولت اہم مقام رکھتی ہے۔

1- خانوادہ بابینہ (حکمران گھرانہ)

2- خانوادہ منائیہ (علماء و مشائخ کا گھرانہ اس کا دوسرا نام مندرو بھی ہے)

3- خانوادہ جمانکران جاگیردار (سندھی زبان میں اس جھاکڑاں/جھاکڑے کا گھرانہ بھی کہا جاتا ہے)

چنانچہ نمبر1 خانوادہ بابینہ میں سے نمبردار انار ولد بابینہ سے سندھ میں سلاؤں کی حکمرانی کا ہوا اور اسی خانوادہ کے آخری حکمران جام فیروز سے اس کا انجام ہوا۔ باقی دونوں گھرانے اپنی الگ آزادانہ حیثیت کے مالک تھے اور حکومت میں براہ راست قانونی رو سے استحقاق وراثت نہ رکھتے تھے۔ خانوادہ منائیہ جو اللہ والوں کا گھرانہ بھی کہلاتا ہے سیاست اور حکمرانی کے جھنجھٹ سے الگ تھلگ رہتے ہوئے زیادہ تر دینی خدمات سے انجام دینے میں پیش پیش رہا۔ باقی بابینوں اور جھاکڑانیوں میں حسد' خاندانی عصبیت اور حصول اقتدار کی رسہ کشی کا لامتناہی سلسلہ برابر جاری رہا۔ جمانکراں کا گھرانہ ابتداء سے ہی سلاؤں میں چوٹی کا جاگیردار گھرانہ شمار ہوتا رہا ہے اور علاقہ سواندھی سامہ میں وہ بڑے دبدبے کا مالک تھا لہٰذا وہ بابینوں کو ہر حالت میں اپنے سے کم پوزیشن کا سمجھتا رہا۔ یہ تو ایک اتفاقی امر تھا کہ بابینہ خانوادہ کے لوگ ریاست کچھ میں جب منتقل ہوئے تو وہاں انہوں نے جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے بدھی راجہ سے

اقتدار چھین کر غلجیوں کے تعاون سے سمراؤں کو شکست دے کر سندھ میں اپنی حکمرانی کی ابتداء کی چنانچہ بدین وجہ حسد و نخوت سے مغلوب جام جھانگراں جام انار سے اپنے آپ کو ہر حالت میں اعلیٰ و ارفع سمجھتا تھا۔ مزید برآں اس نے جام انار کے برسراقتدار آنے سے کچھ ہی عرصہ بعد سماؤں کی مشہور ابتدائی شاخ چاچڑ (جسے رحمانی بھی کہا جاتا ہے) اور اس کی مزروعہ رعیت کے متعدد کنبوں کو راجہ بنگاہ رائے آف امرکوٹ کی قید سے رہائی دلا کر خاندان سامہ کی عزت بچانے میں بہادری دکھا کر خاصی شہرت حاصل کر لی جس کی گونج سندھی لٹریچر میں ابھی تک ایک کہاوت کی شکل میں سنائی دیتی ہے ملاحظہ فرمائیں وہ کہاوت جو زبان زد خلق عام ہے۔

سرسار، سھاگو، سمرا اور چوتھی چاچڑیہ

آندہ جام جھاکڑے رہا بندھن بنگاہ را

(بحوالہ گلاسری آف ٹرائبس اینڈ کاسٹس ان دی پنجاب جلد اول ص 145 اور بہاولپور گزیٹر مطبوعہ 1904ء ص 132)

چنانچہ عصبیت کا شکار یہ دونوں گھرانے ہر دم ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی ٹوہ میں رہتے تھے اور آخر کار جھانگراں کے پڑپوتے ملاں راجنہ کو موقعہ ہاتھ آگیا اور اس نے بابینوں کے جام سکندر کے بعد اقتدار پر قبضہ کر لیا اور 19 سال کے لمبے عرصہ تک بلا شرکت غیرے اپنی خداداد انتظامی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے نہایت دبدبہ سے حکومت کی۔ اس نے اپنے دور اقتدار کے پہلے ڈیڑھ سال کے قلیل عرصہ میں سندھ کے تمام سرکش اور باغی رانوں اور جاگیرداروں کی سرکوبی کر کے موجودہ کراچی سے لے کر دریائے جہلم کے کنارے واقع قصبہ ماڑ (Mayer) (موجودہ تحصیل فتح جنگ کا علاقہ) تک کے تمام درمیانی علاقہ کو مطیع کر کے عرصہ سے بگڑی ہوئی صورت احل کو بہتر بنایا اور اپنی حکومت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کر کے خانوادہ بابینہ کو اقتدار سے ہمیشہ کے لئے محروم کرنے اور حقوق حکمرانی کو اپنے بطون میں منتقل کرنے کی کوشش کرتا رہا اور

اگر ظالم سنجر (Sanjar) کے ہاتھوں زہر دیئے جانے سے اس کی بے وقت موت واقع نہ ہوتی تو عین ممکن تھا کہ وہ اپنے ارادوں میں ضرور کامیاب ہو جاتا علاوہ ازیں "مہر کی متھیلو" (Mehr ki Mathelo) کے سرپھرے باغی یا بگڑار حکمران کو جو باہنیوں کو کبھی خاطر میں نہ لاتا تھا اور نہ ہی انہیں کبھی سیدھے ہاتھوں خراج و لگان ادا کرتا کو ذلت آمیز سزا دے کر اس کا غرور خاک میں ملا دیا اور "متھیلو" کے تمام علاقہ کو مستقل طور پر اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ چنانچہ اس عظیم کارنامہ کے اعتراف میں سندھی باشندوں نے جام راہینہ کے گھرانہ بمعہ اس کی فوج اور حواریوں کے "مہر" کا لقب بطور اعزاز پیش کیا جو "مہر کی متھیلو" کی فتح کی یاد میں راعیوں میں آج تک مستعمل چلا آ رہا ہے جام راہینہ کی اس کامیابی اور اس کی مضبوط حکومت کے بہتر نظم و نسق کے باعث سندھ کے کئی نو مسلم گھرانوں نے بھی اس کی خوشنودی حاصل کرنے اور اسے اپنی وفاداریوں کے اظہر میں فخریہ طور پر "مہر" کا اعزازی لقب اپنا لیا اور اس طرح وہ بھی حکمران گھرانے میں عزت کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے۔ بدیں وجہ وہ دو ن عربی قبائل سمرا اور سامہ کے فرمانرواؤں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ عظمت و شہرت کا مالک بن گیا۔

باہینہ کا خانوادہ گو جام رعاینہ سے خائف اور متنفر رہتا تھا مگر مجموعی طور پر سلماؤں کو اس پر بڑا ناز تھا کیونکہ اس کی زندگی میں کسی ایرے غیر کو ان کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کی کبھی جرات نہ ہوئی۔ دھریجہ شاخ کے گھمنڈی اور سرکش لوگ اس کی زندگی میں بھیگی بلی بنے رہے اور لگان و خراج کی ادائیگی باقاعدگی سے کرنے لگے۔ وہ سندھ کی فرمانرواؤں میں پہلا حکمران ہوا ہے جو جمہوری طریقہ سے مسند حکومت پر بیٹھا۔ وہ ایک کہنہ مشق اور منجھا ہوا سیاستدان ہونے کے علاوہ بہترین مقرر، نہایت رحمدل اور غریب پرور فرمانروا تھا۔ اس کی المناک موت اور کمزور طبع باہینو کے دوبارہ برسراقتدار آنے سے سلماؤں کی پہلی سی ساکھ اور رعب و دبدبہ نہ رہا چنانچہ

سندھی رانے اور جاگیردار آہستہ آہستہ سلماؤں کی گرفت سے آزاد ہونا شروع ہو گئے حتیٰ کہ نندو ثانی کے جانشین بیٹے جام فیروز کے عہد میں تو یہ لوگ حکومت کا تختہ الٹنے اور خاندان سلمہ کے نام تک کو مٹانے میں ارغونوں کے طرفدار اور معاون بن گئے۔ ارغونی حملہ سے جب جام فیروز پر آفت آئی اور وہ تخت چھوڑ کر فرار ہوا تو ملک میں طوائف الملوکی اور افراتفری کا دور شروع ہو گیا جس سے شکست خوردہ سلماؤں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ جارح ارغون اور ان کے معاون سندھی قبائل "سلمہ" نام سے متنفر ہو کر ان کی جان کے درپے ہو گئے۔ چنانچہ خوف کے مرے انہوں نے اپنے آپ کو سلمہ ظاہر کرنا اور کہلوانا چھوڑ دیا اور جان کی سلامتی کی خاطر ادھر ادھر بھاگتے وقت اپنی شناخت کے لئے اپنے ہیرو جام راجینہ/رائینہ کے نام پر اپنے آپ کو "شیخ راعین" کہہ کر متعارف کرانے لگے (ملاحظہ فرمائیں تاریخ سرسہ از مسٹر جے ولسن مطبوعہ 1882ء صفحہ نمبر 17 تا 19' بزبان انگریزی)

ہمارے تاریخ نویس حضرات غلط فہمی کا شکار ہیں

سوئے اتفاق سے بے معنی اور غلط العام لفظ "ارائیں" کا ایک ہم وزن اور تلفظ میں تقریباً" مشابہ ایک لفظ عربی زبان میں "راعی" اور اس کی جمع "راعین" موجود ہے جسے ہمارے فاضل مؤلفین تاریخ بغیر کسی گہری تحقیق و تجسس کے براہ راست تاریخ اسلام سے منسوب کرتے ہوئے برادری کو چرواہوں اور یا گلہ بانوں کی جماعت گردانتے ہیں۔ وہ شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ دنیائے عرب میں موجودہ ہر قوم قبیلہ یا برادری ان پیشوں کو اپنانے کے باوجود اپنے جد امجد یا مورث اعلیٰ کے اسم گرامی سے پکاری اور جانی پہچانی جاتی ہے اور "راعی" کا لفظ کسی مخصوص جماعت سے متعلق نہ تھا۔ اگر بفرض محال یہ مان لیا جائے کہ رائیں برادری کسی چرواہے اور گلہ بان کی نسل سے ہے تو اس چرواہے و گلہ بان کا کوئی نام بھی تو ضرور ہو گا۔ مگر حیران کن بات یہ ہے کہ آج تک جتنی بھی تاریخیں لکھی گئی ہیں ان میں کہیں بھی کسی ایسے چرواہے کا نام اور اس

کا مخصوص شجرہ نسب نظروں سے نہیں گزرا جس سے اس نظریہ کی تصدیق ہو سکے۔ جہاں تک تاریخ اسلام کا تعلق ہے اس سے "راعین" نام کے کسی قبیلہ یا گروہ کا ملک عرب سے براہ رست ملک سندھ یا ہند میں وارد ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ برادری نہ تو چرواہوں/گلہ بانوں اور یہ حکمرانوں کی ہے بلکہ یہ لوگ ان مجاہدین کی اولاد میں سے ہیں جن کا تفصیلی ذکر پیچھے آ چکا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مدت مدید سے برصغیر ہندوستان میں رہتے ہوئے یہ لوگ ہندی نژاد قبائل سے رشتے ناطے جوڑ کر عربی کم اور ہندی زیادہ ہو چکے ہیں۔

مزید وضاحت

انسانی فطرت آزادی پسند ہے اور علاوہ ازیں انسان اپنے آپ کو کبھی بھی کمتر یا گھٹیا الفاظ سے منسوب کرنا پسند نہیں کرتا اس کی خواہش ہوتی ہے کہ سوسائٹی یعنی سماج میں اس کی شخصیت ابھرے اور اسے برتر مقام حاصل ہو اور س کے ارد گرد کے لوگ اس کے تشخص سے متاثر اور مرعوب ہوں۔ اسی طرح جب کہیں اوسط درجہ کے شریف النفس انسان کو غریب الوطنی یا نقل مکانی کی حالت میں اپنی اور اپنے خاندان یا کنبے کی شناخت کرانی مقصود ہو تو وہ اپنے آپ کو کسی ایسے شخص کے نام سے منسوب کر کے متعارف کراتا ہے جو عام شہرت' عزت اور دبدبہ کا مالک ہو نہ کہ کسی شکست خوردہ یا متنفر اور گھٹیا قبیلے سے۔ چنانچہ بیرون سندھ ہندوستان کے ضلع سرسہ میں پہلی بار نقل مکانی کر کے آنے والے سماؤں نے اسی قاعدے کے تحت اپنے آپ کو اپنے جد امجد اور ہیرو جام راجینہ کے نام پر رائیں کہہ کر متعارف کرایا حالانکہ جام راجینہ کی زندگی میں اس کی سیاسی شہرت اور عہد حکومت سے قبل سندھ سے بطرف بریلی اور پیلی بھیت نقل مکانی کرنے والے سماؤں نے اپنے آبائی لقب "شیخ" سے اپنے آپ کو متعارف کرایا۔ چنانچہ ہندوستان میں سامہ خاندان کے لوگ "شیخ" کہلاتے رہے اور آج تک ایسا ہی کہلاتے ہیں البتہ موجودہ صدی کے اوائل میں تاریخی ریسرچ

کے نتیجہ میں جب وہ اپنا انساب سندھ کے سلاؤں اور پنجاب کے سامہ رائیون سے جوڑنے میں کامیاب ہوئے تو انہوں نے کاغذات مال و دیگر نجی اور سرکاری دستاویزات میں ترامیم کرا کے اپنے آپ کو "شیخ رائیں" درج کروانا شروع کر دیا جس سے اس غلط فہمی کا ازالہ ہوتا ہے۔

یہ ہے وہ گنجلدار صورت حال جس سے تاریخ نویس حضرات غلط فہمی کا شکار ہو کر جام راجینہ کو ہندو/بدھ قبیلہ کا فرد سمجھتے ہوئے اس کے نام سے معرض وجود میں آنے والے عربی سامہ سامہ قبیلہ کی اہم شاخ "رائین" کو ہندی نژاد قبیلہ کمبوہ کی نو مسلم شاخ ظاہر کرنے لگے حالانکہ اس برادری کی ہزاروں لاکھوں چلتی پھرتی تصویریں اور تاریخ اس بات کی گواہ ہیں کہ اس میں ابتداء سے لے کر آج تک ایک بھی فرد ایس انہیں پایا گیا جس نے کبھی خود کو ہندو/بدھی رائین کہہ کر متعارف کرایا ہو۔ البتہ مستقبل میں ایسا ممکن ہو سکے گا کیونکہ ہندوستان میں انگریزی عملداری کے دوران رائین برادری کے کئی کنبوں نے قادیانی مسلک اختیار کر لیا تھا جس سے وہ اب ہندی نژاد برادریوں کی طرح مذہبی بنیاد پر بٹ کر "مسلم رائین" اور غیر مسلم رائین (قادیانی/احمدی) کہلوانے لگ گئے ہیں اور آئندہ تاریخ پاک و ہند میں بطور شناخت "مسلم رائین" اور "قادیانی رائین" الگ الگ ظاہر کئے جائیں گے۔

ایک محقق اور ماہر البشریات (انتھروپالوجسٹ) کا تحقیقاتی نوٹ

ایک انگریز محقق نے برصغیر میں اپنی آٹھ سالہ تحقیق و تجسس کے نتیجہ میں قوموں اور قبائل کی تشکیل اور ان کے معرض وجود میں آنے کے مختلف اسباب وجوہات پر ایک طویل مضمون لکھا ہے جس میں سے ایک مشہور ہندو ہسٹورین ڈاکٹر جے ایس گورے "J. S. Gorey" نے اپنی شہر آفاق تصنیف "کاسٹ اینڈ ریسز ان انڈیا" (Castes and Races in India) کے صفحہ نمبر 34 تا 41 میں ایک اقتباس حرف بحرف یوں درج کیا ہے۔

"MANY CASTES AND SUB CASTES IN INDIAN SUB CONTINENT ESPECIALLY ON MIGRATION DERIVED THEIR NAMES FROM SOME PECULARITY OR SOME ADVENTITIOUS CIRCUMSTANCES TO WHICH IMPORTANCE IS ATTACHED AND WHICH IS USED TO DISTINGUISH THE MEMBERS OF A GROUP BY SUGGESTING CERTAIN NICK NAMES AND FOR THAT PURPOSE LINEAGE WAS NOT ATTENDED TO"

اس تحقیق سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قبائل یا خانوادوں میں اس قسم کا انسانی تغیر تبدل ایک فطری عمل ہے اور کسی فرد کے نام یا اس کے کسی کارنامہ کی بنا پر الگ نام سے بطور شناخت کسی قبیلہ یا سب کاسٹ یا شاخ کا معرض وجود میں آنا کوئی انوکھی ی بے اصولی بات نہیں ہے۔

آگے چل کر شخصی نام پر کسی شاخ پر تبصرہ کرتے ہوئے مزید لکھتا ہے کہ قوموں اور قبائل کی سلامتی اور ترقی ہمیشہ ایک فرد واحد کے گرد گھومتی ہے نہ کہ گھر گھر کی چودھراہٹ یا کسی مقام کے نام پر۔ ملاحظہ فرمائیں۔

"THE DESTINY OF A SOCIETY OR NATION, COMMUNITY OR AN EMPIRE OFTEN HANGSON A SINGLE MAN AND NOT ON A FLOCK OF MEN OR LOCALITY LEADER AND THE HISTORY SERVE AS A FORGE TO BUILD THE NATIONS"

مندرجہ بالا تاریخی اور تحقیقاتی نوٹس پر مبنی قاعدوں کا تحت برصغیر میں ایسی متعدد

مثالیں ملتی ہیں جن سے قبائل اور فرقوں کا معرض وجود میں آنا ثابت ہوتا ہے اور وہ اپنے بطون کے اندر رہتے ہوئے دوسرے ناموں سے اپنا تشخص الگ قائم کئے ہوئے ہیں جن سے ان کی شناخت میں واضح مدد ملتی ہے۔ چند مثالیں قارئین کی دلچسپی کے لئے درج ذیل ہیں۔

1- قادیانی ضلع گورداسپور کے غلام احمد مغل کو بعض لوگوں نے اپنا مذہبی پیشوا اور ہیرو مانتے ہوئے اس کے نام پر اپنے آپ کو "احمدی" کہلوانا شروع کر دیا چنانچہ وہ آج تک اپنی شناخت اسی نام سے کراتے چلے آ رہے ہیں۔

2- دکن کے برہمن جاگیردار گنگو کے غلام مظفر حسن خاں پٹھان کو صوبہ دکن کی خود مختار حکومت نصیب ہوئی تو اس نے اپنے محسن آقا گنگو برہمن کے نام پر مسلمان ہونے کے باوجد اپنی قلمرو کا نام باہمنی کنگڈم اور اپنے نام کے ساتھ باہمنی کا لقب لگایا جو تاریخ میں آج تک مشہور چلا آ رہا ہے۔

3- محمد روہیل علی پاوندہ پٹھان کے نام پر پٹھانوں کا ایک قبیلہ معرض وجود میں آیا۔ اسنے ہندوستان کے ایک علاقہ کٹڑاہ پر تسلط جما کر اس کا نام اپنے نام پر روہیل کھنڈ رکھا۔ چنانچہ اسی کارنامہ کے اعزاز میں پاوندہ پٹھانوں نے محمد روہیل علی کو اپنا ہیرو مان کر اس کے نام پر الگ ایک قبیلہ روہیلہ قائم کر کے دوسرے پٹھانوں سے الگ اپنا تشخص قائم کر کے خود کو "روہیلہ" پٹھان کہلوانے لگے۔

4- بندہ بیراگی چیلہ گورو گوبند سنگھ کو پنجاب میں اس کے مظالم جس کو سکھ لوگ "بہادری" کا نام دیتے ہیں کے اعتراف میں ہیرو مانتے ہوئے اس کے نام پر ایک الگ خالصہ فرقہ قائم کر کے اس کا نام "بندھائی" رکھ لیا۔ چنانچہ بندھائی سکھ آج تک عام سکھوں سے اپنا تشخص الگ رکھے ہوئے ہیں اور خود کو بندھائی کہتے ہوئے دوسرے سکھوں سے افضل اور اعلیٰ گردانتے ہیں۔

5- سکھوں میں بابا ہندل کے نام پر ایک قبیلہ "ہندالیہ" معرض وجود میں آیا جس کے

ممبران آج تک اسی نام سے جانے پہچانے اور پکارے جاتے ہیں۔

6- ایران میں بہاؤ لدین کے پیروکار اسے اپنا مذہبی پیشوا اور ہیرو مانتے ہوئے اس کے نام پر اپنے آپ کو "بہائی" کہتے ہیں۔

7- اجیت سنگھ سکھ : یہ لوگ گوروگوبند سنگھ کی بیوی "سندری" کے لے پالک لڑکے اجیت سنگھ کو گوروگوبند سنگھ کے بیٹوں کے بعد اپنا ہیرو مانتے ہیں اور اسی طرح متعدد قبیلے اور فرقے برصغیر اور دنیا کے دوسرے علاقوں میں آج تک موجود ہیں جو اپنے ہیروز کے ناموں پر قائم ہیں اور انہیں ناموں سے پکارے اور جانے پہچانے جاتے ہیں۔

جام راعینہ کی وفات کے بعد بیرون سندھ ہجرت کرنے والے سامہ لوگ جو آج خود کو "راعین" کہتے ہیں ان کو جام سنجر، جام نندو اور اس کے جانشین بیٹے جام فیروز کی شکست کے بعد دشمنوں نے پل بھر چین نہ لینے دیا۔ وہ سندھی لوگ جو پہلے ساماؤں کی رعیت تھے ان کے دلوں سے ساماؤں کا رعب اور وقار جاتا رہا اور وہ کھلے بندوں خاندان سامہ کی رسوائی کے لئے سرانگیز پراپیگنڈہ کرتے ہوئے ہرزہ سرائی پر اتر آئے تھے اور آخر اسی خجالت سے تنگ آکر اور جان کی سلامتی کی خاطر جب انہوں نے بھیس بدل کر سندھ سے نقل مکانی کی تو خود کو انہوں نے حکمران خاندان سامہ کے شکست خوردہ افراد ظاہر کرنے کی بجائے اپنے ہیرو کے نام پر "راعین" کہہ کر متعارف کرایا۔

لفظ "راعین" کی تشریح اور صحیح تلفظ

بحوالہ ڈکشنری آف ہندوستانی لینگو یجز (Indian Languages) از ڈاکٹر ڈنکن فوربز (Dr. Duncon Forbes) "راعین" کا لفظ انگریزی یا رومن اردو میں (Raeen) لکھا جاتا ہے اور "A" کے اوپر ڈنڈہ عربی حرف "ع" کو ظاہر کرتا ہے لہٰذا اس طریقہ سے لکھنا صحیح ہے۔

باب نہم

خاندان کلہوڑہ اور اس کا سماؤں سے اتفاقیہ ملاپ

کلہوڑوں (ہندی زبان میں بمعنی کالی نسل کے لوگ) کا گمنام اور غیر معروف خانوادہ جو روایتاً" دو بطون داؤد پوتا اور لاشاری میں بٹا ہوا ہے سندھ میں اس وقت منظر عام پر آیا جب سامہ سرداروں نے ان کی تدریسی سرگرمیوں اور دینی خدمات سے متاثر ہو کر عاطفت و بقا کا رضا کارانہ طور پر ذمہ اٹھا لیا ساماؤں کی التفات اور نسلی اشتراک کی بنا پر لوگ عباسی گروپ میں شامل ہوئے اور بعد ازاں انہیں کی وساطت اور معاونت سے وہ روساں سندھ میں شمار ہونے لگے اور آخر کار بطور عاملان سندھ عروج پر آئے۔ لہذا اس مناسبت سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ داستان راعیان میں اس خانوادہ کو مناسب جگہ دی جائے۔

روایات و مفروضات اور خانوادہ کلہوڑہ کی ابتدا

یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ ملک سندھ اور ہند کی تاریخیں نہایت ہی پر پیچ ہیں۔ ان کے مقابلہ میں شاید ہی کوئی دوسری تاریخیں ملتی ہوں گی جن میں اس قدر مفروضات اور من گھڑت کہانیوں سے کام لیا گیا ہو ان معلوماتی ذخائر میں روایات کو واقعاتی رنگ دے کر حقیقت میں بدل دینے کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جن کی تصدیق

میں امکانِ عقلی اور امکان عادی یا ظرف زمان اور ظرف مکان کے تقاضے پورے کرنے والی کوئی چیز نام کو بھی نہیں ملتی۔ خوابوں کی ہر وہ تعبیر جو خوش فہمی یا فخر وانبساط کا موجب بنے اسے بلا جھجک ان میں شامل کر لیا گیا۔ روایات اور لوک گیتوں اور کہانیوں پر ناقابل تسخیر قلعے تعمیر ہوئے۔ ہر وہ شخص جس نے چالاکی و عیاری یا جبر و قہر کے میدان میں بہادری کے جوہر دکھائے اسے خوشامدی اور لالچی تاریخ نویسوں نے جھٹ من گھڑت قصے جوڑ کر اسے مافوق البشر یا عالی نسب ثابت کر کے ایسے بہادروں سے منہ مانگا انعام پایا۔

ایک انگریز محقق اور پروفیسر مسٹر اے۔ ایل۔ باشم انچارج شعبہ ایشیاٹک ہسٹری یونیورسٹی آف کینبراہ آسٹریلیا کا کہنا ہے کہ ایشیائی ممالک کی گنجلدار اور افسانوی طرز پر رقم شدہ مختلف تواریخ میں کسی ایک واقعہ یا کارنامہ پر انحصار کرتے ہوئے اصل و نقل میں تمیز اور کسی قابل قبول نتیجہ تک پہنچنا نہایت ہی دقیق اور کٹھن کام ہے۔ لہٰذا یہ اشد ضروری ہے کہ کسی واقعہ کو حقیقی اور حتمی سمجھنے سے پیشتر منتشر معلومات اور مختلف نسلوں میں جابجا بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو یکجا کر کے ایک مسلسل تحقیقی عمل سے اس حد تک جوڑا جائے کہ اصلیت ابھر کر سامنے آ جائے۔ چنانچہ اس محقق کے اسی فارمولا کی روشنی میں خاندان کلہوڑہ کے حسب نسب کا کھوج لگانے اور اس کا سندھ کے ابراہہ ساماؤں سے ڈرامائی انداز میں ملاپ سے پیدا شدا دور رس نتائج کا تجزیہ کرنے کی سعی اس باب میں کی گئی ہے۔

ارغونوں کے بعد وادی سندھ پر ایک اجمالی نگاہ

43ء سے 1843ء تک کے تین سو سالہ دور کو سندھ کا اگر ایک تاریک دور کہا جائے تو بے جانہ ہو گا کیونکہ ان ایام میں باب اسلام وادی سندھ میں توہم پرستی اور جاگیرداری نظام اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔ عراق عرب سے وقتاً فوقتاً آنے والے

مجاہدین کے ساتھ اور ان کے بعد گاہے بگاہے عراق عجم سے انفرادی طور پر نقل مکانی کر کے وارد ہونے والے شیرازی' بخاری' گیلانی' اصفہانی' کرمانی' مشہاری' زیدی' نقوی' لکھیرائی' سکرولائی وغیرہ وغیرہ اور مکرانی کلہوڑوں نے پیری مریدی کا جال بچھا کر بھولے بھالے سندھ عوام پر ایک جمود ساطاری کر دیا۔ اسلام کے سیدھے سادھے اور فطری اصولوں کو مسخ کر کے خانقاہوں اور پیروں کے ڈیروں پر میلے' گانے' بجانے' تعویذ گنڈوں اور نذر نیاز کو ہی ذریعہ نجات سمجھا جانے لگا۔ میلوں میں مرغوں' مینڈھوں اور کتوں کی لڑائی کے علاوہ گھوڑ دوڑیں ایک عام مشغلہ بن چکا تھا۔ طرفین پارٹیاں مقابلے جیتنے کے لئے منتیں مانتے اور کامیابی پر حاصل کردہ شرط کی رقم پیروں کی کھولیوں میں ڈال دی جاتی جس میں سے باقی رقم کی شرح کی واپسی ان کی رضا ہوتی۔ قلیل التعداد لنل سیرت اور اللہ والے دبک کر کونوں میں بیٹھ گئے۔ صحیح فکری نظام معطل ہو کر رہ گیا اور عوامی احساسات غلط کاموں کی طرف مڑنا شروع ہو گئے۔ دوست اور خیر خواہ کے ساتھ دشمنی' اور دشمن اور بدخواہ کے ساتھ دوستی ایک رسم بن گئی۔ پیر اور جاگیردار کے منہ سے نکلا ہو ہر لفظ حکم و قانون کی طاقت رکھنے لگا اور اسلامی روح تلملانے لگی۔ لوگوں میں تن آسانی اور گپ بازی گھر کر گئی۔ باہر سے جو کوئی حملہ آور یا طالع آزما اٹھتا وہ ایک ہی جھپٹے میں اپنا کام کر لیتا۔ ہندوستان کے تخت سے فرار ہونے والا ہمایوں' ترخان فیملی کے طالع آزما اور اکبر اعظم کے کارندوں نے اپنی من مانیاں کیں۔ اس پر بدقسمتی کی انتہا یہ کہ 1749ء میں بہاول پور کا وسیع اور زرخیز علاقہ علیحدہ ہو گیا۔ ملتان کی ریاست جو دریائے جہلم تک پھیلی ہوئی تھا پنجاب کا حصہ بن گئی۔ آخر کار اس لولے لنگڑے ملک میں تالپوروں کی آپس میں ناچاقی اور اقتدار کی چھینا جھپٹی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے 1848ء میں انگریزوں نے ہاتھ مارا اور اسے بمبئی پریذیڈنسی میں مدغم کر لیا۔ شکست خوردہ تالپوروں کی اولادوں کو ہندوستان کے دوردراز صوبہ بنگال میں جلاوطن کر دیا گیا۔ غیر مشروط وفاداروں کو کچھ اراضیات دے کر وہیں رہنے کی اجازت

دے دی گئی۔

جنگی کاروائیوں کا خاتمہ اور سندھ پر تسلط جمانے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے نمائندہ لارڈ آک لینڈ مقیم بمبئی نے مفتوحہ علاقوں کے سروے کے لئے ایک فوجی انجینئر رچرڈ فرانس برٹن کو مامور کیا جس نے عربی، فارسی، گجراتی، ہندی اور سندھی پراکرت زبانوں میں ماہر انشاپردازوں کی ٹیم کو اپنے ساتھ لے کر تین سال تک ملک کا دورہ کیا جس کے دوران اس نے چیدہ چیدہ سندھیوں سے ملاقات کرنے کے علاوہ کتب خانوں میں موجود سندھی لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا اور ایک جامع اور ضخیم سروے رپورٹ تیار کی جو اکتوبر 1851ء میں حکومت بمبئی کو پیش کر دی گئی۔ چنانچہ میں نے اس رپورٹ اور مندرجہ ذیل کتب میں سے خاندان کلہوڑہ سے متعلق مطلوبہ مواد جمع کیا جس کی بنیاد پر اس باب کو ترتیب دیا جارہا ہے۔

(1) چچ نامہ (2) خلاصہ الحکایات (3) حکایات اورحاجی محمد قندھاری (4) کلیات از میر معصوم بھکری (5) تحفۃ الکرام از علی شیر کانیہ آف ٹھٹہ۔ مطبوعہ (6) چچنامہ از مرزا خالق بیگ فریدوں بیگ۔ مطبوعہ 1901ء (7) تاریخ طاہری (8) بیگ لارنامہ (9) ترخان نامہ از میاں محمد اعظم بن شیخ محمد (10) ارغون نامہ (11) مراج الذہب از مسعودی طبری (12) بہاولپور گزیٹرز 83-1882 اور (13) سروے رپوٹ (سندھ) از رچرڈ۔ ایف - برٹن مطبوعہ 1851ء

خاندان کلہوڑہ کا جنم اور ساماؤں کا اہم کردار

ابتدا اس خاندان کی یوں ہے کہ تیسری صدی ہجری بمطابق 920ء کے لگ بھگ عیسیٰ بن سعد ابن والئے مکران کے صدر مقام کیچ (KHEICH) میں ایک حبشی نژاد سوڈانی گھرانے میں ایک شخص اوردھانہ نامی پیدا ہوا۔ یہ خانوادہ ان غلاموں کی اولاد میں سے تھا جو عراق عرب سے مجاہدین اسلام کے ساتھ وقتاً فوقتاً وارد مکران و سندھ

ہوتے رہے کوشش بسیار کے باوجود اودھار حبشی کی ولدیت کا پتہ نہیں چل سکا مگر مسٹر رچرڈ۔ ایف۔ برٹن کی سروے رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مکرانی اور سندھی نژاد فقیروں اور ملنگوں کی نسل سے تھا۔ یہ شخص بچپن میں خاموش طبیعت واقع ہوا۔ لڑکپن میں ایک مقامی مکتب سے دینی علوم میں تعلیم حاصل کی۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اس نے درس و تدریس کا پیشہ اختیار کر لیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ علاقہ بھر میں بطور ایک کہنہ مشق دینی عالم کی خاصی شہرت کا مالک بن گیا۔ عوامی حلقوں میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ کئی لوگ اس سے دینی امور میں مشورہ لینے کے لئے اس کے پاس حاضر ہونے لگے اور مطمئن و شاد کام ہو کر واپس لوٹتے۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ عوام اس کے گرویدہ و عقیدت مند ہو گئے اور بطور پیر مولا اس کی منت ہونے لگی۔ مریدوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ سے اس نے خاصی طاقت پکڑ لی اور ممکن تھا کہ وہ کوئی سیاسی نوعیت کا انقلاب آفرین قدم اٹھاتا کہ عمر نے وفا نہ کی اور یکایک یہ سین ڈراپ ہو گیا۔ اس کی دوسری پشت سے تھل (THALL) نامی شخص نے اپنے پردادا کے شروع کئے ہوئے کام کو از سر نو استوار کرنے کا بیڑہ اٹھایا پیری مریدی کا سلسلہ پھر سے چالو ہو گیا۔ چنانچہ تھل نے جرائت سے کام لیتے ہوئے (Bela) پر قبضہ جما لیا اور کیچ سے اٹھ کر یہاں اپنا صدر مقام قائم کر لیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا بھیت (Bhit) مقام کا ناظم بن گیا اس نے وہاں ایک قلعہ تعمیر کرایا جس کا نام برلاس رکھا گیا اور قلعہ کے اندر اپنی رہائش کے لئے ایک خوشنما محل بنوایا جس کا نام موتی محل رکھا بھیت کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اسے اسی محل کے احاطہ میں دفن کیا گیا چنانچہ اسی وقت سے اس محل کا نام موتی قبرستان پڑ گیا۔ بعض حکایات میں اس مقام کا وجود آج تک اپنی بے ثباتی کی گواہی دے رہا ہے۔ بھیت کے متعدد بیٹوں چنا (CHANNA) اپنے بھائیوں سے کسی خانگی جھگڑے کی بنا پر ناراض ہو کر اپنے مریدوں سمیت مکران سے نقل مکانی کر کے ساماؤں کی عملداری کھمبائت

میں آباد ہو گیا جہاں اس کی رسائی دیپال پور کانگڑہ کے سامہ جاگیردار مسمی دراب لال ابراہہ تک ہو گئی۔ دراب لال نے اس کی شخصیت اور خیالات سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دیا جس کے بطن سے محمد نامی ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس رشتہ سے خاندان سامہ اور کلہوڑوں کے اتفاقیہ ملاپ کی ابتدا ہوئی۔ تعلقات دن بدن بڑھتے گئے اور آپس میں ازدواجی اشتراک کے عمل سے ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہوتے گئے حتیٰ کہ ملتان جہاں ان دنوں ابو للبباب منبہ بن اسد سامہ کی عملداری تھی کے سامہ زمینداروں نے چنا کو کھمبات سے ملتان میں منتقل ہونے کی دعوت دی۔ جسے منظور کرتے ہوئے وہ بمعہ اہل و عیال اور اپنے مریدوں کے ملتان میں آباد ہو گیا۔ یہاں پہنچتے ہی ساماؤں کی بھاری اکثریت نے اسے اپنا روحانی پیشوامان لیا اور گزارہ کے لئے اسے کچھ اراضیات نذر کر دیں۔ ایک روایت کے مطابق اس پیر نے ساماؤں کو اعتبار میں لینے اور مستقل طور پر ان سے ناطہ جوڑنے کے لئے اپنے بیٹے چولیہ کی شادی ان میں سے ایک زمیندر رانا چنن والد دتہ کی دختر سے کر دی جس کے بطن سے دو بیٹے ہوئے جن میں سے ایک کا نام داؤد اور دوسرے کا نام لاشار رکھا گیا۔ ان دونوں کی اولاد بالترتیب داؤد پوتا اور لاشاری کہلانے لگی۔ چنا کی وفات کے بعد اس کی نویں پشت سے 978ء بمطابق 1858ء میں آدم شاہ کو میاں کا لقب دیتے ہوئے ساماؤں نے اسے اپنا پیر تسلیم کر لیا۔ خاموش طبیعت یہ شخص ہر وقت یاد الٰہی میں مستغرق رہتا جس سے اس کی شہرت دور دور تک پھیلنے لگی اور دن بدن اسکے مریدوں میں اضافہ ہونے لگا جس سے اخراجات میں بھی اضافہ ہونے لگا چنانچہ اس کے ایک چہیتے مرید سردار کبرا ابراہہ سامہ نے عبدالرحیم خان خاناں سے سفارش کر کے اسے ضلع لاڑکانہ کے پرگنہ چندوکہ کی زمینداری دلادی مگر بدقسمتی سے میاں آدم شاہ ابھی اس علاقہ کے مالکانہ حقوق اور کنٹرول بھی نہ لینے پایا تھا کہ ملاں صادق ابراہہ سامہ اور جلال خان ابراہہ سامہ زمینداروں نے اپنے مزارعوں کی مدد سے اسے اور اس کے ڈیرہ پر موجودہ تمام لوگوں

کی قتل کر دیا۔ اس کی لاش اس کے معتقد خاص آغا شاہ محمد کوتوال ملتان نے بمشکل حاصل کر کے سکھر کے نزدیک ایک پہاڑی پر دفن کر دی جو آج تک پہاڑی آدم شاہ کے نام سے مشہور چلی آرہی ہے۔ میاں آدم کی موت کے بعد اس کے بیٹے میاں الیاس نے باپ کی جگہ سنبھالی - اس کی موت کے بعد اس کے بھائی شہال محمد اور میاں ناصر محمود یکے بعد دیگرے میاں آدم شاہ کی قائم کردہ گدی کا انتظام کرتے رہے۔ شہال محمد کے زمانہ میں مریدوں کی تعداد میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا اور وہ روحانی پیشوا ہونے کے ساتھ ساتھ وسیع منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کا مالک بن کر علاقے کے بڑے زمینداروں میں شمار ہونے لگا۔ اس نے ابراہہ سامہ کی شلخ ساگی کے زمینداروں سے وسیع اراضیات بطور نذرنیاز حاصل کر کے اپنے اقرباء اور خاص خاص مریدوں میں تقسیم کر دیں جس سے اس کی طاقت میں خاصہ اضافہ ہوا او ر اس کی روحانی پوزیشن کے ساتھ ساتھ سیاسی پوزیشن بھی دن بدن مضبوط ہونے لگی۔ اسکی وفات کے بعد اس کے بھائی میاں ناصر محمود نے اپنے زمانہ میں موقع پا کر اپنے خاص مرید بھگت فرید کی مدد سے لکھات (لاکر قبیلہ کا علاقہ) اور مکھن موڑھا کے پرگنہ جات اپنی زمینداری میں شامل کر لئے اور موضع ہتاری (hitari) کو اپنے چہیتے مرید فوجا فقیر کو اور موضع کچا کا علاقہ عنایت فقیر کی تحویل میں دے دیا اور خود ہل بانی (HLBANI) نام کی بستی میں منتقل ہو گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے میاں دین محمد نے زمینداری کا انتظام سنبھالا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے نور محمد نے 1740ء میں خدا یار خان کا لقب اختیار کر کے خدایار نام کا ایک شہر آباد کیا جس میں وہ سکونت پذیر ہو گیا۔ اتنے میں نادر شاہ ایرانی ہندوستان پر چڑھ آیا۔ میاں نور محمد نے جھٹ اپنی وفاداری کا یقین دلا کر اس کو اپنا سرپرست اعلی تسلیم کر لیا جس کے صلہ میں نادر شاہ نے خوش ہو کر اسے عامل سندھ بنادیا اور اس طرح کے فقیروں اور ملنگوں کاٹولہ خاندان کلہوڑہ سندھ کے حکمرانوں کی صف میں شامل ہو گیا - برسراقتدار آتے ہی کلہوڑوں نے اپنے

حسب نسب میں تبدیلی کرنے کا کھیل کھنلیا شروع کر دیا۔ نور محمد مرض احساس کمتری میں مبتلا ہو کر اپنے نسب کو کسی عربی بطوں سے ملانے کے لے بے تاب ہو گیا۔ اس نے صحرائے خطابہ (SEHARA-E-KHITABA) کے شیوخ سے رابطہ قائم کیا اورانھیں خاندان کلہوڑہ کے شجرہ نسب کو تبدیل کرنے کی درخواست کی اور ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دے دی کہ انکار کی صورت میں ان کی املاک و اراضیات ضبط کرلی جائیں گی۔ شیوخ اس کی دھمکیوں سے قطعا" مرعوب نہ ہوئے اور انہوں نے اس ناجائز فعل میں میاں نور محمد سے تعاون کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ میاں نور محمد نے اپنی طاقت کے زعم میں اپنے مسلح آدمی شیوخ کے ڈیرہ پر بھیجے۔ جنہوں نے ان کی املاک تباہ کر کے اور اراضیات پر قبضہ کر کے انہیں وہاں سے نکال باہر کیا۔ جائے رہائش کی تلاشی کے دوران تانبہ کی تختی جس پر کلہوڑوں کا شجرہ نسب کندہ تھا بر آمد ہو گیا اور اس کے بدلے ایک نیا شجرہ نسب تیار کروایا گیا جسے علی شیر کانیہ اف ٹھٹھ نے میاں نور محمد کی خوشنودی حاصل کرنے اور انعامات کے لالچ میں آکر اپنی تصنیف تحفتہ الکرام میں درج کر دیا۔ (تفصیلات کے لئے دیکھیں سروے رپورٹ (تاریخ سندھ) ازلیفٹیننٹ رجرڈ۔ ایف برتن مطبوعہ1851ء صفحہ 410) مکارنی فقیراودھانہ اور اس کی اولاد چنا کا قائم کردہ ادارہ پیری مریدی کو کامیابی سے ہمکنار کرنے اور خاندان کلہوڑہ کو بام عروج پر پہنچانے کا سہرا یا غلطی خاندان سامہ کے سرمنڈھی جاسکتی ہے کیونکہ اس قبیلہ کی التفات و معاونت سے وہ روز روشن میں اپنے حسب نسب میں تبدیل کر کے عباسی گروپ کا ممبر بن گیا

اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ تاریخ ہمیشہ ڈنڈے کی یار رہی ہے۔ جس کے بازو میں طاقت اور جیب میں رقم ہے اسکے لئے واقعات کو توڑ مروڑ کر اپنے حق میں کر کے تاریخی اوراق میں حسب منشا مقام حاصل کر لینا کچھ مشکل نہیں ہے۔

میاں نور محمد نے خاندان کلہوڑہ کے محسن خاندان سامہ کے سرداروں کی سیاسی سوجھ بوجھ۔ دینی لگاؤ اور انتظامی قابلیت کے اعتراف میں انھیں اہم عہدوں پر فائز کرکے حکومت کی جڑیں مضبوط کرلیں مگر داؤد پوتے جو اپنے آپ کو خانداں کلہوڑہ کی افضل شاخ سمجھتے تھے اور حکومت سندھ میں برابری کے حقوق کے دعویدار بنتے تھے میاں نور محمد کی سامہ نواز پالیسی کے سخت مخالف ہو گئے اور وہ اندر ہی اس کی حکومت کے خلاف سازشوں میں لگ گئے۔ میاں نور محمد داؤد پوتوں کی شرارتوں سے جلد ہی آگاہ ہو گیا چنانچہ اس نے اپنی پوزیشن کو مزید مضبوط بنانے کے لئے بلوچستان کے پہاڑی بلوچوں کو سندھ میں جزوی طور پر آباد کرنے کا ایک منصوبہ بنایا جس کے تحت اس نے بلوچستان سے اپنے دو خاص مرید میراللہ ڈیو(MIR ALLAH DEO) اور میر مسعود دو (MIR MASOODU) کو بمعہ ان کے اہل و عیال کے سندھ میں منتقل ہونے کی دعوت دی۔ دونوں بلوچ سردار اپنے مرشد کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وطن عزیز کو چھوڑنے پر رضامند ہوگئے۔ چنانچہ ان کی سندھ آمد کے موقعہ پر استقبال کے لئے وسیع تیاریاں کی گئیں اور ایک استقبالیہ کمیٹی کو شہر خدایا کے باہر مامور کر دیا گیا۔ استقبالیہ کمیٹی شہر سے باہر مہمانوں سے استقبال کے لئے چشم براہ رہی۔ مگر کافی دیر تک مہمانوں کی آمد کا کوئی نشان نہ مل سکا۔ آخر دن ڈھلے دور سے گدھوں پر سوار کچھ مرد اور عورتیں ان کی طرف آتی دکھائی دیں۔ جب یہ قافلہ ذرا نزدیک آیا توان کے غلیظ اور پھٹے پرانے کپڑے۔ کندھوں پر کالے کمبل کے بوسیدہ ٹکڑے اور ہاتھوں میں گدھے ہانکنے والی چھڑیاں دیکھ کر استقبالیہ کمیٹی نے یہ تاثر لیا کہ شاید یہ لوگ کوئی گداگر ہیں اور بلوچ سردار کہیں پیچھے شان شوکت سے آرہے ہوں گے۔ ان لوگوں کے گزر جانے کے بعد راستے کی اٹھتی ہوئی دھول ذرا چھٹی تو استقبالیہ کمیٹی کو اور کوئی دوسرا قافلہ آتا دکھائی نہ دیا۔ آخر کمیٹی میں سے ایک ممبر نے آگے بڑھ کر ایک گدھا سوار سے دریافت کیا کہ کہیں ان لوگوں نے راستہ میں کوئی بلوچ سرداروں کا قافلہ دیکھا

ہو۔ گدھا سوار نے جواب دیا کہ ہمارے پیچھے اور کوئی ایسا قافلہ نہیں آ رہا۔ ہم دو بلوچ خاندان زیر سربراہی میراللہ دئیہ اور میر مسعود اس وقت آپ کے سامنے کھڑے ہیں۔ ہم اپنے پیر و مرشد میاں نور محمد کی دعوت پر یہاں آئے ہیں۔ استقبالیہ کمیٹی ان لوگوں کو اس حالت میں دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ چنانچہ جلدی سے انہیں گدھوں سے اتار کر خیموں میں لے جایا گیا جہاں انہیں نہلا دھلا کر اچھے اور صاف ستھرے ملبوسات پہنائے اور بہترین نسل کے عمدہ گھوڑوں پر سوار کرا کر انہیں شہر میں لایا گیا۔

شہر میں داخل ہوتے ہی بلند و بالا اور پر شکوہ عمارات' بارونق بازار اور انوع و اقسام کی اشیا سے بھر ہوئی دکانیں دیکھ کر بلوچی حیران رہ گئے۔ مقامی باشندوں کی پر آسائش اور خوشحال زندگی نے انہیں بڑا متاثر کیا۔ اس ابتدا سے بلوچستان کے مفلس اور قلاش لوگ گروہوں کی شکل میں آہستہ آہستہ سندھ میں داخل ہونا شروع ہو گئی اور میاں نور محمد کی فراخدلی کے نتیجہ میں وہ وسیع اراضیات کے مالک بن گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی غربت جاتی رہی اور وہ سندھ کی اعلیٰ سوسائٹی میں شمار ہونے لگے۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ میاں نور محمد نے بلوچستان کو سندھ میں آباد کر کے سخت سیاسی غلطی کا ارتکاب کیا جس کے نتیجے میں خاندان کلہوڑہ کو آنے والے وقتوں میں آخر کار اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑے۔ مگر میاں نور محمد نے داؤد پوتوں کی ابھرتی ہوئی طاقت اور اس کے نتیجہ میں ممکنہ خطرات کے پیش نظر حفظ ماتقدم کے طور پر اپنی پوزیشن کو مضبوط تر کرنے کے لیے بلوچستان سے اپنے مریدوں کو سندھ میں آباد کرنے کے اقدامات کئے اور اس کی نظر میں یہ اقدامات درست تھے کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ اسکی نوزائیدہ مملکت کو شروع میں ہی کسی خطرناک صورت حال سے دو چار نہ ہونا پڑے۔ اسے مہر کی متھیلو کے جاگیردار کی سماؤں کے خلاف بغاوت کا واقعہ اچھی طرح سے یاد تھا چنانچہ اسی نوعیت کے آئندہ متوقع واقعات سے نمٹنے کے لئے اسے سماؤں کے تعاون کے علاوہ اپنے وفادار بلوچی مریدوں کی مدد کی ضرورت کا احساس ہوا۔ یہ الگ بات ہے

کہ اس کی وفات کے بعد اس کی یہ پالیسی اتنی کارآمد ثابت نہ ہوئی اور خاندان کلہوڑہ کو نصف صدی سے زیادہ اقتدار نصیب نہ ہوا۔

داؤد پوتے کلہوڑوں میں سے ہوتے ہوئے اپنے آپ کو سندھ کی عملداری میں اگر زیادہ نہیں تو برابر کے حصہ دار ضرور سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے شکار پور پر قبضہ کر کے وہاں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر لیا تھا جہاں سے وہ اپنے حقوق منوانے کے لیے ایک بھرپور تحریک کا آغاز کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ میاں نور محمد ان لوگوں کو سیاسی اور ذہنی طور سے کمتر خیال کرتے ہوئے ملکی معاملات میں ان کی مداخلت کو سخت ناپسند کرتا تھا اور وہ ہر لحظ اپنے سے دور رکھتے ہوئے حقارت سے انہیں جولا ہے کہا کرتا تھا چنانچہ اس بنا پر داؤد پوتے ضد میں آکر کوئی نہ کوئی شرارت کرتے رہتے تھے۔

میاں نور محمد اور ساماؤں کے آپس میں دن بدن بڑھتے ہوئے نجی اور سرکاری تعلقات داؤد پوتوں کو خار کی طرح کھٹکنے لگے جس سے انکے اندر حسد کی سلگتی ہوئی چنگاری کو خواب ہوا ملی جس کے باعث 1744ء میں انہوں نے اچانک میاں نور محمد کی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس بغاوت کا سب سے پہلا نشانہ ملاں جنید ابراہہ سامہ گورنر تعلقہ بھکر اور پرگنہ جتوئی بنا۔ ملاں نے بھکر کے وفادار سیدوں کی معاونت سے اپنے علاقہ میں اس بغاوت پر قابو پانے کی کوشش کی مگر خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی چنانچہ میاں نور محمد نے وہاں فوج روانہ کر دی جس نے فوری طور پر حالات پر قابو پا لیا۔ ہزاروں داؤد پوتوں کو تہ تیغ کیا گیا اور ایک خاصی تعداد قیدی بنالی گئی۔ بہت کم لوگ بھاگ جانے میں کامیاب ہوئے۔ قیدیوں کو عین ممکن تھا کہ میاں نور محمد کڑی سزائیں دیتا کہ بھکر کے زمینداروں نے ان کی حالت زار پر رحم کھاتے ہوئے ان کی جان بخشی کے لیے میاں نور محمد سے اپیل کی۔ میاں نور محمد نے یہ درخواست منظور کرتے ہوئے قیدیوں کو رہا کر کے سندھ چھوڑنے کا حکم جاری کر دیا۔ چنانچہ یہ لوگ 1745ء کے اوائل میں سندھ نقل مکانی کر کے ریاست بہاولپور جو 1729ء سے سندھ

سے علیحدہ ہو چکی تھی میں جا کر آباد ہو گئے ملاں جنید ابڑہ نے آئندہ کی صورت حال سے نمٹنے کے لئے اپنی طاقت میں اضافہ کرنے کے لئے ملتان (جالہ) سے دو باثر زمیندار شیخ عثمان سامہ اور شیخ حمید سامہ کو اپنے پاس بلا لیا جن کو میاں نور محمد نے بھاری جاگیریں دے کر اپنی ملازمت میں لے لیا۔ اسی اثنا میں میاں نور محمد نے سلطان دہلی سے ٹھٹھہ کا علاقہ حاصل کر کے شیخ غلام محمد کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔

باغی داؤد پوتوں نے بہاولپور کے علاقہ میں (NAIN) حارث سامہ' لماں (LAMMA) اور امت (immat) وغیرہ میں ساماؤں کی وسیع اراضیات اور ریاست میں ان کی ممتاز پوزیشن کو جب دیکھا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ جل بھن گئے۔ سندھ سے نقل مکانی کے بعد گو وہ بظاہر امن سے رہنے لگے تھے مگر ساماؤں کے لئے ان کے دل اندر سے صاف نہ تھے اور آتش حسد کو ٹھنڈا کرنے کے لیے وہ موقعہ کی تلاش میں رہنے لگے۔ آخر ایک دن انہیں موقعہ مل گیا۔ صاحبزادہ بہرام خاں سے سازباز کر کے وہ ابراہہ ساماؤں کی آبادیوں پر اچانک پل پڑے اور بے خبری میں نہتے لوگوں کو خاصا جانی اور مالی نقصان پہنچایا۔ فصلیں تباہ کر دی گئیں اور ریاست کا نظم و نسق درہم برہم کر دیا گیا۔ ریاستی فوج کی کمی اور نااہلی کی وجہ سے شرپسند اور اوباش قسم کے افراد کو لوٹ مار اور قتل و غارت کی کھلی چھٹی مل گئی۔ امن پسند شہری ریاست چھوڑ کر جان کی سلامتی کی خاطر پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ چنانچہ اس افراتفری میں ابراہہ سامہ شاخ کے متعدد گھرانے جن میں زیادہ تر چاچڑ اور نین گوتوں کے لوگ تھے خود کو راعین ظاہر کر کے لودھراں' کبیروالا' میلسی' ساہیوال اور دیپالپور کے علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے اور یہیں سے تعلق رکھنے والے کچھ گھرانے لاہور اور سیالکوٹ میں منتقل ہو گئے جہاں ان کی نسلیں آج تک موجود ہیں۔

سندھ سے بطرف پنجاب خاندان سامہ کی یہ آخری جزوی نقل مکانی تھی۔ نواب آف بہاولپور نے آخرداؤد پوتوں کے چودہ رنگ لیڈروں (Ring leaders) کو

قابو کر کے بغاوت کے جرم میں تختہ دار پر لٹکایا اور کئی شرپسندوں کو لمبی قید کی سزائیں دی گئیں۔ اسطرح بڑی مشکل سے اس شورش کو فرو کر کے امن بحال کیا۔ جو بچ گئے وہ جان کی سلامتی کی خاطر بھیس بدل کر پنجاب کی طرف بھاگے جہاں ان کی اکثریت ملتانی راعیوں میں مدغم ہو کر ہمیشہ کے لئے اپنے تشخص سے محروم ہو گئی چنانچہ تاریخی لحاظ سے پنجاب میں داؤد پوتوں کو بحیثیت کسی گروہ یا قبیلہ کے کوئی نشان نہیں ملتا۔

میاں نور محمد المعروف خدا یار خان نے سلاؤں اور بلوچوں کی مدد سے داؤد پوتوں کو سندھ بدر کر کے قدرے اطمینان کا سانس لیا مگر عمر نے وفانہ کی اور وہ دس سال تک بر سراقتدار رہنے کے بعد اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے دونوں بیٹوں میر محمد اور داؤد خان نے ملنگوں کا لبادہ پھینک کر اور پیری مریدی کا اپنا آبائی دھندہ چھوڑ کر حصول اقتدار کے لئے آپس میں دھینگا مشتی شروع کر دی۔ آخر والئے قندھار کے فرماں کے مطابق میر محمد صوبیدار منتخب ہو گیا۔ مریدان دل برداشتہ ہو کر تتر بتر ہونا شروع ہو گئے اور سلاؤں نے بھی اپنا دامن سمیٹتے ہوئے آہستہ آہستہ ان سے کنارہ کشی کر لی۔ میاں میر محمد کچھ عرصہ تو احمد شاہ ابدالی والئے قندھار کو باقاعدگی سے اخراج ادا کرتا رہا۔ مگر قلات پر قبضہ کرنے کے لئے لڑائی میں خرچ سے اس کی مالی حالت خراب ہو گئی جس سے وہ خراج کی بھاری رقم کی ہر سال مقررہ تاریخ پر ادائیگی میں پس و پیش کرنے لگا چنانچہ احمد شاہ نے ناراض ہو کر اس کی سرکوبی کے لئے اپنا ایک فوجی دستہ بھیجا جس سے ڈر کے مارے وہ ٹھٹھہ چھوڑا کر صحرائے تھر میں کہیں گم ہو گیا اور کسمپرسی کی حالت میں مر گیا۔ احمد شاہ ابدالی نے اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے مراد یاب خان کو ٹھٹھہ کو صوبیداری تفویض کر دی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی عطر خاں اور میاں غلام شاہ یکے بعد دیگرے بر سراقتدار آئےغلام شاہ نے 1765ء میں حیدر آباد کا قلعہ تعمیر کرایا اور ٹھٹھہ کی بجائے اسے اپنا ہیڈ کوارٹر منتخب کیا۔ اس نے کھوسوں کی بغاوت فرو کی اور انگریزوں کے حلیف ریاست کچھ کے ہندو راجہ کو

مطیع کر لیا اور اس کے ساتھ ہی ٹھٹھ میں قائم کردہ انگریزوں کی ایک فیکٹری کو بھی بند کر دیا جس سے انگریز اس کے دشمن بن گئے اور ایک سازش کے ذریعہ اسے قتل کر دیا مگر بہانہ یہ بتایا گیا کہ اسے کسی فقیر کی بدعا لگی تھی جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔ غلام شاہ کے بعد اس کا بیٹا سرفراز خان برسراقتدار آیا اس نے ایک بلوچی سردار بہرام خاں کو قتل کر کے اپنے تمام بلوچی مریدوں کو ناراض کر لیا اور یہی ناراضگی آخرکار کلہوڑوں کے زوال اور خاتمے کا باعث بنی۔ سرفراز خاں' عبدانبی اور غلام نبی خان یکے بعد دیگرے صوبیداراں سندھ مقرر ہوئے۔

غلام نبی خاں کلہوڑوں کا آخری صوبیدار سندھ ہوا ہے جس سے میر فتح علی خان تالپور نے 1787ء میں ایک سامہ بزرگ شیخ عبدالرحیم کے تعاون اور دعا سے سندھ کی صوبیداری پر قبضہ کر کے کلہوڑہ خاندان کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔

باب دہم

فلسفہ نقلِ مکانی اور برِصغیر ہند و پاک میں اس کی کرشمہ سازیاں

تخلیق آدم سے کئی صدیاں بعد تک انسان درخت کی کھوہ اور غاروں میں یا بقول ڈاروِن درختوں پر بسیرا کرتا رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب شعور پیدا ہوا اور اس میں قدرے پختگی آئی تو اسے یہ سوجھی کہ وہ جن جانوروں کا شکار کر کے ان کے گوشت سے پیٹ بھرتا رہا ہے کیوں نہ ان سے اور کام بھی لئے جائیں۔ یہ بات بھی اس کے مشاہدے میں آئی کہ جانوروں کا دودھ توانائی بخشتا ہے اور یہ بذات خود ایک مکمل غذا ہے جس کا استعمال صحت کو برقرار رکھنے کے لئے مناسب اور ضروری ہے۔ چنانچہ وہ درخت کی کھوہ اور غار سے باہر نکل آیا اور درختوں سے بھی نیچے اتر آیا۔ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے جانوروں سے سواری اور بار برداری کا کام لینے لگا اور ان کی کھالوں کو بارش اور سردی سے بچاؤ کے لے بطور لباس استعمال میں لانے لگا اور اپنی غذا کو بہتر بنانے کے لئے دودھ کو اس میں شامل کر لیا گیا۔ جانوروں کی اس قدر افادیت کے پیش نظر اس نے انہیں پالنا شروع کر دیا۔ چنانچہ یہی وہ نئی روشنی کا دور تھا جس میں انسان کے اندر تصور بیدار اور حق ملکیت کا احساس پیدا ہوا۔ جانور اس کی جائیداد بن گئے۔ ان کے رکھ رکھاؤ کے لئے مناسب میکانیت اور حفاظت و

خوراک کے لئے وہ موزوں جگہوں اور چراگاہوں کی تلاش میں پھرنے لگا۔ سفر اس کا ایک قسم کا معمول بن گیا۔ جہاں کہیں مناسب وسائل میسر آئے وہیں ٹک گئے۔ پھر جب ضرورت محسوس ہوئی تو سامان خورد و نوش سمیٹا۔ جانوروں پر لادا اور دوسری جگہ چل دیئے۔ اسی خانہ بدوش زندگی کا دوسرا نام نقل مکانی ہے اگر یہ ملکیت اور تصور جائیداد اور اسکے تحفظ کا خیال انسانی ذہن میں نہ ابھرتا تو شاید خانہ بدوشی یا نقل مکانی جیسی اصطلاحیں آج ہماری لغت میں نہ ہوتیں۔ کائنات میں نشوونما اور ارتقا و تجسس کا عمل رک جاتا۔ جو منشا ایزدی نہ تھا۔ شعور میں پختگی کے ساتھ ساتھ مال و متاع اور سامان آسائش و آرائش کی و آرزو بھی بڑھنے لگی اور انسان خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں و پریشان رہنے لگا۔ انسانی بقا اور ارتقاء کا یہ تقاضا ہے کہ ضروریات زندگی یعنی جان، مال، نسل اور مذہب کا تحفظ اور کمالات یعنی آسائش و آرائش کے سامان ہروقت موجود ہوں۔ ان لوازمات کلعدم تحفظ قلت یا محرومی عام طور پر انسان کو پریشان کر دیتی ہے چنانچہ بعض اوقات وہ تسکین قلب کے لئے حالات پر قابو پانے کی کوشش میں نقل مکانی پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں نقل مکانی عام طور پر مندرجہ ذیل چار بڑی وجوہات کی بنا پوری وقوع پذیر ہوتی ہے

1- تلاش معاش میں

2- جبر وقہر، ظلم وستم، جور و تعدی کے مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے حفاظت خود اختیاری کے احساس کے تحت۔

3- قدرتی آفات یعنی زلزلہ، سیلاب، قحط یا مضر صحت آب و ہوا کے اثرات سے بچاؤ کے لئے۔

4- سامان آسائش و آرائش کے حصول کی خاطر۔

وجہ خواہ کچھ ہی ہو یہ مسلمہ امر ہے نقل مکانی نہایت ہی تکلیف دہ عمل ہے جس سے سخت جسمانی اور روحانی کوفت ہوتی ہے۔ وطن عزیز یا جائے پیدائش کو چھوڑنا

سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا' غیر معین منزل اور تاریک مستقبل نقل مکانی کرنے والوں کی خود اعتمادی' عزت نفس' ہمت اور اخلاقی جرات کا کھلا میدان ہوتا ہے۔ بعض حالتوں میں بعید از قیاس وفور غم و آلام سے مغلوب ہو کر جان عزیز سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ غرضیکہ نقل مکانی جان و مال اور وطن کی ایک اعلیٰ ترین سبق آموز مثال ہے۔ نقل مکانی کا اثر حسب نسب' قومی تشخص' خودداری اور ذاتی اقدار پر دوررس اور بعض حالتوں میں بعید ازقیاس نتائج پیدا کر کے اصل نقوش تک کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیتا ہے۔ نظام زندگی درہم برہم اور تہ و بالا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اصل اور نقل آپس میں گڈمڈ ہو جاتا ہیں اور مختلف تہذیبوں کے باہمی ٹکراؤ سے احساسات کو سخت ٹھیس پہنچتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سندھ اور ہند میں نقل مکانی کی مثالیں دنیا کے دیگر ممالک مقابلہ میں کہیں زیادہ ملتی ہیں۔ برصغیر خطہ بینظیر بیرونی طاقتوں کے لئے ہمیشہ باعث کشش رہا ہے وسط ایشیا سے ایرین طوفان اٹھا جس کی تاب نہ لاتے ہوئے یہاں کے اصل باشندوں کول' بھیل' گونڈ اور دراوڑ وغیرہ کو زیریں ہند منتقل ہونا پڑا یا انہیں زبردستی دھکیل دیا گیا۔ ایرین کے بعد اہل اسلام کی باری آئی عربی' افغانی' ایرانی اور تاتاری آئے۔ ان ادوار میں کچھ آریہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے مگر ان میں سے اکثریت کفر کی حالت میں اندرون ملک ادھر ادھر نقل مکانی کرتی رہی مگر یہ بھی یاد رکھا جائے کہ آنے والی مسلم اقوام بھی عمل نقل مکان سے مستثنیٰ نہ رہ سکیں۔

قدیم ملک سندھ

پیشتر اس کے کہ نقل مکانیوں کے اثرات و نتائج کو مزید اجاگر کیا جائے ہمیں اپنے اصل موضوع کو ذہن میں رکھتے ہوئے اسلام کے ابتدائی دور یعنی آج سے چودہ سو سال پہلے والے سندھ اور موجودہ سو سال پہلے والے سندھ اور موجودہ پاکستانی صوبہ سندھ کا موازنہ کرلینا چاہئے تاکہ ایسے اثرات و نتائج کو سمجھنے میں آسانی ہو اور موجودہ سکڑے ہوئے سندھ کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہیں آج تک وقوع پزیر ہونے والا

تبدیلیوں کے بارے میں مسلمل اور محدود قسم کے نظریات قائم نہ کر لئے جائیں۔ ان ایام میں موجودہ ریاست بہاولپور۔ پنجاب اور شمال مغربی سرحدی صوبہ جیسی اکائیاں الگ اپنا کوئی وجود نہ رکھتی تھیں بلکہ یہ تمام علاقے ملک سندھ کا حصہ تھے - لاہور اور سیالکوٹ (اکائی لاہور میں موجودہ ساہیوال' شیخوپورہ' کھیم کرن اور پٹی تک کے علاقے اور سیالکوٹ میں موجودہ گجرات' گوجرانوالہ' ایمن آباد' پسرور اور موجودہ گورداسپور کا پورا علاقہ شامل تھا) کے موجودہ اضلاع ان دنوں سندھ اور ہند سے الگ تھلگ آزاد اور خود مختار انتظامی اکائیاں تھے۔

بحیرہ عرب' کز کانان یعنی موجودہ قلات' افغانستان' کشمیر' قنوج' چتوڑ' جیسلمیر' اودھے پور' ریاست کچھ اور خلیج کچھ کے علاقے ملک سندھ کو گھیرے میں لے کر اس کی مستقل سرحدیں بناتے تھے۔ ٹھٹھہ' ٹھٹ کی بندرگاہ دیبل' سیوستان' بھکر' نیروں کوٹ (موجودہ حیدر آباد) برہمن آباد (زلزلہ سے یہ چراغ گل ہو چکا ہے) اروڑ' سکھر' لاڑکانہ' اوچ' شکارپور' ملتان' بہاولپور' سنجر آباد' جھنگ' سا نگلہ (قدیم نام سام کلہ) پرش پورہ (موجودہ نام پشاور) اور دریائے جہلم کے کنارے پر واقعہ ماڑ مشہور مقامات اور بھاری منڈیاں تھیں۔ ملک میں مندرجہ ذیل بدھ مذہب کے پیروکار قبائل آباد تھے جو زیادہ تر کھیتی باڑی' بھیڑبکریاں اور اونٹ وغیرہ پالنے کا پیشہ اختیار کئے ہوئے تھے۔

لوہان' گریجہ' ساہتہ' جندڑ' کھوسو' کھوکھر' چٹھہ' سیال' کھرل' گیلانہ' بھٹی' ماچھی' مالی' ناک' اور موما (موخر الذکر دونوں قبائل سے شودروں کا سا کام لیا جاتا تھا اور انہیں میں سے موجودہ مہانوں (مچھیرے) قبیلہ معرض وجود میں آیا) پورے ملک میں سرائیکی اور دیوان گری زبان بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ مقامی طور پر دکولی' تھاریلی' لاسی' لاری' بروہی' اور کاچھی پراکرات زبانیں بھی بولی جاتی تھیں اس ملک پر مندرجہ ذیل پانچ بدھی حکمرانوں نے یکے دیگرے حکومت کی ہے۔

1- رائے دیواجی

2- رائے سہراسی

3- رائے سہاسی

4- رائے سہاسی دوئم

5- رائے سہراسی دوئم

رائے سہراسی دوئم کے بعد بدھ مذہب کے زوال کے ساتھ ہی سندھ کی حکمرانی ایک برہمن فیملی میں چلی گئی جس میں سے راجہ چچ اور راجہ داہرے ہوئے ہیں۔

سندھ میں اسلام کی آمد اور نقل مکانیوں کے تہذیب و تمدن پر اثرات

ملک سندھ علاقہ سواندھی سامہ (موجودہ کراچی ڈویژن) میں 45ھ بمطابق 665ء کے اوائل میں صوبہ مکران سے سامہ علاقیوں کی منتقلی کے کچھ عرصہ بعد مقامی زراعت پیشہ قبائل لوہانوں' جنڈڑ' مالی اور مومیا وغیرہ نے ساماوں کی مزارعت قبول کر لی اور آہستہ آہستہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ بعد ازاں وہ بطور مجاہدین اسلامی فوجوں کے ساتھ اندرون سندھ جگہ جگہ نقل مکانی کرتے رہے۔

92ھ بمطابق 712ء میں امیرامداد الدین محمد قاسم بن عقیل ثقفی کے داخلہ سندھ کے وقت اور بعد ازاں اندرون ملک پیش قدمی کرتے وقت اور خلافت امیہ کے چالیس سالہ دور اقتدار میں کھوکھر' بھٹی' سیال اور چٹھہ قبائل کے لوگوں کی خاصی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔ ان قبائل میں سے جو لوگ نہ تو اسلام لائے اور نہ ہی جزیہ کی ادائیگی پر رضا مند ہوئے انہوں نے سندھ سے نقل مکانی کر کے لاہور اور سیالکوٹ کے علاقوں میں پناہ لے لی (یاد رہے لاہور اور سیالکوٹ کو وسیع و عریض آزاد اکائیاں سندھ اور ہند سے الگ تھلگ ہوتے ہوئے وقتاً" فوقتاً" نقل مکانیاں کرنے والے لوگوں کے لئے سیاسی پناہ گاہوں کا کام دیتی تھیں)

عباسی دور میں تبلیغ دین کی رفتار قدرے ست رہی مگر امن و امان کی مجموعی طور پر صورت حال بہتر ہونے اور عربوں کے سندھ گھرانوں میں رشتے ناطے جوڑنے سے ایک معتدل سا ماحول پیدا ہو چکا تھا جس سے نقل مکانیوں کی شدت میں بھی کمی واقع ہونے لگی حتیٰ کہ 410ء کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور زیروبم کا سلسلہ ایک بار پھر چل نکلا' جیسا کہ اس کتاب میں تفصیلی ذکر آچکا ہے سلطان محمود غزنوی' سلطان شہاب الدین' قطب الدین ایبک نے یکے بعد دیگرے اپنے اپنے دور میں دومنات' بنارس' متھرا' اندرپرستھ' کورو کوشیتر' چندرنگر' ناسک' تھانیسر' گیا اور کانگڑہ کے مندروں کو تباہ کرکے بت پرستی کی لعنت کو ختم کرنے کی مہمات جاری رکھیں جس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ اسلام کی اشاعت و ترقی کے لئے راہ ہموار ہو گئی۔ برہمن اور دوسری جاتیوں کے ہندو پجاری مندروں کو چھوڑ کر فرار ہو جاتے اور صرف کشتری لوگ ہی تن تنہا ان حملوں کی روک تھام اور مقابلے کی سعی کرتے مگر آئے دن کی لگاتار یلغاروں سے ان کے حوصلے بھی پست ہوتے گئے اور آخر کار وہ بے بس ہو کر ہزاروں کی تعداد میں لقمہ اجل بن جاتے۔ جو بچ جاتے اور اسلام قبول نہ کرنا چاہتے اور نہ ہی جزیہ دینا پسند کرے وہ اپنی ذات اور بھیس بدل کر جان کی سلامتی کی خاطر جگہ جگہ نقل مکانی کرتے رہتے۔ کئی لوگ پہاڑوں میں چھپ جاتے مگر ان میں سے خاصی تعداد لاہور اور سیالکوٹ کے غیر آباد اور گھنے جنگلوں والے علاقوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتی۔ چنانچہ آج کل موجودہ ہندی و پاکستانی پنجاب میں آباد وہ لوگ جو اپنے آپ کو گریوال' دھاریوال' وڑائچ' برار' گوندل پھراوان ڈھوصو' گھمن' مان اور چیمہ وغیرہ کہتے ہیں وہ دراصل ہندو کشتری ہیں وار محض جان کی سلامتی اور اپنے لبائی عقائد کے تحفظ کی خاطر کشتریوں سے جاٹ بن گے اور کاشتکاری کا پیشہ اپنا لیا (جاٹ کے اصطلاحی معانی کاشتکار کے ہیں) نقل مکانی کا کرشمہ ملاحظہ ہو کہ یہ کشتری لوگ (مغلیہ اقتدار کے ابتدائی دور میں یہ طبقہ شودوروں کے اختلاط سے اپنے تشخص کھو بیٹھا اور راجپوت

کہلانے لگا) ازمنہ قدیم میں ہندو دھرم اور بھارت ورش کے رکھوالے سمجھے جاتے تھے اور ان کی اراضیات اور مال مویشی کی دیکھ بھال ویش جاتی یعنی جاٹ' کرمی' سینی اور کمبوہ وغیرہ کیا کرتے تھے۔ آج وہ خود جاٹ بن کر کھیتی باڑی کا دھندہ کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ چنانچہ بدیں وجہ ڈکشنری میں راجپوت کے معانی آج کل ہندو کاشتکار دکھائے گئے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آخر کار اللہ تعالی نے ان کے دل نرم کر دیئے اور ان میں اسلام کی محبت ڈال دی جس سے ان کی ایک معقول تعداد مسلمان ہو گئی مگر بدقسمتی سے کئی کھشتری راجپوت بھگتی تحریک کے دوران لوٹ مار کے لالچ میں آکر سکھ پنتھ میں بھی شامل ہو گئے مگر ان مذہبی تبدیلیوں کے باوجود انہوں نے اپنی شناخت کے لئے مقامات (جہاں سے وہ ابتدا میں نقل مکانی کرنے پر مجبور ہوتے رہے) کے ناموں ہی سے خود کو منسوب کرتے رہے اور آج تک بدستور گوندل' گریوال' دھاریوال اور برار وغیرہ لکھے اور پکارے جاتے ہیں کیونکہ یہی نام ان کی سلامتی اور حفاظت کے ضامن خاص ہیں۔

غزنویوں اور غوریوں کے بعد افغانی' ایرانی اور تاتاری (مغل) برصغیر پر عرصہ دراز تک حکومت کرتے رہے۔ آخر بہادر شاہ ظفر مغل تاجدار کو 1858ء میں انگریزوں نے تخت سے ہٹا کر ملک پر قبضہ کر لیا۔ ان ادوار میں مندرجہ بالا مسلم اقوام کے افراد کی کثیر تعداد برصغیر کو اپنے وطن سمجھتے ہوئے ہوئے یہیں آباد ہو چکی تھی مگر قلیل التعداد ہونے کی وجہ سے وہ کفر کے ہاتھوں تنگ آکر اندرون ملک ادھر ادھر نقل مکانی پر مجبور ہوتے رہے ۔اسی طرح سندھ میں قلیل التعداد عربی قبائل کے وہ لوگ جو وطن واپس نہ جاسکے انہوں نے بھی یہیں پر مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی اور بوقت ضرورت نقل مکانی کرتے رہے

سندھ میں عربی اور عجمی باقیات پر نقل مکانیوں کے اثرات

تاریخی لحاظ سے ملک سندھ میں عراق عرب اور عراق عجم سے عربی مجاہدین کا

دور 45ء کے اوائل سے شروع ہوتا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق حضرت عمر فاروق خلیفہ دوم کے عہد خلافت سے لے کر خلافت عباسیہ کے زوال اور سندھ میں اس کی عملداری کے خاتمہ تک کل چونتیس ہزار کے قریب مجاہدین اپنے اپنے مخصوص قبائل سرداروں و سربراہان کی ہمراہی میں یا عراق عجم سے انفرادی طور پر علمائے دین براستہ مکران یا براستہ سمندر سندھ مین داخل ہوئے۔ ان مجاہدین میں سے اکثر کفر کے خلاف مختلف معرکوں میں شہید ہوئے۔ کچھ لوگ بعد تکمیل فرائض منصبی یا نجی وجوہات کی بنا پر وطن واپس لوٹ گئے اور صرف گنتی کے ہی چند خانوادے پیچھے رہ گئے جن کے اس ملک میں کوئی نہ کوئی مفاد یا حقوق باقی تھے۔ عراق عجم سے جو لوگ عرب مجاہدین کی ہمراہی میں یا غزنویوں اور غوریوں کی سندھ میں عملداری کے زمانہ میں یہاں وقتاً فوقتاً آتے رہے تھے انہون نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور بعد ازاں موقعہ محل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سندھی فطرت کو عین راس آنے والے پیری مریدی کے پیشہ کو اپنا لیا جس میں وہ بڑے کامیاب رہے۔ مریدوں سے بیشمار دولت سمیٹ کر اور نذر نیاز کے طور پر وسیع اراضیات حاصل کرکے وہ دنوں میں لاکھوں میں کھیلنے لگے اور پیرومرشد کہلوانے کے علاوہ جابر اور بااثر قسم کے جاگیرداروں اور زمینداروں میں شمار ہونے لگے۔ وہ حکمران طبقہ سے اپنے آپکو بالاتر سمجھتے ہوئے اپنے حکم سے اپنے اپنے حلقوں میں مقدمات کے فیصلے اپنی مرضی سے کرنے لگے اور کڑی سے کڑی سزائیں دیتے اور کسی کو ان کی ایسی بے ضابطہ اور غیر قانونی کاراوائیوں سے روکنے کی جرائت نہ ہوتی۔ چنانچہ عوام پر ان کی اس قدر روحانی اور جسمانی گرفت نے ان کے اندر احساس برتری پیدا کر دیا اور عام مسلمانوں سماجی اور معاشرتی طور پر الگ رہتے ہوئے انہوں نے اپنا ایک الگ تشخص پیدا کر لیا۔ چنانچہ گیلان' بخارہ' شیراز' صفہان' کرمان اور ہمدان وغیرہ شہروں سے آنے والے تمام ایسے لوگوں نے اپنا نسب نامہ بنوہاشم' بنومطلب اور حضرت علی ابن ابوطالب اور حضرت فاطمہ بنت رسول اکرم () سے

ملا کر سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی میں سندھ میں ایک نئی قوم' برادری سید کی طرح ڈالی اور کلتفرات مل میں خانہ قومیت کے اندر سید گیلانی' سید بخاری' سید شیرازی' سید کرمانی' اور سید اصفہانی وغیرہ کے اندراجات کروا لئے حالانکہ سید ایک انفرادی لقب ہے جو رسول اکرم () کے بعد حضرت علی اور حضرت بی بی فاطمہ کی اولاد کے لے احتراماً" مخصوص ہے ورنہ اسلام میں مساوات کا اصول مقدم حیثیت رکھتا ہے اور عربی لوگ اپنے مخصوص قبائلی ناموں سے پکارے اور جانے پہچانے جاتے ہیں اور شیخ لقب رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں ملک عرب' عراق عجم میں تاریخ یا روایتی لحاظ سے سید نام کا کوئی قبیلہ' قومی برادری نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ اپنی برادری' قوم کے معرض وجود میں آنے سے اوسط درجہ کے نومسلم عوامی حلقوں میں شدید ردعمل ہوا اور ان میں سے کئی افراد نے خود کو بنو حرث کی بطوں القریش سے قریشی کا بدل ہے) اور رسول اکرم () کے مدینہ ہجرت کرتے وقت وہاں آباد قبائل اوس اور خزرج کی اولادوں میں سے ظاہر کرتے ہوئے خود کو انصار سے انصاری کہلوانے لگے جس کا کوئی تاریخی جواز نہ تھا کیونکہ سندھ میں عربی مجاہدین کی آمد کے ساتھ القریش و انصاری کا اجتماع طور پر داخلہ ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ ان قبیلوں میں سے اکا دکا افراد کا داخلہ سندھ ضرور ثابت ہوتا ہے مگر ان کی اولادوں کی نشاندہی ہی ایک گنجلدار اور مشکل ترین مسئلہ ہے اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ مقامی نومسلم صاحب ثروت اور بااثر لوگوں کی خاصی تعداد فاتح قبائل میں گھس آئی۔ چنانچہ اس پیچیدہ اور حادثاتی صورت حال سے مقابلہ کے بعد مندرجہ ذیل آٹھ خانوادے ہی ایسے منظر عام پر آئے ہیں جو کسی نہ کسی حد تک عربی باقیات کے زمرے میں شمار کئے جاسکتے ہیں مگر یہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ عربوں میں غیر عربی عنصر خاصی تعداد میں موجود ہے مگر اتنا عرصہ گزرنے کے بعد ایسے عناصر کا عربوں سے اخراج یا علیحدگی ناممکن العمل فعل ہے لہٰذا ان کو اب عرب کی باقیات کا حصہ تسلیم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں

1- مغیرہ کا گھرانہ

حضرت عمر کے زمانہ خلافت مین حضرت مغیرہ کی سربراہی میں ایک مختصر سی سراغ رساں ٹیم براستہ مکران ملک سندھ میں بھیجی گئی مگرلق و دق صحرا اور دشوار گزار راستوں سے ناواقفیت کی بنا پر یہ ٹیم اپنے مشن میں ناکام ہو گئی چنانچہ وطن واپس لوٹنے کی بجائے اس ٹیم میں شامل افراد نے سندھ میں ہی مستقل قیام کرنے کا ارادہ کر لیا۔ انہوں نے بھیس بدل کر اپنے آپ کو عربی النسل مغیرہ گھرانے کے افراد ظاہر کرنے کی بجائے سندھی زبان میں موریا کہلوانا شروع کر دیا ان مجاہدین کی اولادیں مخلوط النسل ہو کر اب اپنے عربی تشخص سے محروم ہو چکی ہیں تاہم موریا گھرانے کا نام ہنوز باقی ہے اس خانوادہ میں سے کئی صاحب علم افراد درس و تدریس اور پیری مریدی کا دھندہ کرتے ہیں اور قرین قیاس ہے کہ ان میں سے بعض خود کو سیدبرادری میں بھی شمار کرنے لگے ہوں۔

2-حاکم بن عوانہ کا گھرنہ

حاکم بن عوانہ کلبی یمنی آٹھ سال تک عامل سندھ رہا ہے۔ اس نے 113ھ بمطابق 733ء میں دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر محفوظہ (MEHFOOZA) نام کا ایک شہر بسایا اور سندھ میں پھیلی ہوئی طوائف الملوکی اور ابتری کو ختم کیا جس وجہ سے یہ عامل تاریخ سندھ میں خاصی شہرت کا مالک ہے۔ اس کا مختصر سا گھرانہ مخلوط النسل ہو کر سندھی سوسائٹی میں مدغم ہو چکا ہے جس سے شناخت خاصی وقت طلب ہے کیونکہ آج کل متعدد سندھی گھرانے خود کو اس خانوادے سے منسوب کرتے ہیں -

3-خانوادہ تمیم بن زید قینی

تمیم اٹھارواں عامل سندھ ہوا ہے۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ عربی قبیلہ طے

سے تعلق رکھتا تھا مگر باوجود کوشش بسیار کے اس نامور عامل کے گرد وہی تعلق کی بابت مزید معلومات نہیں مل سکیں تاہم اس کے زمانہ میں عربوں کی خاصی تعداد مختلف وجوہات کی بنا پر وطن واپس لوٹ گئی۔ یہ گھرانہ تم بھی کہلاتا ہے اور اس کے متعدد افراد کا سماوں میں مدغم ہو کر عباسی گروپ میں شمولیت کا پتہ بھی ملتا ہے کیونکہ اس خانوادے کا نام پر تم گوت پنجاب میں آباد سلمہ راعیوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ضلع جھنگ میں آباد کئی سرکردہ سندھی گھرانے اس خانوادے سے خود کو منسوب کرتے ہیں اور عربی لانسل ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔

4-القریش

متعدد سندھی گھرانے خود کو قریشی کہتے ہیں۔ القیرش کی انفرادی طور پر سندھ میں عراق عجم سے آمد براستہ سی اور ملتان کا پتہ چلتا ہے۔ اس بطون کے لوگ انفرادی پور پر تبلیغی مشن پر عراق عجم سے عرب مجاہدین کی ابتدائی مہمات کے ساتھ وقتاً فوقتاً" سندھ مین داخل ہوتے رہے ہیں اور مختلف مقالات پر سکونت پزیر ہوتے چلے گئے لہذا شناخت ناممکن ہے متعدد، سندھی، پنجابی اور ہندی نژاد اہل حرفہ اور خاص طور پر میراثی اور قصاب لوگوں کی خاصی تعداد اپنا سماجی درجہ بلند کرنے کی خاطر خود کو بطون القریش سے منسوب کرتے ہیں جس سے اصل اور نقل میں تمیز مشکل ہو گئی ہے۔ بقول مشہور محقق مسٹر ڈیوڈ۔ سوفر (david e sopher) یہ لوگ دوسری جست میں سید برادری کے ممبران بن جاتے ہیں۔

5-انصار

یہ خانوادہ مدینہ میں آباد اوس اور خزرج قبائل کی نسل سے بتایا جاتا ہے حضور اکرام کی مکہ سے مدینہ ہجرت کی بدولت ان قبائل کو انصار کا درجہ دیا گیا تھا چنانچہ اس لقب سے ان دونوں قبائل نے شہرت پائی۔ ان بطون سے انفرادی طور پر اسلامی مہمات

کے ساتھ کچھ لوگ وقتاً" فوقتاً" براستہ عراق عرب و عجم ملک سندھ میں داخل ہوتے رہے۔ غزنویوں اور غوریوں کے زمانہ میں بھی کچھ لوگ سندھ میں داخل ہوئے اور قلیل التعداد ہونے کی وجہ سے سندھیوں میں خلط ملط ہو گئے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ متعدد سندھی' پنجابی اور ہندی نژاد نو مسلم اہل حرفہ میں سے لوگوں کی کثیر تعداد اس میں شامل ہوئی جس سے اس کا رہا سہا عربی تشخص بھی ختم ہو گیا صرف اب نام باقی رہ گیا ہے۔ اس خانوادہ کے دعویدار لوگ زیادہ تر شہروں میں بودباش اختیار کئے ہوئے ہیں اور درس و تدریس کے کاموں میں دلچسپی لینے کے ساتھ ساتھ صنعت پارچہ بافی سے بھی وابستہ ہیں۔ گمان غالب ہے کہ ان میں سے کئی لوگ سید برادری کے ممبر بن چکے ہیں۔

6-علاوہ خانوادہ

خانوادہ بنیادی طورپر عجمی نژاد ہے اور خلیفہ چہارم حضرت علی کی زوجہ مطاہرہ حضرت بی بی فاطمہ کے بغیر دوسری بیویوں کی اولادیں ہونے کے دعویدار ہیں۔ یہ سب لوگ شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور مخلوق النسل ہو کر احتراما" خواجہ کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔

7-سید برادری

گو سید کسی خاص قبیلہ' خاندان یا گھرانے کا نام نہیں تاہم سید کہلانے والے لوگ یہ دعوای کرتے ہں وہ حضرت علی اور حضرت بی بی فاطمہ کی اولاد میں سے ہیں۔ سندھ میں وہ دو مندرجہ ذیل شاخوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

شاخ حسنی

یہ لوگ پیرزادہ لقب رکھتے ہیں اور اپنا انسلب حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی سے

ملاتے ہیں۔ قلیل تعداد میں پائے جاتے ہیں لیکن پیری مریدی کے باعث مالدار اور خاصی شہرت کے مالک ہیں۔

شلخ حسینی

یہ لوگ صرف سید کہلاتے ہیں۔ عام طور سے عراق عجم سے سندھ میں نقل مکانی کے دوران اور مابعد اپنے آبائی شہروں کے نام پر خود کو شیرازی' بخاری' کرمانی' اصفہانی' ہمدانی کہہ کر متعارف کراتے ہیں۔ ان میں سے کئی خانوادے زیدی' کاظمی اور نقوی وغیرہ بھی کہلاتے ہیں۔ ان کی اکثریت شیعہ ہے۔

(نوٹ) سماعہ شیخوں اور کھوڑوں کے زمانہ اقتدار میں ان حضرات کو ان کی دینی خدمات کے اعتراف میں وسیع اراضیات عطا ہوئیں جس سے دونوں شاخیں سندھی سوسائٹی میں ارفع شمار ہونے لگیں۔ چنانچہ اسی رفعت کے باعث یہ شاخیں برصغیر میں ایک الگ برادری (سید) کی صورت میں منظر عام پر آئیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

دور حاضر کا بلند پایہ محقق ڈاکٹر ڈیوڈ۔ ای۔ سوفر قوموں کے عروج و زوال کے نتیجہ پیدا شدہ احساس برتری اور کمتری کے باہمی ٹکراو سے وسیع پیمانہ پر ہونے والی انسانی دھاندلیوں کے بارے میں بحث کرتے ہوئے اپنی شہرہ آفاق تصنیف این ایکسپلوریشن آف کلچر(of india Geographical Patternship of cultur An exploration) کے صفہ نمبر 307 اور نمبر 308 لکھتا ہے کہ اسلام اپنے پیروکاروں کے نزدیک یونیورسل اور مکمل ضابطہ حیات کی حیثیت رکھتا ہے جس میں مساوات اور بھائی چارہ کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ مگر یہ ایک غور طلب بات ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے اردو بولنے اور نہ بولنے والے مسلمانوں کی طرز زندگی' عادات و خصائل اور رسم و رواج میں خاصا تضاد پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ دریافت کرتے ہوئے وہ آگے چل کر لکھتا ہے کہ ملک سندھ اور ہند میں وقتاً فوقتاً داخل

ہونے والی اجنبی مسلم اقوام اس خطہ دلفریب پر قابض ہو کر حکمرانی کرتی رہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر کمالے را زوال کے مصداق گو وہ عملی طور پر عظمت و کامرانی سے محروم ہو چکی تھیں مگر ذہنی طور پر وہ خود کو ممتاز اور برتر طبقہ خیال کرتے ہوئے ہر ممکن صورت میں اپنی امتیازی حیثیت کو برقرار رکھنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتی رہتیں۔ چنانچہ تسکین روح کے لئے انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو مندرجہ ذیل دو بڑے گروپوں میں بانٹ رکھا ہے۔

(i) اشرف گروپ

اس گروپ میں عربی شیخ' افغان' مغل اور وہ لوگ جو خودکو سید قوم کے افراد گردانتے ہیں شامل ہیں۔

(ii) جلف گروپ

اس گروپ میں ہندی نژاد نو مسلم زراعت پیشہ برادریاں از قسم راجپوت' جاٹ' گرمی' سینی اور کمبوہ وغیرہ اور غیر زراعت پیشہ قبائل اور اہل حرفہ از قسم جولاہے' تیلی' ترکھان' لوہار' حجام' موچی' قصاب' لنگاہ اور میراثی وغیرہ شامل ہیں۔

ان دونوں بڑے گروپوں پر تفصیلاً" روشنی ڈالتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ اشرف گروپ میں شامل برادریاں شمال مغرب کی جانب سے سندھ اور پنجاب میں داخل ہوئیں اور اس لحاظ سے ان کی اکثریت بھی دراصل انہیں علاقوں میں ہونی چاہئے تھی اور جوں جوں ان برادریوں کے لوگ اندرون ملک بڑھتے گئے اردو زبان بولنے والے صوبوں دہلی' یو پی' سی پی اور بہار وغیرہ میں ان کی نفری مقابلتاً" کم نسبت میں ہونی چاہیے تھی مگر میری تحقیق کے مطابق صورت حال اس کے برعکس ہے اور ان علاقوں میں اشرف گروپ میں شامل قبائل کی نفری سندھ اور پنجاب میں بسنے والے انہیں قبائل کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے اور خاص کر پٹھان اور سید برادریوں کی نفری میں تو

اب تک 30 تا 90 فیصد کا اضافہ ہو چکا ہے اور سندھ اور پنجاب میں ان برادریوں کی آبادی آج بھی 10 تا 15 فیصلہ سے زیادہ نہیں بنگال اور مداراس وغیرہ کے علاقوں میں جہاں اردو نہیں بولی جاتی وہاں مسلمانوں کی آبادی کے درمیاں پٹھانوں اور سیدوں کی آبادی مشکل ایک فیصد کی قلیل حد تک پائی جاتی ہے۔ آخر اس قدر تضاد کی اس کے سوا اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ اردو بولنے والے علاقوں میں نقل مکانیوں کے نتیجہ میں وسیع پیانہ پر انسابی دھاندلیاں ہوئی ہیں اور جلف گروپ میں شامل برادریوں کے وہ افراد جو کسی نہ کسی طرح مالدار ہو کر وسیع جائیدادوں کے مالک بن گئی اور معاشرہ میں معاشی سطح پر بلند درجہ تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی اپنے آبائی کمتر درجہ کا شدید احساس ہوا ردو بدل کر کے اشرف گروپ میں گھس آئے۔

اردو بولنے والے علاقوں میں سید برادری میں خاصی طور پر اضافہ کر متعلق ڈاکٹر موصوف نہایت لطیف انداز میں مگر دعوے کے ساتھ لکھتا ہے کہ اجلف گروپ کے اندر ایک دوسری برادری پر فوقیت اور برتری حاصل کرنے اور اشرف گروپ میں شمولیت کی خواہش کو تسکین دینے کے لئے عام طور سے دو سے تین سال تک کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ اجلف گروپ میں شامل اہل حرفہ اور غیرزراعت پیشہ برادریوں کے لئی مالدار افراد پہلی جست میں شیخ اوردوسری میں شیخ سے سید بن کر اشرف گروپ کی ممبرشپ حاصل کر لیتے ہیں لہٰذا اردو بولنے والے علاقوں میں سندھ اور پنجاب کے مقابلہ میں سید برادری میں اضافہ ایک لازمی امر ہے اور اسی بنا پر تقسیم ہند کے موقع پر ہونے والی نقل مکانیوں سے برادریوں کے انساب پر گہرا اثر پڑا ہے جس سے اشرف اور اجلف گروپوں میں حائل خلیج سمٹتی جارہی ہے اور ایک دوسرے کی شناخت میں مشکلات کاسلسلہ کرنا پڑ رہا ہے۔

(مزید تفصیلات کے لیے امسٹرای اے بلنٹ(MR E A BLUNT)
کی تصنیف کاسٹ سسٹم کناروردن انڈیا سے رجوع فرمائیں)

8-عباسی گروپ

عربی باقیات میں سے برصغیر پاک ہند میں بڑا اور با اثر گروپ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس میں شامل بڑا قبیلہ سامہ کے علاوہ نیچرلائزیشن آف نان عرب سکیم کے تحت عربی قومیت اختیار کرنے والے قبیلہ سراج اور چھوٹے موٹے کئی اور خانوادے سے شامل ہو چکے ہیں۔

یہ قبائل احتراماً" ملاں' میاں اور بزرگ کے القاب سے پکارے اور جانے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ لوگ مخصوص عباسی طرز کے سادہ لباس جنمی سر پر سلیہ یا نیلے رنگ کا بھاری عمامہ باریک ململ کا ڈھیلی ڈھالی سفید رنگ کی سوتی قمیض اور اس کے اوپر مختلف دیدہ زیب رنگوں میں پاکٹوں والی واسکٹ (کرتی) کمر میں نیلے یا سفید رنگ کا تیلا دھاری دار یا چیک نماسوتی یا ریشمی تہبند (عربی زبان میں ازار اور پنجابی میں لاچہ) (یاد رہے ملتانی لاچہ آج تک ساماوں کا پسندیدہ پہناوا چل آرہا ہے) اور پاؤں میں نوکدار یا چوڑے منہ والا چرمی جوتا بغیر ایری کے سادہ یا کلدار میں آسانی سے شناخت کئے جاسکتے ہیں مگراب سوائے خاندان سامہ کے افراد کے باقی تمام لوگ اس لباس کو تقریباً چھوڑ چکے ہیں۔ مستوارات سر پر سادہ یا پھولدار رنگین یا سفید سوتی یا ریشمی اوڑھنی (دوپٹہ) اور گھروں سے باہر نکلتے وقت سفید یا کالی سوتی یا اونی چادر کا استعمال' بدن پر پورے یا آدھے بازووں والی ڈھیلی جیکٹ' کمر میں غرار سادہ یا پھولدار اور پاؤں میں سلیپر نما کالے یا لال رنگ کا چوڑے منہ والا چرمی جوتا سادہ یا کلدار (یاد رہے عرب یا ملک عراق عرب میں موجودہ ڈیزائن اور فیشن کا برقع استعمال کرنے کا قطع کوئی رواج نہ تھا۔ برقع کے استعمال کی رسم عراق عجم کی فتوحات کے بعد عربوں نے عجمیوں سے نقل کی تھی ورنہ عربی خواتین بڑے سائز کی چادر استعمال کرتی تھیں)۔

اس گروپ میں شامل سرا اور سامہ نے یکے بعد دیگرے ملک سندھ پر چار سو

سال کے لگ بھگ حکومت کی ہے۔ سمراؤں نے سماؤں سے شکست کھانے کے بعد بھاری اکثریت میں بھیس بدل کر اپنی سلامتی کی خاطر اہل حرفہ میں شمولیت اختیار کر لی۔ کچھ لوگ سماؤں میں مدغم ہو کر اپنی منفرد خاندانی حیثیت سے محروم ہو چکے ہیں اور موجودہ پنجاب کے شہری علاقوں میں خال خال ملتے ہیں۔ سندھ میں بھی ان کی مختصر سی آبادی ہے اور دیہاتوں میں کھیتی باڑی کرتے ہیں اور سومرو(somroo) کہلاتے ہیں۔

خاندان سامہ عباسی گروپ میں سب سے بڑا قبیلہ ہے اور اپنی مندرجہ ذیل تین بڑی شاخوں اور سالہ بنیادی گوتوں (sub castes) میں بٹ کر پاک و ہند میں پھیلا ہوا ہے۔

(الف) ابراہمہ سامہ

یہ شاخ زیادہ تر سندھ موجودہ ریاست بہاول پور اور ملتان کے علاقوں میں آباد ہے۔

(ب) شیخ سامہ

یہ لوگ ہندوستان کے اردو بولنے والے علاقوں یو پی' سی پی' دہلی' بہار' روہیل کھنڈ اور ریاست رام پور میں بکثرت آباد ہیں اور شیخ صدیقی۔ شیخ فاروقی شیخ عثمانی اور شیخ رائین کہلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد شیخ خانوادے صوبہ بلوچستان کے علاقہ کوہلو' ہرنائی' سبی اور قلات میں بھی آباد ہیں۔ یہ لوگ آج تک بلوچوں سے اپنا تشخص الگ قائم کیے ہوئے شیخ کہلاتے ہیں۔ انہوں نے کاغذات مال میں بھی اسی نوعیت کا اندراج رکھا ہے جس سے شناخت میں بڑی آسانی ہے۔

(ج) رائین سامہ

یہ لوگ صوبہ پنجاب اور سندھ بکثرت آباد ہیں۔ کھیتی باڑی کے علاوہ زندگی کے ہر شعبہ میں دلچسپی لیتے ہیں (تفصیلات پچھلے اوراق میں آچکی ہیں) ریاست بہاولپور اور احمد پور

شرقیہ لالاں (دوسرانام صادق آباد) رحیم یار خاں (قدیم نام نوشہرا) منچن آباد' بہاول نگر اور تحصیل بہاولپور میں سلاؤں کی گوتوں' چاچڑ' نین' بھٹہ' لالاں (لماں lumma) سانگی اور کھامبراہ کی خاصی آبادی ہے مگر داؤد پوتوں سے ان کی دیرینہ مخاصمت اور آئے دن کی دھینگا مشتی کے سبب یہ لوگ ابراہہ سامہ۔ رائیں سامہ یا اپنی مخصوص گوتوں کے ناموں سے پکارا جانے کی بجائے 1901ء سے سندھ اور ملتان سے نقل مکانی کرتے وقت 1931ء تک کاغذات مال اور دیگر سرکاری دستاویزات میں اپنے وجود و تشخص کو صرف ملاں کے لقب سے ظاہر کرتے رہے ہیں جس سے ریاست میں سلاؤں کی مجموعی آبادی کا تخمینہ لگانے میں اکثر دشواریاں کاسامنا کرنا پڑتا ہے اور ہمارے فاضل مورخین اس اہم نقطہ کو بغیر تحقیق گومگو کی حالت میں چھوڑتے رہے ہیں اور ریاست میں سلاؤں کی اقلیت خیال کرتے ہوئے انہیں کوئی خاص اہمیت دینے سے قاصر رہے حالانکہ یہاں اس قبیلہ کی خاصی آبادی ہے جس کی وضاحت مندرجہ ذیل گوشوارہ شماریات ریاست بہاول پور حصہ (ب) جلد نمبرxlu مطبوعہ 1935ء سے ہوتی ہے۔

سال نقل مکانی	تعدد ابراہہ	تعداو رائیں سامہ
1901ء	10438	38498
1911ء	13013	44804
1921ء	10781	45147
1931ء	–	60160
میزان کل	35132	188609

علاوہ ازیں پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے تھوڑا پہلے اور بعد میں بہاولپور کے علاوہ میں سامہ قبیلہ خاصی اکثریت میں ہوگیا ہے۔

عباسی گروپ میں شامل سامہ شیخ صدیقی فاروقی عثمانی اور قدوائی خانوادے

یہ خانوادے درحقیقت شیخ سامہ بطنوں سے ہیں اور سندھ سے روہیل کھنڈ میں نقل مکانیوں کے دوران ساماؤں نے قریشی اور انصاری خانوادوں کی تقلید میں مقامی نو مسلم زمیندار طبقہ کی بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر اپنا الگ قائم کر لیا اور خود کو برتر درجہ میں شمار کرنے کے لئے خلفائے راشدین سے منسوب کرتے ہوئے صدیقی' فاروقی' اور عثمانی کہلوانا شروع کر دیا۔ کیونکہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ 460ھ سے قبل ملک سندھ میں ان ناموں کی کسی قبیلی کا ہونا نہیں پایا جاتا اور تمام سامہ لوگ شیخ کہلاتے تھے۔ ہندوستان میں اردو بولنے والے علاقوں یعنی اودھ' سی پی' دہلی اور بہار میں ان کی خاصی آبادی ہے اور اپنے اردگرد بسنے والی دوسری برادریوں پر ہر شعبہ زندگی میں فوقیت رکھتے ہیں اور دینی خدمات میں بھی خاص طور پر پیش پیش ہیں۔

مگر پروفیسر ڈیوڈ-ای۔ سوفر کی تحقیق کے مطابق ان علاقوں میں وسیع انسانی دھاندلیوں سے غیر- برادریوں کے کئی گمنام اور سماجی طور پر پست درجہ کے لوگوں کی خاصی تعداد خانوادوں میں گھس آئی اور بدیں وجہ خاندان سامہ کی عظمت کو خاصا دھچکا لگا اور اصل و نقل تمیز مشکل ہو گئی۔

ان قدیم خانوادوں میں سے صوبہ اودھ میں راجگان محمود آباد اور جہانگیر آباد کے گھرانے اور قدوائیوں میں سے میاں محمد رفیع احمد قدوائی خاص عزت و شہرت کے حامل ہیں (تفصیلی ذکر گزشتہ اوراق میں آچکا ہے)

اٹھارویں صدی عیسوی میں گھرانے اور خانوادے مجموعی طور پر ساماؤں کی سب سے بڑی شاخ رائین میں شمولیت اختیار کرنے لگے اور تقسیم ہندوستان تک ان کی متعدد تنظیمیں معرض میں آچکی ہیں تھیں جو رائین برادری کی تحقیقاتی اور فلاحی

کوششوں میں ہاتھ بٹارہی ہیں۔ جس سے شاخ سامہ شیخ نہایت سرعت سے شاخ سامہ راعین میں مدغم ہوتی جارہی ہے۔ اورجوں جوں حقائق منظر عام پر آنے لگے۔ ان لوگوں نے اپنے آبائی عربی خاندان کی پنجاب اور سندھ میں سب سے بڑی اوراہم شاخ راعیں کی طرف رجوع کرنا شروع کردیا ہے۔

سندھ میں سلماؤں کے یہ تینوں خانوادے قلیل التعداد ہیں اور زیادہ تر درس اور تدریس کے مقدس فرائض سرانجام دیتے ہیں۔

پاکستانی پنجاب میں موجودہ تاجر پیشہ وہ حضرات جو خود کو شیخ پوری' شیخ پال' شیخ سونی' شیخ کھتری' شیخ پنجابی وغیرہ کہتے ہیں ان کا سامہ شیخوں (صدیقی' فاروقی' عثمانی) یا شاخ راعین سامہ سے کوئی انسابی تعلق نہیں ہے اور اس نقطہ کی وضاحت نہیں ہے اوراق میں کردی گئی ہے۔

نقل مکانیوں کے مسلسل عمل سے اجلف گروپ میں شمارکنندہ نو مسلم ہندی نژاد کاشتکار جو سبزیاں اگاتے فروخت کرتے ہیں انہیں انگریزوں کے پٹھو نام نہاد مارشل گروپ نے ضلعی گزیٹرز میں خاندان سامہ کی تینوں شاخوں اور خصوصا پنجاب میں آباد' راعین' شاخ میں درج کروا کر خاندان سامہ کو خود کے مقابلہ میں کمتراوردرجہ دوئم کے زمینداران کی فہرست میں شامل کروا دیا اور اس طرح کم ظرفی کا مظاہر کرتے ہوئے خود محکمہ فوج پر اجارہ داری حاصل کرنے کی مذموم کوشش کی۔ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ برادری کی غفلت سے دشمنوں کی یہ مذموم کوشش تقسیم ہند تک بڑی حد تک کامیاب رہی۔ جس سے خاندان سامہ کو مجموعی پور پر سماج دھچکا لگااوراس کی سکھ اکھڑنے لگی۔

عباسی گروپ کارکن سندھی نژاد خاندان کلہوڑہ اورعربی باقیات

اس خاندان پر پہلے سیرحاصل بحث ہو چکی ہے۔ بنیادی طور پر یہ قبیلہ غیر عربی

ہے اور اپنی دو بڑی شاخوں داؤد پوتا اور لاشاری میں بٹا ہوا ہے۔ سلاؤں سے وسیع اراضیات اور نذرونیاز حاصل کر کے فقیروں اور ملنگوں پر مشتمل یہ خاندان ایک وقت میں سندھ کے چوٹی کے زمینداران میں شمار ہوتا تھا۔ آج کل کے سندھ میں اس کی نفری قلیل ہے مگر سابقہ ریاست بہاول پور کے علاقہ میں اس کی داؤد پوتا شاخ کی خاصی آبادی ہے مگر وہ سب عباسی کہلاتے ہیں۔

باب گیارہواں

ریاست ملتان اور ملتانی راعیوں کا حال

تاریخ ہندوستان و سندھ میں گندھارہ (موجودہ ٹیکسلا) کو روکیشتر، اندر پرستھ قنوج ستھرا اجین، پاٹلی پترہ (پٹنہ) اور مگدھ کی ریاستیں برصغیر کی قدیم بستیاں جانی جاتی ہیں مگر ان سب کے مقابلے میں سانگلہ (قدیم نام سام کلا) اور ملتان (قدیم نام مالیتان) کی ریاستیں قدیم ترین انسانی مسکن میں شمار ہوتی ہیں۔ ابتدا میں یہ ریاستیں نہ تو ہندوانہ تھیں اور نہ ہی بدھی بلکہ یہ بالترتیب دو لامذہب (Pangons) قبائل کتھ (موجودہ نام چٹھ) اور مالی (موجودہ نام ملی) کی آباد کردہ ہیں اور تقسیم ہندوستان تک یہ علاقے ان دونوں قبائل کے گڑھ رہے ہیں 323 ق م تک سکندر اعظم نے یکے بعد دیگرے ان دونوں ریاستوں پر جب یلغار کی تو اس وقت یہ بڑی بارونق منڈیاں تھیں اور لوگ پختہ اینٹوں کے بنے ہوئے مکانوں میں رہا کرتے تھے۔ سکندر اعظم نے سانگلہ کے کتھا سردار سے بغیر جنگ کے صلح صفائی سے ریاست اسکے حوالے کرنے کو کہا مگر وہ نہ مانا چنانچہ سکندر طیش میں آگیا اور ساٹھ ہزار کے قریب کتھاؤں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا اور ہزاروں قیدی بنالے گئے اور سانگلہ کی قدیم بستی کو لوٹنے کے بعد آناً فاناً پیوند خاک کر دیا اس کاروائی کے بعد یہ یونانی مہم جو نوجوان

مالیستان (موجودہ ملتان) کی طرف بڑھا۔ مالیوں نے یونانی فوج کی بربریت سے خوفزدہ ہو کر بغیر کسی مزاحمت کے ریاست سکندر کے حوالے کر دی۔ ان ایام میں یہ شہر اپنی اہم جغرافیائی پوزیشن کے لحاظ سے ہندوستان اور ایشیا کوچک و چین کے مابین بارٹر سسٹم (مال کے بدلے مال) کے تحت تجارتی لین دین کا بھی مرکز تھا۔ چنانچہ سکندر اعظم نے اس شہر کی رونق اور خوشحالی سے متاثر ہو کر پانچ ماہ تک یہاں قیام کیا اور جی بھر کر اسے لوٹا۔ بعض مورخین کے مطابق وطن واپسی پر اس کی فوج یہاں کی مستورات کو اپنے ساتھ لے گئی جن میں سے اولادیں ہوئیں اور ملک عراق (میسوپوٹامیہ) کے قدیم شہر بابل میں عرصہ تک مقیم رہیں جہاں سے آہستہ آہستہ وہ اندرون ملک ادھر ادھر پھیل گئیں۔

گو آج کل سانگلہ اور ملتان میں یونانی تہذیب و تمدن کا کوئی قابل ذکر نشان نہیں ملتا تاہم قدیم تاریخ ریکارڈ میں جہاں کہیں سکندر اعظم کی ہندوستان میں فتوحات کا ذکر ملتا ہے وہاں ان دونوں ریاستوں کے قدیم قبائل کے نام بھی نظروں سے گزرتے ہیں۔

آریاؤں کی آمد بر اں قبائل نے ہندومذہب اختیار کر لیا اور منومہاراج کے ذات پات کے اصول کے تحت ویس کاشتکاروں (جاٹ) میں شمار کیے جانے لگے۔

ظہور اسلام کے بعد ملک سندھ میں بسنے والے ان قبائل کی اکثریت مشرف بہ اسلام ہوئی مگر سکھوں کی لوٹ مار کے زمانہ میں رنجیت سنگھ کے باپ مہاسنگھ نے چٹھاؤں کے سردار پیر محمد کو مطیع کر کے اسکے صدر مقام رسول نگر کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ہزاروں چٹھے جان کی سلامتی کی خاطر سکھ پنتھ میں شامل ہو گئے اور اسی طرح مالیوں کی بھی ایسی ہی درگت بنائی گئی۔ رسول نگر کا نام اکال گڑھ رکھ لیا گیا اور اپنی کتابوں میں خالصہ سورماؤں نے ملتان کو سنگھ پورہ لکھنا شروع کر دیا۔ تقسیم ہند کے بعد تمام ہندو اور سکھ چٹھے اور ملی نقل مکانی کر کے اب پاکستان سے جا چکے ہیں اور قدیم

نام دوبارہ ظاہر ہونے لگے ہیں مگر چشماؤں کا مرکز رسول نگر اب علی پور چٹھہ کہلانے لگا ہے۔

پانچویں صدی عیسوی میں ملک سندھ پر ایک بدھی حکمران رائے سہاسی کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ ان دنوں میں ریاست ملتان ہر شعبہ زندگی میں ترقی کے لحاظ سے اپنے جوبن پر تھی۔ مٹی کے خوشنما برتن۔ لکڑی کا گھریلو سامان تیار کرنے کے کارخانے اور کپڑے کی صنعت کے علاوہ نیل (indigo) کو بذریعہ کیمیائی عمل مزید کارآمد اور موثر بنانے کے امکانات پر تحقیق کرنے کے لئے یہاں کئی لیبارٹریاں قائم کیں اور یہاں کے لوگ بہت آسودہ حال تھے بدھوں کے بعد جب ملک سندھ ایک برہمن زادہ چچ ولد سیلج ولد پساس کے قبضہ میں آیا تو ان صنعتوں میں مزید ترقی کے علاوہ بت پرستی نے بھی عروج پکڑا۔ ملتان میں مندروں کی بھرمار ہو گئی جہاں دن رات ٹل بجنے لگے۔ آخر غیرت خداوندی جوش میں آئی اور اس اندھیری نگری میں توحید کا سورج طلوع ہوا علمائے دین اور مبلغین کی آمد شروع ہو گئی اور اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔ تاریخ میں کئی بار اجڑ کر آباد ہونے والی سخت جان اس بستی پر ایک وقت وہ بھی آیا جبکہ اسلام کے نام لیواؤں نے آپس کے اختلافات کو اسلامی رنگ دے کر انتشار و طوائف الملوکی پھیلائی اور برسوں قتل و غارت سے خون کی ندیاں بہائیں۔ مساجد و مدارس گورستانوں میں تبدیل ہو گئے اور اللہ کے محبوب بندوں پر بے پناہ مظالم توڑ گئے۔

235ھ میں جب خلافت عباسیہ دم توڑ رہی تھی تو بشر بن داؤد اور اس کے نا اہل اور کوتاہ اندیش جانشینوں کے زمانہ میں ملک سندھ کے حصے بخرے ہونے شروع ہو گئے

اس طوائف الملوکی اور افراتفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملتان کے علاقہ میں مقیم ایک مقتدر اور با اثر سامہ سردار اسد لوئی سامہ کے بڑے بیٹے منبہ سامہ نے اوچ

کے شیخ جلال دین کی مدد سے ملتان پر قبضہ کر لیا اور اپنی آزاد حکومت قائم کر لی۔ عنان حکومت سنبھالتے ہی اس نے بڑی تیزی سے پولیس ایکشن کر کے پانچ بدھی باغی رانوں (جن کا تفصیلی ذکر پچھلے اوراق میں آچکا ہے) کی سرکوبی کر کے پورے علاقہ میں امن وامان بحال کیا۔ مشہور عربی مورخ مسعودی 302ء میں جب کھمبائت سے ملتان آیا تو اس نے منبہ سامہ سے ملاقات کی اور اس کے پایہ تخت ملتان کی بڑی تعریف کی جو اس کے بیان کے مطابق اسلامی تہذیب کا گہوارہ تھا

منبہ سامہ کی وفات کے بعد اس کے چھوٹے بھائی ملک اشرق نے ملتان کا نظم و نسق سنبھالا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے لاڈلے بیٹے خواجہ جہاں کو حاکم ملتان مقرر کر دیا گیا مگر وہ بڑا رحمدل اور سیاسی سوجھ بوجھ سے عاری ثابت ہوا چنانچہ اسی کے زمانہ میں 410ء میں سلطان محمود غزنوی کے وزیر عبدالرزاق نے جب سمراؤں کی معاونت اور سازش سے ریاست ملتان میں عربی النسل لوگوں کی سکریننگ (SCREENING) شروع کی تو اسے اقتدار سے محروم کر کے ملتان کی عملداری کا خاتمہ کر دیا گیا اور اس کا الحاق غزنی سے کر کے باقاعدہ خراج کی وصولی شروع کر دی گئی۔ خواجہ جہاں کا متنبے ملک عبداللہ آخر کار جان بچا کر شیخ سالار ساہو کی سربراہی میں بھیس بدل کر 423ء میں بریلی کی طرف نقل مکانی کر گیا (اس روئیداد کی تفصیل پیچھے آچکی ہے)

سلطان محمود غزنوی کی وفات کے بعد اس کے بیٹا سلطان مسعود غزنوی بھی باقاعدگی سے خراج و لگان کی وصولی کرتا رہا۔ 569ھ میں غوریوں نے غزنوی اقتدار کا خاتمہ کر کے سندھ کو اپنی عملدری میں شامل کر لیا اور وہ لوگ بھی حسب دستور سابق خراج و لگان وصول کرنے لگے۔ 591ء میں غیاث الدین غوری کے بھائی شہاب الدین غوری نے ملتان پر قبضہ کر لیا۔ یہ غوری جرنیل دراصل ہندوستان پر تسلط جمانے کو نکلا تھا اور ملتان کی فتح کے ساتھ اسے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی تاہم غزنی سے ہندوستان جانے والی شاہرہ پر واقع ایک اہم تجارتی مرکز اور فوجی پڑاؤ کا کام دینے کیوجہ سے اس

نے یہاں ایک فوجی کیمپ قائم کر لیا جس میں ایک کیولری بریگیڈ کی تعیناتی سے ملتان کی اہمیت بڑھ گئی اور اس کے ساتھ ہی یہ شہر گھوڑوں کی بڑی منڈی بھی بن گیا۔ شہاب الدین غوری اور اس کے بعد اس کے وائسرائے قطب الدین ایبک کی ہندوستان پر جب گرفت مضبوط ہوئی تو انہوں نے سندھ کی سیاست سے آہستہ آہستہ اپنی توجہ ہٹانی شروع کر دی اور ساتھ ہی جب غزنی اور قندھار سے آئے دن کے حملوں کا زور بھی قدرے ختم گیا تو سندھ کے جاگیرداراور زمیندار جن میں سمرا قبیلہ کے لوگ پیش پیش تھے نے پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے چنانچہ سب سے پہلے سمرا سرداروں نے دربار دہلی کو خراج و لگان کی ادائیگی بند کی اور اس کے ساتھ ہی اپنی خود مختاری کا اعلان کرتے ہوئے ملک سندھ کے بلاشرکت غیر کرتے دھرتے بن گئے۔ اس قبیلے نے دو سو سال تک بزور بازو سندھ پر قبضہ جمائے رکھا۔ ساماؤں کے خلاف ان کی دیرینہ عصبیت عود کر آئی شہروں میں آباد سامہ لوگوں کا جینا دوبھر کر دیا گیا غرضیکہ سوائے ظلم و ستم اور بے انصافیوں کے ان سے اور کوئی کام سرانجام نہ دیا جا سکا۔ بدیں وجہ وہ تاریخ سندھ کا ایک بھولا بسرا ورق بن کر حکمرانوں کی صف میں کوئی اہم مقام حاصل کرنے سے قاصر رہے۔ چنانچہ سمراؤں کی ہلڑ بازی اور مظالم سے تنگ آکر شہری آبادیوں میں مقیم درس و تدریس کے پیشوں میں مصروف کئی سامہ خانوادے 604ء میں شیخ قدوات الدین قاضی کی سربراہی میں دوسری بار سندھ سے نقل مکانی پر مجبور ہوئے اور بریلی کے علاقہ میں اپنے سے پہلے گئے ہوئے بھائی بندوں کے ساتھ مل گے۔

راعیوں اور لنگاؤں میں جھڑپیں

جیسا کہ پیچھے ساماؤں کے باب میں ذکر آچکا ہے کہ سمراؤں کے دو سو سالہ دور اقتدار کا خاتمہ کر کے خاندان سامہ کی بابینہ بطون ملک سندھ پر اپنے جھنڈے گاڑ دیئے اور اس کے ساتھ ہی ملتان کی عملداری بھی دوبارہ بحال ہو گئی۔ بابینوں نے اپنے دور میں اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے سمراؤں کے ہاتھوں سندھ کی تباہ شدہ

معیشت اور امن واماں کی بگڑی ہوئے صورت حال کو پھر سے استور کیا اور ریاست ملتان جس میں اوچ۔ بہلول پور۔ ساہی وال اور شورکوٹ کے علاقے شامل تھے کی ترقی و خوشحالی پر خصوصی توجہ دی۔ سامہ راعیوں کے ہیرو جام راعینہ کی زہر خوری سے واقع ہونے والی المناک موت کے بعد ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ایک طرف تو جام نندوان سے گن گن کر دیرینہ بدلے لے رہا تھا جاگیریں چھینی جا رہی تھی اور ملازمتوں کے دروازے ان پر بند کئے جارہے تھے اور ان کی اکثریت کو تہی دست کر کے کسمپرسی کی حالت میں بطرف سرسہ دھکیلا جا رہا تھا تو دوسری طرف ریاست ملتان میں لنگاوں نے ادھم مچا رکھا تھا جام نندو کی نالائقی اور ریاست کو ان کے نتیجہ استبداد سے چھڑانے میں تساہل اور ہچکچاہٹ سے ان لوگوں کے حوصلے بہت بڑھ چکے تھے اور وہ دن بدن زور پکڑتے جارہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے زیادہ سے زیادہ تصرف حاصل کرنے کے لئے مختلف حیلے بہانوں سے راعیوں کو اراضیات سے بدخل کرنا شروع کر دیا چنانچہ لنگاؤں کی آئے دن کی زیادتیوں اور خرمستیوں سے تنگ آکر کبیروالہ، میلسی، لودھراں، جالہ خورد وکلاں اور علاقہ حارث سامہ کے راعیوں نے اتفاق کر کے لنگاؤں کے مسلح جتھوں کو مار مار کر اپنے علاقوں سے بھگا دیا۔ تمام اسلحہ چھین لیا اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے حسن لنگاہ نے ریاست ملتان پر اپنی حاکیت جتانے اور راعیوں پر اپنا رعب کمانے کے لئے علاقہ ساہیوال کے جاٹوں کو نقد معاوضہ دے کر راعیوں سے نمٹنے اور خراج کی وصولی کے لے استعمال کرنا چاہا مگر جاٹوں نے بھاری رقومات کا مطالبہ کرتے ہوئے راعیوں سے خوہ مخواہ الجھنے اور ٹکر لینے کا خطرہ کو ٹال دیا جس سے حسن لنگاسخت پریشان ہواچنانچہ علاقہ میں امن و امان کی صورت حال اور بھی مکدر ہو گئی اور حسن لنگاہ نے زندگی بھر راعیوں سے پھر کبھی ٹکر لینے کی جرات نہ کی۔ اس کی وفات کے بعد اسکے بیٹے محمود لنگاہ نے باپ کی جگہ سنبھالتے ہی راعیوں سے آئے دن کی جھڑپوں اور سرپھٹوں سے گلو خلاصی کرانے اور انہیں اپنے اعتماد میں لینے کے لئے بازید

سامہ جاگیردار شورکوٹ کو اپنے ہاں ناظم اعلیٰ کا عہدہ پیش کیا اس غدار خاندان نے نہایت ڈھٹائی سے یہ منصب قبول کر لیا اور راعیوں کو پر امن رہنے کی یقین دہانی اور لنگاؤں سے مصالحت کرتے ہوئے ان کے ہاتھ مضبوط کرنے کی تلقین کرنے لگا۔ راعیں اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ سامہ جاگیردار شورکوٹ لنگاؤں کا چمچہ اور پٹھو ہے۔ اسے سوائے اپنی ذاتی و جاہت کے خاندانی عزت و وقار کا کوئی پاس نہ تھا چنانچہ وہ اسکی بات پر دھیان نہ دیتے اور اس طرح لنگاؤں سے راعیوں کے تعلقات برابر کشیدہ رہنے لگے اور آئے دن کی چھڑپوں میں اضافہ ہونے لگا۔ محمود لنگاہ کچھ عرصہ تو بازید سامہ کی انتظامی قابلیت اور مصالحتی کوششوں کا بغور جائزہ لیتا رہا مگر جب اس نے محسوس کیا کہ بازید کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا رہا ہے تو اس نے قلمدان نظامت اس سے واپس لے کیا اور تمام معاملات خود سنبھال لے

اسی پر آشوب دور میں جام نندو ثانی کی وفات کے بعد اس کا اکلوتا بیٹا تخت سندھ پر بیٹھا جس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جام نندو کلو فادار اور بہادر درباری سارنگ خان باغی ہو کر دیپالپور کا خود مختار حاکم بن بیٹھا۔

ملتان کے سامہ راعیوں نے جام فیروز کو لنگاؤں کے خلاف کاروئی کرنے اور ریاست کا واگزاری کے لیے اپنا پورا تعاون پیش کیا مگر سیاست سے بے بہرہ تن آسان اور ہر وقت خوش آمدیوں میں گھرے ہوئے اس الہڑ شہزادہ نے اس اہم معاملہ کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ چنانچہ اس نے اپنے 9 سالہ دور حکومت میں ریاست کی واگزاری کے لئے کوئی قدم نہ اٹھایا حتیٰ کہ وہ ارغونوں کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد سندھ سے فرار ہونے پر مجبور ہو گیا۔ مرزا شاہ حسین ارغوان نے جام فیروز کو سندھ بدر کرنے کے بعد ملتان کا رخ کیا جہاں لوٹ کھسوٹ کے رسیا لنگاؤں کا صفایا کرنے میں سامہ راعیوں نے اس سے بھرپور تعاون کیا۔ سینکڑوں مارے گئے متعدد حراست میں لے لئے گئے۔ شہر میں واقع ان کی وسیع جائیدادوں اور املاک کو لوٹنے کے بعد تباہ و برباد کر

دیا گیا اور گرفتار شدگان سے بیگاریں لینے کے لیے مرزانے انہیں اپنی فوج کے (FOLLOWERS) فالور بٹکش میں شامل کر لیا۔ لنگاؤں کی سرکوبی کے بعد حالات پر سکون ہوتے ہی مرزا نے اپنے ایک خاص مصاحب خواجہ شمس الدین کو ملتان کا عامل مقرر کردیا جس کے بعد وہ عازم گجرات ہوا کچھ ہی عرصہ بعد ایک مغل جرنیل مرزا طاموس شیریں خان چغتائی اچانک ملتان پر چڑھ آیا اور انعام کا لالچ دے کر ایک گمنام سے شخص لنگر خان سے خواجہ شمس الدین کو قتل کروادیا اس درندہ صفت فوجی نے لنگاؤں کی لوٹ کھسوٹ سے بچی کھچی ریاست ملتان جسے کبیر والہ میلسی لودھراں' جالہ خوردوکلاں اور علاقہ حارث سامہ کے راعیوں نے اپنے خون پسینہ سے زرعی پیداوار میں اضافہ کر کے دارالذہب (HOUSE OF GOLD) کا نام دے رکھا تھا معاشی اور اقتصادی لحاظ سے بالکل مفلوج کر کے رکھ دیا جس سے پورے علاقہ میں ایک خوفناک قحط کی صورت پیدا ہوگئی۔ راعیوں نے کچھ عرصہ انتظار کرنے کے بعد جب صورت حال میں کئی تبدیلی نہ دیکھی تو شہروں کے قرب و جوار میں جہاں گزارہ کے لئے اراضیات ناکافی تھیں بسنے والے متعدد راعین گھرانے جزوی نقل مکانی کر کے ضلع لاہور کی تحصیل پٹی اور چونیاں کے علاوہ پہلی بار موجود ضلع سیالکوٹ کے دورافتادہ علاقوں (موجودہ ظفروال اور پسرور) میں پھیلی ہوئی اراضیات پر تصرف حاصل کر کے متعدد گاؤں آباد کے جن میں کل اختطائی رعیہ اور کوٹلی راعیاں سرفہرست ہیں۔ چنانچہ پنجاب پر انگریزوں کے قبضہ کے فوری بعد ضلع لاہور اور سیالکوٹ سے شائع ہونیوالے گزیٹرز میں ان اضلاع میں راعیوں کے بالترتیب 92 اور 43 بڑے دیہات دکھائے گئے ہیں جو آج تک قائم و دائم ہیں اور پنجاب بھر میں ہر شعبہ زندگی میں ترقی کے لحاظ سے مثالی درجہ رکھتے ہیں۔ بدیں وجہ جہاں یہ اضلاع جاٹوں کی کثیر آبادی کے لحاظ سے ان کے گڑھ سمجھے جاتے ہیں وہاں سامہ راعیوں کی کثیر آبادی کے پیش نظریہ دونوں اضلاع ان کے گڑھ بھی مانے جاتے ہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آخر انہیں اضلاع میں سے

سامہ راعیوں کے متعدد کنبے دوابہ جالندھر میں نوال آدینہ بیگ رائیں والیے پنجاب کے عہد حکومت میں آباد ہوئے اور بطور شناخت اپنے کئی سابقہ دیہات کے ناموں پر نئے گاؤں آباد کئے جن کا اختصار ذکر رائین شاخ کے بیان میں پیچھے آ چکا ہے۔ بعد ازاں دوآبہ جالندھر اور لاہور سیالکوٹ کے علاقوں سے ہی یہ برادری وقتاً فوقتاً نہری سکیموں کے تحت معرض وجود میں آنے والی نو آبادیوں (موجودہ فیصل آباد' سرگودھا' ساہیوال) میں اراضیات الاٹ کروا کر منتقل ہوتی رہی اور وہاں سے موجودہ ریاست بہاولپور کے علاقہ اور آخر کار دوبارہ 1800 میں تالپوروں کے زمانہ میں اپنے قدیم مسکن ملک سندھ کے علاقہ بدین' حیدر آباد ٹنڈو محمد خان لاڑکانہ اور سانگھڑ میں آباد ہوتی رہی اور یہ نقل مکانی تقسیم ہندوستان کے بعد پاکستان کے معرض وجود میں آنے پر بھی آج تک جاری ہے اور شاید یہ سلسلہ تا ابد جاری رہے کیونکہ نقل مکانی بمصداق "سفر وسیلہ ظفر" راعیوں کی فطرت کا ایک حصہ بن چکی ہے اور آج یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سندھ اور پنجاب میں پھر سے شادابی و سرسبزی لانے اور شہروں میں دوسری پاکستانی برادریوں کے مقابلے میں سامہ خاندان کی تینوں شاخوں کا کہیں زیادہ حصہ ہے۔

طاموس شیریں خان چغتائی کے اچانک حملہ علاوہ ویسے تو تاریخ ہند کے ہر دور میں اس شہر پر بیرونی حملوں کا زور رہا اور قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم رہا مگر سکھوں کی ہلڑ بازی کے زمانہ میں تو ان آفتوں کی حد ہو گئی۔ رنجیت سنگھ ولد مہا سنگھ قوم جاٹ مثلدار سکھو چکیہ مثل نے جب دوسری سکھ مثلوں پر برتری حاصل کر کے طاقت پکڑی اور انگریزوں سے معاہدہ کے تحت دریائے ستلج تک کے علاقے پر اپنا تسلط جمالیا تو وہ کنویں کے مینڈک کے مصداق اپنے آپ کو مہاراجہ کہلوانے لگا اور اپنے زیر قبضہ علاقہ میں تمام عاملان' جاگیرداران اور زمینداران کو بذریعہ ایک حکمنامہ خاص خبردار کیا کہ وہ اسے پنجاب میں سپریم پاور تسلیم کرتے ہوئے حلف و فاداری اٹھائیں اور آئندہ سالانہ خراج سخت تادیبی کارروائی کی جایا کرے گی۔ چنانچہ اس حکمنامہ کی رو

سے اس نے اس وقت کے عامل ملتان مظفر خان جو دربار کابل کایا بگزار تھا نے اس نے حکمنامہ کی کوئی پرواہ نہ کی اور یہی انکار ملتان پر سکھوں کی پے در پے یلغاروں اور بے پناہ مظالم کا باعث بنا۔ اس مہاراجہ نے 1803ء تا 1818ء کے 15 سالہ درمیانی عرصہ میں ملتان پر کئی چھوٹی چھوٹی موٹی یلغاروں کے علاوہ یکے بعد دیگرے پانچ شدید قسم کے حملے کئے جن سے اس سے قدیم تاریخی شہر کا حلیہ بگڑا گیا۔ پیشتر اسکے کہ ان مظالم کی تفصیلات میں جایا جائے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ادارہ عاملان (INSTITUTION OF GOVERNOR SHIP) کی قدرے وضاحت کر دی جائے تاکہ ملتان کی عملداری میں وقتاً فوقتاً بدلتی ہوئی صورت حال کو سمجھنے میں آسانی رہے۔

ادارہ عاملان

(INSTITUTION OF GOVERNOR SHIP) اور ریاست ملتان

سخت گرم آب و ہوا اور تیز رفتار آندھیوں اور جھکڑوں والے علاقہ میں واقع تنگ و تاریک اور پیچدار گلیوں والے رومانی شہرملتان کو جہاں تک تاریخ ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کسی فرمان وانے مستقل طور پر اپنے صدر مقام منتخب کرنا پسند نہیں کیا بلکہ ہمیشہ عاملان کے توسل سے ہی یہاں کا نظم و نسق چلاتے رہے۔ یہ عاملان مقامی جاگیرداروں اور زمینداروں سے خراج و لگان اور سوداگروں و تاجروں سے محصول و آمدنی ٹیکس اکٹھا کر کے مقررہ شرح کے مطابق ہر سال باقاعدگی سے شاہی خزانہ میں جمع کرانے اور اس کے علاوہ فرمانروا سے اظہار وفاداری کے طور پر شاہی تقریبات از قسم رسم تاجپوشی کسی نئے علاقہ کی فتح کی خوشی میں یاشاہی خاندان میں پیدائش اولاد نرینہ اور بیاہ شادیوں کے موقعوں پر تحائف بطور نذرانہ پیش کرنے کے پابند ہوتے تھے۔ مگر جہاں تک عملداری کے اندرونی معملات یعنی نظم و نسق چلانے امن وامان قائم رکھنے پر متفرق اخراجات اور ذرائع آمدنی میں اضافہ کے لئے حالات کے مطابق پالیسیاں مرتب کرنا اور ان پر حسب منشا عمل درآمد کرنے جیسے اقدامات کا تعلق تھا مکمل طور پر آزاد اور

مداخلت کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ چنانچہ یہ طریقہ کار عہد انگلشیہ کے ابتدائی دور کو ختم کر کے انہیں اضلاع اور تحصیلوں میں تقسیم کر دیا اور محدود اختیارات والے عہدیداروں کو بطور ایڈمنسٹریٹرز مقرر کرنا شروع کر دیا۔

ملتان کی پولیٹیکل تقسیم بندی

ان ایام میں حجرہ شاہ مقیم' دیپالپور' ساہیوال' پاکپتن' اوچ' گڑھ مہاراجہ' خان گڑھ' لیہ بھکر اور مظفرگڑھ کے علاوہ راعیوں کی مخصوص زمینداریاں لودھراں' کبیروالہ' میلسی اور جالہ خورد وکلاں جن میں ان کی گوتوں چاچڑ' نین' لالاں' چنن اور گوہیر کے خانوادوں کی کثیر آبادی تھی کے تمام علاقے ملتان کی عملداری میں شمار ہوتے تھے اور نواب مظفر خان والئے ملتان ان سے اجناس یا نقدی کی صورت میں باقاعدہ طور پر سالانہ خراج و لگان اور نذرانے نے وصول کیا کرتا تھا۔

جھنگ اور بہاولپور علیحدہ اکائیاں تھیں مگر ملتان سے ان کے دفاعی معاہدے تھے جن کے تحت وہ بوقت ضرورت ایک دوسرے کو مالی اور افرادی امداد دینے کے پابند تھے۔

رنجیت سنگھ کی ملتان پر پہلی یلغار 1803 میں

1802 کے موسم سرمامیں رنجیت سنگھ نے ریاست قصور کے نواب قطب الدین خان کو جس نے اس کی اطاعت قبول کرنے اور حلف وفاداری اٹھانے سے انکار کر دیا تھا اس حرکت کی سزا دینے کے لئے قصور پر چڑھائی کر دی۔ نواب نے گھٹنے ٹیکتے ہوئے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ حلف وفاداری اٹھایا اور آئندہ باقاعدگی سے خراج کی ادائیگی کا عہد کیا رنجیت سنگھ نے بطور تاوان بھاری رقم وصول کی اور واپس لاہور روانہ ہوا۔لاہور پہنچنے کے کچھ ہی دن بعد وہ نواب مظفر خان والئے ملتان کو اس کے حلف وفاداری اٹھانے کے انکار پر اس کے خلاف تادیبی کاروائی کرنے کے لئے پچیس ہزار

گھوڑ سوار پر مشتمل ایک لشکر جرار لے کر براستہ پنڈی بھٹیاں جھنگ پہنچا۔ وہاں کے چیف احمد خان سیالکوٹ مطیع کیا۔ شہر کو لوٹ کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ احمد خان سیال بمعہ اہل و عیال جان بچا کر بمشکل ملتان پہنچ کر نواب مظفر خان کے پاس پناہ گزیں ہو گیا یہاں سے اس نے رنجیت سنگھ سے بذریعہ خط و کتابت اسے ساٹھ ہزار روپیہ بطور نذرانہ اور اتنی ہی رقم آئندہ ہر سال بطور خراج کی ادائیگی کے عہد نامہ پر دستخط کر کے اسے راضی کر لیا اور 1804ء کے ماہ فروری میں احمد خان واپس جھنگ (جو اس وقت اینٹوں کا ڈھیر بن چکا تھا) پہنچ گیا۔ اس کارروائی کا بعد رنجیت سنگھ نے گڑھ مہاراجہ ساہیوال اور اوچ کے علاقوں پر ہاتھ صاف کیا حلف و فاداری لیا اور نذرانے اکٹھے کرتے ہوا ملتان کی طرف بڑھا۔

مظفرخاں کی دانائی سے ملتان تباہی سے بچ گیا

نواب مظفر خاں کو جب اطلاع ملی کہ سکھ فوج ملتان کی طرف بڑھنے کی تیاریاں کر رہی ہے تو جھنگ کی تباہی اور اسکے چیف احمد خاں سیال کی درگت کا نظارہ اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ کرایہ کے سرحدی پٹھانوں پر مشتمل اس کی مختصر سی فوج رنجیت سنگھ کی انگریزی طرز پر تربیت یافتہ فوج کے اڈتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ اس کے بس کی بات نہیں اور سوائے تباہی و بربادی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا چنانچہ اس آفت سے بچنے لے لئے اسے ایک نئی ترکیب سوجی اس نے رنجیت سنگھ کے خلاف اپنی فوج کو میدان جنگ میں آراستہ کرنے کی بجائے اس کا شاہانہ استقبال کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے کبیر والا کے زمیندار ملاں رکن عالم کو حکم دیا کہ وہ اپنے علاقہ میں واقع سرحدی گاؤں محتمہ (MOHTAMA) کو دلہن کی طرح سجائے اور وہاں ایک بڑا گیٹ بنانے اور دربار منعقد کرنے کے لئے مناسب انتظام کرے حکم کی تعمیل ہوئی اور مظفر خاں بمعہ اپنے پانچوں بیٹوں اور ذاتی عملہ کے غیر مسلح اور زرق برق لباس میں ملبوس قیمتی تحائف لے کر استقبال کے لئے موضع

مذکور میں پہنچ گیا۔ رنجیت سنگھ کی انٹیلی جنس نے صورت حال سے جب اسے مطلع کیا تو وہ بڑا حیران ہو چنانچہ اپنے مشیروں سے مشورہ کے بعد اس نے مخمہ سے تھوڑی دور اپنا کیمپ کیا اور وہاں سے ہاتھی پر سوار اپنے باڈی گارڈ دستہ کی حفاظت میں مخمہ پہنچا جہاں مظفر خاں اور اس کے بیٹوں نے آگے بڑھ کر اس کا پر تپاک استقبال کیا۔ رنجیت سنگھ موضع مذکور میں اس قدر بندوبست دیکھ کر بڑا محظوظ ہوا۔ مظفر خاں نے مہاراجہ سے ملتان رکن عالم زمیندار کیسروالا کا تعارف کرایا مظفر خاں کی انکساری و تابعداری سے رنجیت سنگھ نے اس کے متعلق اپنا خیال بدل دیا اور اس سے بڑی نرمی سے پیش آیا۔ نواب نے حلف وفاداری اٹھایا اور مبلغ ستر ہزار (70,000) روپیہ بطور نذرانہ بمعہ قیمتی تحائف کے پیش کیا اور آئندہ ہر سال باقاعدگی سے مقررہ خراج کی ادائیگی کا عہد باندھا رنجیت سنگھ نے اسے ایک کشمیری شال تحفہ میں دی اور تھوڑی دیر قیام کرنے کے بعد وہ اسی جگہ سے واپس لاہور چلا گیا اور اس طرح نواب مظفر خاں نے دانائی اور بروقت حکمت عملی کو بروئے کار لاتے ہوئے تباہ خیال ریاست کو مزید تباہی اور بربادی سے بچا لیا۔

ملتان پر رنجیت سنگھ کا 1818 میں آخری فیصلہ کن حملہ اور قبضہ

1803ء اور 1818ء کے درمیانی عرصہ میں لنگاؤں، ارغونوں اور وسطی ایشیا سے وقتاً فوقتاً لوٹ کھسوٹ سے ملتان کی اقتصادی حالت پہلے ہی ناگفتہ بہ ہو چکی تھی نواب مظفر خاں رنجیت سنگھ سے کئے گئے وعدہ کے مطابق کوشش لبیار کے باوجود نہ تو باقاعدگی سے خراج کی ادائیگی کر سکا اور نہ ہی اس نے دربار لاہور (رنجیت سنگھ کا پائیہ تخت) سے رابطہ رکھتے ہوئے کبھی کسی خوشی کی تقریب میں کوئی نذرانہ یا تحفہ بھیجا جس سے سرکاری سطح پر اس کی وفاداری پر شک کیا جانے لگا مگر رنجیت سنگھ کی کشمیر اور اٹک پار کے علاقوں میں مصروفیت کی وجہ سے نواب مظفر خاں کے خلاف کوئی موثر کارروائی نہ کی جا سکی تاہم لاہور سے رنجیت سنگھ کے کارندے ہر دوسرے تیسرے سال

آتے رہتے اور لوٹ کھسوٹ کرکے بقایا جات کی وصولی کر کے لے جاتے بعض حالتوں میں نواب سے جب پوری رقم کا بندوبست نہ ہوتا تو یہ ظالم کارندے اپنے ساتھ لائے ہوئے فوجی دستوں کی مدد سے مقامی زمینداروں اور جاگیرداروں کی املاک اور کھڑی فصلوں کو برباد کر کے کمی پوری کرتے اور لاہور واپسی پر رنجیت سنگھ کو مظفر خاں کے خلاف بڑھا چڑھا کر رپورٹ پیش کرتے جس سے وہ ریاست ملتان کی طرف سے دن بدن بدگمان رہنے لگا۔ آخر جب وہ ریاست کشمیر اور سرحدی علاقے کو مطیع کر چکا تو اس کے فوری بعد 1817ء کے آخر میں وہ ریاست ملتان کو اپنی قلمرو میں شامل کرنے کا منصوبہ بنانے لگا۔ چنانچہ دسمبر 1817ء میں اس نے اپنے بیٹے کھڑک سنگھ کی سربراہی میں سام سنگھ اٹاری والا، فتح سنگھ اہلووالیہ، سادھو سنگھ اکالی، جمعیدار خوشحال سنگھ، جمعیداران اور قطب الدین قصوریا جاگیردار دربار خالصہ کی زیر کمان ایک لشکر تیار کیا جس کے ساتھ اب کے زیر ہدائیت میاں غوث محمد کمانڈر انچیف سکھ ارٹلری توپ خانہ کا ایک دستہ بشمولہ جنگی توپ زمزمہ، عطر سنگھ ڈھاری والا آرٹلری آفیسر کی کمان میں بھی شامل کر لیا گیا۔ یہ لشکر جرار میاں میر کیمپ سے عازم ملتان ہوا اور راستہ میں حجرہ شاہ مقیم کے مقام پر دو یوم کے لئے پڑاؤ کیا اور وہاں کے جاگیرداروں میاں شاہ محمد اور میاں عبدالرزاق سے بقایا جات خراج بمعہ تاواب وصول کئے اور بااہلیت اور بدانتظامی کی بہانہ بنا کر ان کی جاگیر کو بحق دربار خالصہ ضبط کر کے ان دونوں بھائیوں کو ملازمت دربار میں لے کر بطور ناظمان وہاں مقرر کر دیا گیا۔ اس کارروائی کے بعد یہ لشکر براستہ دیپالپور اور ساہیوال پاکپتن پہنچا جہاں حضرت بابا فرید شکر گنج کے مزار کے سجادہ نشین دیوان شیخ یار محمد سے عمدہ نسل کا ایک سفید گھوڑا اور ایک ہیروں جڑی تلوار بطور نذرانہ وصول کی اور نئے احکامات کے تحت خراج کی موجودہ رقم بڑھا کہ دس ہزار روپیہ سالانہ کر دی گئی۔ جس کی باقاعدہ ادائیگی کے لئے دیوان سے نئے عہد نامہ پر دستخط لے گئے۔ اس کے بعد یہ لشکر بہاولپور کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں پہنچنے پر کھڑک سنگھ نے

نواب محمد صادق خاں کے ایجنٹس لالہ صوبہ رائے اور لالہ کشن داس سے نئے عہد نامہ کے تحت اسی ہزار روپیہ کے حساب سے دو سال کے بقایا جات خراج وصول کئے اور ریاست کے خرچ پر ایک کیولری رجمنٹ بطور گائیڈ رسالہ حاصل کی گئی۔ چندیوم یہاں قیام کرنے کے بعد یہ لشکر بجانب ملتان روانہ ہوا۔ راستہ میں سامہ راعیوں زمینداریوں لودھراں، کبیروالہ، میلسی اور جالہ سے بحساب چار ہزار روپیہ فی زمینداری نذرانہ اور گھوڑوں کے لیے چارہ حاصل کرتے ہوئے یہ لشکر شہر ملتان کی حدود میں داخل ہو گیا۔

شہر ملتان کے قریب پہنچ کر کھڑک سنگھ نے نواب مظفر خاں کو پیغام بھجوایا کہ اگر وہ والئے کابل شاہ زمان سے اپنے تعلقات منقطع کر کے دربار خالصہ کا دل سے مطیع ہو جائے اور خراج کی بقایا رقم کے علاوہ ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ بطور تاوان اور بیس گھوڑے بطور نذرانہ ادا کر دے تو اس کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتے ہوئے ملتان شہر پر حملہ روک دیا جائے گا اور ریاست بدستور اس کی تحویل میں رہنے دی جائے گی اور اگر ان میں سے کسی شرط کا بھی احترام نہ کیا گیا تو اپنی تباہی کے لئے تیار ہو جاؤ اور یہ کہ اس پیغام کو آخری وارننگ سمجھا جائے۔

نواب مظفر خان خراج اور نذرانے کی باقاعدہ ادائیگی میں تساہل اور غفلت برتنے اور والئے کابل سے تعلقات کی بنا پر رنجیت سنگھ کی برافروختگی اور اس کے بدلتے ہوئے تیور سے بخوبی آگاہ تھا اور اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ایسی کڑی شرائط قبول کرنے کے باوجود سکھ درندے اس کے ساتھ ہرگز کوئی رعات نہیں برتیں گے اور یہ کہ اس کی قسمت کا ستارہ اب غروب ہونے کو ہے اس کے پاس کرایہ کے سرحدی پٹھانوں پر مشتمل ایک برگیڈ نفری کے سوا اور کوئی خاص فوجی طاقت بھی نہ تھی اور اس کے باجگزار علاقوں مظفر گڑھ، خان گڑھ اور تلمبہ میں آباد نومسلم ولیش قوم کے مختلف غیر منظم قبائل جو عربوں کی نقل کرتے ہوئے خود کو ملک کہلواتے تھے آپس میں معمولی معمولی باتوں پر لڑتے جھگڑتے رہتے تھے مگر نواب کی فوجی ملازمت میں آنے اور میدان

میں بارودی ہتھیاروں سے لڑنے سے گھبراتے تھے۔ نواب کی خصوصی اپیل کے باوجود اس کی مدد کو نہ آتے صرف شجاع آباد اور رجانہ کے علاقوں سے داود پوتوں اور سیامہ رائیوں پر مشتمل ایک والنیٹرز کو قائم کر رکھی تھی جس کو ہتھیاروں کی کمی اور قابل لیڈر شپ کے فقدان کے سبب دشمن کا زور توڑنے کے لئے خاطر استعمال نہ کیا جاسکتا تھا تاہم ان کمزوریوں کے باوجود وہ ہتھیار نہیں ڈالنا چاہتا تھا اور جان کی بازی لگا کر سکھوں سے ٹکر لئے بغیر آسانی سے اپنی ریاست ان کے حوالے کرنے کو ہرگز تیار نہ تھا چنانچہ اس نے نہایت سوچ بچار کے بعد وارننگ کے جواب میں لکھا کہ چونکہ آئے دن کے جبری تقاضوں کی بھرمار سے اخراجات میں حد سے زیادہ اضافہ ہونے کی وجہ سے ریاست کی اقتصادی اور مالی حالت نہایت ابتر ہو چکی ہے لہذا اس قدر خطیر رقم کی یکمشت ادائیگی اسکے بس کی بات نہیں ہے اور نہ ہی وہ دربار کابل سے اپنے تعلقات منقطع کر کے اپنے پرانے آقا و محسن کی اطاعت و وفاداری سے روگردانی کر سکتا ہے۔ اگر شرائط پر نظر ثانی کرتے ہوئے بقایا جات کی ادائیگی بذریعہ اقساط کرنے کی اجازت دی جائے اور 20 گھوڑوں کا نذرانہ معاف کر دیا جائے تو وہ ہتھیار ڈالنے کو تیار ہے۔ کھڑک سنگھ نے اس خلاف توقع جواب کے پڑھتے ہی اپنے جتھیداروں سے مشورہ کیا سب نے یک زبان ہو کر نواب کی درخواست کو مسترد کرنے کا مشورہ دیا اور ساتھ ہی ریاست پر قبضہ کر کے روز روز کی اس جھنجھٹ کو ختم کرنے کی خواہش کا اظہار بھی کیا۔ کھڑک سنگھ نے ان مشوروں سے اتفاق کرتے ہوئے عطر سنگھ آرٹلری کمانڈر کو چھوٹی توپوں سے فائر کھولنے کا حکم دیتے ہوئے لڑائی کا آغاز کر دیا چار ماہ تک سکھوں نے قلعے اور شہر کا محاصرہ جاری رکھا ہے۔ محصور نواب بے یارو مددگار ہمت سے کام لیتے ہوئے نہایت بے جگری سے لٹیرے سکھوں کے پندرہ سو کے قریب آدمی بمعہ ان کے آرٹلری کمانڈر کے مارے گئے اور نواب کے پانچ ہزار سپاہیوں میں سے دو ہزار کے قریب کام آچکے تھے۔ بقایا نفری بھی آہستہ آہستہ گھٹتی گی کیونکہ اس میں سے متعدد طمع

خور انعام اور رشوت کے لالچ میں بھگوڑے ہو کر سکھ فوج میں شامل ہونا شروع ہو گئے جہاں انہوں نے نواب کے جنگی پلان۔ فوجی پوزیشن اور قلعہ کے خفیہ دروازوں اور اسلحہ خانہ کی نشاندہی کر کے تمام راز افشا کر دیئے جس سے سکھوں نے اپنے پے در پے۔ حملوں میں شدت پیدا کر کے قلعہ کے قریب پہنچ کر اس کے تمام حفاظتی برجوں کو تباہ کر دیا جس سے کافی جانی نقصان ہوا چنانچہ نواب نے اس خطرناک صورت حال کو بھانپتے ہوئے ہوئے بمعہ اپنے اہل و عیال چھوٹے بھائی ابوبکر' پانچوں بیٹوں شاہنواز خان' حق نواز خاں' ممتاز خان' ایاز خاں' سرفراز خاں اور بچے کچھے چار سو کے قریب وفادار جانبازوں کے قلعہ چھوڑ کر خضری گیٹ کے سامنے مورچے سنبھال لئے مگر یہاں دشمن کا زور بڑھ گیا چنانچہ مورچوں سے نکل کر دست بدست لڑائی شروع ہو گئی کشتوں کے پشتے لگنے لگے اور آخر کار تھکا ماندہ بوڑھا نواب بمعہ عملہ کے داد شجاعت دیتے ہوئے سکھوں کی بربریت کا شکار ہو کر ہمیشہ کی نیند سو گیا اس کا بڑا بیٹا سرفراز خاں سے اوجھل دشمن سے بچتے بچاتے پاس ہی واقع ایک حویلی میں چھپ جانے میں کامیاب ہو گیا جسے بعد میں برامد کر کے حراست میں لے لیا گیا۔ نواب اور اسکے بیٹے شاہنواز کا جسد خاکی قاسم باغ میں حضرات بہاؤ الدین ذکری اکے مزار کے قریب سپرد خاک کیا گیا۔ شہر اور قلعہ میں سکھ لیٹروں نے تیس دن تک لوٹ مار کا بازار گرم کئے رکھا۔ ان کم ظرف لوگوں نے گھر گھر تلاشی لے کر مستوارات کے زیورات اور گھریلو سامان کے علاوہ پار چات تک پر ہاتھ صاف کرنے سے گریز نہ کیا۔ شجاع آباد کا قلعہ فتح کر کے اسکی اینٹ سے اینٹ بجائی اور شہر کو خوب لوٹا۔ ملتان اور جھنگ کا پورا علاقہ ڈھائی لاکھ روپیہ کے عوض ایک بنیا کھتری سکھ دیال کو بطور دیوان اس کی تحویل میں دے کر سکھ فوج کا ایک دستہ مظفر گڑھ' خان گڑھ' گڑھ مہاراجہ' لیہ' بھکر اور تلمبہ کی طرف روانہ کیا گیا جس نے وہاں کے سربراہان قبائل اور تمنداروں کی سرکوبی کے بعد علاقہ کو جی بھر کر لوٹا اور بندر بانٹ کے طریقہ کے مطابق مظفر گڑھ پر خوشحال سنگھ کو حاکم مقرر کیا گیا۔

خان گڑھ، گڑھ مہاراجہ اور تلمبہ کا علاقہ شام سنگھ آٹاری والا کی تحویل میں دے دیا گیا اور قلعہ ملتان پر بابا بھاگ سنگھ کو قلعدار مقرر کر کے خالصہ فوج فتح نصرت کے شادیانے بجاتی ہوئی لاہور واپس ہوئی۔ کھڑک سنگھ نے رنجیت سنگھ کو اس مہم کی پوری کارروائی اور فتح ملتان کی خوشخبری اور لوٹی ہوئی دولت کا پورا گوشوارہ پیش کیا۔ رنجیت سنگھ اب پورے کشمیر، سرحدی صوبہ اور شمال میں واقع تمام پہاڑی علاقہ پر اپنا تسلط جما چکا تھا۔ وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ لاہور شہر میں تیس دن تک جشن فتح منایا گیا۔ رات کو چراغاں کیا گیا اور مٹھائیاں تقسیم کی گئیں۔ سرفراز خاں پسر متوفی نواب مظفر خاں کو رہا کر کے اسے شرق پور اور نولکھا کی جاگیروں سے نوازا گیا مگر کچھ ہی عرصہ بعد اس بھوکے جٹ نے یہ جاگیریں واپس لے لیں اور اسے معمولی نقد پنشن دے کر فارغ کر دیا گیا۔

ملتان پر انگریزوں کی یلغار اور مولراج کھتری کی عملداری کا خاتمہ 1848ء میں

سکھ دیال کھتری نے ڈھائی لاکھ روپے نذرانہ کی خطیر رقم ادا کر کے ملتان کی عملداری حاصل کی تھی چنانچہ اس نے اپنی رقم پوری کرنے کے لئے ہر خاص و عام پر بڑے بڑے ٹیکس لگا دیئے۔ مزاری لغاری، کھوسہ اور کھوکھر قبائل کے تمنداروں سے بڑی بڑی رقومات بٹوریں اور تھوڑے عرصہ میں اپنی کمی پوری کر لی۔ خواجہ شمس تبریز کی نیلی مسجد اور عیدگاہ کے نوحی علاقہ میں ایک عمدہ باغ لگوایا جس میں اپنی رہائش کے لئے ایک خوشنما محل تعمیر کرایا جس کا نام خاص و عام رکھا گیا تین سال تک کامیاب عامل رہنے کے بعد وہ اس جہان فانی سے کوچ کر گیا اس کی موت کے بعد اسے کے اکلوتے بیٹے ساون مل نے 1826ء میں دس لاکھ روپیہ نذرانہ کے عوض عملداری سنبھالی۔ یہ بنیا بڑی سوجھ بوجھ کا مالک ثابت ہوا اپنے اختیارات سنبھالتے ہی حکمت عملی سے آہستہ آہستہ تمام سکھ عہدیداران کو نکال کر ان کی جگہ اپنے رشتہ داران کو تعینات کر کے غیر منظم اور عصبیت کا شکار مزاری لغاری کھوسہ اور کھوکھر قبائل پر اپنی

گرفت مضبوط کرلی۔ قلعہ ملتان اور شجاع آباد کی بہتر طریقہ پر دوبارہ مرمت کروائی۔ دیواروں کی تمیں فٹ بلند کرایا گیا اور اردگرد خندقیں کھدوا کر ان میں پانی بھر دیا گیا۔ فوج کو نئے سرے سے استوار کیا اور اس کی توسیع کے لئے سرحدی پٹھانوں اور پنجابی جاٹ سکھوں کی نفری کم کر کے گورکھوں اور مذہبی سکھوں کو بھرتی کیا گیا زرعی پیداوار کی ترقی میں خصوصی دل چسپی لی۔ کبیروالا کے زمیندار ملاں ولی محمد اور سادہ سامہ کی افرادی قوت کے تعاون سے اس نے ولی محمد والا کے نام سے ایک نہر کھدائی جس سے ملتان کے گردو نوح میں پھیلی ہوئی اراضیات کی ترقی میں گراں قدر اضافہ ہوا 1839ء میں جب رنجیت سنگھ مرگیا اور اس کے ساتھ ہی سکھا شاہی کا خاتمہ ہوا اور مرکزیت نام کی کوئی چیز باقی نہ رہی اور سکھ حصول اقتدار کے لئے آپس میں جوتم پیزار ہونے لگے تو اس چالاک کھتری نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ریاست سے ملحقہ علاقے چیچہ وطنی، ضلع کچھی اور بٹی ہتھیار کر شامل عملداری کر لی اور سالانہ خراج کی ادائیگی بھی روک لی جس سے ظاہر ہونے لگا کہ شاید وہ بہت جلد پنجاب کی سیاست میں کوئی اہم کردار ادا کرے گا مگر اس کی عمر نے وفانہ کی اور 1844ء میں وہ چل بسا اس کی موت کے بعد اس کے بڑے بیٹے مولراج نے تیس لاکھ روپیہ بطور نذرانہ ادا کر کے عملداری حاصل کی مگر اس کے ساتھ ہی اسے ایک مشکل یہ پیش آگئی کہ سکھوں نے اس کے باپ کے وقتوں کے بقایا جات جو ستر لاکھ روپوں سے بھی زائد کی رقم بنتی تھی کی ادائیگی کا مطالبہ بھی کر دیا۔ اس نے بظاہر تو اس رقم کی ادائیگی کی بذریعہ اقساط حامی بھرلی مگر اندر سے وہ اس ادائیگی سے انکاری تھا۔ واپس ملتان پہنچ کر اعتبار جمانے کے لئے وہ تین سال تک تو باقاعدگی سے قسطیں بھیجتا رہا مگر اس کے بعد اس نے ادائیگیاں بند کر دیں۔ چنانچہ 1844ء کے ماہ جنوری میں جب مولراج کی طرف سے کوئی قسط موصول نہ ہوئی تو نام نہاد سکھ دربار (جس پر اب انگریزوں کا مکمل قبضہ ہو چکا تھا) نے سخت الفاظ میں ایک حکمنامہ اس کے نام لکھا مولراج نے یہ حکمنامہ موصول ہونے

کے بعد رقم کی ادائیگی سے معذوری ظاہر کرتے ہوئے ملتان کی دیوانی سے اپنا استعفیٰ بھیج دیا جسے فوراً منظور کر لیا گیا اور اس جگہ ایک سکھ کاہن سنگھ کا عامل ملتان مقرر کر دیا گیا جسے ایک انگریز سول آفیسر مسٹر اے۔ پی۔ وانس ایگینو (AGNEW A-P-VANSE) اور لیفٹیننٹ اینڈرسن بمعہ ایک گورکھ پلٹن اور سکھ رسالہ اور ایک دستہ توپ خانہ کی حفاظتیں ملتان میں روانہ کر دیا گیا۔ ملتان پہنچنے پر کاہن سنگھ کو مولراج نے بغیر کسی توقف کے چارج دے دیا۔ بظاہر تو سب اچھا دکھائی دے رہا تھا کہ اچانک مذہبی سکھ پلٹن کا ایک سپاہی کہیں سے نمودار ہو اور اس نے آگے بڑھ کر پہلے نیزہ سے اور فوراً بعد میں تلوار سے دونوں گورے افسروں پر بھرپور وار کیا جس سے وہ شدید زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اس واقع کی خبر پھیلتے ہی شہر میں سنسنی پھیل گئی۔ مذہبی سکھ گودڑ سنگھ کی اس پہل سے مولراج کی چھپی ہوئی ایک پیدل پلٹن نے کاہن سنگھ کے ہمراہ آئی ہوئی گورکھ اور سکھ پلٹنوں کے ڈیوٹی پر متعین متعدد سپاہیوں پر ہلہ بول دیا اور انہیں ٹھکانے لگا دیا جس کے ساتھ ہی فریقین میں گھمسان کی جنگ شروع ہو گی۔ انگریز زخمیوں کی بروقت مرہم پٹی کے انتظامات نہ ہونے کیوجہ سے ان میں سے مسٹر وانس ایگینو کی زیادہ خون بہنے سے موت واقع ہو گئی۔ مگر فوجی افسر لیفٹیننٹ اینڈرسن باوجود خون بہنے کے ابھی تک ہوش میں تھا چنانچہ اس نے عجلت میں ریزیڈنٹ لاہور سرجان لارنس کے نام ایک خط لکھ جو اسی وقت ایک خاص ایلچی کے ہاتھ روانہ کر دیا گیا۔ اس کے چند منٹ بعد اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ مولراج کی پوری فوج اب کھل کر میدان میں آچکی تھی چنانچہ اس نے لاہور سے آئی ہوئی سکھ لیولری رجمنٹ اور توپخانہ کے پورے دستہ کا آن واحد میں صفایا کر دیا۔ کاہن سنگھ کی گورکھا پلٹن مولراج کی گورکھا پلٹن سے مل گئی اور قلعہ پر مولراج کا جھنڈا لہرانے لگا۔ لیفٹیننٹ اینڈرسن کا خط ہی ریزیڈنٹ لاہور نے ریاست بہاول پور کے نواب بہاول خان کو امدادی کمک ملتان روانہ کرنے کی ہدایت کی چنانچہ اس نے فوری طور پر اپنی تمام

فوج جو پانچ ہزار داؤد پوتوں اور ساموں پر مشتمل تھی ملتان کی طرف روانہ کردی۔ دوسری طرف جنوب چھاونی سے لیفٹیننٹ ایڈورڈز کی زیر کمان ایک سکھ پلٹن جو اپنے بہادرانہ کارناموں کی وجہ سے سورج مکھی پلٹن کے نام سے مشہور براستہ ڈیرہ غازی خان ملتان پہنچ گئی اور ریزیڈنٹ خود ایک گورا بریگیڈ لے کرعازم ملتان ہوا ملتان کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا گیا۔ تین ماہ تک پوری ریاست میں مختلف مقامات پر لڑائیاں ہوتی رہیں اور آخر کار جولائی 1848ء کے پہلے ہفتے میں مولراج کے قدم اکھڑ گئے اور قلعہ پر انگریزوں نے قبضہ کر کے برطانیہ کا جھنڈا گاڑ دیا۔ مولراج کو گرفتار کر کے قلعہ لاہور لایا گیا جہاں بغاوت کے جرم میں اس پر مقدمہ چلایا گیا اور ایک فوجی عدالت نے اسے عمر قید کی سزا دی۔

شہر ملتان کو گوروں سکھوں اور گورکھوں نے جی بھر کر لوٹا۔ قلعہ شجاع آباد کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ دونوں شہروں میں تین دن تک قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم رہا۔ ہزاروں عورتوں کی عصمتیں لوٹی گئیں۔ مولراج کا خوشنما محل اور باغ پیوند خاک کر کے اسکے جاہ و جلال کا نشان ہٹا دیا گیا۔ نواب بہاولپور کو اس کی خدمات کے صلے میں ایک لاکھ روپیہ سالانہ پنشن سے نوازا گیا اور دیگر کئی افراد جنہوں نے انگریزوں کی کسی نہ کسی شکل میں مدد کی تھی کو نقد انعامات و خطابات اور جاگیریں عطا ہوئیں۔

ملتانی سمہ راعین

قبیلہ سامہ اور اس کی تینوں شاخوں سے متعلق جن بنیادی اور اہم نکات کی پچھلے ابواب میں وضاحت کی گئی ہے ان سے ایک مکمل اور مربوط تصویر ذہن میں اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک سرسہ وال سامہ راعیوں کے تذکرہ کے ساتھ ملتانی سامہ راعیوں کی طرز زندگی گفتار و کردار سیاسی اور معاشی پوزیشن پر ایک سرسری نظر نہ

ڈالی جائے لہٰذا اس ضرورت کے تحت زیر نظر عنواں تحریر کیا جارہا ہے۔

ملتان پر قبضہ اور 1849ء میں چلیانوالہ کے میدان میں انگریزوں نے آخری بار سکھوں کو ذلت آمیز شکست دے کر پنجاب پر اپنا تسلط قائم کرنے کے بعد پورے علاقہ کا سروے کیا اور ضلیوار گزیٹرز اور مردم شماری رپوٹ تیار کی جسکے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان ایام میں ملتان اور ساہی وال کے علاقوں میں زیادہ تر سامہ راعین جاٹ' کھوکھراور شہری علاقوں میں کہیں کہیں لغاری' مزاری' گردیزی' خاکوامی اور گورمانی وغیرہ خاندانوں کے لوگوں کے علاوہ ہندو قبائل میں سے کچھی' کومی' سینی' کمبوہ' مالی' پکھوارہ جیسی کاشتکار براوریوں کے لوگ آباد تھے۔ ساہیوال میں چاچڑ اورنیں گوتوں کے سامہ راعیوں کی آباد تھی جب کی ضلع ملتان کے علاقہ لودھراں' کبیروالہ' میلسی اور جالہ میں ان گوتوں کے علاوہ لامان' چنن اور گوہیرگوتوں کے رائیں زیادہ تر آباد تھے اور دوسری زراعت پیشہ براوریوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ اراضیات اور جاگیروں کے مالک تھے اورعباسی گروپ کے رکن ہونے کی حیثیت سے ملاں کے معزز لقب سے پکارے جاتے تھے۔ ان کے سربراہان اور بڑے زمیندار ملان ملتان کے بڑے نام با بکرار ہوتے تھے اور متعلقہ خراج و لگان ادا کرنے کے علاوہ اپنے علاقہ کے اندرونی معاملات میں وہ مکمل طور پر آزاد اور خودمختار ہوا کرتے تھے۔ وہ اپنی شرافت اور کوشاکلاقی کے باعث علاقہ بھر میں نہایت عزت و توقیر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی اپنی عدالتیں ہواکرتی تھیں جہاں ہر قسم کے دیوانی اور فوجداری مقدامات کے فیصلے ہوتے تھے۔ سب سے بڑھ کر ان میں خاص وصف یہ تھا کہ لنگاوں کی ہلڑبازی کے زمانہ کے بعد ملتان کے ہر عامل سے بھرپور تعاون کرتے ہوئے ریاست کی فلاح و بہبود اور خوشحالی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور دوسری برادریوں کی طرح جو آئے دن دولت کے لالچ میں پاؤر کے مارے عاملان سے اپنی وفاداریاں تبدیل کرتی رہتی تھیں۔ یہ لوگ کبھی سوداباذی نہ کرتے اور ہمیشہ ثابت.قدمی کا ثبوت دیتے ہوئے غیر مشروط طور پر اپنی وفاداری کا اظہار

کرتے تھے۔ انہیں زمینداریوں میں سے 1746ء میں میاں نور محمد کہوڑہ کے زمانہ میں تعلقہ بھکر اور پرگنہ جتوئی کے گورنر ملاں جنید ابرانہ سامہ کی دعوت پر دو مقتدر زمینداروں شیخ محمد عثمان اور شیخ عبدالحمید بمعہ اپنے حفاظتی فوجی دستوں کے شرانگیز داو دپوتوں پر کنٹرول رکھنے کے لیے وہاں منتقل ہوگے جہاں میاں نور محمد نے انہیں فوجی اخراجات برداشت کرنے کے لے اضافی جاگیروں سے نوازا اور ان کے ایک لائق رشتہ دار شیخ غلام محمد کو ٹھٹھہ کاگورنر مقرر کر دی۔

فن زراعت میں جہاں وہ اپنے سندھی استادوں سے بڑھ کر مثالی درجہ رکھتے تھے وہاں علم و ادب اور دینی خدمات میں بھی پیش پیش تھے۔ انہیں میں سے شاہجہان کے دور میں مشہور منجم صوفی ملاں فرید ہوئے ہیں جنہیں زائچہ شاہجہانی تیار کرنے کا شرف حاصل ہے ۔علم نجوم میں ترقی کے لیے انہوں نے یونیورسٹی کی بنیادوں پر ایک ادارہ ملتان میں قائم کر رکھا تھا جس کی ایک شاخ دہلی میں بھی کھول رکھی تھی جس میں حصول تعلیم کے لیے طالب علم دور دور سے آتے تھے۔ شاہجہان نے ان اداروں کی سرپرستی کرتے ہوئے ان کے نام جاگیریں لگا رکھی تھیں۔ انہیں راعیوں میں سے ملاں یعقوب ابراہ اتالیق مرزاباقی بیگ ترخان ہوئے ہیں جن کی خدمات کے اعتراف میں اس نے اپنے بے تدبیر اور نالائق وزیر مرزا محمد یعقوب بیگ کوکہ کی جاگیر چھین کر ملاں صاحب کے نام لگا دی۔ ساون مل عامل ملتان کے زمانہ میں عربی' فارسی اور ہندی زبانوں میں ماہر ملاں داؤد ہوئے ہیں جنہوں نے عربی اور فارسی میں لکھی ہوئی دینی کتب کا عام فہم لوک زبان سرائیکی میں ترجمہ کر کے شعروں میں نہایت موثر اور خوبصورت انداز میں بیان کر کے ایک منظوم مجموعہ تیار کیا جس کانام چنین (CHANAIN) رکھ ۔ملتان شہر میں آپ نے ایک دینی مدرسہ جاری کر رکھا تھا اور سینکڑوں ہندوؤں کو مشرف بہ اسلام کرنے کا سہرا آپ کے سر ہے۔ مولراج عامل ملتان کے دنوں سے جو بڑے بڑے سامہ راعین زمینداران چلے آرہے تھے۔ گزیٹز اور مردم شماری کی تیاری کے وقتوں

تک ان میں سے مندرجہ ذیل چار نامور بزرگان زندہ تھے۔

1- ملاں سردار محمد چیف آف کیکری وپرگنہ ملیسی
2- ملاں نور محمد رئیس اعظم و ذیلدار لودھراں
3- ملاں عیسیٰ رئیس اعظم و ذیلدار کبیروالہ
4- ملاں حسین بخش چیف آف جالہ خورد وکلاں

گزیٹز میں جہاں ان علاقوں کے سامہ راعیوں کی گوناگوں سماجی، سیاسی، معاشی اور دینی سرگرمیوں اور ان کے سربراہان کی ذاتی صفات اور کردار کا کھلے بندوں اعتراف کیاگیا ہے وہاں ان کی بعض مبینہ اخلاقی کمزوریوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہوئے اس برادری پر کیچڑ اچھالنے کی مزموم کوشش بھی کی گئی ہے۔ چنانچہ ساہیوال اور جالہ کے علاقوں میں آباد سامہ راعیوں کو چوری چکاری اور ڈاکہ جیسے جرائم کا عادی ظاہر کیا گیا اور خاص کر جالہ کے علاقہ میں قائم سدہ سامہ رائیں عدالتوں پر اخلاقی جرائم کے مرتکب رائیں ملزمان سے اعانت کرنے اور انہیں صاف بری کرنے جیسے غیر منصفانہ اور غیر اسلامی الزامات لگائے گئے ہیں اور گزیٹز میں انہیں کہاوتوں کے صورت میں درج کرکے دکھایا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں ایک مثال

The Raeen of jalaare The judges and criminals in one

یعنی جالے دے رائین۔ آپے چورتے آپے سائیں

گزیٹز میں ریکارڈ شدہ یہ کہاوت اس شریف النفس اور عالی ظرف برادری کے ماتھے پر ایک بدنما دھبہ ہے جسے اولین فرصت میں مٹانے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اضلاع مذکور کی راعی انجمنوں پرلازم آتا ہے کہ وہ گھر گھر جا کر ان الزمات کی باقاعدہ چھان بین اور تحقیق کریں اور بے بنیاد ہونے کی صورت میں ان ریمارکس کو گزیٹرز میں سے حذف کرئیں۔ دوسری دلچسپ اور قابل غور بات یہ ہے کہ جاٹ برادری کو ساہیوال

اور ملتان میں سماجی اور معاشی لحاظ سے کم تر درجہ کی سوسائٹی ظاہر کیا گیا ہے اور اس کے بعض افراد اور روچ کے پیروں جو سید بخاری کہلاتے تھے کے کردار کی نشاندہی بھی کی گئی ہے چنانچہ ملتان کے اس وقت کا سیٹلمنٹ آفیسر مسٹر میکیگن ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ملتان کے رہنے والے ایک غریب جاٹ مراد بخش نامی کو 1847ء میں اور بعدازاں 1857ء میں انگریزی حکومت کی کسی خدمت کے صلہ میں ضلع ملتان میں کچھ اراضی عطا ہوئی جس سے اس کی مالی حالت بہتر ہو گئی مگر علاقہ میں جاٹوں کی کمتر سماجی پوزیشن کے پیش نظر وشدید قسم کے احسس کمتری میں مبتلا ہو گیا اور اپنے آپ کو جاٹ کہلوانے میں شرم محسوس کرنے لگا۔ چنانچہ تسکین روح کے لئے وہ اوچ کے پیر بخاری کے پاس پہنچا اور اس سے اپنے شجرہ نسب تبدیل کرنے کے بارے میں بات چیت کی۔ پیر بخاری اس کی بات سن کر اس سے معاوضہ کامطالبہ کرنے لگا چنانچہ مبلغ دو سو روپے سودا طے ہو گیا اور پیر بخاری یہ رقم بطور رشوت' نذرانہ وصول کر کے جاٹ مذکورہ کو سید بخاری بنا دیا جس کے بعد وہ جاٹ اپنے آپ کو پیر زادہ مراد بخش کہلوانے لگا۔

گزیٹرز میں ان سرانگیز اور گھٹیا قسم کے اندراجات سے کمینے انگریز نے اپنے کم ظرف چمچوں اور قوم کش طمع خور لوگوں کی ملی بھگت سے مختلف برادریوں میں احساس کمتری و برتری کے جذبات کو خوب ہوا دی جسے ان کے خلاف قومی سطح پر اتفاق و یک جہتی قائم نہ ہو سکی جو کمینے انگریز کی مطلب براری کے حق میں جاتی تھی۔ وہ سادہ لوح لوگوں کے جذبات سے کھیلتے ہوئے جسے چاہتا آسمان پر پہنچا دیتا اور جسے چاہتا تعرمذلت میں ڈال دیتا تھا۔

کتابیں جن سے استفادہ کیا گیا

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	صفحہ
1	ڈکشنری آف اسلام	از ٹی۔ پی۔ ہگز مطبوعہ 1885 بزبان انگریزی	
2	تاریخ سندھ	از ایف آر برٹن مطبوعہ 1851 بزبان انگریزی	
3	مراج الذہب	از مسعودی طبری بزبان انگریزی	
4	پرشین لٹریچر جلد اول حصہ اول	از سی اے سٹوری	
5	ابتدائی خلافت عباسیہ	از ہگ کینیڈی پروفیسر آف ہسٹری سینٹ اینڈریوز یونیورسٹی آف سکاٹ لینڈ بزبان انگریزی مطبوعہ 1979ء	86
6	سٹڈیز ان اسلامک کلچر ان انڈیا	از عزیز احمد اسوشیٹ پروفیسر آف اسلامک کلچر یونیورسٹی آف ٹورانٹو بزبان انگریزی مطبوعہ 1964ء	
7	سوشل لائف انڈر عباسی	از ایم احساب بزبان انگریزی بابت لباس	34 تا 69
8	دی ونڈر ویٹ واز انڈیا (The Wonder That India)	از اے ایل باشم پروفیسر آف ایشین ایشین سولیزیشن نیشنل یونیورسٹی آف کینبرا آسٹریلیا	
9	شارٹ ہسٹری آف سارا سینز	از سید امیر علی بزبان انگریزی	

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	صفحہ
10	کیمبرج ہسٹری آف انڈیا (مغل دور) جلد چہارم	از سر رچرڈ بزبان انگریزی	
11	بہاولپور ہسٹری۔ تاریخ مراد	از سید مراد شاہ گردیزی چیف جج آف بہاولپور مطبوعہ 1866ء بزبان انگریزی	
12	ایتھروگرافی (کاسٹ اینڈ ٹرائب) (Caste and Tribe)	از سر اے بینز مطبوعہ 1912ء بزبان انگریزی	
13	ہندو کاسٹس اینڈ سیکٹ گلاسری آف پنجاب ٹرائبز اینڈ کاسٹ جلد دوم	از بھٹاچاریہ جے این مطبوعہ 1896ء بزبان انگریزی	
14	ہندو ٹرائبس اینڈ کاسٹس جلد دوئم	از ریونڈ ایم اے شیرنگ مطبوعہ 1879ء بزبان انگریزی	
15	تحفۃ الکرام	انگریزی ترجمہ از ای ایچ ایلیٹ و شیخ محمد اعظم دربار بہاولپور اسٹیٹ و کپتان پوسٹنز مطبوعہ 1809ء بزبان فارسی	3 تا 31
16	ہسٹری آف انڈیا	از ڈاکٹر مس سرلا دیوی پروفیسر آف ہسٹری یونیورسٹی آف نیو دہلی بزبان انگریزی	121
17	جنگی یادداشتہائے (پنجاب)	از میجر پی تھرن 1870ء بزبان انگریزی	
18	تاریخ انندرام	از انندرام (ذکربات آدینہ بیگ وزکریا خاں)	
19	پولیٹیکل انڈیا	از سر ایون کاٹن سی آئی ای پریزیڈنگ بنگال اسمبلی بزبان انگریزی مضمون	

صفحہ	مصنف	نام کتاب	نمبر شمار
		بابت سر میاں محمد شفیع	
201 تا 206	از مسٹر جواہر لعل نہرو بزبان انگریزی	تلاش ہند (Discovery of India)	20
263	از ڈاکٹر گستاولی بان	تمدن ہند	21
	از ایشور انو پا بزبان اردو	ہندوستان تمدن	22
	از مس کیتھرائن میو مطبوعہ 1928ء بزبان انگریزی	مدر انڈیا (Mother India)	23
	از لیفٹیننٹ کرنل سی ایچ کورٹ مطبوعہ 1888ء پنجابی سے ترجمہ انگریزی	سکھاں دے راج دی واکھیہ	24
	از حکیم عبدالحئی آف لکھنو بزبان اردو	ہندوستان مسلم راج کے دوران اور احوال ملتان	25
	از اجیت پرشاد نیو دہلی مطبوعہ 1964ء	احوال میاں رفیع احمد قدوائی	26
17 تا 19	از جے ولسن مطبوعہ 1882ء بزبان انگریزی	ضلع سرسہ میں مختلف قبائل کے رسم و رواج (Triba Customs in Sarsa Distt)	27
	از بلاذری اور ابن خلدون سے اقتباسات بزبان انگریزی	تاریخ اسلام	28
307 تا 308	ایڈیٹر بائی امتیاز احمد و ظفر امام منوہر بک سروس لیڈ نیو لائنگ مین آف اورینٹ نیو دہلی مطبوعہ 1975ء	کاسٹ اینڈ سوشل سر ٹیفیکیشن درمیان مسلمان ہند	29
294	از اعجاز الحق قدوسی	تاریخ سندھ	30
	از محمد اکبر مطبوعہ 1948ء بزبان انگریزی	پنجاب انڈر دی مغل	31

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	صفحہ
32	سکیچ آف دی سکھ (Sketch of The Sikh)	از لیفٹیننٹ کرنل سر جان میکن بزبان انگریزی	92
33	شمشیر خالصہ (احوال سکھاں از 1705 تا 1969)	از گیانی گیان سنگھ بزبان اردو	
34	تاریخ سکھاں (History of the Sikh)	از پریتم سنگھ گل معرکہ بھیروال میں میاں عبدالرحمن اور میاں حاجی شیخ نظام دین کی مغل شہزادہ خسرو کو فوجی امداد	149
35	دی کاسٹ سسٹم ان ناردن انڈیا	از ایڈورڈ اے ایچ بلنٹ مطبوعہ مدارس آکسفورڈ پریس 1931ء	184
36	بانڈیج اینڈ فریڈم (Bondage & Freedom)	از وشیشر پرشاد جلد دوم بہلت سر محمد شفیع جنگ آزادی ہند میں بزبان انگریزی	378 تا 383
37	ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا (Ancient India)	از اردن بھٹہ چارجی سٹرلنگ پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ نیو دہلی بنگلور اور جالندھر	334
38	گزیٹئر آف انڈیا	ایڈیٹر بائی ڈاکٹر پی این چوپڑہ جلد دوئم	
39	سندھ گزیٹئر	از ای ایچ ایٹکن مطبوعہ 1907ء	
40	گزیٹئر آف سندھ پراونس	از اے ڈبلیو ہگز مطبوعہ 1874ء	
41	پنجاب سٹیٹ گزیٹئر (چناب کالونی)	مطبوعہ 1905ء	
42	بہاولپور سٹیٹ سٹیٹسٹیکل ٹیبلز جلد 45 حصہ (ب)	مطبوعہ 1935ء	
43	بہاولپور سٹیٹ گزیٹئرز جلد 36	مطبوعہ 1904ء	
44	گزیٹئر آف رامپور سٹیٹ		

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	صفحہ
45	گزٹیئرز آف جالندھر	مطبوعہ 1904ء	
46	سینسز آف انڈیا (پنجاب) جلد اول	مطبوعہ 1891ء	29-289
47	گزیٹیئر آف سیالکوٹ	مطبوعہ 93-1883ء	
48	گزیٹیئر آف امرتسر	مطبوعہ 93-1892ء	
49	گزیٹیئر آف حصار	مطبوعہ 93-1892ء	
50	گزیٹیئر آف فیروزپور	مطبوعہ 89-1888ء	
51	گزیٹیئر آف منٹگمری (ساہیوال)	مطبوعہ 84-1883ء	69-68
52	گزیٹئر آف ملتان	مطبوعہ ای ڈی میکلیگن 2-1901	184-83
53	رپورٹ بابت ملتان راعین	از مولوی محمد حسین ڈسٹرکٹ جج ضلع ملتان 2-1901	
54	گزیٹئر آف بریلی	مطبوعہ 1911ء	
55	گزیٹئر آف جوناگڑھ	مطبوعہ 89-1888ء	
56	گزیٹئر آف ملتان ڈسٹرکٹ	مطبوعہ 84-1883ء	62-56
57	گزیٹئر آف بہاولپور	مطبوعہ 83-1882ء	
58	کاسٹ اینڈ ریس ان انڈیا	از جی ایس گورے مطبوعہ 1979ء طبع شدہ آر جی بھٹکل برائے پاپولر پرکاش پرائیویٹ لیمٹڈ 35 سی تاردیو بمبئی	
59	ہسٹاریکل اینڈ کلچرل ڈکشنری آف انڈیا	از جارج تھامس کریاں بابت محمد روہیل علی (جس کے نام پر روہیل کھنڈ کا موجودہ علاقہ ہے) بزبان انگریزی	328
60	ہسٹری آف دی سکھ نیشن	از پریتم سنگھ گل بزبان انگریزی	149

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	صفحہ
61	امپیریل گزیٹیر آف انڈیا (پنجاب) جلد اول	مطبوعہ 1908ء	48
62	مردم شماری رپورٹ xiv مجاریہ 1911 جلد اول بابت چناب و جہلم کالونی سکیم		84
63	ہسٹری آف دی پنجاب	از سید محمد لطیف ایکسٹرا جوڈیشنل کمشنر گورداسپور مطبوع 1891ء بزبان انگریزی	23 16 58-57 214 230
64	دی مغل نوبلٹ انڈر اورنگ زیب مطبوعہ 1930ء بزبان انگریزی	از پروفیسر اطہر علی ریڈر ان ہسٹری یونیورسٹی آف علی گڑھ انڈیا	فہرست منصبداران
65	وزڈم آف دی ویسٹ (Wisdom of the West)	از برٹرینڈ رسل بزبان انگریزی	150
66	ڈکشنری آف ہندوستانی لینگویج مطبوعہ 1848	از ڈنکن فاربز Duncon Forbes	208
67	تحفۃ الطاہری	از میاں محمد اعظم بن شیخ محمد آف ٹھٹھہ مطبوعہ 1775ء بزبان فارسی	102
68	بادشاہ نامہ	از ملاں عبدالحمید الھور بزبان فارسی	75
69	یادداشتہائے مولوی محمد دین بٹالوی قلمی نسخہ بزبان فارسی	مورخ و ہمعصر نواب آدینہ بیگ رائیں	
70	دی مینیفسیٹو آف بغداد (The Manifesto of Baghdad)	سر ولیم میو مورخ بزبان انگریزی	1 تعارفی آرٹیکل
71	این ہسٹورینز اپیروچ ٹو ریلیجن	آرنلڈ ٹوئن بی	110

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	صفحہ
	(An Historian's Approach to Religon		
72	این ایکسپوریشن آف انڈیا جیولاجیکل پرسپیکٹوآن سوشل اینڈ کلچرل مضمون (An exploration of India-Geo Perspective Patternship of Culture	ازڈاکٹرڈیوڈسوفربزبان انگریزی	307 308
73	یادداشتہائے سرولیم جونز جلد سوم		113
74	اقتباسات ازڈکشنری آف رومن اور یونانی قوم مطبوعہ 1829ء	مسٹرای سمتھ سٹاف کورآفیسر حکومت بمبئی	
75	انڈین اسمپائز مطبوعہ 1886ء	ازمسٹرجی ہنٹر	169
76	اقتباسات ازیادداشتہائے مسٹر ایل رینلز اور مسٹر آر این کسیٹ مطبوعہ 1881ء کلکتہ (Memoris Mr. L.rancels and Mr. R.N.Cusser Culcutta		
77	ایڈوانس ہسٹری آف دی پنجاب جلد دوئم	ڈاکٹر جی ایس چھبر انچارج شعبہ تاریخ یونیورسٹی کالج جموں بزبان انگریزی	31 2 94 55 15 13
78	انڈیا اینڈ ہر پیپل (India and Her People	منور امامد حوک مطبوعہ 1940ء لندن ونیوارک بزبان انگریزی	
79	سوشل کلچرل اینڈ اکونامیکل	ڈاکٹر ایس سی رائے چوہدری	

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	صفحہ
	ہسٹری آف انڈیا	مطبوعہ 1987ء دہلی بزبان انگریزی	
80	احوال رنجیت سنگھ	فقیر سید وحید الدین لاہور بزبان انگریزی	
81	چچ نامہ جلد اول	مرزا خلیق بیگ 'فریدوں بیگ 'ڈپٹی	vii
		کلکٹر نوشہرہ 'حیدرآباد 'اور دیارام	49
		گدومل' سیشن جج شکارپور مطبوعہ 1900	151
		بزبان انگریزی	170
	چچ نامہ جلد دوئم	مرزا خلیق بیگ فریدوں بیگ ڈپٹی	6 19
		کلکٹر نوشہراہ' حیدرآباد و دیارام گدومل	28 29
		سیشن جج شکارپور مطبوعہ 1900ء	209
		بزبان انگریزی	
83	یادداشتہائے عبدالکریم علوی	قلمی نسخہ بزبان فارسی	
	مورخ آف لاہور		
84	تاریخ موصومی	محمد معصوم بھکری انگریزی ترجمہ	
		از کپتان جی.جی میلٹ مطبوعہ 1800ء	
		بزبان فارسی	
85	عمدۃ التاریخ جلد اول	از سوہن لال بزبان فارسی	163
86	تاریخ پنجاب (قلمی نسخہ)	از میں غلام محی الدین علوی	119
		المعروف بوٹے شاہ لدھیانوی	123
		مطبوعہ 1856ء بزبان فارسی قلمی نسخہ	
87	تاریخ لاہور	از دیوان امر ناتھ قلمی نسخہ	80
		بزبان فارسی	121

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	صفحہ
88	احوال آدینہ بیگ (قلمی نسخہ)	مطبوعہ 1806ء بزبان فارسی	
89	ورڈکٹ آن انڈیا (Verdicton India)	از بیورلے نکلس بزبان فارسی Beverley Nichlos	133
90	ایوولیوشن آف دی خالصہ (Evelution of the Khalsa	اندوبھوشن بینرجی	52
91	انڈین پیجنٹ (Indian Pageant)	مسٹر ایف ییٹس براون (F. Yates Brown) بزبان انگریزی	80
92	دبستان جلد دوئم (Debastan)	از محسن فانی بزبان فارسی	247

راعین قوم اور اُس کی عظمت

قرآن پاک میں ارشاد ہے

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (/ الحجرات)

(ترجمہ) "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت (حضرت آدمؑ اور حضرت حوا) سے پیدا کیا اور قبائل و شعوب میں تقسیم کر دیا تاکہ تمہاری شناخت رہے' بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ نیک اور پارسا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار اور متقی ہے"۔

یہ تاریخ بظاہر قبیلہ راعیں کے لئے لکھی گئی ہے تاہم ہمسایہ قبیلوں سے اخوت و محبت کے فروغ میں "داستان راعیاں" یقیناً" اہم کردار ادا کرے گی۔ داستان راعیاں کی اشاعت سے مراد کسی ہمسایہ قبیلہ پر برتری ثابت کرنا یا ایک دوسرے کی تذلیل کرنا ہرگز مقصود نہیں بلکہ تاریخی حقائق کی نقاب کشائی کرتے ہوئے قوم کو دینی و دنیاوی سر بلندی کی دعوت عمل دینا ہے تاکہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر ملک و قوم کیلئے سرمایہ افتخار ثابت ہو سکے۔ کسی قوم کے لئے سب سے زیادہ ضرر رساں پہلو یہ ہے کہ اس میں شعور کی تربیت کا فقدان ہو۔ ایک ایسی قوم جو ہر طرح کی خدا داد صلاحیتیں رکھنے کے علاوہ دینی اور دنیاوی دولتوں سے مالا مال ہو۔ اگر اپنی تمام تر دینی ترقی اور دنیاوی سرفرازیوں کے باوجود اپنے گلے سے گمنامی کا طوق نہیں اتارتی تو یہ اس قوم کی بدقسمتی ہوتی ہے۔

راعین قوم کی تاریخ سے متعلق محققین اور مورخین کی ایک کثیر تعداد مشاہدہ کر چکی ہے انگلستان کی لائبریریوں میں برصغیر پاک و ہند کی قوم پرستی پر لکھی گئی درجنوں ایسی کتب موجود ہیں جن میں قومیت کی حد بندیوں سے لے کر سائنٹیفک ترقی اور عہد جدید کے انکشافات کے تفصیلا" تذکرے ملتے ہیں۔ لیکن انگریز مورخین کی کتب

کامطالعہ کرنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ برصغیر کی قوموں کا ذکر کرتے وقت بعض قوموں کو بوجوہ انتقام کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ فلسفہ اقوام پر بحث کرتے ہوئے پروفیسر جوڑ (Pof Joad) لکھتے ہیں کہ "قومی عظمت کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ قوم کے پاس ایسی طاقت ہو جس سے وہ بوقت ضرورت اپنی خواہش و ارادہ کو دوسروں پر مسلط کر سکے اور یہ وہ قومی عظمت ہے جو آئیڈیل کا درجہ رکھتی ہے"۔

یہ کس قدر افسوسناک بات کہ رائین قوم اپنی کثیر آبادی اور بہترین وسائل کے باوجود اپنی تاریخی و ارتقائی مسافت میں دوسروں سے بہت پیچھے ہے۔ اس مردہ دلی اور افسردی کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہمارا دل قومی تپش سے خالی ہو چکا ہے۔

طبیب عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا
تیرا مرض ہے فقط آرزو کی بے نیشی

قوم پرست تو ہمیشہ چھوٹی اور کمزور قوموں کو قومی عصبیت کی تبلیغ، زبان و تہذیب کی حدود اور ان کے عہد ماضی کی شان و شوکت میں مبالغہ آرائی کر کے تعمیری صلاحیتوں سے محروم کرتے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج کے انسانی معاشرے میں احساس کمتری اور احساس برتری کی فضا غالب آ چکی ہے۔

رائین قوم کو خواب خرگوش سے بیدار کرنے اور ان کے تابناک ماضی سے روشناس کرانے کے لئے ایک طویل سفر کرنا ہو گا۔ جس کی ابتداء ہمیں اپنے گھر سے کرنی ہے۔ ہمیں پاکستان کے ہر قصبہ تحصیل، شہر اور بیرو ملک کے ہر گوشہ میں جہاں جہاں ہماری آبادیاں موجود ہیں رائین تنظیمیں قائم کرنی ہیں تاکہ ہم تہذیب و اخلاق اور معاشرت کے وہی اصول اپنا سکیں اور اجتماعیت کے متعلق وہی نقطہ نظر اختیار کر سکیں جو آج سے صدیوں پیشتر ہمارے آباؤ اجداد کا خاصہ تھا۔

موجود دور میں گو خاندانی اور قبائلی زندگی میں افراد کے معیار اور تعلقات کی

وابستگی کو دولت کے پیمانہ سے ماپا جا رہا ہے لیکن پھر بھی انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری ہے کہ پریشان حال، تنگ دست اور مستحق افراد سے بلا امتیاز رنگ و نسل سلوک کیا جائے۔

برادریاں یا تنظیمیں قائم کرنے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہونی چاہئے کہ موجودہ پر آشوب دور میں خود غرضی اور نفسانیت کا خاتمہ کیا جا سکے۔

اگر کسی قبیلہ یا گروہ کے باہمی تعلقات اور روابط کی جڑیں دل و دماغ میں اس قدر مضبوط ہو جائیں کہ ان کا اکھاڑنا مشکل ہو جائے تو ایسے تعلقات تازیست قائم رہتے ہیں۔ ایسی قومیں ہی انس وہ محبت کی بدولت زندگی کی حقیقتی اقدار سے فیض یاب ہوتی ہیں۔ لیکن انتہائے ستم کہ ہماری قوم میں اتحاد و اتفاق کی کمی نے کئی ایسے مسائل پیدا کر دیئے ہیں جو آنے والی نسلوں کے لئے بھی ایک پریشان کن الجھن بن سکتے ہیں۔ جن قوموں کا شعور اور احساس خودی فنا ہو جائے وہ ہمیشہ بدامنی کا شکار رہتی ہیں۔ ہمارے اندر نا اتفاقی نے ایک ایسی غیر طبعی حالت پیدا کر دی ہے جس کو ایک دن بھی باقی رکھنا ہمارے لئے نقصان دہ اور اذیت ناک ہے۔ ہمارے قومی رہنماؤں کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ سازگار فضاء قائم رکھیں جبکہ دوسرے افراد کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے رہنماؤں پر اعتماد کرنا سیکھیں۔ بدنظمی اور کج روی سے راعین قوم کے متاثر ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم آج تک اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا نہیں کر سکے۔

اب ہمیں از سر نو اپنے راستے متعین کرنے ہوں گے، خود غرضی اور خود پسندی کو دور کر کے اپنے اندر خلوص، اتحاد، باہمی محبت اور جذبہ ایثار کو جگہ دینی ہو گی۔

"خود غرضی" ایک ایسی بیماری ہے جو شخصی ہو یا خاندانی جماعتی ہو یا طبقاتی، قوموں کی زندگی کے لئے سب سے زیادہ خطرناک اور مہلک ہوتی ہے اسلام اور بیدار نسانی معاشرے میں خود غرضی کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے بالخصوص وہ عربی النسل قوم

جو امیر امداد الدین محمد قاسم بن عقیل ثقفی جیسے بہادر جرنیل کے ساتھ سندھ میں آئی اسے اس مرض سے چھٹکارا حاصل کرنا ہو گا۔

یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ راعین قوم نے اپنی بہت سے خصوصیات کو ضائع کر دیا جو ایک قومی المیہ ہے۔ تقسیم و تربیت' شجاعت و بہادری اور خود داری جیسے اوصاف بھلا دیئے گئے ہیں ان اوصاف کے فقدان نے ہمیں احساس کمتری میں جتلا کر رکھا ہے اور ہم محکوموں سی زندگی گزار رہے ہیں جب تک ہم اپنے درخشندہ ماضی کو واپس نہیں لاتے۔ اس وقت تک قومی بقاء و استحام میں ہمارا کامیاب ہونا مشکل ہے۔

آیئے ہم خلوص دل سے عہد کریں کہ آج سے ہم ایک نیا سفر جاری کریں گے اپنی گم شدہ منزل کو پانے کے لئے۔

طاہر جمیل نورانی بانی و سرپرست اعلیٰ انجمن راعیاں (یو کے)

14 اگست 1998ء

کچھ مصنف کے بارے میں

والد مرحوم و مغفور نے اپنی تمام تر زندگی اصولوں کے طابع رکھی اپنی عسکری زندگی کے دوران دنیا کے بیشتر ممالک میں جن میں افریکہ ' کانگو ' یو این او ' برما شامل ہیں اپنی عسکری خدمات سرانجام دیں پاک فوج میں 32 برس گزارنے کے بعد ریٹائرمنٹ پر اپنے اپ کو علاقہ کے فلاحی اور سماجی کاموں کے لئے وقف کر دیا۔ سیالکوٹ کی نواحی بستی گوہدپور میں انتہائی کڑے اور مشکل حالات میں لڑکیوں کے لئے ہائی سکول تعمیر کروایا۔ حکومت کی جگہ پر غیر تجوزات کو گرانے اور غیر قانونی طور پر قابضین کا تنہا مقابلہ کر کے سکول کے لئے اراضی کا حصول وہ دشوار کن مرحلہ تھا جس کے لئے انہیں متعدد بار مارشل لاء اور پولیس کی امداد حاصل کرنا پڑی۔

والد مرحوم علاقہ کی فلاحی تنظیم انجمن رفاہ عامہ کے 5 برس تک جنرل سیکرٹری' انجمن راعیاں سیالکوٹ کے رکن اور انجمن راعیاں گوہدپور کے بانی رکن تھے فوجی خدمات کے عوض حکومت پاکستان کی جانب سے تمغہ پاکستان' تمغہ جنگ اور تمغہ خدمت کے اعزازت حاصل کئے جبکہ برما اور کانگو میں عسکری خدمات کے عوض تمغہ کانگو اور ستارہ برما کا اعزاز حاصل کیا۔ ریٹائرمنٹ کے چند برس بعد آپ لندن تشریف لے آئے اور یہاں برادری میں بیداری اور قبیلہ کی تاریخی حیثیت سے متعلق معلومات

حاصل کرنے کے لئے انڈیا آفس لائبریری کو اپنے مطالعہ کا مسکن بنا لیا 5 برس کی گہری تحقیق کے بعد آخر داستان راعیں مرتب کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

والد مرحوم نے زندگی کے 86 سال اصول پسندی نڈر اور بے باک تحریر و تقریر میں گزارے، راعین قبیلے میں بیداری، باہمتوی اور جرات پیدا کرنے کے لئے ہمیشہ اپنے آپ کو سرفہرست پیش کیا اور یوں برطانیہ میں انجمن راعیاں کا پودا لگانے والی یہ شخصیت 21 جون 1997ء کو لندن میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملی انا للہ وانا لیہ راجعون

نیاز مند

طاہر جمیل نورانی

سابق سب ایڈیٹر

روزنامہ آواز لندن

سابق ایڈیٹر

"ماہنامہ سپیکر لندن"

محترمی طاہر جمیل نورانی صاحب

داستان راعیاں کا یورپی ایڈیشن شائع کرنے پر میری جانب سے دل مبارک باد قبول کریں کہ برطانیہ' یورپ اور امریکہ میں مقیم برادری کے لئے یہ کتاب یقیناً" اپنی نوعیت کی نادر کتاب ہو گی آپ کے والد مرحوم جن دنوں اسے لکھ رہے تھے ان سے لندن میں ملاقات کے دوران ہی اس کی ضخامت معلوم ہو گئی تھی انڈیا آفس لائبریری سے ہزاروں برس قدیمی نسخوں کا حصول اور پھر ان کے تراجم وہ مشکل ترین کام تھا جو آپ نے شبانہ روز محنت کے بعد مکمل کر دکھایا۔ میں داستان راعیاں کا اول ایڈیشن پڑھ چکا ہوں جس میں حقیقتاً" قبیلے کی وہ تاریخ بیان کی گئی جو پاکستان میں نایاب تھی آپکی تحریروں سے تو ہم یہاں لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں مگر داستان راعیاں میں آپ کی معاونت سے بھی کافی متاثر ہوا ہوں۔

میری سیاسی اور سماجی مصروفیات کا یہ حال ہے کہ برطانیہ اور یورپ کے بعض دوروں پر آپ سے ملاقات کئے بغیر واپس لوٹنا پڑتا ہے سکاٹ لینڈ میں جتنا عرصہ قیام کرتا ہوں اس کی حاضری اکثر آپ کے پاس رہتی ہے میں آپ کے جوش ایمان کے لئے دعاگو ہوں۔

آپ کا بھائی

میاں محمد آصف

سابق ایم این اے

سابق پارلیمانی سیکرٹری

برائے صنعت و تجارت حکومت پاکستان

25 اپریل 1998ء

برادرم طاہر جمیل نورانی صاحب

مجھے یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی کہ آپ داستان راعیاں کے یورپی ایڈیشن کی اشاعت کا اہتمام کر رہے ہیں رائین قبیلہ کی نشاۃ ثانیہ کو اجاگر کرنے اور قبیلہ میں اتحاد و یکجہتی کے فروغ کے لئے برطانیہ میں آپ نے جس محنت اور خلوص سے کام کیا ہے اس کا مجھے پوری طرح احساس ہے داستان راعیاں کے مطالعہ سے جہاں مجھے تاریخی حقائق کا علم ہوا ہے وہاں قیام پاکستان میں قبیلہ کے کردار سے بھی واقفیت ہوئی ہے۔ بلا شبہ ہمیں اپنے قبیلے پر فخر ہے۔

میری مصروفیات آپ سے زیادہ بھلا اور کون جانتا ہے تاہم میری بھرپور کوشش ہوتی ہے کہ انگلستان کے دورہ پر آپ سے کم از کم ملاقات ضرور ہو آپ کی انسان دوستی پر فخر ہے اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

نیاز مند

محمد اعجاز الحق' ایم این اے سابق وفاقی وزیر

و سینئر نائب صدر پاکستان مسلم لیگ

اسلام آباد

مارچ 1998ء

برادر عزیز نورانی صاحب

سلام مسنون

آپ کے والد مرحوم سے میری محبت اور انسیت کا شاید آپ اندازہ نہ کر پائیں لیکن میرے لئے مرحوم والد کا درجہ رکھتے تھے۔ برادری کے لئے ان کے جذبے اور بے باکی کا اندازہ ہے گوجر خان کے ایک جلسے میں کئی برس قبل ہوا تھا ان دنوں بھی ویلفیئر کا قلمدان میرے پاس تھا آپ کے والد مرحوم کی تقریر نے کچھ اس طرح کا ماحول پیدا کیا کہ مجھے اسٹیج سے نیچے اتر کے ان کی نیاز مندی کا اعزاز حاصل کرنا پڑا۔ آپ نے حقیقتاً" داستان راعیاں کا دوسرا ایڈیشن برائے یورپ شائع کروا کر واقعی قبیلے پر بہت بڑا احسان کیا ہے آپ کی صحافتی تحریروں سے میں تو ویسے ہی لطف اندوز ہوتا ہوں مگر اب یورپی ایڈیشن کی نئی گیٹ اپ یقیناً" متاثر کرے گی۔

بہت کوشش کرتا ہوں کہ اپنے برطانوی دوروں کی آپ کو بروقت اطلاع دے سکوں مگر جانتا ہوں کہ آپ کی ناراضگی مجھے بعض اوقات بہت مہنگی پڑتی ہے امید ہے داستان راعیاں کا یہ ایڈیشن یورپ اور امریکہ میں پھیلے قبیلے کے افراد کے لئے نایاب نسخہ رہے گا اللہ تعالٰی آپ کا حامی و ناصر ہوں۔ امین

دعاگو

چودہری محمد ریاض

صوبائی وزیر برائے

کواپریٹو حکومت پنجاب لاہور

23 مارچ 1998ء

جناب طاہر جمیل نورانی صاحب

اسلام علیکم!

آپ کے نام اور کام کا کافی عرصہ سے غائبانہ تعارف تھا مگر مجھے یہ ہرگز علم نہ تھا کہ "راعیوں" کو خواب خرگوش سے جگانے کے لئے آپ نے برطانیہ میں ایک بہت بڑا جال پھیلا رکھا ہے برادر عزیز چوہدری ریاض جو ان دنوں پنجاب کے صوبائی وزیر بھی ہیں آپ کے بارے میں کئی مرتبہ ذکر کر چکے تھے مگر آپ سے ملاقات کی تشنگی پوری نہ ہو سکی۔ اگلے روز جب وزیر موصوف کے دفتر میں ملاقات ہوئی تو مجھے یوں لگا جیسے کوئی گم ہوئی چیز مل گئی ہو۔ میں آپ کے جوش ایمان کے لئے دعاگو ہوں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بات کرنے اور پھر بات کو صفحہ قرطاس پر بکھیرنے کے ڈھنگ سے خوب آشنا کر رکھا ہے اللہ کرے زور قلم اور ہو آمین۔ "داستان راعیاں" کی عالمی سطح پر کامیابی کے لئے دلی دعاگو ہوں مجھے راعیں ہونے پر فخر ہے اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو آمین۔

والسلام

چوہدری اسد الرحمٰن

(ایم این اے) کمالیہ

عزیزم طاہر جمیل نورانی صاحب

ڈھیروں سلام

"داستان رحمیاں" کا یورپی ایڈیشن شائع کر کے آپ قبیلہ کی بہت بڑی خدمت کر رہے ہیں ہماری نشاۃ ثانیہ کے لئے آپ کا یہ اقدام یقیناً" قابل ستائش ہے لندن میں آپ کے اجلاسوں میں چونکہ مجھے بھی حاضری کا شرف حاصل، ہوتا رہا ہے اس لئے یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کی محنت و کاوش قطعی رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ تاریخ میں آپ کا نام لکھا جائے گا۔ بڑے کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں کو کتابی شکل دے کر اپنا نام ہمیشہ کے لئے رقم کر جاتے ہیں۔

برادری اور قبیلہ کے لئے برطانیہ میں آپ کی خدمات کا مجھے ہی نہیں بلکہ وطن عزیز کے ہر فرد کو پورا پورا اعتراف ہے اللہ تعالیٰ آپ کو ایسے کام کرنے کی مزید ہمت عطا فرمائے۔ آمین

نیاز مند

میاں انور الحق رامے (ایم این اے)

پارلیمانی سیکرٹری برائے اطلاعات و نشریات

حکومت پاکستان اسلام آباد

مارچ 1998ء

برادرم نورانی صاحب

داستان راعیاں کے یورپی ایڈیشن کی اشاعت پر میری جانب سے دلی مبارک باد قبول فرمائیں۔ جب تک لندن رہا آپ کے بلائے اجلاسوں اور سالانہ کنونشنوں میں حاضر ہوتا رہا۔ اور یوں آپ کی اخباری تحریروں سے بھی تشنگی دور ہوتی رہی مگر جس روز سے ایم۔این۔اے اور وزارت دفاع میں پارلیمانی سیکرٹری منتخب ہوا ہوں۔ آپ سے رابطہ کا سلسلہ بھی دھیمہ پڑ گیا ہے۔

بخدا میرے متعلق کبھی غلط اندازہ مت لگائیں کہ آپ میرے بھائی نہیں "وبیلے اور الفورڈ" کی شامیں بھلا نہیں سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ داستان راعیاں لکھتے وقت آپ کو کس قدر مشکلات سے دو چار ہونا پڑا۔ مجھے یقین ہے کہ ہماری ہمسایہ قومیں بھی اس کتاب سے ضرورت استفادہ حاصل کریں گی۔ مجھے یورپی ایڈیشن پڑھنے کا انتظار رہے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

چودھری خورشید زمان (ایم-این-اے)
پارلیمانی سیکرٹری برائے وزارت دفاع
اسلام آباد

داستانِ راعیاں
برّصغیر کی قوموں کی ثقافت و معاشرت کا تاریخی جائزہ
محمّد شریف صوبیدار میجر (ریٹائرڈ) تمغۂ خدمت